

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

سیرت کبریٰ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور انبیائے دنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد دوم

جس میں ہاشمیں کا عام مقاطعہ، حبشہ کی طرف دوسری ہجرت، آپ کو زنی، زرا اور حکومت کا پیشکش
حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق کا قبول اسلام، ابوطالب اور ام المومنین خدیجہ کا سفر آخرت
مجلس ایدار سانی کا قیام، معراج، تبلیغی دورے، ان شرب کی بیعت اسلام، معجزہ شق القمر،
صحابہ کرام کی ہجرت، آپ کی ہجرت مقدسہ، قبا میں رود، مدینہ منورہ میں داخلہ، مہاجرین
و انصار میں اخوت و یگانگت کا قیام، حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام، مسجد نبوی
کی تعمیر، منافقوں کا ظہور، یہود سے معاہدہ صلح، یہودی قوم کے اعزاف و افکار کے اسباب
سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کی شادی، یحیٰی قبلہ اور خضعت رمضان، مسلمانوں کو تلوار اٹھانے
کی اجازت، غزوہ بدر، سیدہ زینب کی ولایت، ہریت بدر کی انتقام جوی اور وہ سکریم و اتعاف میں

مولانا ابوالقاسم فیض علی گلاوی، امیر تبلیغ، سیر ذوالنورین، فاطمہ شامی کبریٰ
رئیس قادیان وغیرہ

ناشر: مکتبہ صدیقیہ بیرون بوہڑ دروازہ ملتان شہر

قیمت - 4/8/- RS.

تعداد ۱۲۵۰

بدر اول

فصل ۱۰۔ قریش کی طرف سے ہاشمیوں کا عام مقابلہ

معاہدہ کا سقف کعبہ سے آویزاں کیا جاتا تھا۔ جب اکابر قریش کو معلوم ہوا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و ممانعت کا عمل کیا ہے تو نبوت کے ساتویں سال پہلی محرم کو تمام قبائل قریش نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں گے کوئی شخص ان سے ملاقات اور بات چیت نہ کرے گا۔ ان کے ہاتھ نہ پیچھے لگے گا، ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ پہنچنے دے گا۔ کسی قسم کی کوئی بداداری نہ برتے گا۔ ان کے ساتھ رشتہ بیاہ نہ کرے گا۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نام ایک شخص کے ہاتھ سے لکھا گیا۔ اس پر قبائل قریش کے قریب قریب تمام سربراہ آوردہ افراد نے دستخط یا نشان کیے اور جب مرتب ہو چکا تو کعبہ معلیٰ کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔

ہاشمیوں کے ہاتھ سودا بیچنے کی قسم اس معاہدہ کے بعد ہاشمیوں اور بنو مطلب کا عام مقابلہ شروع ہو گیا۔ ابونعیم بغدادی صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے کے باعث پہلے ہی اپنے خاندان سے کشیدہ خاطر تھا لیکن اب وہ عذر ہمیشہ کے لیے بنو ہاشم سے کٹ کر قریش کے دوسرے قبائل میں جا ملا۔ اعدائے ہاشم اور مطلب کی اولاد سے میل ملاقات، سلام و پیام یک قلم موقوف کر دیا۔ دکانداروں نے ان کے ہاتھ سودا فروخت کرنے کی قسم کھالی۔ ہر قسم کا تعاون اٹھ گیا۔ قریش ان تمام اشیاء خوردنی کو جن کی نسبت کوئی ادنیٰ احتمال ہوتا تھا کہ ہاشمیوں کے ہاتھ پڑ جائیں گی ہر قیمت پر فی الفور خرید لیتے تھے۔ جب ان کے کانوں میں بھنک پڑتی کہ کہیں سے سودا اگر غلہ لارہے ہیں تو شہر سے دور نکل کر راستہ میں جا لیتے اور تمام اناج جس قیمت پر بھی مل سکتا خرید لیتے۔

ان حالات سے مجبور ہو کر ابوطالب ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کی تمام اولاد و احباب کو ساتھ لے کر پہاڑ کے ایک درہ میں جو ہاشمیوں کا موروثی تھا جا پناہ گزیں ہوئے اور ان کے سوا کوئی مکان مقفل ہو گئے۔ لیکن درہ میں کوئی چیز میسر نہ تھی کیونکہ دشمنوں نے درہ کو ہر طرف سے محصور

کر لیا تھا اور کھالے پیئے کی کوئی چیز نہ پہنچنے دیتے تھے۔ جب ہاشمیوں کے ننھے ننھے بچے بھوک سے ہلکتے تھے تو سیاہ دل بت پرست خوش ہوتے اور ان کے پتھر دل کسی طرح نہ پسیتے۔ (ابن جریر طبری)

ہاشمیوں کو بھوکوں مارنے کی ان تھک کوششیں

کوئی چیز درہ میں نہ پہنچ سکتی تھی۔ طلح نام ایک خادوار درخت ریگستان عرب میں ہوتا ہے۔ بنو ہاشم اس کے پتے کھا کھا کر دن کاٹتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ ایک فاقہ کش ہاشمی کو رات کے وقت سوکھا ہوا چمڑا کہیں سے ہاتھ آگیا۔ اس نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ اس کو اچھی طرح دھو کر آگ پر بھونا۔ پھر کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستوں کی طرح پیارا روض الاف

حضرت خدیجہؓ کے پاس گھیسوں لے جانے میں مزاحمت

ہو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال کی مدت اس طرح گزارا کہ ان کو علانیہ کوئی چیز دستیاب نہ ہوتی تھی اور اگر کسی چیز پر دسترس پاتے تھے تو وہ وہی ہوتی تھی جو حضرت ابو بکر صدیقؓ یا دوسرے جان تباروں کی طرف سے کسی طرح چوری چھپے پہنچا دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ہنوز مشرف اسلام سے بہرہ ور نہ ہوئے تھے کسی قدر گھیسوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی کے پاس درہ میں بھیجا۔ ابو جہل کو پتہ چل گیا۔ جھٹ اونٹ پر سوار ہو کر پہنچا اور غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا میں تجھے ہاشمیوں کے پاس گھیسوں نہ لے جانے دوں گا اور سارے مکہ میں تجھے ذلیل کروں گا۔

اتفاق سے ابو بختری بن ہشام بن عارت نام ایک غیر مسلم رئیس وہاں پہنچا اور ابو جہل سے پوچھنے لگا کیا قصہ ہے؟ ابو جہل نے کہا یہ حکیم بن حزام کا غلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے گھیسوں لیے جاتا ہے اور میں مانع ہوں۔

ابو بختری کے ہاتھوں ابو جہل کی سرکوبی

ابو بختری نے کہا حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گھیسوں اس کے پاس امانت رکھا تھا وہ

اس نے منگوا یا ہو گا۔ جانے دو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ابو جہل بولا میں ہرگز نہ جانے دوں گا۔ ابو بختری نے کہا ایک شخص اپنی فاقہ کش پھوپھی کی امانت واپس کرتا ہے مگر تیری شقاوت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ ابو جہل اور ابو بختری میں سخت کلامی ہونے لگی اور پھر بڑھتے بڑھتے ہاتھ پائی تک نفرت پہنچ گئی۔ ابو بختری نے ابو جہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زور سے مروڑی اور جھٹکا دے کر اونٹ کو بٹھالیا۔ پھر ابو جہل کو منڈی سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا اور سر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ سر پھوٹ گیا۔ ابو جہل کے سر سے خون کا فوارہ جاری تھا لیکن ابو بختری نے اسے اب بھی نہ چھوڑا۔ خوب ٹھوکریں لگائیں اور بری طرح ذلیل و پامال کیا۔

اتفاق سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابتداء سے آدیزش ہی میں وہاں پہنچ کر یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ ابو جہل کو اپنے پٹے اور زخمی ہونے کا اتنا رنج نہیں تھا جتنا اس بات کا صدمہ تھا کہ حمزہ بننے اس کی ذلت و رسوائی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور وہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو یہ خبر سنائیں گے اور وہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔ (ابن ہشام و ابن جریر طبری)

ایام مقاطعہ میں قریظہ تبلیغ کا اٹھاک

بادجو دیکھ محسوری اور مقاطعہ اور فاقہ کشی کی مشکلات نے نہایت خوفناک شدت اختیار کر رکھی تھی اور ابو طالب کو ہر وقت سڑا دو جان صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے لئے پرے رہتے تھے تاہم اس مدت میں بھی دائی توحید علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے قریظہ تبلیغ و اشاعت سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہ تھی۔ آپ اس نازک دور میں بھی بدستور اپنی قوم قریش کو علانیہ یا مخفی شبے روز اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ اس زمانہ میں وحی الہی بھی لگاتار نازل ہوتی رہی اور اہل دلوہی حسب معتاد آتے رہے۔ خدا سے یمن ان ایام میں برابر خلیفۃ اللہ علی الارض کی مخالفت کرنے والوں کی نسبت مخمکف و عیدیں نازل فرماتا اور اپنے رسول کو ہر قسم کی ہدایات سے قوی پشت کرتا رہا (ابن جریر طبری)

فصل ۱۷۱ حبشہ کی طرف صحابہ کرامؓ کی دوسری ہجرت

حبشہ سے صحابہ کے مراجعت فرمانے کے بعد قریش کی ظلم آرائیاں حد برداشت سے

بڑھ گئی تھیں اس لیے ہاشمیوں کا مقابلہ شروع ہونے کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیفگان حق و صدق کی درخواست پر انہیں دوبارہ حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن اب کی مرتبہ ہجرت کرنا پہلے کی طرح کوئی آسان کام نہ تھا، تاہم جس طرح بن پڑا سٹو سے زیادہ مرد و زن نہایت اخفاء کے ساتھ تھوڑے تھوڑے کر کے حبشہ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ذیل میں ہر خاندان کے ہاجرین و ہاجرات کے اسماء گرامی سیرت ابن ہشام سے نقل کیے جاتے ہیں۔ صرف ایک نام (دعد بنت جحدم) کا اضافہ تاریخ ابن کثیر سے کیا گیا ہے۔

بنو ہاشم (۱) جعفر بن ابی طالب (۲) ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس۔ عبد اللہ بن جعفر حبشہ میں متولد ہوئے۔

بنو اُمیہ (۱) حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن اُمیہ (۲) ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ (۳) عمرو بن سعید بن ابوالعاص بن اُمیہ (۴) ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان (۵) ان کے بھائی خالد بن سعید بن ابوالعاص بن اُمیہ (۶) ان کی بیوی امینہ بنت خلف بن اسعد خزاعی۔ حبشہ میں ان کے ایک لڑکا سعید بن خالد اور ایک لڑکی اُمہ بنت خالد متولد ہوئی۔ کچھ زمانہ کے بعد اُمہ سے حضرت زبیر بن عوام رحمہ نے نکاح کیا جن سے عمرو بن زبیر اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔

بنو اسد بن خزیمہ (۱) عبد اللہ بن جحش بن ریاب (۲) ان کا بھائی عبید اللہ بن جحش (۳) عبید اللہ کی بیوی اُم خبیہہ رملہ بنت ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ (۴) قیس بن عبد اللہ (۵) قیس کی بیوی برکتہ بنت یسار (۶) معیقب بن ابی فاطمہ۔

بنو عبد شمس بن عبد مناف ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس جو امیر معاویہؓ کے حقیقی ماموں تھے۔

بنو نوفل بن عبد مناف عتبہ بن غزوہ ان جو ہمد فاروقی میں بصرہ کے حاکم تھے۔

بنو اسد بن عبد العزیٰ (۱) زبیر بن عوام بن خویلد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹی ادبھائی اور اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے برادرِ زادہ تھے (۲) اسود بن

نوفل بن خویلد بن اسد (۳) یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد (۴) عمرو بن اُمیہ بن بن حارث بن اسد۔

بنو عبد بن قصی طیب بن عمیر

بنو عبدالدار بن قصی (۱) مُصعب بن عُمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار (۲) ان کے بھائی
ابو اروم بن عُمیر (۳) سوہیط بن سعد بن حریلہ (۴) جهم بن قیس (۵) جهم

کی بیوی ام حرم بنت عبدالاسود۔ ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی (۶) عمرو بن جهم اور (۷) خزیمہ
بنت جهم (۸) فراس بن نضر بن حارث۔

بنو زہرہ بن کلاب (۱) عبدالرحمن بن عوف (۲) ناصر بن ابی وقاص (۳) ابو وقاص مالک
بن اُنیب بن عبد مناف بن زہرہ (۴) مُقلب بن اذہر بن عبد عوف۔

(۵) ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف۔ حبشہ میں ان کے فرزند عبداللہ بن مُقلب پیدا ہوئے۔

بنو ہذیل (۱) عبداللہ بن مسعود (۲) ان کے بھائی عُتبہ بن مسعود۔

بنو بہراء مقداد بن عمرو

بنو تمیم (۱) حارث بن خالد بن مخر (۲) ان کی بیوی رطلہ بنت حارث حبشہ میں ان کے یولادیں ہوئیں۔
سوی بن حارث، مائشہ بنت حارث، زینب بنت حارث، فاطمہ بنت حارث (۳) عمرو بن عثمان۔

بنو مخزوم یعنی ابو جہل کا خاندان (۱) عبداللہ معروف بہ ابوسلمہ بن عبدالاسد (۲) ان کی بیوی
ہند اُم سلمہ بنت ابی اُمیہ بن مخیرہ۔ حبشہ میں ان کے ایک لڑکی زینب بنت

ابی سلمہ پیدا ہوئیں۔ ابوسلمہ کی رحلت کے بعد ان کی بیوہ اُم سلمہ کرام المؤمنین بننے کا شرف
حاصل ہوا (۳) عثمان بن عثمان بن شریذ معروف بہ شماس جو غیر معمولی حسین و جمیل ہونے کے

باعث شماس کے لقب سے مشہور تھے (۴) ہبہار بن سیفان (۵) ان کے بھائی عبداللہ بن سیفان
(۶) ہشام بن ابی خذیفہ (۷) سلمہ بن ہشام جو ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے (۸) عیاش بن ابی یحییٰ

(۹) عقب بن عوف۔

بنو جحج (۱) عثمان بن ملحون (۲) ان کے فرزند سائب بن عثمان (۳) ان کے بھائی قدام بن
ملحون (۴) عبداللہ بن ملحون (۵) عاتب بن حارث بن معمر (۶) ان کی بیوی فاطمہ

بنت مجمل اور ان کے دو بیٹے (۷) محمد بن عاتب اور (۸) حارث بن عاتب (۹) ان کے بھائی
خطاب بن حارث (۱۰) خطاب کی بیوی فکیہہ بنت یسار (۱۱) سیفان بن معمر اور ان کے دو بیٹے۔

(۱۲) جابر بن سیفان اور (۱۳) جوادہ بن سیفان (۱۴) سیفان بن معمر کی بیوی حسنہ (۱۵) حسنہ کے
پہلے شوہر کے پسر شریذ بن حسنہ (۱۶) عثمان بن ربیعہ۔

بنو سہم بن عمرو (۱) خنیس بن حذافہ (۲) عبداللہ بن حارث (۳) ہشام بن عامر (۴) قیس

بن حذافہ (۵) ابوقیس بن حوث (۶) عبداللہ بن حذافہ بن قیس (۷) حوث بن حوث بن قیس (۸) معمر بن حوث بن قیس (۹) بشر بن حوث (۱۰) سید بن عثم (۱۱) سید بن حوث بن قیس (۱۲) سائب بن حوث بن قیس (۱۳) عمیر بن ریاب (۱۴) مخیمہ بن جزمہ۔

بنو عدی بن کعب | معمر بن عبداللہ بن نعلہ (۲) عروہ بن عبدالعزیٰ (۳) عدی بن نعلہ بن عبدالعزیٰ (۴) نعمان بن عدی (۵) عامر بن ربیعہ (۶) ان کی بیوی یسلی بنت ابی حمثہ۔

بنو عامر بن لوی | (۱) ابوسبرہ بن ابی رہم (۲) ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو بن عدشمس (۳) عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عدشمس (۴) سلیط بن عمرو بن عدشمس (۵) ان کے بھائی سکران بن عمرو بن عدشمس جو مکہ کے مشہور غیر مسلم رئیس سہیل بن عمرو کے بھائی تھے (۶) ان کی بیوی سودہ بنت زمعہ بن قیس جو بعد میں ازداج طاہرات میں شمول سے سعادت اندوز ہوئیں (۷) عبداللہ بن محزمہ (۸) مالک بن ربیعہ بن قیس (۹) ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی (۱۰) ابو حاطب بن عمرو (۱۱) سعد بن خولہ۔

بنو حوث بن فہر | (۱) عامر بن عبداللہ معروف بہ ابوعبیدہ بن الجراح (۲) سہیل بن بیضار (۳) ان کی والدہ دعد بنت جحدم بن اُمیئہ بن ظرب (۴) عمرو بن ابی مرع بن ربیعہ (۵) یحییٰ بن زہیر (۶) عمرو بن حوث بن زہیر (۷) عمرو بن عبدغتم بن زہیر (۸) سعد بن عبدقیس (۹) حوث بن عبدقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت عثمانؓ کی دو ہجرتیں | حضرت عثمان بن عفانؓ ان نفوس قدسیہ میں داخل ہیں جنہوں نے مکہ سے حبشہ کو دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ دونوں دفعہ سیدہ

رقیہؓ ان کے ہمراہ تھیں۔ جب دوسری مرتبہ عازم حبشہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پیش گاہ نبویؐ میں گزارش کی یا رسول اللہ! ہم نے پہلے بھی حبشہ کو ہجرت کی اور اب پھر جا رہے ہیں لیکن آپ اس مرتبہ بھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جس طرح صحابہؓ الی اللہ ہو اسی طرح تم نے میری طرف بھی ہجرت کی ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے کہا تو پھر یہ ہمیں بس ہے (ابن سعد)۔

فصل ۱۷۲ حضرت ابوبکر صدیق کا عزمِ حبشہ

جس حد تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعدائے ملت کے جو روستم کا نشانہ بن کر اپنے ایمان اور تلی شغف کا عملی ثبوت پیش کیا، جریدۂ عالم میں اس کے نظائر بہت کم مل سکتے ہیں۔ یوں تو ہر مومن قانت اعداء کے قروستم کا آماج گاہ بنا ہوا تھا لیکن اس لحاظ سے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور سب سے بڑے معاون و صلاح کار تھے، ان کی طرف مخالفوں کی "نظر التفات" بھی سب سے زیادہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا خاندان بڑا معزز اور طاقت ور تھا اور ان کے اصحاب و انصار کی بھی کمی نہ تھی۔ تاہم اعداء کی پیہم چنکاریوں اور یورشوں سے تنگ آکر صدیق اکبرؓ نے بھی ارشاد نبوی کے ماتحت حبشہ جانے کے قصد سے مکہ معظمہ کو الوداع کہہ دیا۔

ابن دغنے کا برک الغداد | جب موضع برک الغداد میں جو مکہ سے یمن کی جانب چار منزل ہے پہنچے تو قبیلۂ قارہ کے سردار ابن دغنے سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا میری قوم مجھ کو پہنچے نہیں دیتی۔ مکہ معظمہ کی سرزمین فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کر دی گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر یا دہلی میں مصروف رہوں۔ ابن دغنے نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا معزز اور نیک کردار آدمی کہ ہمان نوازی، ملہ رچی، بے کسوں، یتیموں اور یتیموں کی کفالت و دستگیری اور مصیبت زدوں کی امداد جس کا شیوہ ہمہ یوں شہر بدر ہو جائے۔ تم واپس چل کر اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اپنی حمایت و جوار میں لیتا ہوں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اپنے محبوب و مقتدا حضور خیر المصلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا ایک ایک لمحہ سخت شاق تھا اس لیے ابن دغنے کی درخواست مراجعت پہ دل میں خوش ہوئے اور اس کے ساتھ واپس آئے۔ ابن دغنے مکہ مکرمہ پہنچ کر فرداً فرداً تمام سردارانِ قریظ سے ملا اور کہا افسوس۔ ہے کہ تم لوگ ایک ایسے معزز رئیس کو جلا سے دھن کر کے ہو جو انتہا درجہ کا ہمان نواز اور بے کسوں کا ملجا و مادی ہے، قبیلہ پرور ہے، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتا ہے۔

عہد کے احترام کی شرط | عمائد قریش نے کہا ہم تمہارے قول و قرار اور عہد کا احترام کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر قرآن اور اپنی عبادتیں

اپنے گھر میں چپکے سے پڑھا کریں۔ وہ آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتیں اور بچے اس سے متاثر ہونے لگتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے ابنِ دُغْنہ کے اصرار پر چند روز تو آہستہ پڑھنے کا التزام کیا لیکن آخر گھر کے پاس ایک مسجد طیار کرائی اور اس میں خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے لگے۔ دل نہایت رقیق اور نرم پایا تھا، قرآن پڑھتے یا نماز ادا کرتے تو اتنا روتے کہ بچیاں بندھ جاتیں۔ یہ دیکھ کر غیر مسلمہ عورتیں اور قریش کے لڑکے اور لونڈی غلام جمع ہو جاتے۔ جناب صدیق اکبرؓ ادا سے نماز یا قرآن خوانی میں مصروف ہو جاتے تو یہ لوگ ان کو مرغِ بسمل کی حالت میں دیکھ کر محو حیرت رہ جاتے۔

اسلام میں سب سے پہلی مسجد | جب قریش کو پتہ چلا کہ حضرت ابوبکرؓ کی عبادت گزاری اور ان کا گریہ و بکا قوم کی عورتوں اور بچوں کو اسلام کی طرف

مائل کر رہا ہے تو ابنِ دُغْنہ سے اس کی شکایت کی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگ تمہاری عبادت گزاری سے اثر پذیر ہوتے ہیں اس لیے اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتا۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا مجھے حافظِ حقیقی کی حفاظت و صیانت کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ اس لیے میں خود تمہاری چوار سے دست بردار ہوتا ہوں (بخاری)

علامہ عینیؒ نے مشرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے مکہ معظمہ میں تعمیر کرایا۔

فصل ۳۷۔ شاہِ حبشہ کے پاس قریش کی سفارت

فرمانِ رواؤں کے القاب | عہدِ سابق میں شام، جزیرہ اور بلادِ روم کے فرمانِ رواؤں کو

قیصر، شاہِ ایران کو کسری، شاہِ ہن مصر کو فرعون، والیِ اسکندریہ کو مقوقس، والیِ یمن کو شیخ، شاہِ ہن حبشہ کو نجاشی، شاہِ ہن یونان کو بطلمیوس، شاہِ ہن ترک کو خاقان اور شاہِ چین کو غفور کہتے تھے۔

نجاشی کے پاس سفار بھیجنے کا فیصلہ

حضرات مہاجرین ترک وطن کے بعد اہل مکہ کے دستِ توری سے
بچ کر حبشہ میں امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگے اور نجاشی اُن
سے مرتباً نہ سلوک کرنے لگا۔ جب یہ خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو قریش سخت

پتھ و تاب کھانے لگے۔ آخر یہ راستے قرار پائی کہ نجاشی کے پاس جو عیسوی المذہب ہے ایک
سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مفروضہ مجرم ہمارے حوالے کر دیے جائیں۔ حضرت عمرو بن
فارح مصر جو اس وقت معاندین اسلام کے زمرہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور عبداللہ بن
ابی ربیعہ مخزومی کو سفارت کی خدمت سپرد کی گئی۔ قریش کے جس رئیس سے بھی ہدایا فراہم کرنے
کی درخواست کی گئی اُس نے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیا۔ بادشاہ اور عمائد سلطنت کے لیے الگ
الگ گراں قدر تحائف تیار کیے گئے۔ بادشاہ کے لیے مکہ کا نفیس ترین چمڑا، ایک عربی گھوڑا اور
دیباچ کا جُبَّہ لے گئے تھے (تاریخ ابن کثیر)

یہ دونوں حبشہ پہنچ کر سب سے پہلے عیسوی علماء سے دربار سے ملے جو بطریق
کھلاتے تھے اور فرداً فرداً تحفے اور نذرانے دیے اور کوئی بطریق ایسا نہ
رہا جس کو بادشاہ کے سامنے عرضداشت پیش کرنے سے پہلے کوئی نہ

بطارقہ کو تحائف
سے ممنون کرنا

کوئی ہدیہ نہ پہنچا دیا ہو۔

اہل مکہ کے نمائندے تحفے اور نذرانے پیش کرنے کے بعد ہر ایک سے کہتے تھے کہ مکہ کے ایک
شخص نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے
مذہب سے مختلف ہے اور بہت سے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ان میں سے چند گم کردگان
راہ مکہ سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوئے ہیں اور ہم ان کو پکڑنے اور واپس لے جانے کے لیے
آئے ہیں۔ کل ہم ان کی نسبت دربار شاہی میں ایک معروضہ پیش کریں گے اس لیے التماس ہے
کہ آپ حضرات ہماری تائید فرمائیں اور بادشاہ کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفروضہ مجرم ہمارے حوالے
کر دیے جائیں۔ بطارقہ نے تائید کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد تمام اعیان سلطنت کو بھی اذاعہ واقف
کے تحائف سے ممنون کر کے اپنا مؤید بنانے کی کوشش کی۔

جب سب کو ہموار کر چکے تو نجاشی شاہ حبشہ کی خدمت میں
باریاب ہو کر سر بسجود ہوئے اور ہدایا پیش کر کے التماس کی کہ
جہاں پناہ! ہماری قوم قریش کے بعض چمڑا، اپنا قومی دین ترک

بادشاہ سے مہاجروں
کی حوالگی کی درخواست

کر کے مکہ سے یہاں چلے آئے ہیں اور حضور کا دین بھی اختیار نہیں کیا بلکہ بالکل ایک نیا مذہب جس کو دنیا بالکل نا آشنا تھی اختراع کر کے ایک جداگانہ راہ اختیار کی ہے۔ اس لیے قبیلہ قریش کے بزرگوں نے ہمیں جہاں پناہ کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ روانہ کیا ہے کہ حضور انہیں وطن جانے کا حکم دیں۔ بادشاہ نے اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور کہا یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں ان ممانوں کو جہنوں نے میری سلطنت میں پناہ لی ہے خارج کر دوں؟ آخر جب اعیان سلطنت اور پیشوایان مذہب نے ان کی ہر طرح تائید کی تو بادشاہ نے کہا اچھا میں ذرا ان پناہ گزینوں کا بیان بھی تو سن لوں۔ چنانچہ بادشاہ نے مہاجروں کو بلا بھیجا۔

مہاجروں سے

تجاشی کا استفسار

ان حضرات نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت علی مرتضیٰ کے بھائی جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو جو بڑے عوش بیان مقرر تھے منتخب کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور اس وقت ان کی عمر کلم چھبیس سال کے قریب تھی۔ قریش کے دونوں نمایندے تو بادشاہ کو دیکھتے ہی سر بسجود ہو گئے تھے لیکن مہاجروں میں سے کسی نے سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا تم لوگوں نے مسیحیت اور بت پرستی سے الگ یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جس کی وجہ سے تم لوگ اپنے آبائی مذہب سے دست بردار ہو گئے ہو؟

دربار شاہی میں حضرت

جعفر طیار کی تقریر

حضرت جعفر نے اس سوال کے جواب میں جو تقریر کی اس کا ضروری خلاصہ یہ ہے۔ اے بادشاہ! ہم اہل عرب دنیا کی جاہل ترین قوم تھے۔ مرنار کھاتے تھے۔ بت پرستی ہمارا دین تھا۔ فواحش و عیسان میں ہر وقت غرق تھے۔ محارم کو طلال کر رکھا تھا۔ حرام کاری معیوب نہ تھی۔ حقوق انسانیت کا پاس نہ تھا۔ قطع رحم، ہمسایہ کی حق تلفی، خونریزی اور ظلم و ستم ہمارا عام شیوہ تھا۔ زبردست زبردست کرکھا جاتا تھا۔ ملک کے اندر کوئی آئین، کوئی اصول، کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا اور دنیا کی کوئی بُرائی ایسی نہ تھی جس کے ہم خوگر نہ تھے۔ ایسی حالت میں رحمت خداوندی نے ہم میں سے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا جس کا حسب و نسب، فضل و شرف، صدق و امانت، دیانت و عفاف، تقویٰ و طہارت دوست دشمن سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اس رسول نے ہم کو توحید الہی اور معرفت خداوندی کی طرف بلایا۔ پتھروں کی پوجا سے جو آبا و اجداد سے چلی آتی تھی روک دیا اور ہدایت کی کہ ہمیشہ سچ بولیں۔ غیبت اور عیب جوئی سے بچیں۔ وعدہ پورا کریں

ہمیں اہل حلال، اداے امانت، صلہ رحم، حقوق ہمسایہ کا پابند بنایا۔ گناہوں سے بچنے، خون ریزی اور دخترکشی سے باز رہنے اور فواحش کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب خواتین پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ بے کسوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور ہمسایوں کو سکھ پہنچانے کا حکم دیا۔ خدا سے واحد کی عبادت ہم پر فرض کی۔ ہم لوگ اس یگانہ دہر ہستی پر غلو میں دل سے ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی۔ ہم نے کفر و شرک کو چھوڑ دیا۔ بدعیوں سے دست بردار ہو گئے اور پاکیزگی، طہارت کو اپنا شعار بنایا۔ جس چیز کو ہمارے رسول مختار نے حلال بتایا ہم نے اسے حلال سمجھا اور جس کو حرام فرمایا اس سے باز رہے۔

اس کے بعد حضرت جعفرؑ نے فرمایا اے بادشاہ! ہماری قوم اس دین حق کے اختیار کرنے پر ہماری دشمن ہو گئی۔ بڑی بڑی تکلیفیں دیں اور جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تاکہ ہم اس آسمانی دین و آئین کو ترک کر کے دوبارہ کیش ثبت پرستی اختیار کر لیں۔ خدا سے واحد کی عبادت چھوڑ کر ازبہرہ پتھر کی مورتوں کو پوجنا شروع کر دیں۔ اے بادشاہ! ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں سے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ آخر جب ان کے ظلم کا پیمانہ بھر نہ ہو گیا اور ہم پر وطن کا عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو ہم بعد مجبوری حضورؐ کی عملداری میں چلے آئے۔

بادشاہ کا قرآن سن کر رونا | اس تقریر کے اختتام پر بادشاہ کہنے لگا تمہارے پیغمبرؐ خدا کی طرف سے کوئی کلام بھی نازل ہوا ہو گا؟ حضرت جعفرؑ نے فرمایا ہاں برابر نازل ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا اس کلام میں سے کچھ پڑھ کر سناؤ۔

حضرت جعفرؑ نے سورہ مریم پڑھنی شروع کی۔ اس وقت تمام اساقف موجود تھے وہ انہوں نے اپنے اپنے مصاحف اپنے ارد گرد پھیلا رکھے تھے۔ بادشاہ نے سورہ کھلیعص کی ابھی چند ہی آیتیں سنی تھیں کہ متاثر ہو کر رونے لگا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی، اسقف بھی اتنا روئے کہ ان کے مصاحف تر ہو گئے۔ بادشاہ کہنے لگا خدا کی قسم! یہ کلام جو تم نے پڑھ کر سنایا اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی دونوں ایک ہی شمع فیض کے دو پر تو ہیں۔ اب نجاشی نے حکم دیا کہ کئی سفیروں کے ہدیے واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان منظوموں کو ہرگز ان کے حوالے نہ کروں گا دسیرۃ ابن ہشام و تاریخ ابن کثیرا یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ نجاشی کے دربار میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے تقریر کی تھی لیکن مشورہ یہ ہے کہ حضرت جعفرؑ نے مہاجرین کی ترجمانی فرمائی تھی۔

اتامہ ابن کثیر

دربار شاہی میں صحابہ
کرام کی مکرر طلبی۔

دوسرے دن حضرت عمرو بن عاصؓ نے جو اس وقت اسلام کی لہٹ
میں اہل شرک کی نمایندگی کر رہے تھے اپنی کامیابی کی ایک اور
تدبیر نکالی۔ انہوں نے از سر نو دیار شاہی میں باریابی حاصل کر کے

گزارش کی کہ جہاں پناہ ازرا یہ بھی تو دریافت فرمایا ہوتا کہ حضرت یسوع مسیحؑ کے متعلق ان لوگوں کا
کیا عقیدہ ہے؟ میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ حضرت مسیحؑ کا درجہ ٹھہراتے ہیں اور ان کی
شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔ آپ ان کو دوبارہ بلا کر اس بیان کی تصدیق فرما سکتے ہیں۔ جناب
ابن عاصؓ نے سوچا تھا کہ عیسائی لوگ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ یقین کرتے ہیں اور جب مسلمان
یہ کہیں گے کہ حضرت مسیحؑ اللہ کے بندہ ہیں تو بادشاہ ضرور براشتفتہ ہوگا۔ بادشاہ نے مسلمانوں کو
مکرر بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔

یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ صحابہ کرامؓ کو تو وہ ہوا کہ بادشاہ عیسائی ہے
اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ جب ہم حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ ہونے کا انکا
کہیں گے تو وہ ضرور کبیدہ خاطر ہوگا تاہم فیصلہ ہوا کہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ہمیں صدق شجاری اور
راست بیانی سے کام لینا چاہیے۔ غرض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از سر نو حاضر ہوا
ہوئے۔

حضرت مسیحؑ کے
متعلق اسلامی عقیدہ

بادشاہ نے سوال کیا کہ تم لوگ یسوع مسیحؑ کے متعلق کیا عقیدہ
رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر نے بتایا
ہے کہ مسیحؑ علیہ السلام خدا کے پیغمبر اور کلمۃ اللہ اور اس کے برگزیدہ

بندہ ہیں۔ بادشاہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا تم نے عیسیٰ علیہ السلام کی جو تعریف کی
واللہ! حضرت مسیحؑ تنکا بھر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ یہ سن کر نظارہ چین بچیں ہوئے لیکن
کیا کر سکتے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ دونوں آدمی جس قدر ہدایا و تحائف لائے ہیں سب
واپس کر دیے جائیں۔ اس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ غرض قریش کی سفارت ناکام رہی اور ان کے
نمائندوں کو خائب و خاموش واپس آنا پڑا (مسند احمد و سیرت ابن ہشام)

عمرو بن عاص کی خانہ نشینی
مکہ کی جو سفارت حبشہ سے نامراد واپس آئی، اس کے
قائد عمرو بن عاصؓ تھے۔ ان کے ساتھی کے نام میں

اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور تو عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی ہیں جو سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی تھے اور ان کا تذکرہ ان شار اللہ العزیز کسی آئندہ فصل میں آئے گا۔ بعض نے عمارہ بن ولید کا نام لکھا ہے جو حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ عمر بن عاص حبشہ سے ناکام واپس آ کر ایسے خانہ نشین ہوئے کہ باہر نکلنے کا نام نہ لیتے تھے۔ سردار ابن قریش نے آدمی بھیج کر گھر سے باہر نہ نکلنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اتھمہ شاہ حبشہ کا گمان ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بنی اللہ ہیں (ابداً فی النہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر)

حبشہ پر غنیم کی چڑھائی اور صحابہ کی دعائیں

سفارت کی نامراد واپسی کو تھوڑے ہی دن گزے تھے کہ شاہ حبشہ پر غنیم چڑھ آیا۔ بادشاہ مسلمانوں کا ٹھہرنے والا مسلمان احسان شناس ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس خبر کو سن کر غموم ہوئے اور بادشاہ کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر خدا سزا سنہ غنیم غالب آیا تو معلوم نہیں ہم بلا کشوں کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ انقرض سخا شکی لاؤ لشکر کے کر غنیم کے مقابلہ پر گیا۔ دریا سے نیل کے اُس پار لڑائی شروع ہوئی۔ صحابہؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی جا کر جنگ کی خبر لائے پھر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بھائی حضرت زبیرؓ عوام رضی اللہ عنہ جانے پر آمادہ ہوئے۔ صحابہؓ نے ایک مشک میں ہوا بھر کر ان کے حوالے کی اور وہ اس کو سینہ کے نیچے رکھ کر پرتے ہوئے دریا سے پار ہو گئے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے مراجعت کی۔ یہاں غلبہ ہمت کے درختا ستارے نہایت تفرع و ابتهالی کے ساتھ معروف دعا تھے۔ حضرت زبیرؓ نے آکر کہا اے اصحاب رسول اللہ! مبارک ہو کہ خدا نے شاہ سخا شکی کو مظہر و منصور فرمایا اور اس کے دشمن کو ہلاک کیا (سیرت ابن ہشام)

شاہ حبشہ آغوش اسلام میں

سخا شکی شاہ ابن حبشہ کا لقب تھا۔ وہ سخا شکی جن کے بعد سلطنت میں صحابہ کرامؓ نے حبشہ میں پناہ لی تھی

اصحاب رسول اللہؐ کی چند ہی ملاقاتوں میں شاہ حبشہ کو کامل یقین ہو گیا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے جس رسول کی بعثت کا مژہ اہر ایلیوں کو سنایا تھا وہ رسول یقیناً یہی ہیں جنہوں نے مکہ میں ظہور فرمایا ہے چنانچہ وہ اعتقاداً انہی ایہام سے طاعت و تہذیب کے زمرہ

میں داخل ہو چکے تھے۔

۳۳ مہاجرین

کا عزم مدینہ

جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما سے یثرب ہونے کی خبر
عیشہؓ پہنچی تو حضرات مہاجرین کے دل میں مدینہ منورہ پہنچنے کا میدان ایک
قدر قیامت تھا لیکن ناداری اور تہی دستی اس طویل بحری سفر کی راہ میں
عایل تھی۔ یہ دیکھ کر ۳۳ مردوں اور آٹھ خواتین نے مکہ معظمہ کے راستہ سے مدینہ جانے کے لیے
رخت سفر باندھ لیا۔ یہ حضرات بعافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے لیکن جب مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے تو
ان میں سے سات آدمی مکہ میں روک لیے گئے اور باقی مدینہ الرسول پہنچ گئے جو مقدسین مرکز
نبوت میں پہنچے ان میں سے حسب بیان ابن سعد چودہ حضرات غزوہ بدر کی سعادت شرکت
سے بھی بہرہ مند ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کی تین ہجرتیں

حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ جب عیشہؓ سے عازم مدینہ
منورہ ہوئے تو اپنے رفقاء کے ہمراہ پہلے مکہ معظمہ آئے

اور یہاں سے مدینہ الرسول کی راہ لی۔ سیدہ رقیہؓ ساتھ تھیں۔ وہاں پہنچ کر حضرت حسان بن ثابتؓ
کے بھائی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا (ابن سعد)
مورخین نے حضرت عثمانؓ کو دو ہجرتیں لکھا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دو ہجرتیں کیسے
ہوئیں۔ انہوں نے بلاشبہ تین مرتبہ ہجرت الی اللہ کا شرف حاصل کیا۔ دو مرتبہ عیشہؓ کو تشریف
لے گئے اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ کو۔

شاہ اصحہؓ کی خاک نشینی

عیشہؓ کی ہجرت ثانیہ کے قریب سات سال بعد غزوہ بدر پیش
آیا تھا۔ فتح بدر کی خبر شاہ اصحہؓ ہی کی وساطت سے مہاجرین
عیشہؓ کے گوش زد ہوئی تھی چنانچہ بیعتی نے دلائل میں روایت کی ہے کہ ایک دن شاہ اصحہؓ نے
حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرین کو بلا بھیجا۔ انہوں نے آکر بادشاہ کو ایسی حالت میں دیکھا
کہ دوپڑا نے کپڑے پتے زمین پر بیٹھے ہیں۔ صحابہ کرامؓ بادشاہ کو اس حال میں دیکھ کر خوف زدہ
ہوئے۔ بادشاہ نے ان کا خوف و ہراس محسوس کر کے کہا کہ تمہیں مبارک ہو۔

صحابہؓ نے بوجھا کوئی خوش خبری ہے؟ بادشاہ نے کہا ہاں! تمہارے ملک سے میرے
پاس خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان جنگ میں اپنے نبیؐ کو فتح دی ہے۔ دشمن
بالکل برباد ہو گیا ہے۔ فلاں فلاں اعدائے دین قتل ہوئے ہیں اور فلاں فلاں قید کیے گئے

میں قاصد کی آمد سے پیشتر میں نے خواب دیکھا تھا کہ بدرنام کی وادی میں جہاں پہلو کے درختوں کی بڑی کثرت ہے میں بنو صمرہ کے ایک شخص کے جو میرا آقا ہے اونٹ چرا رہا ہوں۔

خاک نشینی کا منشا | حضرت جعفر نے پوچھا کہ آپ زمین پر کیوں بیٹھے ہیں اور کمنہ و بوسیدہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ کہا عیسیٰ نبی علیہ السلام پر جو کلام نازل ہوا اس میں ہم یہ ارشاد بھی پاتے ہیں کہ بندگان خدا کا ایک حق یہ ہے کہ جب منعم تعالیٰ ان کو کسی نئی نعمت سے نوازے تو وہ اللہ کے سامنے کسی نئی توامنع کا ہدیہ پیش کریں۔ اب موجودہ وقت میں حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا ہے تو میں نے توامنع وانکسار کا یہ رنگ اختیار کیا ہے (البدایہ والنہایہ)

قاصد نبوی شاہ حبشہ کے دربار میں | جب خواجه دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں کچھ امن ملا تو آپ نے ان مفلوک الحال مہاجرین کی طرف توجہ فرمائی جو سالہا سال سے حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے چنانچہ ماہ ربیع الاول ۳۵ ہجری میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی حضرت عمرو بن أمیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کو شاہ حبشہ کے نام دعوت اسلام کا ایک مکتوب لے جانے پر مامور فرمایا اور یہ بھی لکھا کہ ان تارکان وطن کو مدینہ روانہ کر دیں۔ گو شاہ حبشہ صحابہ کرامؓ کی دوہی ملاقاتوں کے بعد بلحاظ عقیدہ مسلمان ہو چکے تھے اور انہیں اطمینان ہو چکا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے جس رسول کی آمد کی پیش گوئی کی تھی وہ رسول یقیناً یہی ہیں جنہوں نے مکہ میں ظہور فرمایا ہے لیکن کسی کے سامنے علی الاعلان دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس دعوت نامہ کے بعد وہ باقاعدہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مشرف باسلام ہوئے اور داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کے جواب میں ایک عربیہ روانہ کیا جس میں توحید و رسالت کی تقدیم اپنے اسلام کا اقرار اور قدم بوسی کی تشاکا اظہار تھا (ابن جریر طبری)

عبید اللہ کی ہجرت | حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی علاقائی بہن محترمہ رملہ بنت ابوسفیان صحرا بن حبشہ بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف) بھی جو اُم حبیبہ کی کنیت سے مشہور تھیں ان ہجرات میں داخل تھیں جو حبشہ کی دوسری ہجرت میں شرف اندوز سعادت ہوئیں۔ محترمہ اُم حبیبہؓ کی ماں صفیہ بنت ابوالعاص بن اُمیہ بن عبد شمس حضرت عثمانؓ و ذوالنورینؓ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عبید اللہ بن جحش بن ریاب بن یسر سے ہوا۔

اس عقد سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ اسی لڑکی کی نسبت سے محترمہ رملہ بنت ابی سفیان اُم حبیبہ کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔

قرشی بھیر یوں کی نظر میں قبول اسلام کا گناہ کوئی ایسا خفیف جرم نہ تھا جو قابل معافی سمجھ کر نظر انداز کیا جاسکتا۔ اس لیے اُن کا معمول تھا کہ جس نو مسلم کے بھی مسلمان ہونے کی خبر سنتے اس کو بے دریغ پیٹتے اور قبول حق کے جرم کی بزرگم خود پوری پوری سزا دیتے۔ عبید اللہ حبشہ کی دوسری ہجرت سے چند روز پیشتر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ قبول اسلام کے بعد مجلس نبوی میں ماضی کا کوئی موقع نہ ملا اس لیے اسلام دل میں ہنوز راسخ نہ ہونے پایا تھا کہ مسلمانوں کی مطلوبی و مقنونی دیکھ کر یہ بھی مہاجرین کی دیکھا دیکھی حبشہ کو چل دیا۔ محترمہ اُم حبیبہ ساتھ تھیں۔

ارتداد | سور اتفاق سے حبشہ میں کسی عیسائی کے پاس عبید اللہ کی نشست و برخاست شروع ہو گئی اور اس کے اثر صحبت سے اس کو شراب خواری کا لپکا پڑ گیا۔ ایک رات محترمہ اُم حبیبہ نے خواب میں عبید اللہ کو کسی بُری شکل میں دیکھا اور اس بگڑی ہوئی شکل کو دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوئیں۔ جب دن نکلا تو وہ گرجے میں جا کر عیسائی ہو گیا۔ حضرت اُم حبیبہ نے اس کو اپنے خواب کا ماجرا سنایا لیکن اس کو کچھ عبرت نہ ہوئی۔ وہ اس سے قطع تعلق کر کے علیحدہ ہو گئیں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔ (تاریخ ابن کثیر، طبقات ابن سعد، اصحابہ)

قبول مسیحیت کی علت غائی | مرتد ہونے کے بعد عبید اللہ کو مے خواری، خنزیر خواری اور دوسرے منہیات کی پوری آزادی تھی اور یہی مطلق العنانی اس کے قبول مسیحیت کی علت غائی تھی کیونکہ موجودہ مسیح شدہ مسیحیت اپنے پیروں کے اعمال

واقعات سے کچھ تعریف نہیں کرتی۔ عبید اللہ ہر قسم کے فسق و فجور کا مرتکب تھا لیکن "حیاداری" کا کمال دیکھو کہ نصرانی ہو جانے کے بعد وہ جب کبھی صحابہ کرام کے پاس سے گزرتا تو کہتا کہ میں نے تو بصارت حاصل کر لی ہے لیکن تم لوگ ہنوز بصارت کی تلاش میں سرگرداں ہو " یا در ہے کہ نبی اللہ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ اس کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں (سیرت ابن ہشام)

عبید اللہ کے اس قول کا مطلب کہ میں نے بصارت حاصل کر لی ہے یہ تھا کہ مجھے تو عیسائی مذہب کے فساد و فسق کی پوری آزادی حاصل ہو چکی ہے لیکن تم لوگ بے بس ہو

کیونکہ دین اسلام فواحش سے باز رہنے اور تقویٰ و طہارت اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

محترمہ اُم حبیبہؓ کا دوسرا خواب محترمہ اُم حبیبہؓ نے کئی سال کا طویل زمانہ اس طرح غریب الوطنی میں گزار دیا کہ پردیس میں دور نشہ داروں (حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت خالد بن سعیدؓ کے سوا کوئی مروتی و سرپرست نہ تھا۔ کئی

سال کی غربت و انزوا کے بعد ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص انہیں اُم المومنین کہہ کر خطاب کر رہا ہے۔ اس سے انہیں امید ہوئی کہ شاید مربی داریں صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شرف زوجیت سے سرفراز فرما کر اہمات المومنین کے مقدس زمرہ میں داخل فرالیں۔

عقد کا منشا و مقصد آپؐ کی ایک عادت مبارک یہ تھی کہ مومنات میں سے جس کسی کے ایام بیوگی دراز و متمد ہو جاتے تو اس کو چارہ الم اور ورطہ بیگسی

سے نکالنے کے لیے اپنے ملک میں منسلک کرنے کا عزم فرماتے۔ اُم المومنین سودہؓ

اُم المومنین اُم سلمہؓ اور ام المومنین حفصہؓ اب تک اسی جذبہ صداقت کے ماتحت حرم نبوی میں داخل ہو چکی تھیں جب آپؐ نے دیکھا کہ مشہور عدو سے اسلام اور سردار قریش ابوسفیان بن حرب کی مومنہ بیٹی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا پردیس میں غریب الوطنی و بے کسی کی زندگی بسر کر رہی ہیں تو آپؐ نے ان کو بھی اپنے دامن رحمت میں ڈھانپنے کا قصد فرمایا۔ چنانچہ شاہ حبشہ کے نام پر دعوتی کتب روانہ فرمایا وہ حضرت اُم حبیبہ کے پیام نکاح پر بھی مشتعل تھا۔

لونڈی کی پیام ببری حضرت عمرو بن امیہ غمریؓ کے درود کے بعد شاہ حبشہ کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا حضرت اُم حبیبہؓ کے دروازے پر آکر اندر آنے

کی اجازت مانگنے لگی جب اسے اجازت ملی تو آکر عرض پیرا ہوئی کہ اے خاتون قریش! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو لکھ بھیجا ہے کہ اُم حبیبہ بنت ابوسفیان کو میری طرف سے پیام نکاح دو۔ اگر وہ منظور کریں تو اپنی دکالت میں ان سے میرا نکاح کر دو اور بادشاہ نے مجھے آپ کے پاس یہ دریافت کرنے کو بھیجا ہے کہ اگر آپ کو منظور ہو تو آپ کا عقد کر دیا جائے؟

یہ مشرورہ سن کر محترمہ اُم حبیبہؓ نے لونڈی کو دعا دی کہ خدام کو خیر و برکت کی بشارت دے اور چاندی کے دو کنگن اور ہاتھ کی انگوٹھیاں اتار کر لونڈی کے حوالے کر دیں۔ ابرہہ بولی کہ بادشاہ نے آپ کو یہ بھی پیغام دیا ہے کہ آپ کسی صاحب کو اپنے نکاح کا ذکیل مقرر کر دیں۔

انہوں نے حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ اموی مہاجر رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں اپنے نکاح

کا وکیل مقرر کر دیا۔

خطبہ نکاح

مغرب کے بعد بادشاہ نے حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرین کو بلا بھیجا۔
جب سب حضرات جمع ہو گئے تو بادشاہ نے یہ خطبہ نکاح پڑھا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقَدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُصَيِّمِ الْعَزِيزِ
الْجَبَّارِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهِ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ الْكَذَّابُ بِشَرِّ يَهْ عَيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيَّ
أَنْ أُرَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَصْدَقْتُنَا أَرْبَعَ مِائَةِ دِينَارٍ۔
اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے مہر کے چار سو دینار کی پھیلی صحابہ کرام
کے آگے رکھ دی۔

اب حضرت اُم حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ پڑھا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَجَبْتُ
إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوِّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ
بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَبَارَكَ اللَّهُ لِمَا سَوَّلَهُ۔

اس کے بعد شاہ سخا شہ نے دینار اٹھا کر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے حوالے

سنت انبیاء

کیے۔ فراغت نکاح کے بعد تمام حضرات اٹھنے لگے تو بادشاہ نے کہا کہ تمام
بزرگوار بیٹھے رہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی یہ بھی ایک سنت ہے کہ جب نکاح کرتے تو لوگوں کو
کھانا کھلاتے۔ اس کے بعد کھانا طلب فرمایا اور تمام حضرات کھانا تناول فرما کر رخصت ہوئے۔
حضرت خالد بن اُم المومنینؓ کے پاس پہنچے اور چار سو دینار کی پھیلی ان کے حوالے کی دستد
حاکم ابی نعیم ابن سعد

مردہ سنانے والی لونڈی کو ۱۹ تونے سونا انعام
اُم المومنینؓ پہلے تو تہی دست تھیں
جب ان کو یہ رقم ملی تو انہوں نے

بادشاہ کی لونڈی ابرہہ کو جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کا مژدہ سنایا تھا باہمیجا جب وہ آئی تو فرمایا کہ جب تم نے آکر مجھے خوش خبری سنائی تھی تو اس وقت میرے پاس زر نقد کچھ نہ تھا ورنہ میں تم کو اسی وقت دیتی۔ ویہ پچاس شقال روپے انیس تو لے سونا ان کو اپنی ضروریات پر خرچ کرو۔ یہ سن کر لونڈی نے ایک ڈیہ نکالا جس میں حضرت ام حبیبہؓ کے عطا کردہ زیور تھے اور کہا کہ یہ بھی واپس لے لیجیے کیونکہ بادشاہ میری ضروریات زندگی کا کفیل ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کا عطیہ واپس دے دوں۔ اس کے بعد لونڈی کہنے لگی کہ میں نے بحمد اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بطیب خاطر اختیار کیا ہے اور اللہ کے لیے مسلمان ہوئی ہوں۔

بیگمات کی طرف سے عطریات کا نذرانہ

بادشاہ نے اپنی بیگمات کو حکم دیا کہ جس کسی کے پاس جتنے عطریات ہوں وہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے پاس بھیج دے۔ دوسرے دن وہی لونڈی بہت ساعنبر، کستوری، اورس، عود وغیرہ لے کر حضرت

ام حبیبہؓ کے پاس آئی اور آپ کو دے کر کہنے لگی میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ جب آپ بارگاہ رسالت میں پہنچیں تو میری طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہیے گا اور اطلاع دیجیے گا کہ اس کینز نے بھی آپ کے دین کی پیروی اختیار کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ اس کے بعد وہ لونڈی متعدد مرتبہ آ کر ام المومنین ام حبیبہؓ کو سامان زیبائش دے جاتی رہی لیکن ہر مرتبہ کہ ان کے پاس آتی یہ ضرور کہتی کہ آپ مدینہ پہنچ کر میرا کام نہ بھول جانا۔ (مستدرک حاکم)

ہاجرین کرامؓ کی مدینہ منورہ کو روانگی

اب بادشاہ نے ہاجرین کرامؓ کی مقدس جماعت کو دو کشتیوں میں سوار کر کے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ یہ سب ساتھ مردوزن تھے (ابن سعد) ابو داؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ شاہ حبشہ نے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو شریک بن غنمہ ہاجر رومی اللہ عنہ کے ہمراہ وزیر نگرانی مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔

ان ساتھ کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کے پچاس سے زائد ساتھی بھی تھے جو مین سے آئے تھے۔ ان کے حبشہ پہنچنے کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو معلوم ہوا کہ مخدوم انام سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرمائے مدینہ

ہو چکے ہیں تو وہ بھی اپنے چچا سے زائد تو مسلم رفقاء کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر عازم مدینہ ہوئے۔ اتفاق سے ان کی کشتی شاہی کشتیوں کے ساتھ حبشہ پہنچ گئی۔ یہاں مکہ کے مہاجرین کرام سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت جعفرؓ نے جناب ابو موسیٰؓ کو مشورہ دیا کہ آپ حضرات بھی قیام فرمائیں۔ جب مدینہ میں حالات سازگار ہو جائیں گے تو ایک ساتھ مدینۃ الرسولؐ چلیں گے۔ چنانچہ اشعری مہاجرین بھی حبشہ ہی میں ٹھہر گئے اور اُس وقت تک وہیں رہے جب تک مکہ کے مہاجرین کرام حبشہ سے عازم مدینہ نہ ہوئے (تاریخ ابن کثیر)

حضرات مہاجرین | وہ مہاجرین کرام رضوان اللہ علیہم جو حبشہ سے قدم فرماے مدینہ ہوئے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ اس فرست میں ان حضرات کے نام بھی کے اسماء مبارکہ شامل ہیں جو شاہ حبشہ کے پاس حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی آمد پر عازم مدینہ ہوئے یا اس سے پہلے ہی مدینہ منورہ کو جا چکے تھے۔

- (۱) اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان بن حرب (۲) ان کی بیٹی حبیبہ بنت عبد اللہ (۳) حضرت نضر بن حشہ (۴) حضرت جعفر بن ابوطالب (۵) ان کی بیوی آمنہ بنت عتبہ (۶) ان کے فرزند عبد اللہ بن جعفر جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے (۷) حضرت خالد بن سعید بن عامر بن قیس (۸) ان کی بیوی اُمّینہ بنت خلف (۹) ان کا فرزند سعید بن خالد (۱۰) ان کی بیٹی اُمّہ بنت خالد۔ یہ دونوں حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے (۱۱) حضرت خالد بن سعید کے بھائی عمرو بن سعید۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان کنانی حبشہ ہی میں انتقال کر گئیں (۱۲) حضرت معقیب بن ابی فاطمہ (۱۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری جو اپنے چند علم و ادب بھائیوں اور دوسرے نو مسلموں سمیت یمن سے حبشہ آئے ہوئے تھے۔ (۱۴) حضرت اسود بن نوفل (۱۵) حضرت جہم بن قیس (۱۶) ان کے فرزند عمرو بن جہم (۱۷) ان کی صاحبزادی خذیمہ بنت جہم۔ حضرت جہم بن قیس کی بیوی حرمہ بنت عبد الاسود حبشہ ہی میں قضا کر گئیں۔ (۱۸) حضرت عامر بن ابی وقاص (۱۹) حضرت عتبہ بن مسعود (۲۰) حضرت عارث بن خالد۔ ان کی بیوی ریطہ بنت حرث حبشہ ہی میں انتقال کر گئیں (۲۱) حضرت عثمان بن ربیعہ (۲۲) حضرت عبیدہ بن جبران (۲۳) حضرت معمر بن عبد اللہ (۲۴) حضرت ابو عاصم بن عمرو (۲۵) حضرت مالک بن ربیعہ (۲۶) ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی (۲۷) حضرت حرث بن عبد قیس (۲۸) قیس بن عبد اللہ (۲۹) قیس کی بیوی برکتہ بنت یسار (۳۰) حضرت یزید بن زمرہ بن اسود۔ ان کے

ایک قرابت دار حضرت عمرو بن اُمیہ حبشہ ہی میں انتقال فرما گئے تھے (۳۱) حضرت ابو اروم بن غیر (۳۲) حضرت فراس بن نضر (۳۳) حضرت رملہ بنت ابی عوف۔ ان کے شوہر حضرت مقلب بن ازہر حبشہ ہی میں انتقال فرما ہوئے (۳۴) حضرت مطلب بن ازہر کے فرزند عبد اللہ جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے (۳۵) حضرت عمرو بن عثمان تیمی (۳۶) حضرت ہبیار بن سیفان (۳۷) ان کے بھائی عبد اللہ بن سیفان (۳۸) حضرت ہشام بن ابو حذیفہ (۳۹) حضرت فاطمہ بنت مجمل۔ ان کے شوہر حضرت عاصم بن حارث حبشہ ہی میں انتقال فرما گئے (۴۰) عارث بن عاصم (۴۱) محمد بن عاصم۔ حضرت عاصم بن حارث کے بھائی عاصم بن حارث نے بھی حبشہ ہی میں جام تفسانی یا تھا (۴۲) ان کی بیوی نکبہ بنت یسار (۴۳) حضرت سیفان بن معمر (۴۴) حضرت سیفان کی بیوی خنہ۔ حضرت سیفان کے دو بیٹے (۴۵) جنادہ بن سیفان اور (۴۶) جابر بن سیفان (۴۷) حضرت ابوقیس بن عارث۔ ان کے بھائی عبد اللہ بن عارث حبشہ ہی میں انتقال فرما گئے (۴۸) حضرت قیس بن عذافہ (۴۹) حضرت عبد اللہ بن عذافہ جن کو بعد میں انفس الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہ ایران کے پاس اپنی بنا کر بھیجا تھا (۵۰) حضرت عارث بن حارث (۵۱) حضرت بشر بن قیس (۵۲) حضرت سعید بن عمرو (۵۳) حضرت سعد بن حارث (۵۴) حضرت سائب بن عارث (۵۵) حضرت نعمان بن عدی۔ ان کے والد حضرت عدی بن نضله اور والد کے علم محترم حضرت عمرو بن عبد العزیٰ حبشہ ہی میں انتقال فرما ہوئے (۵۶) حضرت سلیم بن عمرو (۵۷) حضرت عثمان بن عبد غنم (۵۸) حضرت سعد بن عبد قیس (۵۹) حضرت عیاض بن زبیر رضی اللہ عنہم (سیرت ابن ہشام)

ہماجر بن حبشہ کو | جب یہ فدائیان اسلام مدینہ طیبہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور تید کو بن علی اللہ علیہ وسلم با فوج و حشم خیبر میں تشریف فرما ہیں۔ آپ اسی روز خیبر کی مال غنیمت کا حصہ | فتح سے فارغ ہوئے تھے۔ ان حضرات کو اپنے محبوب آقا سے ملے بغیر کہاں چین تھا۔ تمام مرد آپ کے شوق نقایں خیبر پہنچے اور آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کیا۔ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال کے ان بچہ مرے ہوئے جان نثاروں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ استقبال کر کے معانقہ فرمایا اور سب کی پیشانی چومی۔ آپ کے عم زاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی جو جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے انہی حضرات میں داخل تھے۔ آپ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا میں نہیں بیان کر سکتا کہ مجھے جعفر رضی اللہ عنہ کے آنے کی زیادہ خوشی

ہے یا فتح خیبر کی۔ آپ نے ازراہ کرم و ماجرین حبشہ کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں شریک کر کے دوسروں کے برابر حصہ دیا (ابن ہشام، ابن سعد و آخرہ البخاری مختصراً)

اُمّ المؤمنین رملہؓ
کا نشانہ نبوی میں
جب حضرت سیدہ نوجوات صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے مراجعت فرما ہوئے تو اُمّ المؤمنین حضرت رملہ معروفہ باُمّ حبیبہؓ کو حریم نبوت میں منسلک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں کہ جب میں کا نشانہ نبوی میں باریاب ہوئی تو سارے واقعات حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک پہنچائے اور ابرہہ کی باتیں بھی حضور انور کے گوش زد کیں۔ یہ واقعات سن کر آپ نے ہنسنے فرمایا اور جب میں نے ابرہہ کا سلام پہنچایا تو آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، دست درک (ماکم)

آنحضرتؐ کے بستر پر
باپ کو بیٹھنے نہ دینا
حضرات! یہ رہی محترمہ اُمّ حبیبہؓ ہیں کہ جب ان کے والد ابوسفیان حلقہ توحید میں داخل ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مکہ سے مدینہ گئے تو بیٹی سے ملنے کے لیے بھی آستان نبوت میں پہنچے اور جب دختر فرخندہ اختر سے ملنے کے بعد بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمّ حبیبہؓ نے جھٹ بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا بیٹی! بستر لیٹنے کا کیا سبب ہے؟ آیا یہ کچھونا میرے بیٹھنے کے لائق نہیں یا میں اس پر بیٹھنے کی قابلیت نہیں رکھتا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول خدا کا بستر ہے (ابن سعد) اس سے ان کی یہ مراد تھی کہ تم مشرک کی بنیاد سے آلودہ ہو اس لیے اس پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ اس سے اُمّات المؤمنین کی حرارت ایسا فی غیرت ملی، حسن اعتقاد، شغف حق اور شیفگی رسول کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سجاشی کا قاصد
اور حبشہ کا وفد
ماجرین حبشہ کے ساتھ سجاشی کا قاصد بھی آیا تھا۔ وہ بارگاہ نبوت میں پہنچ کر عرض پیرا ہوا کہ حضرت والا! آپ جعفرؓ سے دریافت فرمائیے کہ ہمارے بادشاہ نے ان سے کیا سلوک کیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! سجاشی نے ہم سے یہ سلوک کیا اور یہ یہ احسان کیے اور بادشاہ نے اس بات کی بھی شہادت دی تھی کہ خدا سے عزیز کے سوا قابل پرستش ہستی کوئی نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد قاصد نے کہا کہ بادشاہ نے حضور انور سے درخواست کی ہے کہ آپ اس کے لیے دعاے مغفرت فرمائیں۔ یہ سن کر آپ نے وضو کیا۔ پھر تین مرتبہ دعا کی الٰہی! سجاشی کو بخش دے۔

الہی! بنجاشی کو بخش دے۔ الہی! بنجاشی کو بخش دے۔ صحابہ ہر مرتبہ آمین کہتے رہے۔
 بیعتی نے روایت کی ہے کہ جب بنجاشی کا وفد مدینہ منورہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس
 کی خدمت کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی خدمت کے لیے کافی
 ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے اصحاب کا اکرام کرتے رہے ہیں اس لیے میری خوشی اس
 میں ہے کہ میں ہی ان کی خدمت کروں اقامت بخ ابن کثیر
مہاجرین حبشہ کی فضیلت | جب فراعنہ قریش کے گونا گوں مظالم سے تنگ آ کر ستوا
 سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حفاظت دین کی خاطر اپنے وطن
 مالوف کو خیر باد کہا تو بارگاہ رب العالمین کی طرف سے سورہ نحل کی اکتالیسویں آیت یہ نوید
 لائی گئی (ترجمہ) :-

”اور جن مسلمانوں پر اعدائے دین کی طرف سے ظلم ہوئے اور انہوں نے
 حالت مظلومی میں اللہ کی خاطر وطن عزیز کو خیر باد کہا ہم ان کو بالیقین دنیا
 میں اچھے ٹھکانے سے بٹھائیں گے اور جو آخرت (جوان کو ملنے والا ہے) وہ
 اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔“

گو آیت کے لفظ عام ہیں لیکن اس بشارت کے اولین مصداق مہاجرین حبشہ تھے جنہوں نے
 سب سے پہلے ہجرت الی اللہ کی سعادت حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ یہ وعدہ خداوندی کس حسن و خوبی
 سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ شاہ حبشہ نے نہ صرف اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر طرح کی
 سہولتیں بہم پہنچائیں بلکہ خود بھی ہمیشہ قول و فعل سے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ مہاجرین کی بڑی
 تعداد قریباً تیرہ برس تک وہیں اقامت گزیر رہی لیکن انہیں اپنے محبوب و مطاع رسول امین
 صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کے سوا وہاں کسی قسم کی تکلیف و پریشانی کا سامنا نہ ہوا اور نہ کسی نے
 ان سے کبھی تعزیر کیا۔

مہاجرین حبشہ کی
دوہری فضیلت | یہاں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ قدوم مدینہ کے بعد ایک دن
 حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ اُمّ المؤمنین
 حضرت حفصہؓ (بنت جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) سے ملنے گئیں۔
 اتنے میں حضرت عمرؓ بھی وہاں آ گئے۔ دریافت کیا یہ بی بی کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے کہا یہ اسماء
 بنت عمیسؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں ہی حبشہ والی سمندر والی ہیں، حضرت اسماءؓ نے

جواب دیا ہاں وہی: جناب عمر فاروقؓ (شاید ازراہ خوش طبعی) کہنے لگے ہم کو تم پر نفیلت ہے کہ ہم نے مدینہ منورہ کی طرف تم سے پہلے ہجرت کی۔ یہ سن کر حضرت اسماءؓ کو غمہ آگیا۔ کہنے لگیں: ”جی ہاں! آپ سچ فرماتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ آپ لوگ حضورؐ رسید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آنحضرتؐ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے لیکن ہم لوگ محض خدا اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی رضا جوئی کے لیے سالہا سال غریب الوطنی کی خاک چھانتے رہے۔ سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں۔ ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔ تاہم ہر مصیبت کا مقابلہ صبر و استقلال سے کرتے رہے۔“

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ اسماءؓ عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! عمرؓ بڑوں کہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ اسماءؓ بولیں میں نے یوں کہا۔ آپ نے فرمایا انہوں (حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں) نے ایک ہجرت کی اور تم اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کیں (ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب) اس اعتبار سے تم کو زیادہ نفیلت حاصل ہے۔ جب اس گفتگو کا چرچہ پھیلا تو مہاجرین حبشہ حقوق جو حق حضرت جعفرؓ کے گھر آتے اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر مبارک حضرت اسماءؓ سے بار بار دوہرا کر سنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ حبشہ کے مہاجروں کے لیے دنیا میں آپ کے ان الفاظ سے زیادہ حوصلہ افزا اور مسرت انگیز کوئی چیز نہ تھی (بخاری وغیرہ)

یہاں یہ جملہ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفرؓ نے غزوہ موتہ میں جرئہ شہادت نوش فرمایا تھا۔ ان کے واقعہ شہادت کے بعد امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب اسماء بنت عمیسؓ سے نکاح کر لیا۔ ان کے بطن سے محمد بن ابوبکرؓ متولد ہوئے اور جب جناب صدیق اکبرؓ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے تو اسماءؓ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ کے جائزہ نکاح میں آئیں۔

شاہ اسماءؓ کی رحلت | کچھ دنوں کے بعد جب شاہ اسماءؓ رضی اللہ عنہ نے داعی حق کو بتیک کہا تو وحی الہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی رحلت

کا حال منکشف کیا چنانچہ منبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو ان کی وفات کی خبر سنائی۔ اس کے بعد آپ صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی عید گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کی

نماز جنازہ پڑھائی جس میں چار تکبیریں کہیں (بخاری و مسلم)
نماز غائبانہ کی غیر مشروطیت
 بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ وہ اپنی قوم سے اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے اور حبشہ میں مسلمان موجود نہ تھے جو ان پر نماز پڑھتے، اس لیے شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ان پر نماز پڑھی۔ اور ان علماء کا یہ بھی قول ہے کہ اگر غائب کی نماز جنازہ اس کے وطن میں پڑھی گئی ہو تو دوسرے شہر میں اس کی غائبانہ نماز مشروع نہیں۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے سوا کسی دوسرے کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھی۔ اسی طرح خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کی نسبت بھی کوئی روایت نہیں کہ انہوں نے اس شہر کے سوا جہاں کسی میت پر نماز جنازہ پڑھی ہو، کسی دوسرے مقام پر اس کی غائبانہ نماز پڑھی ہو (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۷۸)

نجاشی کی قبر پر نور | حسب روایت عروہ بن زبیر ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ جب شاہ نجاشیؓ نے رحلت فرمائی تو لوگ بیان کرتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا رہا اور ابو داؤد نے روایت کی کہ جب نجاشی رضی اللہ عنہ رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے تو ہم میں یہ تذکرہ رہتا تھا کہ ان کی قبر پر ہر وقت نور دکھائی دیتا ہے اور بخاری نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ جب شاہ اسحمہؓ نے انتقال کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج مرد صالح نے رحلت کی پس اپنے بھائی اسحمہ پر نماز پڑھو۔
 نجاشی کے نام میں اختلاف ہے بعض نے اسحمہ بن ابجر اور بعض نے اسحمہ لکھا ہے اور بیہقی کا بیان ہے کہ صحیح نام اسحمہ بن ابجر تھا (البدایہ والنہایہ)

فصل ۱۷۴ حضرت پید المرسلینؐ کو زن، زرا اور حکومت کا پیشکش

جب قریش نے دیکھا کہ حبشہ تک کی خاک چھانٹنے سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ایک جلسہ مشاورت منعقد کر کے از سر نو ترقی اسلام کے روکنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ لیکن اس بات پر سخت

حیرت زدہ تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے پیرو اپنے نئے مذہب کی خاطر یہ سب سختیاں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آخر ان جاں بازیوں اور قربانیوں کا مقصد کیا ہے؟ کیا حکومت کی خواہش ہے یا جاہ؟ دولت کے طلب گاریں یا نام و نمود کے بھوکے ہیں؟ آخر فیصلہ ہوا کہ رغبت و تحریک کے تمام ہتھیار استعمال کیے جائیں ورنہ یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو پھر ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اس قصہ کو ختم کر دیں اور جس قیمت پر بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو سکیں انہیں راضی کر کے اس تحریک کا خاتمہ کر دیا جائے۔

تزک تبلیغ کا صلہ | اس قرارداد کے بموجب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نانا عقبہ بن ربیعہ جو

روم کے قریب میں سب سے زیادہ متین و سنجیدہ مزاج، سب سے زیادہ سخن دہ اور سب سے زیادہ معزز زمانا جاتا تھا چند دوسرے عمائد کی رفاقت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا برا درناوہ! سنو۔ اگر مال و زر کی خواہش ہے تو ہم تمہارے پاس دولت کا اتنا ذخیرہ جمع کر دیتے ہیں کہ عرب کے سب سے بڑے متمول بن جاؤ۔ اور اگر حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اگر حسن و جمال کے دلدادہ ہو تو جس بڑے سے بڑے گھرانے میں چاہو شادی کرادیں لیکن اپنی مذہبی تحریک کو روک دو اور حجاز میں شورش نہ پھیلاؤ۔

مخلص اور غرض مند | ظاہر ہے کہ مادی دنیا جو جو نعمات اور صلے پیش کر سکتی تھی وہ اس نے زیادہ سے زیادہ پیش کر دیے اور کسی حوصلہ مند انسان کی آرزوؤں کا جو معراج کمال ہو سکتا ہے اور جس حد تک انسانی تصور بلند پروازی

کر سکتا ہے وہ سب آپ کے سامنے رکھ دیے۔ اگر کوئی غرض مند انسان یا فائدہ ساز بنی ہوتا اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور حصول عز و جاہ کے لیے کوئی تحریک شروع کی ہوتی تو اس کے حدود عمل یہیں آ کر ختم ہو جاتے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو یا بیک وقت سب کو حاصل کر کے اپنی سرگرمیوں کے ہر رشتہ کو ماتحت سے چھوڑ دیتا مگر یہاں کسی نفسانی غرض و غایت کا کوئی ادنیٰ شائبہ تک نہ تھا اس وجہ سے اس قسم کی تحریکیں اس بارگاہ معنی میں کبھی پروان نہ چڑھ سکتی تھیں

میں حکومت وغیرہ کسی چیز کا طالب نہیں | عقبہ کو اپنی درخواست کی کامیابی کا پورا وثوق تھا لیکن مادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان ترغیبات کے جواب میں کہا کہ آپ نے جن باتوں کا ذکر کیا میں ان میں سے کسی چیز کا غائب ہونا نہیں۔ میں اس غرض سے دین حق نہیں لایا کہ تم لوگوں سے مال مانگوں یا حکومت چاہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی رحمت کی بشارت دوں اور اس کے غضب سے ڈراؤں۔ سو میں نے اپنے پروردگار کے پیغام تمہارے پاس پہنچا دیے ہیں اور جن امور میں تمہاری بہتری تھی وہ گوش گزار کر دیے ہیں۔ جو کچھ میں منجانب اللہ لایا ہوں اگر اس کو مان لیا تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گے اور اگر رو کر دیا تو میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک خدا سے برتر میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ نہ کر دے (سیرت ابن ہشام)

مُبَشِّر ہونے کی روشن دلیل پیغمبر علیہ السلام کے اس جواب کا وقت کی نزاکت سے مقابلہ کر کے دیکھنا چاہیے کہ ہر شخص آپ کے خون کا پیاسا ہے۔ عالم بے کسی و مظلومی میں رفقاء و معاونین کی سخت قلت ہے۔ ایک جابر و مغرور قوم سے جس نے شرف و مجد انسانی کو بالائے طاق رکھ دیا ہے مقابلہ ہے۔ با ایں ہمہ آپ کو خدا سے برتر پر ایسا توکل اور عزم ایسا راسخ ہے کہ آپ نے سچی بات لگی لیٹی رکھے بغیر رملاکہ دی۔ نہ کسی سے کچھ خوف کھایا اور نہ آئندہ کے سبز باغ دکھا کر رفاقت پر آمادگی ظاہر کی۔ نہ کوئی وعدے کیے اور نہ لیے۔ یہ استقلال اور عزم مصمم اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ اللہ العلیین کی طرف سے مُبَشِّر اور اس کے سچے رسول تھے۔

عتبہ پر کلام الہی کی ہیبت اس کے بعد آپ نے سورہ خم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ عتبہ کلام الہی کی ہیبت سے اتنا متاثر و مرعوب ہوا کہ اٹھ کر آپ کے لب مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور بے ساختہ چلا اٹھا محمد! قربت کا واسطہ! اب بس کرو! اس کے بعد اٹھ کر واپس چلا۔ جب اپنے ہم مشرب ساتھیوں میں پہنچا تو وہ اس کا متغیر چہرہ اور ہڈا ہوا رنگ دیکھ کر باہم سرگوشیاں کرنے لگے اور سبکے ماجرا پوچھا۔ عتبہ نے کہا آج میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے۔ واللہ! اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ کلام شاعری سے ممتاز ہے اور جادو یا کمانت بھی نہیں۔

آنحضرت کو آپ کے حال پر چھوڑ دینے کی تلقین اس کے بعد عتبہ نے کہا میری رائے میں مناسب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ

وسلم، کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر عرب کے بادشاہ بن جائیں گے تو اس میں ہماری ہی عزت ہے کیونکہ وہ ہمارے ہم قوم ہیں ورنہ خود بخود فتن ہو جائیں گے۔ پس بہتر ہے کہ تم لوگ آئندہ کے لیے ان سے تعزین کرنا بالکل چھوڑ دو۔
 عتبہ کی یہ باتیں سن کر اکابر قریش نے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے مسخر ہو گئے۔ عتبہ نے جواب دیا کچھ بھی ہو میری تو یہی رائے ہے۔ لیکن ابو جہل اور دوسرے حق فراموش منادید نے عتبہ کی صاحب رائے سے اتفاق نہ کیا (ابن ابی شیبہ، بیہقی، ابویعلیٰ، ابن ہشام)

فصل ۱۷۵۔ ہادی عالم کا ارشاد کہ میں کسی تبلیغ کی اہمیت نہیں چاہتا

خالق کر دگار سے رشتہ
 عبودیت استوار کرنے کی تلقین
 سطور مابین میں درج ہو چکا ہے کہ قریش کی طرف سے ہادی اناہام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط پر زن، زر اور حکومت کی طمع دلائی گئی تھی کہ آپ تبلیغ رسالت سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ پیشکش آپ کے مقصد بعثت اور فرغن منصبی کے سراسر خلاف تھا آپ نے اس کو مسترد فرما دیا تھا۔ آپ ہادیہ ضلالت کے راہ رووں کو سالما مثال تک مختلف پیرایوں میں حق و صدق کی دعوت دے کر فریقہ تبلیغ بجالاتے رہے۔ اس سلسلہ اہلغ میں آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ میں تم سے اس تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ شرک اور بت پرستی سے دست بردار ہو کر اپنا رشتہ عبودیت خالق کر دگار سے استوار کر لو۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:-

اے نبی! آپ ان سے کہئے کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ البتہ یہ چاہتا ہوں کہ جس کسی کی خواہش ہو وہ اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ
 مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَجِدَ
 إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا
 (۲۵ : ۲۵)

اس ارشاد کی مثال ظاہر ہے کہ یہ ارشاد کس درجہ محبت، عطوفت اور شفقت سے

بہتر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی محسن معلم نہایت محبت اور شفقت سے تعلیم دے کر کسی کو عالم فاضل بنائے اور جب شاگرد اس نوازش پر استاد کی کچھ خدمت کرنے کا قصد کرے تو استاد کہے کہ میں کسی اجرت کا طلبگار نہیں۔ میری جدوجہد کا ثمرہ اور محنت کا پھل ہی ہے کہ تم اس علم پر عمل کرو اور دوسروں کو بھی اس سے مہیاب کرو۔ یعنی علم پر عمل کرنا اللہ دوسروں کو اس سے منتفع کرنا خود تمہارے لیے سود بخش ہے اور اس لحاظ سے کہ تمہاری نفع رسانی ہی میرا منتہا ہے نظر ہے اس لیے اجرت لینے سے کہیں بڑھ کر مجھے اس بات پر مسترت ہوگی کہ اس علم سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور اوروں کو بھی فیض یاب کرو۔

طرفہ کا ایک شعر | حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ کبھی کبھار شعر سے سبق آموز اور مصلح اخلاق ہوتا تھا۔ طرفہ بن عبد عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ادب کی مشہور کتاب "سبعہ معلقہ" میں دوسرا معلقہ اسی کا ہے۔ طرفہ بعثت سے پہلے ہی دنیا کی سرائے فانی سے کوچ کر گیا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طرفہ کا یہ شعر پڑھا :-

ستبدی لك الايام ما كنت جاھلا

و یاتيك بالاحساس من لم تزود

آپ نے شعر کے دوسرے مصرع سے قائل فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کبھی وہ شخص بھی تمہارے پاس خبریں لے آتا ہے جس کو تم نے کچھ معاوضہ نہیں دیا۔ یعنی کسی مقام کے حال معلوم کرنے کے لیے کسی کو اجرت اور مصارف سفر دے کر بھیجا جاتا ہے لیکن بعض اوقات گھر بیٹھے بٹھائے کوئی شخص خود ہی آکر تمام حالات سے مطلع کر جاتا ہے۔ ان حالات کے لیے کسی قسم کا کوئی خرچ برداشت نہیں کرنا پڑتا۔

مصرع میں اپنی ذات گرامی مراد لینا | بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس مصرع میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات گرامی مراد لی ہے کہ کسی اجرت اور معاوضہ کے بغیر گھر بیٹھے بٹھائے انبیاء سلف اور ان کی قوموں کے

واقعات، مستقبل کے حالات، قیامت اور جنت دوزخ کی کیفیات ہر بات مفت بتا رہا ہوں اور تمام آئندہ خطرات سے متنبہ کرتا ہوں اور اس تبلیغ کے لیے کسی مزدوری کا خراباں نہیں۔ لیکن پھر بھی میری قوم کے لوگ اپنی بت پرستی میں ایسے مگن ہیں کہ رسالت خداوندی کو چشم مینا

سے نہیں دیکھتے اور گوش شنوا سے نہیں سنتے۔

فصل ۶۱ قریش کی طرف سے ایک دوسرے کے معبودوں کی پرستش کرنے کی تجویز

جس طرح حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ یہ کوشش تھی کہ سرداران قریش اور دوسرے لوگوں کو راہ راست پر لا کر مشرف بایمان کریں، اسی طرح اعیان قریش کی بھی یہ بڑی عزت و خواہش تھی کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنہوں نے اپنا قومی مذہب چھوڑ دیا ہے (معاذ اللہ) کیش بت پرستی کے پیرو بنائیں۔ چنانچہ وہ اس غرض کے حصول کے لیے نئی تجویزیں سوچتے اور آپ کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے۔

ابن جریر طبری اور ابن ابی عامر نے روایت کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاصی بن وائل، اسود بن مطلب اور اُمیہ بن خلف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے اور کہنے لگے اے محمد! آؤ تم ان معبودوں کی پوجا کرو جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور ہم بھی اس کی عبادت کرتے ہیں جس کے تم پرستار ہو۔ تم اور ہم اپنے تمام مذہبی امور میں اشتراک پیدا کر لیں۔ اگر ہمارا مذہبی مسلک تمہارے طریقہ سے زیادہ صحیح ہوگا تو تم نے بھی اس کا حقہ پایا اور اگر وہ طریقہ زیادہ صحیح ہے جس کی تم دعوت دیتے ہو تو ہم نے بھی اس سے حلف وافر پایا۔ اس وقت سورہ کافرون نازل ہوئی جس میں خدا نے حکیم و برتر نے فرمایا۔ (ترجمہ)۔

اے رسول! (ان سے) کہہ دیجئے کہ اے منکر و بائیں (بحالت موجودہ) تمہارے ان معبودوں کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم پوجا کرتے ہو اور جس خدا کی میں پرستش کرتا ہوں تم بھی (موجودہ وقت میں) اس کی عبادت نہیں کرتے اور (آئندہ بھی) نہ قومی تمہارے ان معبودوں کی پرستش کروں گا جس کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم (اسی سے توقع ہے کہ) اس خدا کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں (تو میرا تمہارا میل و اتحاد ممکن نہیں) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین؟

پس توحید اور شرک کسی حالت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لہذا تمہاری یہ درخواست بالکل بیہودہ خواہش ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو تشریف قبول نہ بخشا تو انہوں نے کہا کہ اچھا ہماری ایک بات مان جاؤ تو اس میں ہماری اور تمہاری سب کی بھلائی ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال تم ہمارے وجودوں کو لات اور عزتی کو پورا کرو اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے۔ آپ اس اہتمام تجویز پر موحیرت رہ گئے۔ اس وقت سورہ قل یٰٰٓاَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر طبری)

آپ (ان کے جواب میں) کہہ دیجئے کہ
اے جاہلو! کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت
کرنے کی فمائش کرتے ہو؟

قُلْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ تَعَالٰی
اَعْبُدُوْا اَیُّهَا الْجٰہِلُوْنَ ۔
(۶۳ : ۲۹)

اس کے بعد حضرت نذیر و بشیر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام تشریف لے گئے۔ اس وقت قریش کے سردار وہاں موجود تھے۔ آپ ان کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور ان کو سورت کافرون پڑھ کر سنا دی۔ اس کو سن کر وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو گئے۔

بعض کے نزدیک سورہ کافرون میں کلام کا اعادہ و تکرار ہوا ہے۔ قرآن نحوی نے کہا کہ قرآن لغت عرب میں نازل ہوا تھا اور عربوں کی عادت تھی کہ وہ مخاطب کے اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے کلام کا تکرار (یعنی اعادہ) کیا کرتے تھے اور عجیب مخاطب بلی بلی (ہاں ہاں) اور انکار کرنے والا کا (نہ نہ) کہا کرتا تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے :- کَلَّا سَبُوْتَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ کَلَّا سَبُوْتَ تَعْلَمُوْنَ ۔

لیکن جمہور کے نزدیک اس کلام میں کوئی بات مکرر نہیں کی گئی۔ زحشری نے اس سورت کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ اے نبی! ان کافروں سے کہہ دو کَلَّا اَعْبُدُوْا میں عبادت نہیں کرتا) اس میں زمانہ مستقبل کی عبادت کی نفی کی گئی ہے کیونکہ لفظ کَلَّا (نہیں) مضارع پر داخل ہو کر اسی طرح استقبال کے معنی کی نفی کرتا ہے جس طرح لفظ مَا (نہیں) مضارع پر داخل ہو کر حال کے معنی کی نفی کرتا ہے۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ میں مستقبل میں ہرگز وہ کام نہ کروں گا جس کے تم مجھ سے طالب ہو یعنی تمہارے بتوں کی ہرگز پرستش نہ کروں گا اور نہ تم

اس کام پر آمادہ ہو سکتے ہو جس کا میں عبادت الہی کے متعلق تم سے طلب گار ہوں۔ اسی طرح میں زمانہ ماضی میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کر سکتا تھا اور نہ تم نے کسی وقت میرے معبود برحق کی عبادت کی۔

فصل ۷۷۱۔ مسیحی وفد کی سعادت اندوزی اسلام

جستہ میں بہت دنوں سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا غلغلہ بلند تھا۔ انجام کار مسیحیت کی مجلس ملی نے تحقیق حال کے لیے ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ چند سربراہ اور وہ پادریوں کا وفد جن میں بڑے بڑے جید علماء اور مناظر داخل تھے مکہ معظمہ پہنچا۔ جس وقت یہ لوگ سستا کر ملاقات کے لیے آئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے اور مسجد میں قریش کا بڑا جگمگا تھا۔ انہوں نے اگر مذہبی سوالات کرنے شروع کیے۔

اس وقت ایمان قریش اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے یہ دل کش نظارہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے سوال کرتے تھے اور آپ جواب با صواب سے ان کو مطمئن کرتے جاتے تھے۔ جب سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو اس وقت ان کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کر چکی تھی۔ اب آپ نے کلام الہی کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ قرآن سن کر ان پر رقت طاری ہوئی اور سب کے سب زار و نظار رونے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ دلوں میں قبول حق کی صدا حیت پیدا ہو چکی ہے تو آپ نے انہیں قبول حق کی دعوت دی۔ دل زور ایمان سے چمک اٹھے تھے معاہدہ ایمان سے سرشار ہوئے۔

ابو جہل کی طعن و تشنیع | جب منادید قریش نے دیکھا کہ یہ تو باتوں ہی باتوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے تو بہت

سٹ پٹائے۔ ابو جہل جیسے معاند رسالت پر بالخصوص ان کا قبول اسلام سخت شاق گزرا اور وہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ وہ بھلا اس حالت پر خاموش کہاں رہ سکتا تھا چند دوسرے اشیقار کو ساتھ لے کر ان کے پاس پہنچا اور عالم برافروختگی میں کہنے لگا خدا تمہیں غمراہ کرے تم بڑے احمق ہو۔ تمہاری قوم نے تو محض خبر معلوم کرنے کو بھیجا تھا لیکن تم لوگوں نے

سوچے سمجھے بغیر اس شخص کی اطاعت کا جو اگر دن میں ڈال لیا۔

یادریوں کا جواب | وہ کہنے لگے کہ تم اس جوہر کی قدر نہیں جانتے۔ ہم نے اُن اوصاف کے بموجب ان کو پہچان لیا ہے جو نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت ہماری کتب سماوی میں مذکور ہیں۔ ابو جہل اب بھی ملامت اور زبان درازی سے باز نہ آیا۔ انہوں نے کہا تمہیں ہم سے کیا سروکار؟ تمہارے کام تمہارے لیے ہیں اور ہمارے اعمال و کردار ہمارے لیے (سیرت ابن ہشام)

گو میں نے ابن ہشام کی یہ روایت یہاں درج کر دی ہے لیکن اس کی صحت میرے نزدیک مشتبہ ہے کیونکہ اگر یہ وفد فی الحقیقت مکہ معظمہ آیا اور ارکان وفد مشرف بایمان ہوئے تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے بعد ان کا وجود کیسے نظر نہ آتا۔ اگر مسیحیت کے ان مذہبی مقتداؤں نے بھی بادشاہ کی مثال کی پیروی کرتے ہوئے اسلام قبول کیا ہوتا تو ہمیشہ میں ہر جگہ دین حنیف کا ڈنکا بج جاتا حالانکہ عبد رسالت میں ہمیں جہشہ کے اندر بادشاہ اور مہاجرین کے سوا کوئی مسلمان دکھائی نہیں دیتا۔ اگر اس وفد کے ارکان میں سے کوئی شخص یا جہشہ کا کوئی دوسرا آدمی مشرف بایمان ہوتا تو مہاجرین کے چلے آنے کے بعد بادشاہ کی رحلت پر ان کی نماز جنازہ ضرور پڑھی جاتی حالانکہ حسب بیان ابن کثیرؒ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں محض اس بنا پر شاہ بخاشی کی نماز جنازہ ادا کی کہ جہشہ میں کسی نے ان پر نماز نہ پڑھی تھی۔

فصل ۸۷۱ حضرت حمزہؓ آغوش اسلام میں

حضرت سے | نبوت کے چھٹے سال سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے عزمِ محترم حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ جو ابو عمارہ کی کنیت سے مشہور تھے، سعادتِ اسلام سے شرفِ اندوز ہوئے۔ وہ ایک حیثیت سے آپ کے خالہ زاد بھائی بھی لگتے تھے کیونکہ ان کی والدہ ہالہ بنت اُمیہ یا وہیبؓ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مادرِ محترمہ جنابِ آمنہؓ کی عم زادہ بن تھیں۔ جس مجلس میں عبد المطلب بن ہاشم نے ہالہ بنت اُمیہ سے نکاح کیا، اسی مجلس میں ان کے صاحبزادہ عبد اللہ آمنہ خاتونِ بنت وہیب

کو اپنے جائہ نکاح میں لائے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے علی اختلاف الروایات عمر میں دو یا تین یا چار سال بڑے تھے۔ وہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ دونوں نے ابولسب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ لیکن حمزہؓ آپ سے تین چار سال بڑے تھے اس لیے ظاہر ہے کہ دونوں نے یک زمانہ ثویبہ کا دودھ نہ پیا ہوگا۔

گوکہ مکہ مکرمہ کی گھاٹیاں کئی سال سے دعوت توحید کی صدا سے گونج رہی تھیں اور حضرت حمزہؓ کو آپ سے شدید محبت تھی تاہم انہوں نے کبھی دعوت اسلامی کی طرف توجہ نہ کی۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ وہ اپنے کفر پر جازم اور بت پرستی میں مگن تھے یا یہ کہ ان کا مذاق طبیعت سیر و شکار اور سپہ گری تھا اس لیے شاید ان کا مومن کی شدت انہماک نے انہیں دعوت اسلامی پر غور کرنے کی کبھی ہمت نہ دی ہوگی۔ تاہم ہادی ذوالہدٰی کے دستِ رحمت نے انجام کار عجیب طرح سے ان کے باطن کا فلاحی دروازہ کھولا اور کشتِ زارِ دل میں محبتِ اسلام کی تخم ریزی اور آبیاری کر دی (الرومن الاثنت و تاریخ ابن جریر طبری)

ابو جہل کی دست درازی

اور دشنام دہی

ان کے قبولِ اسلام کی یہ تقریب پیدا ہوئی کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے حضرت امام المسلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہ صفا کے پاس دیکھا جس طرح کتا غیر مانوس آدمی کو دیکھ کر

بھونکنے لگتا ہے اسی طرح ابو جہل آپ کو دیکھ کر آپ سے باہر ہو جاتا اور سخت مشتعل ہو کر گالیوں کی غلاظت اُچھالنے لگتا تھا۔ اس نے آپ کو تنہا پا کر نہ صرف فحش گالیاں دیں بلکہ آپ پر مٹی اور گوبر پھینک کر آپ پر ہاتھ بھی اٹھایا لیکن آپ نے اپنے خلقِ عظیم کے اقتضائے سبر و سکون کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جُدعان کی لونڈی کوہ صفا پر اپنے گھر میں بیٹی یہ سب دیکھتی اور سن رہی تھی۔ ابو جہل یہاں سے کعبہ معلیٰ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں چلا گیا۔ حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹ کر کوہ صفا پر پہنچے تو وہ لونڈی ان سے کہنے لگی ابوعمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے براور زادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دیکھتے کہ عمرو بن ہشام نے انہیں کس طرح اپنے جور و ستم کا نشانہ بنایا ہے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سننا تھا کہ رجبِ حیت پھر تک اٹھی اور غصہ سے بے قابو ہو گئے۔

ابو جہل کی سرکوبی | حضرت حمزہؓ تمام قوم قریش میں بڑے غیور مشہور تھے۔ انہوں نے صفا مجلس قریش کا رخ کیا اور اس تیزی سے گئے کہ کسی سے بات تک نہ کی،

حالانکہ ان کا معمول تھا کہ جب آتے تو راستہ میں کئی جگہ زک زک کر دو گوں سے باتیں کرتے جاتے۔ اس واقعہ نے ان کو سخت برا فروختہ کر دیا تھا اور انتقام لینے کی تئنا نیت بے قرار تھی۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ بقت کفر کا سردار مناوید قریش کے جھگڑے میں بیٹھا ہے۔ انہوں نے سیدھا ابو جہل کا رخ کیا۔ اس کے قریب پہنچ کر کمان اٹھائی اور پوری قوت اور شدت کے ساتھ مار کر اس کا سر پھوڑ دیا۔ اس کے بعد کہنے لگے تو ہمیشہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درپے ایذا رہتا ہے اور مجھے کبھی شرم نہیں آئی کہ ناحق ایک بے گناہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

ابو جہل کو ہولناک دیکھ کر اس کے قبیلہ بنو مخزوم کے چند آدمی اس کی حمایت میں حضرت حمزہ کی طرف بڑھے اور بولے حمزہ! ہم اس کے سوا کچھ نہیں دیکھتے کہ تم صابی ہو گئے ہو! انہوں نے فرمایا کہ مجھے قبول اسلام سے کون امر مانع ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ مجھ پر امر حق واضح ہو چکا ہے اور میں تمام عباد قریش کے سامنے اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ ابو جہل نے یہ دیکھ کر کہ کہیں میری وجہ سے ہاشمیوں اور مخزومیوں میں سلسلہ رزم و پیکار نہ شروع ہو جائے اپنے مخزومی اقربا سے کہا کہ ابو عمارہ سے کچھ تعرض نہ کر دیکونکہ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو گایاں دی ہیں۔ (مستدرک حاکم و تاریخ طبری) یہ اسلام کا وہ ابتدائی دور تھا کہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بنو زجباب رقم ۴ کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور اہل ایمان کا حلقہ قبیل السعد و ہشینیوں تک محدود تھا۔

حامل نبوت کی خوشی اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کے بعد حضرت حمزہؓ واپس آئے اور حضرت سے مل کر کہنے لگے برا در زادے! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ آج میں نے عمرو بن ہشام (ابو جہل) سے اس کی تسکین طبیعت کو سر د کر کے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا چچا جان! مجھے ایسی باتیں خوش نہیں کیا کریں میری خوشی تو اس میں ہے کہ تم غیر اللہ سے منقطع ہو کر دین حق کی پیروی کرو۔

آج یہ سب پہلا دن تھا کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطاب خاص سے مخاطب کر کے دین حق کی طرف بلایا تھا۔ گو حضرت حمزہؓ اس سے پہلے مسجد میں عباد قریش کے سامنے بھی حقیقت اسلام کا اقرار کر آئے تھے مگر وہ محض نمائشی اقرار تھا لیکن اب اس مخصوص خطاب اور بر ملا دعوت نے جس کا مسترد کرنا فائدائی و قمار کے خلاف تھا۔ ان کو سخت ذہنی الجھن پڑا اور وہ اسی شش و پنج کی حالت میں گھر واپس آئے۔

شرف ایمانی | حضرت حمزہؓ کا بیان ہے کہ اس وقت اپنے آباؤ اجداد اور اپنی قوم کا دین چھوڑنے کے خیالات نے مجھے سخت بکیدہ خاطر کر رکھا تھا اور میرا دماغ سخت کشمکش میں تھا کہ مجھے اپنے آبائی دین پر قائم رہنا چاہیے یا دین اسلام قبول کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی بجوم انکار میں میری ساری رات آنکھوں میں کٹی میں دن کے وقت کعبہ معلیٰ میں گیا اور دعا تضرع و ابتهال کے ساتھ بارگاہ ایزد متعال میں دعا گو ہوا کہ خدایا! میرے باطن کا دغدغہ اور تشویش دور کر اور پیروی حق کے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اس دعا و زاری کا یہ اثر ہوا کہ حق تعالیٰ نے تمام باطل توہمات میرے دل سے خارج کر کے مجھے اذعان و یقین کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت حمزہؓ نے اب بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر اپنی تمام دلی کیفیت کا راز آشکارا کیا۔ توحید کے مناد و عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبول حق اور استقامت علی الایمان کے لیے دعا فرمائی۔ خدائے عظیم نے معاً اسلام کی محبت کے نقش ان کے دل میں بٹھا دیے اور انہیں ایمان کی دولت جاوید سے بالامال کر کے انسانی ترقی کے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔
(الروض اللعنف)

عز و وقار میں اضافہ | حضرت حمزہؓ کے اسلام کی خبر کچھ ایسی نہ تھی جو ٹھنڈے دل سے سنی جاتی۔ شہر میں سناٹا مچھا گیا بت پرست حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چمن استبداد اُجڑ گیا ہے۔ نہ کوئی پھول باقی ہے نہ کلیاں۔ قریش نے محسوس کیا کہ نبوت کے سلطان عالی مرتبت کا عز و وقار بڑھ گیا ہے اور اب حمزہؓ ان کی طرف سے ضرور مدافعت کریں گے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ایذا رسانی سے بہت کچھ ہچکچانے لگے (تاریخ طبری)

ایک خصوصیت | حضرت حمزہؓ نے غزوہ اُحُد میں شہادت نوش فرمایا تھا۔ اُمت مرحومہ میں لاکھوں نفوس قدسیہ ایسے ہوئے اور قیامت تک ہوں گے جنہیں درجہ شہادت کی سرفرازی نصیب ہوئی لیکن ان میں سے کوئی بزرگ سید الشہداء کے درجہ پر فائز نہ ہو سکا اُمت میں یہ خصوصیت صرف حضرت حمزہؓ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی کہ وہ سید الشہداء کے گرامی لقب سے ممتاز ہوئے چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کے لیے سید الشہداء کا لقب حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔ طبرانی نے

بطریق اصبح بن بنانہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۵۷)

فصل ۹۷۹ حضرت عمرؓ کے نہاں خانہ دل میں اسلام کی

جلوہ گری

حضرت امیر المومنین ابو حفص عمر بن خطابؓ ابن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو عدی کے حنیف و چراغ ہیں جو قریش کی ایک شاخ تھا۔ عدی کے دوسرے بھائی عمرہ تھے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھوں میں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے جد اعلیٰ عدی کو بیعتہ سفارت مقرر تھا یعنی جب قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا یا کسی فرماں روا کے پاس سفارت بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو عدی اور عدی کے بعد حضرت عمرؓ کے دوسرے آبا اجداد سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے گیارہ سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے قبولِ مشرف باسلام ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے جو شدید نفرت تھی اور دائمی اسلام علیہ التیجۃ والسلام کی ذات گرامی سے کینہ و عداوت کا جو جذبہ ان کے باطن میں موج زن تھا اس کے دیکھتے ہوئے کسی کو اس بات کا وہم و گمان نہ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی کبھی اپنی قسمت اسلام سے وابستہ کریں گے۔ چنانچہ حبشہ کی پہلی ہجرت میں حضرت عمرؓ کی ایک قرابت دار خاتون ام عبد اللہ بلی بنت ابی حمزہ جب اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ جانے کے قصد سے اونٹ پر سوار ہونے کو تھیں تو اتفاق سے حضرت عمرؓ وہاں آگئے اور عمرؓ نے بلیؓ سے پوچھنے لگے کہ ام عبد اللہ! کہاں کی تیاری ہے؟ چونکہ حضرت عمرؓ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف ادا رکھائے بیٹھے تھے، خصوصاً ان کے گھرانے پر تو حضرت عمرؓ کے قہر و غضب کی بجلیاں بڑی شدت سے

گرتی رہتی تھیں، انہوں نے کہا کہ آپ لوگ بروقت مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ہیں اس لیے ہم ترک وطن پر مجبور ہوئے ہیں اور عزم مصمم کر لیا ہے کہ جب تک خدا سے عزیز مسلمانوں کے لیے مصلحت کی کوئی صورت پیدا نہیں کرے گا ہم وطن سے دور ہی رہیں گے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت مضطرب ہوئے اور کہا **صَحْبَكُمُ اللَّهُ** (خدا تمہارے ساتھ ہو) اور ساتھ ہی ان پر ایسی رقت طاری ہوئی جو اس سے پیشتر کبھی مشاہدہ میں نہ آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کی رقت اور ان کے اس دعاویہ کلمہ نے محترمہ لیلیٰ رعتی اللہ عنہا کے نہال امید کو سرسبز کر دیا اور انہیں یقین ہوا کہ عمرؓ کبھی نہ کبھی ضرور دائرۂ اسلام میں داخل ہوں گے۔ اس وقت ان کے شوہر حضرت عامر بن ربیعہؓ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو محترمہ اُمّ عبد اللہؓ نے عالم مسرت میں یہ واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ عامرہؓ کہنے لگے بھلا یہ کہاں ممکن ہے کہ ایسا قاسمی اور شدید العداوت انسان بھی کبھی اسلام کے سایہ عاطفت میں آنا گوارا کرے۔ حضرت عامرؓ نے اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ عمرؓ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطاب کا گدھا ایمان نہ لائے گا (تاریخ ابن کثیر)

حضرت عامرہؓ کا یہ قول تعلیق بالمحال تھا۔ ان کی غرض یہ تھی کہ جس طرح گدھے کا قبول اسلام ناممکنات میں سے ہے، اسی طرح عمرہؓ کی سعادت ایمانی بھی محال ہے۔ لیکن اس قادر کار ساز نے جو ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے آئندہ چل کر حضرت عمرہؓ کو نہ صرف ایک مومن کالی مہاجر اور مجاہد فی سبیل اللہ بلکہ امیر المؤمنین اور فاروقِ اعظم بنا کر لوگوں کو دکھا دیا کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو **فَعَالٌ لِّمَاعَزِيدٍ** کے دائرۂ قدرت سے خارج ہو۔

امام ابن جوزیؒ نے سیرت عمر بن خطابؓ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرہؓ کے قبول اسلام کے سبب میں اختلاف ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ان کے مشرف بایمان ہونے کی روایتیں مختلف ہیں

دلائل و انتباہات کو
بار بار پس پشت ڈالنا

لیکن وہ سب روایتیں ایک واقعہ کے متعلق نہیں بلکہ مختلف حالات اور مختلف مواقع کی نسبت الگ الگ بیانات ہیں۔ اختلاف تب سمجھا جاتا جب ایک ہی واقعہ کی روایتیں باہم متخالف ہوتیں۔ قبل از بعثت سے لے کر حضرت عمرہؓ کے قبول اسلام تک چھ سات سال کی مدت میں یکے بعد دیگرے ایسے حالات رونما ہوئے جو حضرت عمرہؓ کو بتدریج اسلام کے قریب لاتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر کار ان کے دل پر عبرت و تنبیہ کی ایسی کاری چوٹ لگی کہ انہیں دامن اسلام سے

وابستہ ہو کر ساقی کو تر کے ہاتھ سے جام توحید پینا پڑا۔

سب سے پہلا واقعہ جو ۷۰ ویں فصل میں قلمبند ہو چکا ہے یہ تھا کہ انہوں نے بچپن سے لاکھ لاکھ کی آواز سنی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ اس واقعہ سے بہت آموزدہ ہوئے۔ یہ بعثت سے کچھ مدت پہلے کا واقعہ ہے۔ اس دلیل نبوت کے مشاہدہ پر چاہیے تھا کہ جو نبیؐ اعلیٰ توحید صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوائے نبوت کیا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح جھٹ ملنے لگوں اسلام ہو جاتے۔ لیکن ان کے دل و دماغ پر جاہلی عصبیت کی ایسی موٹی تہیں چڑھی تھیں کہ ہر انتباہ و موعظہ کا کچھ ہلکا سا رنگ قبول کرنے کے بعد اسے ایک ہی دو روز میں نسیا منسیا کر دیتے۔

قبول اسلام امام احمد نے مسند میں تشریح بن عبید حضرت عمرؓ کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان اپنے قبول اسلام کے بارہ میں درج کیا ہے اور امام ابن جوزیؒ نے ابن عباسؓ اور ابوالزبیرؓ کی روایتوں سے حضرت عمرؓ کے بیانات قلمبند کیے ہیں۔ اسی طرح ابن جوزیؒ نے حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے متعلق انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت حوالہ قرطاس کی ہے۔ مزید براں سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں حضرت جابرؓ کی روایت ابن ابی شیبہؒ سے نقل کی ہے۔ یہ کل چھ اقوال ہوئے۔ میں ان تمام روایتوں کا اقتباس ایسی ترتیب سے درج ذیل کرتا ہوں جس کو میں نے مرتج و موزون خیال کیا ہے۔

پہلا واقعہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ کعبہ معلیٰ میں گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجر کی طرف تشریف لے گئے اور تغریغ و خشوع کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس سے فراغت پا کر گھر کو لوٹے۔ میں نے آپؐ کی زبان سے کچھ ایسے کلمات سنے جن سے میرے کان آشنا نہ تھے۔ میں آپؐ کے پیچھے ہویا۔ آپؐ نے پوچھا کون ہو؟ میں نے کہا عمرؓ۔ آپؐ نے فرمایا عمر! تم دن رات کسی وقت میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ میں آپؐ کی بددعا سے ڈر گیا اور فوراً کلمہ شہادت پڑھا۔ اس واقعہ کو ابن ابی شیبہؒ نے حضرت جابرؓ انصاریؓ سے روایت کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ بے سوچے سمجھے دہشت کی حالت میں زبان سے کہہ دیا ورنہ دل پر اس کا کچھ اثر نہ تھا اور نہ اس واقعہ کے بعد اس کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا۔

دوسرا واقعہ امام احمد نے بطریق تشریح بن عبید حضرت عمرؓ سے اور طبرانی نے کبیرؓ میں ثرہانؓ سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

تعرین کرنے کو نکلا۔ آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ قرأت میں سورۃ حاقہ پڑھنے لگے۔ میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کی نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا واللہ! یہ شخص تو شاعر ہے جیسے قریش کہا کرتے ہیں۔ جب یہ خیال دل میں آیا تو آپ نے اس سورت کی یہ آیت پڑھی :-

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا
مَا تُؤْمِنُونَ ۝ (۶۹: ۴۱)

یہ قرآن بلاشبہ کلام الہی ہے ایک معزز فرشتے کا یا ہوا اور یہ کسی شاعر کی بتائی ہوئی بات نہیں ہے مگر تم لوگ بہت ہی کم یقین کرتے ہو۔

یہ سن کر میں نے دل میں کہا یہ شاعر نہیں تو کاہن ہے۔ اب آپ نے یہ پڑھا :-
وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا
تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۶۹: ۴۲-۴۳)

اور نہ یہ کسی کاہن کے نکلے ہیں مگر تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو۔ یہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔

یہاں تک کہ آپ نے سورۃ حاقہ آخر تک پڑھی۔ اس کو سن کر اسلام میرے دل میں گھر گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ ان تاثرات کو بھی جلد صفحہ دل سے محو کر بیٹھے اور مسموم فضا اور ناموافق ماحول نے ان کو تھوڑے ہی دنوں میں پھر ویسا ہی غالی، شرک پسند اور عدلے اسلام بنا دیا۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی دعا | دعوت اسلامی کے ابتدائی دور میں قریش کے غیر ہاشمی خاندانوں کے اندر عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام مخزومی (معروف بہ ابو جہل) کو خاص امتیازی قوت حاصل تھی۔ لیکن جس درجہ یہ دونوں رئیس صحابہ

اقتدار اور ذی اثر تھے، اسی قدر زیادہ انہیں اسلام اور پیروان اسلام سے عناد تھا۔ جن ایام میں قریش کی نظم آرائیوں نے اسلام کو سخت مشکلات کے حصار میں گھیر رکھا تھا، شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ شفقت ان دونوں کی ہدایت کے پر محبت ولولوں سے ملو تھا اور آپ کی دل آرزو تھی کہ ان دونوں میں کوئی نہ کوئی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر تقویت اسلام کا ذریعہ ثابت ہو۔ چنانچہ امام احمد اور ترمذی نے عبد اللہ بن عمرؓ سے، طبرانی نے عبد اللہ بن مسعودؓ اور انسؓ سے، حاکم نے عبد اللہ بن عباسؓ سے اور دارقطنی نے انسؓ سے روایت کی کہ ایک دن توحید کے داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار گاہ رب العزت میں دعا کی الہی! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب

میں سے جس کو تو چاہتا ہو حلقہ اسلام میں داخل کر کے اپنے دین کو تقویت دے۔ یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہو گئی۔

ابو جہل کی طرف سے سید کون | حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سعادت ایمانی کے بعد ابو جہل
ترقی اسلام کو دیکھ کر ہر وقت مار دُم بریدہ کی طرح بیچ
مکان کی جان لینے کا انعام | تاب کھارہا تھا۔ اس نے طیش میں آکر اعلان کیا کہ جو

کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس لائے اس کو سو اونٹ یا ہزار اونٹ
چاندی انعام دوں گا۔ حضرت عمرؓ ابو جہل کی چچا زاد بہن کے فرزند تھے۔ اس نے حضرت عمرؓ
کو سخت برا بیگنہ کر کے اقدام قتل پر آمادہ کیا۔ وہ مسلح ہو کر آپ کے قتل کے ارادہ سے چلے۔
اس وقت قضا و قدر کھڑی سنس رہی تھی کہ شقاوت کے ساتھ جا رہا ہے لیکن سید ہو کر لوٹے گا۔
کافر اور دشمن بن کر نکلا ہے، مومن پاک اور محبت صادق بن کر پھرے گا۔

نعمت ایمان سے خواہر | اور دین حق کی دل آویزی کا کمال دیکھو کہ اس سے چند روز
پیشتر جناب عمرؓ کی ہمیشہ فاطمہؓ بھی اپنے سید الفطرت شہر
حضرت سید بن زید رضی اللہ عنہ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کے

نعمت ایمان سے حلاوت اندوز ہو گئیں۔ جب حضرت عمرؓ دو پہر کے وقت شمشیر بکف مخدوم
انام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چراغ گل کرنے کے نامبارک ارادہ سے نہایت غصے اور طیش
میں جا رہے تھے تو اعلیٰ کے فرشتوں نے مسرت و شادمانی کا غلغلہ بلند کیا اور اس مضمون
کے شعر پڑھنے شروع کیے۔

آمد آں یا سے کہ من می خواستم راست شد کا سے کہ من می خواستم
رفتہ رفتہ می رود آں سوے دام ہم بہ ہنجارے کہ من می خواستم
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انالہ الخفا میں کیا خوب لکھا ہے۔ فرماتے
ہیں :-

تدبیر غیب اور خواہی نخواہی بہ اسلام آورد ع
گر نیاید بخوشی موسے کشانش آرید

اس کے بعد لکھتے ہیں :-
مراد بود نہ فرید، مخلص بود نہ مخلص و شتان بین المرتبتین۔ دین راہ

نیا دتا آنکہ درود دیوار ندایش نہ کر دند و بر خوان نعمت نہ رسید تا آنکہ مکرر
بر زبان نشنوا ندند۔

حضرت عمرؓ مراد تھے نہ کہ مرید اور مخلص تھے نہ کہ مخلص اور ان دونوں مرتبوں میں بہت
فرق ہے۔ جب تک درود دیوار سے ان کو پکارا نہ گیا، اس وقت تک وہ نہ آئے اور اس
وقت تک خوان نعمت تک نہ پہنچے جب تک انہیں بار بار ہر زبان میں مدعو نہ کیا گیا۔

ہمیشہ کے اسلام کی خبر پر
حضرت عمرؓ کی بدحواسی

اتفاق سے حضرت نعیم بن عبد اللہ نخام مدویؓ جو حضرت
عمرؓ کے قبیلہ بنو عدی کے ایک معزز رکن تھے سر راہ مل گئے۔
نعیمؓ چند روز پیشتر مسلمان ہو چکے تھے لیکن حضرت عمرؓ
یا خاندان کے کسی دوسرے شخص کو اس کا علم نہ تھا۔ حضرت نعیمؓ ان کے بدلے ہوئے توڑیکہ
کر پوچھنے لگے کیوں صاحبِ اخیر تو ہے؟ بولے اس شخص کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں جس نے
معبودیت و کبریا کی کا منصب ایک ہی ہستی تک محدود کر دیا ہے۔ نعیمؓ نے کہا اگر تم محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو قتل کرو گے تو کیا بنو ہاشم اور بنو زہرہ تم کو یوں ہی زندہ چھوڑ دیں گے؟ حضرت عمرؓ
نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ کر صابی ہو چکے ہو؟ حضرت نعیمؓ نے فرمایا عمرؓ میں
تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات سناتا ہوں۔ اگر میں صابی ہوں تو تمہاری بہن اور
بہنوئی بھی تو صابی ہو چکے ہیں اور تمہارے دین سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت
عمرؓ کے ہوش اڑ گئے۔ آتش غضب نے خرمین قبر و سکون کو جلا دیا۔ عالم غیظ میں وہیں سے پلٹ
پڑے اور اپنی ہمیشہ کے گھر پہنچے۔

حضرت عمرؓ کی بہن اور
بہنوئی کی قرآن خوانی

جناب عمرؓ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے قبول
اسلام کے بعد جناب بن ارتؓ سے درخواست کی تھی کہ وہ
انہیں قرآن پڑھا دیا کریں جس وقت حضرت عمرؓ آئے تو
اس وقت حضرت جنابؓ دونوں میاں بیوی کو سورۃ طہ یاد کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ
کو دستک دی۔ جنابؓ نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو یہ سوچ کر کہ ان پر اپنی بہن اور بہنوئی کے
قبول اسلام کا راز نہ کھلے جھٹ گھر کے پچھلے حصے میں چلے گئے۔ ان کی بہن بھی آتش مزاج
بھائی کی آہٹ پا کر خاموش ہو گئیں اور جھٹ کلام الہی کے اجزاء کہیں چھپا دیے۔ لیکن حضرت
عمرؓ ہمیشہ کی قرآن خوانی صاف لفظوں میں سن چکے تھے۔ جب دروازہ کھلا تو جناب فاطمہؓ

سے پوچھنے لگے یہ کیا آواز تھی؟ فاطمہ قسم گئیں اور کچھ جواب نہ بن پڑا۔

بہن اور بہنوئی کو زخمی کرنا | حضرت عمرؓ بولے مجھ پر اچھی طرح روشن ہو چکا ہے کہ تم اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ کر صابی (بے دین) ہو چکی ہو۔ حضرت

سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے جو جلیل القدر صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فرمایا کہ اگر حق و صدا بزرگوں کے دین کی بجائے کسی دوسرے دین میں ہو تو اسے کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ حضرت عمرؓ بہنوئی کی زبان سے یہ کلمہ سن کر ان سے دست و گریبان ہو گئے۔ ان کو گرا کر بُری طرح پائمال کیا اور گھونٹے اور ٹھوکریں مارنے لگے۔ یہ دیکھ کر فاطمہؓ بجائے کو آئیں تو ان کو ہاتھ کی لکڑی کھینچ ماری۔ ان کے چہرے سے خون کے قوارے چھوٹنے لگے۔ فاطمہ غضب ناک ہو کر بولیں کہ تمہارا دین باطل دیکھ کر ہم نے چھوڑ دیا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور کہنے لگیں کہ جتنا چاہو ظلم کرو مگر اسلام کا نقش ہدایت تو کسی طرح مٹ نہیں سکتا۔

صحیفہ قرآنی کا مطالعہ | اب حضرت عمرؓ کو اپنی اس غلطی کا احساس کر کے کہ ناحق آپے سے باہر ہو کر مار پیٹ کی بہت تأسف ہوا اور ساتھ ہی بہن کو لوہان دیکھ کر سخت شرمسار بھی تھے۔ کہنے لگے کہ اچھا وہ کتاب زرا مجھے بھی دکھاؤ کہ میں بھی پڑھ کر دیکھوں۔ بہن نے کہا کہ تم جس ہو اور کاہم الہی کو مہتر ہی چھو سکتے ہیں۔ غسل یا وضو کر لو تو پھر اس کو ہاتھ لگاؤ۔

حضرت عمرؓ نے وضو کیا اور صحیفہ مطہرہ کے اجزاء ہاتھ میں لے کر کھولے۔ شروع میں لکھا تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حضرت عمرؓ خدا سے برتر کے یہ نام دیکھ کر رز گئے اور صحیفہ مبارکہ کو وہیں رکھ دیا۔ جب اوسان بجا ہوئے تو اسے پھر اٹھایا۔ بسم اللہ کے بعد سورۃ خطہ لکھی تھی۔ قرآن پاک کا ایک ایک لفظ ان کو مرعوب کر رہا تھا۔ فصاحت زبان، محاسن کلام، ندرت بیان، بلندی معانی، جامعیت مطالب، حسین انشا، شگفتگی الفاظ اور تعلیمات ہدایت کی پاکیزگی پُراثر اُٹھ کر گئے۔ آخر جب اس آیت پہنچے :-

میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں تو میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے ناز پڑھا کرو۔

اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا
فَاَعْبُدْنِیْ وَاَقِیْمِ الصَّلٰوۃَ
لِیَذِکِّرٰنِیْ (۲: ۱۶۳)

تو صداقت اسلام کا جذبہ کالی اپنی پوری طاقت کے ساتھ سینہ صافی میں محشر انگیز ہوا اور انوار رشد و سعادت نے رہبری فرما کر چشم بصیرت کھول دی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا اُسے اور بوسے کیسا بی پاکیزہ کلام ہے۔ حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابل پرستش ہے۔

اس کے بعد بے اختیار بول اُسے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا
اَللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ -

خطاب سب ماجرا سن رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کی زبان سے کلمہ شہادت سنا تو بے زلزلہ آئے اور سب حضرات نے خوشی سے صدائے تکبیر بلند کی اور جوش مسرت میں مبارکباد دینے لگے۔ حضرت خطابؓ نے کہا اے عمر! بشارت ہو کہ کل ہی قرآن کے حامل زمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ الہی! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے جس کسی کو ترجیحتا ہوا اس کو اسلام میں داخل کر کے اپنے دین کو عزت و برتری دے۔ یہ اسی دعا کا اثر ہے۔ اس وقت سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو ہ صفا کے دامن میں حضرت ارقم مخزومیؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے بنوئی سے پتہ معلوم کر کے وہاں کا رخ کیا۔

جب حضرت عمرؓ دار ارقم کے دروازے پر پہنچے،
حضرت عمرؓ آستان نبوت میں اُس وقت حمزہؓ، طلحہؓ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم میں سے چند دوسرے حضرات دروازے پر موجود تھے۔ چونکہ حضرت عمرؓ انتہا درجہ کے مغلوب الغضب اور اسلام کی دشمنی میں بڑے غالی تھے اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو خبر نہ تھی، لوگ اس خیال سے جمع ہو گئے کہ ضرور خون خرابہ کرنے آئے ہیں۔ حضرت حمزہؓ یہ کہہ کر اٹھے کہ اگر اطاعت اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو خیر، ورنہ اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔ مگر اس احتمال پر کہ مبادا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا قصد ہو، دو قدا یاں محمد علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پکڑ لیے اور انہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ہاتھ چھوڑ دو۔ جب قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا عمر! کہو کس ارادہ سے آئے ہو؟ نبوت کی پُر عیب آواز نے حضرت عمرؓ جیسے جری و شجاع کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ نہایت عاجزی و فروتنی سے عرض پیرا ہوئے حضور والا! ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس دور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ تمام فضا گونج اُٹھی۔ حضرت

عمرؓ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ (میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا قابلِ پرستش کوئی نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) غرض حضرت عمرؓ زمرہ موحدین میں داخل ہو کر میا من ہدایت سے بہرہ اندوز ہوئے۔

ابو جہل کی دریدہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے ممتاز ہے پہلے وہی اور بد باطنی اسی کے پاس جا کر اپنے قبول اسلام کا اظہار کروں۔ پس دل میں خیال آیا کہ ابو جہل سے بڑھ کر پیغمبر علیہ السلام کا کوئی دشمن نہیں مچنا پچھ اس کے گھر پہنچے اور دروازہ کو دستک دی۔ ابو جہل کو اطلاع مل چکی تھی کہ عمرؓ بارادہ قتل و اربار قم کو گئے ہیں اور وہ ہمہ تن انتظار بنا بیٹھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر لاتے ہوں گے۔ جب معلوم ہوا کہ عمرؓ آئے ہیں تو بڑی جھلت سے دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے ابو جہل کو دیکھتے ہی فرمایا ماموں جان! میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بھی اپنے مشرف باسلام ہونے کی اطلاع کروں۔ میں خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق کی ہے۔ یہ سن کر ابو جہل نے بحالت غضب جھٹ کو

بند کر لیے اور بولا جاتا تو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں (سیرت ابن ہشام)

لیکن تھوڑے عرصہ میں لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ خود اور اس کے تمام عناد پیشہ ساتھی کس طرح جنگ بدر میں غارت ہوئے اور اسلام کو خدا سے قیوم نے عزت و سر بلندی بخشی۔ معلوم ہو کہ ابو جہل رشتہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں لگتا تھا کیونکہ ان کی والدہ ختمہ بنت ہاشم بن مغیرہ عمرو بن ہشام بن مغیرہ (معروف بہ ابو جہل) کی عم زادہ بن تھیں حضرت عمرؓ کے مشرف بایمان ہونے کا واقعہ حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے تین دن بعد کا ہے جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ۲۱ سال کی تھی۔

سابقین اولین اس وقت اسلام کا دائرہ کہاں تک محدود تھا اس کی نسبت سیوطی نے تین قول نقل کیے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے

پہلے ۳۵ مرد اور ۲۳ عورتوں کو شرف ایمانی حاصل ہوا تھا۔ دوسرا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ تیسرا یہ کہ ان سے پہلے ۳۵ مردوں اور گیارہ عورتوں کو ایمان کی دولت جاوید نصیب ہو چکی تھی (تاریخ الخلفاء)

مگر یہ تمام اقوال غیر صحیح معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اس سے پیشتر تنو سے زیادہ مردوں

تو بہت دنوں سے مشرف ہایمان ہو کر حبشہ جا چکے تھے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ مہاجرین حبشہ کے جانے کے بعد جو مسلمان مکہ معظمہ میں موجود تھے ان میں حضرت عمرؓ کا شمار چالیسواں یا پینتالیسواں تھا تو قابل التفات ہو سکتا ہے۔

فصل ۱۸۰ حضرت عمرؓ پرستوں کے زرفہ میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی عظمت و اہمیت ملاحظہ ہو کہ قبول اسلام کے ساتھ ہی انہیں امتحان و ابتلاز کے آتش کدو میں سے گزرتا پڑا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جمیل بن عمرؓ صحابی نام ایک قریشی بُت پرست کو جب معلوم ہوا کہ عمرؓ علقہ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ مسجد الحرام کے دروازہ پر پہنچا اور پکارنے لگا اے گروہ قریش! ابن خطاب صابی ہو گیا۔ یہ لوگ ہر اس شخص کو جو بُت پرستی چھوڑ کر مشرف باسلام ہوتا تھا صابی یعنی بے دین کہنے لگتے تھے۔ جس وقت جمیل نے یہ صدا سنی بے منگم بندی کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی پیچھے سے آئے اور فرمایا تو جھوٹا ہے میں صابی نہیں بلکہ مسلمان ہوا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اس وقت قریش کے بڑے بڑے رئیس کعبہ معلیٰ کے ارد گرد مجلسیں قائم کیے بیٹھے تھے جب حضرت فاروقؓ نے برسر عام نہایت بلند آہنگی سے توحید و رسالت کا اعلان کیا تو عمائد قریش سخت مشتعل ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عز و وقار اور عظمت شان کا لحاظ رکھے بغیر غضب آلود مجمع کے جو دستور ستم کا بادل ہر طرف سے سمٹ کر ان پر برسنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے تنہا نہایت مردانگی سے سارے مجمع کا مقابلہ کیا اور بہتوں کو مارا پیٹا لیکن یکہ و تنہا ایک جم غفیر کا کہاں تک مقابلہ کرتے۔ جب لڑتے لڑتے تھک گئے اور اسی کٹ مکٹ میں آفتاب سر پر آ گیا تو مجمع سے خطاب کر کے فرمانے لگے یا در کھو اگر کبھی ہماری جمیعت تین سو تک پہنچ گئی تو پھر یا تو ہم مکہ چھوڑ دیں گے یا تم کو شہر سے نکال دیں گے۔

اتنے میں حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ کا باپ عامر بن وائل سہمی وہاں آیا اور پچھنے لگا کیا ماجری ہے؟ لوگوں نے کہا عمر صابی ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں

جھوٹ کہتے ہو۔ میں ہرگز صابی نہیں ہوا بلکہ تمہارا باطل کیش بُت پرستی چھوڑ کر دین حق اختیار کیا ہے۔“ عاص بن وائل ہجوم سے کہنے لگا اگر ایک شخص کار جہان طبع کسی دوسری طرف ہو گیا تو تمہارا اس میں کیا اجازہ ہے۔ اور کہا جب بنو عدی بن کعب (حضرت عمرؓ کے خاندان) کو معلوم ہو گا کہ تم ان سے برسرِ پر خاش ہو تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟ یہ سن کر تمام مجمع منتشر ہو گیا اور حضرت عمرؓ اپنے گھر واپس آئے جن دنوں کا یہ واقعہ ہے ان ایام میں حضرت عمرؓ کے صاحب زادہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سن قریباً چھ سال کا تھا۔ وہ پیچھے کھڑے رہ کر یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس کو اپنے بچپن کا عینی مشاہدہ بیان کیا ہے۔ اس وقت وہ عاص بن وائل کو نہیں پہچانتے تھے ہجرت کے بعد جب بڑے ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد محترم سے دریافت کیا ابا جان! وہ شخص کون تھا جس نے ہجوم کو منتشر کیا تھا؟ تو حضرت عمرؓ نے عاص بن وائل کا نام لیا (مستدرک حاکم و سیرت ابن ہشام)۔

ابو جہل کا اپنی حمایت جواریں لینا اور ہزار، طبرانی اور ابونعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے دلائل میں اسلم سے روایت کی ہے کہ مجمع کو منتشر کرنے والا ابو جہل تھا۔ جب حضرت عمرؓ تنہا دشمنوں کے زرخے میں تھے تو ابو جہل کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اس نے آکر لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یہ سن کر مجمع فساد منتشر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ چونکہ مجھے یہ امر قطعاً گوارا نہ تھا کہ کفار مسلمانوں کو بدستور زد و کوب کرتے رہیں اور میں کھڑا دیکھا کروں اس خیال سے میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور کہہ دیا کہ میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا (تاریخ الخلفاء سیوطی)۔

لیکن امام ابن جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو بیان سیرت عمر میں درج کیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مجمع کو منتشر کرنے والا نہ تو عاصی بن وائل تھا اور نہ ابو جہل بلکہ حضرت عمرؓ کا حقیقی ماموں عاصی بن ہاشم تھا اور یہی صحیح اور قرینہ قیاس ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں:-

جب با آواز بلند پکارنے لگا کہ ابن خطاب صابی ہو گیا ہے تو مجمع مجھ پر پل پڑا۔ وہ مجھے مارتے تھے اور میں ان کو پیٹتا تھا۔ میرے ماموں نے آکر کہا اے قوم! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دی ہے اب کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ تمام لوگ مجھ سے دست بردار ہو گئے۔ اس کے بعد یہ امر میرے لیے سخت ناگواری کا باعث تھا کہ کوئی مسلمان ہٹانا نظر

آئے لیکن اعدائے دین کی ظلم رانی مجھے برابر اس المناک منظر کے دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ امر حقیقت بتاتی ہے کہ خلافت ہے کہ دوسرے مسلمان تو برابر پٹ رہے ہوں لیکن میری طرف کوئی انگلی بھی نہ اٹھائے۔ آخر جب علی العباس تمام لوگ حسب معمول حجر میں بیٹھ گئے تو میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں تمہاری حمایت و جوار واپس دیتا ہوں۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہ کرو۔ میں نے انکار کیا۔ پوچھنے لگا تمہارا کیا عندیہ ہے؟ میں نے کہا میری یہ خواہش ہے کہ میں پیٹوں اور پیٹا جاؤں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ دے۔ حضرت عمرؓ کے ماموں کا نام عامی بن ہاشم تھا (سیرت عمرؓ)

مسجد الحرام میں قریش کی چیرہ دستی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریا سے خشم بت پرستوں کے خلاف ہر وقت موج زن رہنے لگا۔ ایک دن انہوں نے کمال دل سوزی کے ساتھ بارگاہ نبوت میں التماس کی

یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر سخت بواجبی ہے کہ مشرک لوگ تو علانیہ بت پرستی کریں لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید کے علم بردار اخفاء و تسر سے کام لیں۔ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ مسلمان دو صفیں بنا کر اپنے مستقر سے نکلے۔ ایک میں سب سے آگے حضرت حمزہؓ اور دوسری میں حضرت عمرؓ تھے یہاں تک کہ سب بے خوف و خطر مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ رؤسائے قریش کو اپنے جبر و استبداد کا ایوان سرنگوں ہوتا دکھائی دیا۔ بالخصوص حضرت عمرؓ اور جناب حمزہؓ رضی اللہ عنہما کو مسلمانوں کی صفوں میں دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے لیکن کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔

فاروق کے معزز لقب سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز حضرت عمرؓ کو فاروق کے معزز لقب سے ممتاز فرمایا اور حق و باطل میں فرق و امتیاز ہو گیا۔ جناب فاروقؓ کے قبول اسلام نے

اسلام کی حالت میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی۔ گو اس وقت تک مہاجرین حبشہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس کے قریب تھی اور عرب کے شہرہ آفاق شجاع حضرت حمزہؓ بھی مشرف بایمان ہو چکے تھے تاہم اہل اسلام اپنے مذہبی فرائض کو علانیہ ادا نہیں کر سکتے

تھے اور مسجد حرام میں نماز ادا کرنا تو ناممکنات میں سے تھا مگر حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی یہ حالت بدل گئی اور حضرت ارقمؓ کے مکان کو جو مسلمانوں کا مخفی پناہ گاہ تھا چھوڑ دیا گیا (اصحاب و تاریخ الخلفاء)

حضرت عمرؓ کے اسلام کا فوری اثر | عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام گویا فتح اسلام تھی اور ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد حرام میں نماز پڑھیں لیکن حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کے بعد وہاں بے دھڑک نماز پڑھنے لگے اور ہم نے بھی ان کے ساتھ وہاں نماز پڑھنی شروع کر دی (تاریخ ابن کثیر، ابن سعد اور ماکنے حذیفہؓ سے روایت کی کہ جب حضرت عمرؓ ایمان لائے تو اسلام بمنزلہ ایک اقبال منداوی کے ہو گیا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا اور ابن سعد نے روایت کی کہ جب حضرت عمرؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو ہمیں علانیہ دعوت اسلام کی جرات ہو گئی۔ ہم کعبہ کے ارد گرد بیٹھنے طواف کرنے اور مشرکوں کو جواب دینے لگے (تاریخ الخلفاء)

عمر فاروقی میں اسلام کی ترقی | مقام غور ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ خداوند! عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کو عزت دے، کس طرح حرف بہ حرف موقوف اجابت پہ پہنچی۔ نہ صرف یہ کہ حضرت عمر فاروقؓ مشرف ہایمان ہوئے بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت و برتری نصیب ہوئی جو چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی بچے بچے کی زبان پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ ما سرائنا احزاقا منذ اسلامہ عمر (صحیح بخاری) یعنی جب سے حضرت عمرؓ ایمان لائے ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہوتی گئی۔ اسلام کی اس عزت و برتری کو جب ہم فاروقی کارناموں میں تلاش کرتے ہیں تو دعائے نبویؐ کی اجابت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقم فرمایا ہیں کہ اگر حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام نبوت کے چھٹے سال تک مؤخر و ملتوی رہا اور ان سے بہت سے سوابق فوت ہوئے اور وہ حضرت صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان سے معذور و کمتر تھے تاہم تائید الہی نے ان کے عہد خلافت میں اسلام کو بڑی ترقی و برتری بخشی۔ نشر علوم اور ترویج دین غایت قصویٰ کو پہنچ گیا اور بلاد و ممالک بکثرت اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔ یہ سب ایسی متم بالشان خدمات تقیہ جہنوں نے آخر الامر

حضرت عمرؓ کو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سیم و ہم عطا بنا دیا (ازالۃ الخمار)

معلوم ہو کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پوری سلطنت، بخت نصر شاہ بابل کی ساری عملداری، کچھروشاہ ایران کی پوری مملکت، فراعنہ مصر کی مکمل سرزمین، شاہان مین کی ساری قلمرو، مملکت روم کے ایک بڑے حصہ اور عرب کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی مجموعی حکومتوں کے مالک و فرماں روا تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ایک مکاشفہ میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اسی سیاسی برتری اور پر شکوہ جہاں داری کا مشاہدہ ہوا تھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو معید میں مجتمع دیکھا۔ ان میں سے ابو بکرؓ اٹھے اور وہاں سے پانی کے دو ایک ڈول بھرے۔ ان کے پانی بھرنے میں کسی قدر ضعف تھا۔ اللہ انہیں بخشے۔ پھر اس ڈول کو عمرؓ نے لیا تو وہ ان کے ہاتھ میں جاتے ہی چر سہ بن گیا۔ میں نے ان لوگوں میں کسی شہ زور کو ایسا نہیں دیکھا جو عمرؓ کی طرح پورے زور اور قوت کے ساتھ پانی بھرتا ہو۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے (ریح بخاری)

فصل ۱۸۱۔ عہدِ مقاطعہ کی تنسیخ اور ہاشمیوں کی گھروں کو

واپسی

ہاشم اور ان کے بھائی مطلبؓ کے خاندان کو محض اس بنا پر مصائب و نازل کے حصار میں گھرے تین سال کی مدت گزری تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوالگی پر آمادہ نہ ہوتے تھے اور باوی نظریں رفع مصائب کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی لیکن چونکہ اب مدت منقضي ہو چکی تھی جو تاوردی الجلال کی تقدیر ازیلی میں مقدر تھی، سبب الاسباب عزائم نے تنسیخ معاہدہ کا سامان پیدا کر دیا۔

گو قریش بت پرست تھے لیکن خالق موجودات اور رب الارباب ہادی تعالیٰ ہی کو تسلیم کرتے تھے۔ ہونا ہاشم کے مقاطعہ کا جو معاہدہ بیت اللہ کی چھت سے آریزاں تھا اس کا آغاز لفظ

مخبر صادقؓ کا بیان کہ
معاہدہ کو دیکھاٹ گئی ہے

بِاسْمِکَ اللَّهُمَّ سے ہوا تھا جس کو قریش بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ اپنی تحریروں کے شروع میں لکھا کرتے تھے۔ خدا نے حکیم کی حکمت کا کرشمہ دیکھو کہ معاہدہ میں رتبہ قدر کا نام چھوڑ کر باقی جو الفاظ مشرک، ظلم اور قطع رحمی پر مشتمل تھے ان سب کو دیکھ چاٹ گئی۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الہی معلوم ہوا کہ اس دستاویز میں خدا سے ذوالجلال کے اسماء حسنی کے سوا ساری تحریر محو ہو چکی ہے۔ آپ نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا۔ ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی صحت پر پورا اعتماد تھا۔ وہ چند ہاشمیوں کو ساتھ لے کر مسجد الحرام پہنچے اور قریش کے مجمع کا رخ کیا۔

روئے سے قریش یہ دیکھ کر کہ ابوطالب اپنے اقربا کے ساتھ آ رہے ہیں، سمجھے کہ یہ لوگ فاقوں سے مجبور ہو کر اور دوسری مصیبتوں سے تنگ آ کر اس غرض سے آئے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بغرض قتل ان کے سولے کر دیں۔ ابوطالب قریب پہنچ کر کہنے لگے صاحبو! تمہارے بیچ میں ایک ایسی بات پیدا ہوئی ہے جس کا ہم تذکرہ کرنا درست غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ تم لوگ ذرا وہ دستاویز لاؤ جس میں ہاشمیوں کے مقاطعہ پر تمہارا باہم عہد و پیمان ہوا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مصالحت باہمی کی کوئی راہ نکل آئے۔“ ابوطالب نے تو یہ بات محض اس پیش بندی کے خیال سے کہی تھی کہ یہ لوگ لانے سے پہلے دستاویز کو دیکھ نہ لیں لیکن قریش یہ سمجھ کر بڑے خوش تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بغرض قتل ہمارے حوالے کر دیے جائیں گے۔

رسول اکرم کی حوالگی کا مشروط وعدہ
غرض وہ خوشی خوشی معاہدہ کو اٹار لائے۔ عاید قریش کہنے لگے مقام مسرت ہے کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد قوم میں از سر نو اتحاد ہوتا ہے۔ تن تنہا ایک فرد واعد نے ساری قوم میں فساد اور تفرقہ ڈال رکھا تھا۔ جب معاہدہ سامنے رکھا گیا تو ابوطالب کہنے لگے میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور اس کے بیان کی صحت مجھے پورا وثوق ہے کہ حق تعالیٰ اس معاہدہ سے جس میں اقربا سے قطع تعلق کرنے کا حمد ہے سخت بیزار ہے۔ اسی لیے اس ذات برتر نے معاہدہ میں اپنا نام نامی تو برقرار رکھا ہے لیکن دوسری تمام تحریر کو جو ظلم آرائی اور قطع رحمی پر مشتمل تھی محو کر دیا ہے۔ اب تعسی فیصلہ یہ ہے کہ اگر میرے برادر زادہ کی اطلاع صحیح ہے تو واللہ! ہم اس وقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتے جب تک دنیا میں ایک ہاشمی بھی زندہ موجود ہے اور اگر محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان غیر صحیح ہو گا تو پھر اس کی حوالگی میں ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔ اس وقت ہمیں ہر طرح سے اختیار ہو گا کہ اسے قتل کر دیا زندہ رہنے دو۔

رسول اللہ کے بیان کی صحت اور قریش کی خفت یہ بیان سن کر عیاد قریش بہت خوش ہوئے۔ ان کے زعم میں یہ ایک بے معنی اسی بات تھی کہ اسم اللہ تو باقی ہو اور دوسری ساری تحریر مٹ جائے۔ اس بتا پر بائباتل کہنے لگے کہ ہم اس فیصلہ پر رضا مند ہیں۔ چنانچہ جب معاہدہ کھوایا تو وہ بالکل اسی ہیئت پر پایا گیا جس کی خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ جب قریش نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان صحیح نکلا اور خدا سے قدوس کے اسم گرامی کے سوا معاہدہ کے سارے الفاظ محو ہو چکے ہیں تو سخت خفیف اور لا جواب ہوئے۔ اور قبول ہدایت کے بجائے خفت مٹانے کے لیے آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو یقیناً جادوگری ہے۔ (سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح)

پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں ابوطالب کا حسن اعتقاد حضرات! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ابوطالب کو حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور آپ کی غیبی اطلاع کی صحت پر کس درجہ وثوق تھا کہ اسی پر آپ کے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس کے غلط نکلنے کی صورت میں (خاکم بدہن) آپ کا قتل کیا جانا بھی منظور کر لیا۔ اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جد امجد کی رحلت کے بعد ابوطالب ہی نے آٹھ سال کی عمر سے آپ کی پرورش اور کفالت کی بھی اور وہ برابر چالیس سال کے طویل زمانہ سے آپ کے صدق و امانت، اخلاق فاضلہ، فیوض و برکات اور مافوق الفطرت کمالات کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ پس ابوطالب کے دل میں جو آپ کی اس درجہ محبت و خوش اعتقاد اور غیر معمولی قدر و منزلت جاگزیں تھی وہ انہی چل سالہ مشاہدات و تجربات کی منت کش تھی۔ ورنہ دنیا میں کون ایسا چچا مل سکے گا جو اپنی اولاد کے ہم عمر بچے کا اس درجہ معتقد اور گرویدہ ہو اور اس کے دل میں اپنے سامنے کے بچے کا اتنا احترام ہو جتنا کہ ابوطالب کے دل میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اور حضرات قارئین نے صفات گزشتہ پر ابوطالب کا یہ شعر پڑھا ہو گا جو انہوں نے حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کہا تھا۔

وَبِیْمَنِیْ یَسْتَسْقِیْ اَنْعَامُ رُبُوْحِهِمْ رَعَالُ اَلِیَمَامِیْ عِصْمَةُ لِّلْاَسَامِلِ

(سفید فام ہیں۔ آپ کے چہرہ انور کے وسیلہ سے طلب باران کیا جاتا ہے۔ آپ کی ذات بابرکت یحییوں کی فریاد رس اور بیادوں کی لہجہ دماوی ہے)

پس ابو طالب کا یہ شغف اور حسین اعتقاد بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل صدق میں ایک بین دلیل ہے۔

ہاشمیوں کی عسرت و بد حالی کا حد سے بڑھنا

جب مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی اطلاع کے مجمع نکلنے پر زعمائے قریش کو خفیہ اور شرمسار ہونا پڑا تو اس کے بعد ان کے غیظ و غضب کی آگ اور زیادہ شدت کے ساتھ بھڑکنے لگی۔ انہوں نے بنو ہاشم کو اور زیادہ شدت کے ساتھ کینہ توزی کا آماج گاہ بنا کر اپنی ذلت و ذمات کا غصہ اتارنا شروع کیا۔ تین سال انہی اضطراب انگیز مقاطعہ میں گزر گئے۔ اس طویل مدت میں جرم نا آشنا ہاشمیوں نے بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ آب و دانہ بند رہا۔ فاقے اٹھائے اور جسمانی قوت زوال پذیر ہوئی۔ جب ان کی عسرت و بد حالی حد سے گزر چکی اور وہ دور ابتلا قریب الاقترام ہوا جو خدائے عظیم کے علم ازلی میں مقدر تھا تو خدائے تعالیٰ لمایرید نے ایک غیر ہاشمی ہمت پرست کے دل میں جس کی ماں ہاشمیہ تھی جذبہ رحم و عطوفت پیدا کر دیا اور اس کی توجہ سے ان غیر ہاشمی قریشیوں میں جن کی مائیں ہاشمیہ تھیں یہ تحریک شروع ہوئی کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو جو اقربائے بد سلوکی کا موجب ہے برطرف کر دیا جائے۔ ان ایام میں معاہدہ مذکور ہشام بن عمر و عامری کے پاس تھا۔ اس کا یہ خطیر میں جن لوگوں نے حصہ لیا، ان میں اسی ہشام بن عمرو کو شرف اولیت حاصل ہے۔

تنسیخ معاہدہ کی جدوجہد

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہشام اپنے ایک دوست زہیر بن ابی ائیمہ کے پاس جو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کا بیٹا تھا گیا اور کہنے لگا کہ ہیرا کیا تم اس بات پر مطمئن ہو کہ خود تو کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو، شادی بیاہ کرو اور تمام تعیشات زندگی سے بہرہ مند ہو لیکن تمہارے نانا عبد المطلب کی اولاد ایک ایک دانہ اناج کو ترس رہی ہو۔ کسی کے تن پر ثابت کپڑا نہ ہو۔ ان کو کہیں سے سودا سلف نہ ملتا ہو اور قریش نے ان سے ازدواجی تعلقات منقطع کر رکھے ہوں؟

زہیر نے کہا ہشام! تمہاری حالت بھی عجیب ہے۔ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ میں تمہارا

کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے ایک بھی رفیق کار مل جائے تو تم دیکھو گے کہ میں تنبیح معاہدہ میں کس قدر سرگرمی دکھاتا ہوں۔“ ہشام نے کہا تمہیں تو ایک آدمی مل گیا ہے۔ بولا وہ کون؟ کہا میں۔“ یہ سن کر زہیر کہنے لگا کہ ایک آدمی اور بھی ہونا چاہیے۔ ہشام نے کہا بہتر میں تیسرا آدمی بھی پیدا کر دیتا ہوں۔“

ہشام یہ کہہ کر مطعم بن عدی (بن نوفل بن عبد مناف) کے پاس گیا اور بولا اے مطعم! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ عبد مناف کے دو بیٹن (بنو ہاشم اور بنو مطلب) تو بھوک کے عذاب سے ہلاک ہو جائیں اور تم قریش کے دوسرے بیٹوں کی موافقت میں سب کچھ دیکھتے رہو؟ مطعم نے جواب دیا کہ میں بن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟ ہشام نے کہا تمہیں تائید اور رفاقت کے لیے دوسرا آدمی تو مل چکا ہے۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا میں۔“ مطعم نے کہا ایک آدمی بھی ہوتا تو بہتر تھا۔ ہشام نے کہا تیسرا آدمی بھی موجود ہے۔ پوچھا وہ کون؟ کہا زہیر بن ابی اُمیہ۔ مطعم بولا مناسب ہے کہ کوئی چوتھا آدمی بھی بخویر کر لے۔ ہشام نے کہا میں چوتھے آدمی کا بھی کوئی انتظام کرتا ہوں۔“

ہشام یہ کہہ کر ابوبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی گفتگو کی جو زہیر اور مطعم سے کر چکا تھا۔ ابوبختری نے کہا کوئی اور شخص بھی ایسا مل سکے گا جو اس کام میں تائید کرے اور مدد دے؟ ہشام نے کہا مددگار موجود ہیں۔ پوچھا کون کون؟ کہا زہیر بن ابی اُمیہ اور مطعم بن عدی اور میں۔ ابوبختری بولا کوئی پانچواں شخص بھی کہیں سے فراہم کر لو۔ ہشام نے کہا اچھا میں اس کی بھی کوشش کرتا ہوں۔“

اب ہشام ذمہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے گفتگو کر کے ہاشمیوں کے اس کی قرابت اور دوسرے حقوق کا ذکر کیا اور تحریک کی کہ مقاطعہ کا معاہدہ منسوخ کرنے کی کوشش کی جائے۔ ذمہ نے کہا کیا کوئی ایسا شخص مل سکے گا جو اس کام میں مدد دے؟ ہشام نے کہا فلاں فلاں آدمی موجود ہیں۔ اب ہشام نے ان سب کو ایک جگہ جمع کیا اور صلاح مشورہ ہونے لگا کہ تنبیح معاہدہ میں کیا کارروائی مناسب ہوگی۔ زہیر نے کہا اچھا! میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔

منع تنبیح میں ابوہریرہ کی ناکامی | دوسرے دن زہیر اور اس کے چاروں ساتھی علی الصبح مسجد حرام میں گئے۔ زہیر نے کعبۃ اللہ کا طواف کر کے

لوگوں سے کہا اے اہل مکہ! یہ کس درجہ ظلم ہے کہ ہم لوگ تو آرام سے بسر کریں، کھائیں، پئیں اور پئیں اور بنو ہاشم تین سال سے ایک ایک دانہ اناج کو ترس رہے ہوں اور کسی کو تن ڈھکنے کے لیے جیتھر تک میسر نہ ہو۔ واللہ میں تو اس وقت تک دم نہ لوں گا جب تک اس معاہدہ کو جو سربراہ ظلم اور قطع رحمی سے ہمکنار ہے چاک نہ کر دوں۔“

ابو جہل جو مسجد کے ایک کونے میں تھا بولا تو نے جھوٹ کہا۔ واللہ! تو اسے چاک نہیں کر سکتا اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ہاتھ لگائے۔ زمعہ بن اسود نے ابو جہل سے کہا خدا کی قسم! تو سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ ہم تو اس کے لکھنے کے وقت بھی اس سے متفق نہ تھے۔ ابوالختری نے اس کی تائید کی اور بولنا زمعہ نے سچ کہا۔ ہم تو اس معاہدہ سے نہ پہلے رافضی تھے اور نہ اب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ مطعم بن عدی پاس سے بولا تم دونوں نے سچ کہا اور جو اس کے خلاف کہتا ہے جھوٹا ہے۔ ہم اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے پیزا رہیں۔ ہشام بن عمرو نے بھی ان سب کی پُر زور تائید کی جس کی وجہ سے ابو جہل دم بخود رہ گیا اور اس کی مخالفت بالکل بے اثر رہی۔

تین سال کے بعد ہاشمیوں کی اپنے گھروں کو مراجعت

اس وقت ابوطالب بھی مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے۔ ان ایام میں یہ معاہدہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہشام بن عمرو ہی کے پاس تھا جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ مطعم بن عدی نے بڑھ کر معاہدہ ہشام سے لے لیا اور اس کو ابو جہل اور دوسرے موافق و مخالف لوگوں کے سامنے پھاڑ ڈالا۔ اب متذکرہ صدر پانچوں اشخاص مسلح ہو کر ہاشمیوں اور مطلبیوں کے پاس درہ میں گئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ حضرات اپنے اپنے گھروں کو چلیں چنانچہ تمام بنو ہاشم وہاں سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں میں چلے آئے اور ابو جہل اور دوسرے زعماء کو مزاحمت کی جرات نہ ہوئی۔ یہ مراجعت نبوت سے دسویں سال عمل میں آئی تھی (سیرۃ ابن ہشام تاریخ ابن جریر طبری)

دستاویز کے محرر کو جسمانی مسز

قطع رحمی یعنی اقربا سے قطع تعلق کرنے کا جو معاہدہ قریش نے لکھا اور کعبہ معنی کی چھت میں لٹکا رکھا تھا اس کا محرر منصور بن مکرّم نام ایک قریشی رئیس تھا۔ خدا سے قہرمان کی قدرت بے پایاں کی کار سازی دیکھیے کہ اس کا داہنا ہاتھ جس سے اس نے یہ ناپاک دستاویز حالہ قرطاس کی تھی بالکل مثل ہو گیا جو

کسی طرح علاج پذیر نہ ہوا (ابن جریر طبری)

اصل یہ ہے کہ ادویہ اور علاج معالجہ میں جو تاثیر پائی جاتی ہے وہ غارت گردگار کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جب اس ذات برتر کی مرضی ہو دوائیں مؤثر ہوتی ہیں اور جب نہیں چاہتا ان کی تاثیر رک جاتی ہے۔ پس جس حرمان نصیب پر خدا سے قہار کا قہر و غضب ہو اس کو دنیا کی کوئی دوا نفع نہیں دے سکتی۔ بنو ہاشم کا مقاطعہ ان کے اقربا ہونے کے باعث تو یوں بھی ایک حرام فعل تھا لیکن اس حیثیت سے اس جرم کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی کہ اس کا مقصد بنو ہاشم کو اس بات پر مجبور کرنا تھا کہ وہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بغیر من قتل سر دار بن قریش کے حوالے کر دیں اور خدا کا فرستادہ قریش کی تیغ بھاسے اسی طرح ذبح کر دیا جائے جس طرح یحییٰ بنی علیہ السلام حق گوئی کے جرم میں ذبح کیے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ اگر بنو ہاشم ثبات و استقلال کی جبل متین ہاتھ سے چھوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دست اختیار میں دے دیتے تو وہ آپ کی جان ستانی سے کبھی درگزر نہ کرتے۔ پس جس شخص نے اس ناپاک معاہدہ کو ضبط تحریر میں لانے کی جسارت کی اس کا جرم دوسرے تمام مجرموں سے زیادہ سنگین تھا۔

قریش سے تعلقات منقطع کرنے کی ناگواری

یہاں یہ امر خاص طور پر درخور التفات ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے کبھی انتقام نہیں لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے خویش و قارب و برادری سے قطع تعلقی اور رشتہ داروں سے بھاڑ کرنے کی حالت میں اجانت نہیں دی۔ اسی وجہ سے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنان جان اور شدید ترین اعدائے اسلام ہونے کے باوجود نہ خود قریش سے ترک تعلقات کا برتاؤ کیا اور نہ اپنے جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو کبھی اس کی اجازت دی۔ بلکہ جب قریش نے خود آپ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مقاطعہ کا معاہدہ کیا تو آپ نے اس کے کچھ عرصہ بعد اس کے ٹوٹ جانے کی دعا فرمائی اور اس کو ظلم و قطعیت سے تعبیر فرمایا (ابن ہشام)

فصل ۱۸۲۔ ایک نطن جلیل پیر فتح عظیم

چونکہ وہاں کے برگزیدہ انبیاء و رؤس نصرت خداوندی سے مؤید ہوتے تھے کوئی ماسوی

طاقت کسی مقابلہ اور امتحان میں ان پر غالب نہ آ سکتی تھی۔ یہاں رُکنا نہ تمام مکہ معظمہ کے ایک مشہور شجاع کا واقعہ لکھا جاتا ہے جس نے نہایت نامور پہلوان ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

کشتی رٹنے کی دعوت | بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ابو انامہ ہاشمیؓ سے روایت کی ہے کہ قریش کے مشہور شجاع رُکنا نے شہر میں بہت کچھ خون خرابہ کیا تھا اور کسی کو اس سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس کے پاس بکریوں کا بہت بڑا ریوڑ تھا جس کو وہ وادی انعم میں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ مقتداۓ انام صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں تشریف لے گئے تو وہاں اس سے مٹھ بھیر ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یکہ وتنہا تھے۔ یہ سرست آپ کے پاس پہنچ کر کہنے لگا محمد! تم لوگوں کو اتنی عزیزی کی عبادت سے ہٹا کر ایک خدا کی عبادت پر لگانا چاہتے ہو۔ اگر مجھ میں اور تم میں شتہ داری کے تعلقات حایل نہ ہوتے تو میں نے آج تک تمہارا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ تاہم فلیت سے کہ آج تم میرے ہتھے چڑھ گئے ہو۔ آپ نے فرمایا تو پھر تمہاری کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا کہ تم اپنے خدا کو پکارو تا کہ تمہاری مدد کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں مقابلہ کریں۔ تم اپنے خدا سے مدد مانگو اور میں لات وعزیزی کو پکارتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے نیچا دکھا دیا تو میں دس بکریاں تم کو انعام دوں گا اور تمہیں اختیار ہوگا کہ دس بہترین بکریاں انتخاب کر دو۔

رُکنا کو دو مرتبہ پچھاڑنا | آپ نے اس کو منظور فرمایا اور رُکنا کے مقابلہ میں جسے کشتی کے فن میں پورا کمال حاصل تھا خدا سے عزیز سے مدد مانگی۔ اسی طرح رُکنا نے لات وعزیزی کو پکار کر کہا کہ آج محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ چنانچہ جب مقابلہ ہوا تو آپ نے اس کو پکڑتے ہی پچھاڑ دیا اور جھٹ اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رُکنا کہنے لگا آپ میرے سینہ سے اتر جائیے کیونکہ آپ نے اپنی قوت بازو سے مجھ کو زینیں کیا بلکہ آپ کے خدائے آپ کو غلبہ دیا اور لات وعزیزی نے میری امداد نہیں کی۔ اس کے بعد رُکنا کہنے لگا آپ پھر سے مقابلہ کریں۔ اگر اس دفعہ بھی مجھے پچھاڑ دیا تو آپ کہ اختیار ہوگا کہ میری بکریوں میں سے مزید دس بکریاں چھانٹ کر لے لیں۔ چنانچہ دونوں برسرِ مقابلہ ہوئے اور جس طرح پہلی مرتبہ دونوں نے اپنے اپنے معبودوں سے مدد چاہی تھی اسی طرح اب بھی ان سے عون و نصرت کی درخواست کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر بچھاڑ دیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے۔

رُکّانہ کی تیسری ہزیمت | رُکّانہ نے کہا واقعی آپ کا خدا آپ کی مدد کرتا ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ آپ جیسا آدمی جو جسمانی لحاظ سے میرے مقابلہ میں

بالکل بیچ سے اور کشتی کے جن سے بھی واقف نہیں مجھے اس آسانی سے بچھاڑ لیتا۔ اور زمانہ گواہ ہے کہ آج سے پہلے کبھی کسی نے میری پیٹھ نہیں لگائی تھی۔ اس کے بعد رُکّانہ بولا کہ آپ از سر نو کشتی لڑیے تاکہ میں پھر ایک مرتبہ اپنے دل کا ارمان نکال لوں۔ اگر آپ اس مرتبہ بھی مجھ پر غالب آگئے تو آپ کو اختیار ہوگا کہ دس مزید بکریاں میرے ریوڑ میں سے انتخاب کر لیں؟ آپ نے اس کو تیسری مرتبہ پکڑا اور بچھاڑ دیا۔ رُکّانہ بہت گھبرایا اور بولا کہ اس مرتبہ بھی آپ طاقت اور قوت سے غالب نہیں آئے۔ اس غلبہ کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارا خداے واحد تمہاری مدد کر کے تمہیں مجھ پر غالب کر دیتا ہے اور میرے معبود لات و عزری میری امداد سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ اب آپ شرط کے موافق میرے ریوڑ میں سے تیس بکریاں چھانٹ لیں۔

رُکّانہ کو قبول اسلام کی ترغیب | آپ نے فرمایا اے رُکّانہ! مجھے تمہاری بکریوں کی حاجت نہیں۔ البتہ یہ تو ہوں کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا قابل عبادت کوئی نہیں اور میں اس کا فرستادہ ہوں۔ اگر تم اس کا اقرار کرو تو آتش جہنم سے بچ سکتے ہو ورنہ کوئی نہیں جو تمہیں عذاب خداوندی سے بچا سکے۔ رُکّانہ نے کہا میں اس وقت تک تمہارا پیرو نہیں ہو سکتا جب تک مجھے کوئی مزید کرشمہ قدرت نہ دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کو خداوند عالم دیکھتا اور سنتا ہے۔ اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کر کے کوئی ایسا عجوبہ دکھا دوں جو انسانی قدرت سے خارج ہو تو میری وہ بات مان لو گے جو تمہیں کہہ رہا ہوں؟ اس نے کہا بیشک میں آپ کی پیروی اختیار کروں گا۔ فرمایا بدعہدی تو نہیں کریں گے؟ بولا نہیں۔

درخت کا چل کر آنا | وہاں سے قریب ہی لیکر کا ایک بہت بڑا درخت تھا جس کی شاخیں چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ حبیب رب العالمین

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کے حکم سے میرے پاس آ جا۔ معنا درخت کے دو حصے ہو گئے۔ ایک حصہ شاخوں سمیت آپ کے اور رُکّانہ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ رُکّانہ نے کہا محمد! واقعی آپ نے مجھے بڑا کمال دکھایا۔ اب اس کو حکم دیجئے کہ

پھر اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ نے فرمایا: رُکانہ! اگر میں نے اپنے معبود برحق سے دعا کی اور وہ
 کا یہ نصف حصہ اپنی جگہ پر جا کر باقی نصف سے مل گیا تو میری تصدیق کرو گے؟ رُکانہ نے کہا
 کہ اس کے بعد مجھے آپ کی بات مان لینے میں کوئی تاثر نہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا: دیکھو! رتب
 العالمین تمہارے اس قول و قرار کو سن رہا ہے۔ کہیں بد عہدی کے مرتکب نہ ہونا۔

رُکانہ کی بد عہدی | آپ نے لیکر کے اس نصف حصہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ پر واپس جائے۔
 وہ معاً اپنی شاخوں اور پتوں سمیت جا کر اپنے بقیدہ نصف حصہ کے
 ساتھ مل گیا۔ آپ نے رُکانہ سے فرمایا کہ اب تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ قہر خداوندی سے محفوظ رہو۔
 رُکانہ نے سخت افسردگی اور بے بسی کے عالم میں کہا کہ اب میرے پاس کوئی نذر نہیں لیکن مشکل
 یہ ہے کہ شہر کی عورتیں اور بچے کہیں گئے کہ رُکانہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مرعوب ہو گیا کیونکہ
 شہر کے سب چھوٹے بڑے یہ جانتے ہیں کہ آج تک کسی نے میری پیٹھ زمین سے نہیں لگائی اور
 نہ میرا دل کبھی کسی سے مرعوب ہوا۔ اس لیے آپ شرط کے موافق میرے ریوڑ سے تیس بکریاں چھا
 سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے مسلمان ہو جانے کا عہد پورا نہیں کیا تو مجھے تمہاری بکریوں
 کی بھی حاجت نہیں۔

شیخین سرور عالم | جب آپ مراجعت فرما ہوئے تو معدنی اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما
 آپ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ان دونوں جان نثاروں کو خبر
کی تلاش میں | مل گئی تھی کہ آپ وادی انعم کی طرف جاتے دیکھتے گئے ہیں۔ یہ دونوں

فداکار یہ خیال کر کے سخت افسردہ اور خوف زدہ تھے کہ اس وادی میں رُکانہ بکریاں چراتا ہے۔
 اس تیرہ دل نے آپ کو تنہا پا کر خدا خواستہ اپنی جمع خرمیں کو تسکین نہ دینی چاہی ہو۔ غرض ان
 کی کشتی خاطر گرناپ غم میں بچکولے کھا رہی تھی۔ اسی پریشانی میں دونوں حضرات اپنے پیلوں پر
 چڑھ چڑھ کر ادھر ادھر نظریں دوڑا رہے تھے اور آپ کی واپسی کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔
 یکایک آپ کو وادی کی طرف سے تشریف لاتے دیکھا۔ دونوں بجملت تمام خدمت اقدس میں
 حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ایزد تعالیٰ آپ کو چشم زخم سے محفوظ رکھے آپ اس
 وادی میں تنہا کیوں تشریف لے گئے؟ کیا آپ کو معلوم نہ تھا کہ رُکانہ جیسا خونخوار عدوئے اسلام
 اس وادی میں بکریاں چراتا ہے؟ آپ نے فرمایا: امین! ان رکھو جس ذات برتر نے مجھے اپنی رست
 پر پیام نبی کے منصب پر سرفراز فرمایا ہے یہی میری حفاظت بھی کرتی ہے اس لیے ناممکن تھا

کہ وہ میرا بال بیکا کر سکتا۔ اس کے بعد آپ نے تمام ہاجرین و جو رکبانہ کے ساتھ پیش آیا تھا کہ سنایا۔ یہ نوید جانفزاسن کر ان کے افسردہ دلوں کے کنوئیں کھل گئے اور طبعی شگفتہ ہو گئیں لیکن انہیں اس بات پر بہت افسوس تھا کہ رکبانہ دو عظیم الشان معجزوں کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اپنے دل کی اُجڑی ہوئی بستی کو نہ بسا سکا۔ ہمت اور شجاعت کے خزانے موجود ہیں مگر راہ ہدایت اور منزل مقصود کا کہیں نشان نہیں۔

فصل ۱۸۳۔ ابوطالب کی رحلت

دردہ کی محسوری اور سہ سالہ غربت و اندوا کے بعد بنو ہاشم کو اپنے گھروں میں آئے ابھی چھ سات مہینے ہی گزرے تھے کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست حامی و ناصر اور چاہیے چچا ابوطالب نے ستاسی سال کی عمر میں فرشتہ اجل کو بیک کہہ دیا۔

حضرت فخر عالم انتقال سے پہلے ابوطالب نے اکابر قریش کو بلا کر ان الفاظ میں وصیت کی۔ اے گروہ قریش! خدا نے تمہیں اپنی تمام مخلوق پر شرف بخشا ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نیکی

کے بارہ میں وصیت

سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں ہدایتی ہیں۔ یہ جو کچھ تمہارے پاس لائے ہیں گویا بانی خوف و ملاست سے منکر ہوں لیکن دل اسے قبول کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ جس طرح غریب و مسکین، ضعیف اور بادیہ نشین ان کی دعوت قبول کر رہے ہیں اسی طرح امرار و رسا بھی ان کے کلمہ توحید کی تصدیق کرنے لگے ہیں۔ اے گروہ قریش! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھانا۔ جو کوئی ان کے افلاق سے سیرت پزیر ہو گا وہ سعادت و فلاح ابدی سے ہمکنار ہو گا۔ میرا آفتاب حیات لب بام ہے لیکن اگر مجھے موت نے عدت دی تو جہاں تک میرے ارکان میں ہو گا، حوادث کو ان کے سر سے ٹالنے کی کوشش کروں گا (مدارج)

عودِ صحت کی حالت میں
متابعت محمدی کا عہد

اس کے بعد ابوطالب نے عبد المطلب کی اولاد کو بلا بھیجا اور ان کو نصیحت کی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر چلو گے اور ان کی پیروی کرتے رہو گے اس وقت تک برابر

خیر و برکت سے ہمکنار رہو گے۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی پیروی کرو اور ان کی ہر طرح سے مدد کرتے رہو تا کہ فلاح پاؤ۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ چچا! آپ دوسروں کو تفسیر وی کرنے کی صلاح دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول رہے ہیں۔ ابوطالب نے کہا کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو جو کلمہ تم میرے سامنے پیش کر رہے ہو اسے ضرور قبول کروں گا اور تمہاری نیت اختیار کروں گا۔ میں نے تمہارا کلمہ تندرستی کی حالت میں مسترد کر دیا تھا۔ اگر میں اس وقت قبول کروں تو قریش طعنہ دیں گے کہ موت کے خوف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ قبول کر لیا۔ (ابن سعد)

آخری وقت میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے انکار

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بڑی عزیز آرزو تھی کہ جس طرح آپ کی چھو بھیاں غنیمت، آروسی اور عاتکہ اور چچا حمزہ رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہو چکے ہیں اسی طرح چچا ابوطالب بھی سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہوں لیکن چونکہ ایران کی دولت مقدر نہ تھی ہمیشہ لیت و نفل کرتے رہے یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ ملک آخرت کے لیے رخت سفر باندھ لیں۔ وہاں سے پہلے آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ابو جہل بن ہشام اور آپ کی چھو بھیا عاتکہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبد اللہ بن ابی امیہ جیسے دشمنان دین بھی موجود تھے۔ آپ نے ابوطالب سے کہا چچا جان! کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دیجیے۔ میں حق تعالیٰ کے نزدیک اس اقرار توحید کی شہادت دوں گا۔ یہ سن کر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا کر ابوطالب کو درغلانے لگے اور کہا ابوطالب! کیا اب دنیا سے رخصت ہوتے وقت عبد المطلب کے طریقہ سے منحرف ہوتے ہو؟ لیکن آپ ان کو سمجھانے لگے کہ چچا جان! عاقبت کی فلاح و سبوت اسی میں ہے کہ کلمہ توحید پڑھ کر مشرف ایمان ہو جاؤ۔ کتنی دیر تک یہ کشمکش جاری رہی کہ آپ بار بار ان کے سامنے توحید پیش کرتے تھے اور وہ دونوں اس سے اعراض کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ انجام کار ابوطالب نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے انکار کر دیا اور کہا میں عبد المطلب کے طریقہ پر ہوں۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ نے قبول ایمان سے اعراض کیا ہے تاہم میں آپ کے لیے اس وقت تک استغفار ہی کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منافعت نہ کر دی جائے گی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :-

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالْكَذِبِينَ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ
وَكُوكَا كُؤَا أُولِي قُرْبَىٰ (۱۱۳:۹)

(ابن سعد، مدارج)

نبی اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ
مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں مگر وہ
ان کے قربت داری کیوں نہ ہوں۔

راہ ہدایت پر لانے میں
غیر اللہ کی بے بسی

ارادوں اور کوششوں کی ناکامی اور مقاصد کے عدم تکمیل کو
بیکہ کر جاہل سے جاہل انسان بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ
کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو ہم سب پر حکمران ہے۔ وہی جو چاہتا

ہے کرتا ہے۔ نہ کوئی اس کے فعل کو روک سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی حکم ٹل سکتا ہے۔ بڑے
بڑے مستقل ارادہ کو وہ اپنے عمل دیکھے گئے کہ کسی عظیم الشان مقصد کو لے کر اٹھے اور نہایت
پختہ کاری کے ساتھ اس کی انجام دہی میں عمر صرف کر دی مگر ہوا وہی جو منظور خدا تھا۔

رنگیں راک وضع پر گزارا نہ ہوا جو کچھ کہ ہوا وہ پھر دوبارہ نہ ہوا

چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اس نے چاہا اس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

اس مشیت الہی کی ہمہ گیری کی بھی حد ہو گئی کہ خدا کے مقدس رسول پر گزیدہ کائنات
علیہ الصلوٰۃ والتیمات کی بڑی عزیز خواہش اور انتہائی کوشش ہے کہ چچا مشرف بایمان ہو اور
اپنی طرف سے جد و ہمد کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا لیکن ان پر علوم کوششوں کے باوجود
یہ جواب ملتا ہے :-

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

(۵۶: ۲۸)

اے نبی! آپ جس کو چاہیں ہدایت پر

نہیں لا سکتے البتہ خود جس کو ہدایت

کرنا چاہے وہ ہدایت پاسکتا ہے۔

ابوسعید خدریؓ یا عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت ابو طالب ہی کے بارہ میں نازل
ہوئی تھی (ابن سعد) اس ارشاد و رہائی سے کسی کو راہ ہدایت پر لانے میں غیر اللہ کی قطعی بے بسی
ثابت ہوتی ہے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی اور خدا سے قاہر کی قدرتِ قہرمان کی کرشمہ سازی دیکھو کہ
ابوسفیان جیسا شخص جس کی قسمت میں دولتِ ایمان لکھی تھی وہ مدتِ عمر کی رسول دشمنی اور کفر
نوازی کے باوجود مشرف بایمان ہو گیا اور ابو طالب جیسا محبت رسول اور حامی دینِ سعادت
ایمانی سے محروم رہا۔

اس سے اُن قائلین کہ توحید کی نادانی بھی عالم آشکار ہوتی ہے جو اہل اللہ کو تو صبیح رزق، اعطائے اولاد اور دوسری قسم کی حاجت روائیوں میں مجاز و مختار بلکہ تمام خدائی اختیارات کے اجارہ دار یقین کیے بیٹھے ہیں۔

جنارہ کی مشایعت گواہ طالب نے ازراہ عصیت آپ کی ہمدردانہ خواہش کو ٹھکرا دیا لیکن گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے کاملہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہ آپ کے فضائل و کمالات کے دل سے معترف تھے۔ رحلت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگر آپ کو خبر دی کہ آپ کے چچا انتقال کر گئے ہیں۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی۔ آپ صربان چچا کے انتقال کی خبر سن کر آبدیدہ ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تجیز و تکفین کا سامان کرو۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنارہ کے ساتھ جاتے وقت فرمایا ہے تھے اے میرے چچا! آپ نے صلہ رحمی اور خویش پروری کا پورا پورا حق ادا کیا اور میرے حق میں کوئی کوتاہی و تقصیر نہ کی۔ خدا سے برتر آپ کو اس کی جزا دے۔

ابو طالب کی اولاد ابو طالب کا نام عبد مناف تھا لیکن وہ کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام طالب تھا جن کی نسبت سے ان کی کنیت ابو طالب ہوئی جنگ بدر میں اکابر قریش ہاشمیوں کو سخت مجبور کر کے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ جب بدر میں قریش کو ہزیمت ہوئی تو طالب کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ ملے۔ وہ اسیران بدر میں تھے، نہ مقتولوں میں پائے گئے اور نہ ان لوگوں میں داخل تھے جو بدر سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے۔ غرض ان کا کہیں اور کبھی سراغ نہ مل سکا۔ طالب نے اپنے پیچھے کوئی اولاد بھی نہ چھوڑی۔

ابو طالب کے دوسرے بیٹے عقیل تھے۔ ان کی کنیت ابو یزید تھی۔ طالب اور عقیل کی عمروں میں دس سال کا تفاوت تھا۔ عقیل نسب قریش کے عالم تھے۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے سال مشرف باسلام ہوئے۔ شہرہ میں ہجرت کی۔ غزوہ بدر میں قید ہوئے تھے اور ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا قیدیہ دے کر ان کو رہا کر لیا تھا۔ غزوہ مرتہ اور معرکہ خنین میں موجود تھے۔ خلافت یزید کے آغاز میں واقعہ مرتہ سے پیشتر انتقال فرمایا۔

ابو طالب کے تیسرے فرزند گرامی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے جو جناب عقیل رضی اللہ عنہ دس سال چھوٹے تھے۔ انہوں نے جنگ موتہ میں شہادت نوش فرمایا تھا۔ ابو طالب کے

چہ تھے نامور فرزند حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے جو حضرت جعفر سے دس سال چھوٹے تھے۔ ان چاروں کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسد کے بطن مبارک سے تین یا چار لڑکیاں بھی متولد ہوئیں۔ (۱) ہند بنت ابی طالب جو اُمّ یاسر کی کنیت سے مشہور تھیں (۲) جمانہ بنت ابی طالب (۳) ریطہ بنت ابی طالب۔ بعض نے ابو طالب کی چوتھی بیٹی اسماء بھی بتائی ہے۔ ان کی والدہ بھی جناب فاطمہ بنت اسد ہی تھیں۔

ابو طالب کے پانچویں فرزند طلحہ تھے جن کی والدہ کا نام عاتقہ بنت عبد علی بن حسین معروف بہ امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہے کہ جعفر اور علی رضی اللہ عنہما کو ابو طالب کی میراث میں سے کچھ نہ ملا۔ البتہ طالب اور عقیل نے باپ کا ترکہ پایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان کافر کا وافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ (ابن سعد)

ابو طالب کی وفات کے وقت طالب اور عقیل دونوں غیر مسلم تھے اس لیے غیر مسلم باپ کے وارث ہوئے۔ طالب کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ مفقود النحر ہونے سے پہلے ایمان لائے تھے یا نہیں؟

فصل ۱۸۴۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ کا سفر آخرت

ابو طالب کی رحلت کے ایک مہینہ پانچ روز بعد رمضان سنہ نبوت میں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بھی پنیسٹھ برس تک اس سرائے ثانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاوداں ہو گئیں۔

حضرت خدیجہؓ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کا شافہ اقدس میں پچیس سال رہیں۔ **عام الحزن** شروع میں بڑی مالدار تھیں لیکن اپنا تمام مال حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا جو تمام دکاناں اسلامی اور تبلیغی ضروریات پر خرچ ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی رحلت پر آپ کے دونوں مددگار اور غمگسار دنیا سے اٹھ گئے۔ ان دونوں کی وفات کا قلق ایک طبعی امر تھا یہ زمانہ اسلام اور داعی اسلام علیہ التہیہ والسلام کے لیے حزن آفرین دور تھا چنانچہ آنحضرتؐ خود اس سال کو عام الحزن (سال غم) سے تعبیر فرمایا کرتے تھے (ابن سعد)

اُمّ المؤمنین خدیجہؓ کا حادثہ ارتحال ہجرت نبوی سے تین سال پیشتر رونما ہوا۔ بعض ارباب سیر نے چار سال اور بعض نے پانچ سال بھی بتائے ہیں (جلال الاقلام علامہ ابن قیم) **فضائل اُمّ المؤمنین خدیجہؓ** | اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی فضیلتیں بے شمار ہیں لیکن ان کے صحیفہ فضائل میں یہ امور زیادہ نمایاں ہیں :-

(۱) رب السموات والارض نے جبریل امینؑ کے ہاتھ غار حرا کے عزت گزین صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ان کو اپنا سلام کہلایا۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ (جبریلؑ غار حرا میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنا یا رسول اللہ! یہ خدیجہؓ کھانا لے کر آرہی ہیں۔ جب آپ کے پاس پہنچیں تو ان کو اپنے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے اور ان کو جنت میں ایک ایسے مکان کی بشارت دیجئے جو پورے موتی کا ہونگا۔ نہ اس گھر میں شور و شغب ہوگا اور نہ رنج و تعب کا کوئی شائبہ۔ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ)

رب العالمین عزاسمہ کی طرف سے تحفہ سلام کا بھیجا جانا ایک ایسی فضیلت ہے جو ان کے سوا امت میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

سبقت الی الایمان کی فضیلت | محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام امت میں سبقت الی الایمان کے شرف سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت

خدیجہؓ قبولِ ایمان میں تمام خواتین امت کی پیش رو ہیں۔ انہوں نے بعد میں ایمان لانے والی ہر عورت کے لیے یہ نیک مثال قائم کی۔ پس حضرت خدیجہؓ کو تمام مومنات کے ثواب کے برابر اجر ملے گا کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

جو شخص کہ اسلام میں کسی نیک طریقے

کو رواج دے اس کو اس طریقے کا اور اس پر

عمل کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے بغیر اس کے

کہ عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی

آئے۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً

حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ

عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ خَيْرِ

يُنْقَضُ مِنْ أَجْرِ هَذَا شَيْءٌ

(رواہ مسلم)

اس کاہ خیر میں جہاں تک مردوں سے اس کا تعلق ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ رہنما بھی

ان کے شریک حال ہیں اور خدا سے علیم کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جنہیں قبول ہدایت میں علی الترتیب عورتوں اور مردوں کی مقتدائی اور پیش روی کا شرف حاصل ہے، کتنا اجر و ثواب ملے گا (فتح الباری)۔

اور پھر ان دونوں میں مقابلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ثواب کا پلہ بہت بھاری ہے کیونکہ حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیوں نے انہی کی تبلیغی کوششوں سے جوہر ایمانی نوش فرمایا تھا لیکن جہاں تک ہمارے معلومات کو دخل ہے حضرت خدیجہؓ نے براہ راست کسی خاتون کے پاس جا کر اسلام کی دعوت نہ دی اور کوئی عورت ان کی ذاتی کوشش سے حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئی۔

دوسری فضیلتیں | اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے دوسرے فضائل یہ ہیں۔
(۳) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زندہ گی میں کسی دوسری بی بی کو عقد زوجیت میں نہ لائے (۴) ابراہیم علیہ السلام کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی وہ سب ان ہی کے بطن مبارک سے ہوئی (۵) وہ خواتین امت میں سب سے افضل اور خیر النساء تھیں چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مریم بنت عمران اپنے زمانہ میں سب عورتوں سے افضل تھیں اور اس امت میں خدیجہؓ افضل النساء ہیں۔ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ)۔

غیرت کا واحد محل | اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی پر خدیجہؓ کے برابر کبھی غیرت نہیں آئی۔ میں نے (بوجہ کم سنی) ان کو دیکھا نہیں لیکن نبی علیہ السلام اکثر ان کو یاد فرمایا کرتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب بکری ذبح کی جاتی تو آپ عموماً اس کے اعضاء خدیجہؓ کی سیلیوں کو بھیجا کرتے۔ جب آپ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے تو میں کہتی کہ آپ تو خدیجہؓ کے محاسن و اوصاف کو اس حد تک پہنچا دیتے ہیں کہ گویا خدیجہؓ کے سوا دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں پیدا ہوئی۔ آپ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں ایسی تھیں اور رطب کے برہہ کر یہ کہ ان سے میری اولاد ہوئی۔ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)۔

ایک اور امتیاز خصوصی | علامہ ابن حجر عسقلانیؒ رقم فرماتے ہیں :-

حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال کا زمانہ سفر دہر پر تشریف فرما ہے جن میں سے پچیس سال کی طویل مدت حضرت خدیجہؓ بلا شرکت غیر سے آپ کی رفیقہ حیات رہیں۔ یہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدت عمر کا دو ٹکڑا ہے۔ اس طویل عرصہ میں حضرت خدیجہؓ کا دل اس تکدر و تیرگی سے کبھی آشنا نہ ہوا جو سو کنوؤں کی موجودگی میں فطری غیرت کے باعث عورتوں کو لاحق ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں کوئی دوسری اُم المؤمنین ان کی شریک نہیں۔

حضرت خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رغنا جوئی کی سخت حریص تھیں۔ وہ ہر ممکن طریق سے آپ کو راضی رکھنے میں کوشاں رہتی تھیں اور ان سے پچیس سال کی مدت رفاقت میں کبھی کوئی ایسا فعل صادر نہ ہوا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج گرامی کو منقص کرتا۔ برعکس اس کے تمام دوسری ازواج مطہرات سے بعض ایسی فروگزاشتیں سرزد ہوئیں جو آپ کی طبعی کوناگوار تھیں۔ (فتح الباری)

فصل ۱۸۵۔ ابولہب کی طرف سے سرِ عالم کی عارضی

حمایت و تائید

حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بد نصیب چچا ابولہب آغازِ دعوت ہی سے آپ کا دشمن جان ہو گیا تھا۔ اس کے خشم آلود تیوروں سے معلوم ہوتا تھا کہ عداوتِ رسول کے نقش کچھ اس طرح اس کے دل پر بیٹھے ہیں کہ تادمِ مرگ صفحہ دل سے محو نہ ہوں گے۔ لیکن قدرتِ خدا کی اعجازِ نمائی دیکھو کہ ایک مرتبہ اس زبونِ حالی میں عارضی اور وقتی طور پر کسی قدر خوشگوار تبدیلی بھی ہوئی۔ جس دل سے ہر وقت کینہ اور عناد کی مومیں اٹھتی رہتی تھیں وہی دل چند روز کے لیے محبت و رواداری کا گوارہ بن گیا۔

امام ابن جوزیؒ نے اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے برادرِ زادہ حکیم بن حزامؓ سے روایت کی ہے کہ ابوطالب اور خدیجہؓ کی رحلت کے بعد شفیع عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آپ نے گھر سے باہر جانے میں بہت کمی کر دی۔ اس وقت قریش کو ابوطالب کے

اٹھ جلسے کی وجہ سے آپ پر وہ دسترس حاصل ہو گئی جو پہلے حاصل نہ تھی۔ ابو طالب کی زندگی میں ابولہب کی قساوت قلبی کا یہ عالم تھا کہ

پس بجا دل نہ اس کا بھی کبھی تیری طرح قاتل
کیا خنجر سے ہم نے مشکوہ درود گلو برسوں

لیکن اب اپنے برادر زادہ کی بے کسی کو دیکھ کر اس کا دل ٹپ گیا۔ بڑے درود کے ساتھ آپ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا محمد! جو کچھ تمہاری مرضی میں آئے کرو اور جس طرح ابو طالب کی زندگی میں اپنے مذہبی طریق کی دعوت دیتے تھے اب بھی دیے جاؤ۔ مجھے لات کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے بعد جب حارث بن قیس بن عادی نام ایک سیاہ باطن نے جو ابن عیطاء کی کنیت سے مشہور تھا، آپ کو گالیاں دیں تو ابولہب اس کے گھر پہنچا اور اس کو سرکوب کر کے واپس آیا اس کے بعد ایک جمعہ میں جا کر باد از بلند پکارا اے گردہ قریش! عتبہ کا باپ (ابولہب) صابی ہو گیا ہے۔

یہ سن کر عماد قریش اس کے مکان پر گئے اور دریافت حال کرنے لگے۔ ابولہب نے کہا میں نے عبدالمطلب کے دین سے مفارقت نہیں کی لیکن اب مجھے یہ بات قطعاً گوارا نہیں کہ میرے بھتیجے پر ظلم و زیادتی کی جائے۔ رو ساے قریش ازراہ ریاء و نفاق کہنے لگے تمہارا موقف نہایت پاکیزہ ہے۔ یہ قدم اٹھا کر تم نے واقعی صلہ رحمی کا حق ادا کیا ہے۔

الغرض کچھ دن اسی بیچ پر گزر گئے کہ آپ ہر طرف آتے جاتے تھے۔ قریش میں سے کوئی شخص آپ سے تعریف نہ کرتا تھا لیکن اکابر قریش ابولہب کی اس تبدیلی مسلک سے بڑے بد دل تھے۔ آخر چند روزہ سکون کے بعد ابو جہل اور عقبہ بن ابی معیط اور مسورہ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تھا) ابولہب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا تمہارے بھتیجے نے تم کو یہ بھی بتایا ہے کہ تمہارے باپ عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟ ابولہب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پوچھا محمد! یہ تو بتاؤ عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔

یہ سن کر ابولہب ان دونوں کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا اور اس نے بتایا ہے کہ عبدالمطلب اپنی قوم کے ساتھ ہوں گے۔ ان دونوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو یہ مقولہ ہے کہ عبدالمطلب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ غرض ان دونوں

آفت کے پرکاروں نے ابولئب کو خوب بھڑکا کر اور سان پر چڑھا کر واپس کیا۔ ابولئب دوبارہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حالت میں آیا کہ تیور بدلے ہوئے تھے۔

تیرے تیور بدل گئے کیوں آج ؟

غیر نے کیا لگا دیا۔ تجھ کو ؟

اور بولا کہ میں نے سنا ہے کہ تم عبدالمطلب کو دوزخی بتاتے ہو ؟

خدا کے پیامبر مصلحت وقت کی بنا پر یا کسی ماسویٰ الشذات سے مرعوب ہو کر اپنے
حقیقی امیال و جذبات کے اظہار سے کبھی پہلو تہی نہیں کرتے تھے۔ آپ نے لگی پٹی رکھے بغیر کہہ دیا
کہ جو کوئی اُس دین پر مڑے جس پر عبدالمطلب نے جان دی، اس کا مستقر دوزخ ہے۔ اس حق گوئی نے
قصر استبداد کے کنگروں کو ہلا دیا۔ ابولئب نے مار دُم بریدہ کی طرح پیچ و تاب کھایا اور دانت پیس کر
بولا کہ اگر عبدالمطلب جہنمی ہے تو پھر مجھ سے کسی بھلائی کی کبھی امید نہ رکھنا۔ جب تک میری جان میں
جان ہے میری عداوت اور کینہ تو زہی سایہ کی طرح تمہارے ساتھ لگی رہے گی۔ ربهقات ابن سعد
ذات بخ ابن کثیر

لیکن اہل حق ابولئب نے اس بات پر غور نہ کیا کہ حامل نبوت نے جو کچھ کہا وہ کسی معاندانہ جذبہ
کے ماتحت نہیں کہا تھا کیونکہ آپ کے دل میں اپنے جدِ امجد کی محبت ابولئب سے کہیں بڑھ کر تھی لیکن
آپ جس منصب رفیع پر مقرر تھے اس کے لیے اظہار حقیقت ناگزیر تھا۔

عبدالمطلب کا عقیدہ توحید | اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالمطلب بھی دوسرے
مشرک ابنائے قوم کی طرح بت پرستی کی ضلالت میں رہ کر
دنیل سے گزر گئے۔ لیکن ہمارے پاس خواجہ عبدالمطلب کے عقیدہ توحید اور جذبہ ایمانی کے جو
شواہد ہیں اُن کو جھٹلانا اور ان کے کفر کا قائل رہنا کسی مومن قانت کے لیے بہت مشکل ہے۔
امام ابن جوزیؒ تبلیس ابلیس میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب خالق کردگار کی ہستی کا اقرار کرتے
تھے اور کہتے تھے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح دنیا کو ابتداء میں پیدا کیا، اسی طرح موت کے بعد دوبارہ
پیدا کرے گا اور ثواب و عذاب بھی ملے گا۔ ان میں سے عبدالمطلب اور زید بن عمرو بن نفیل اور قیس
بن ساعدہ اور عامر بن ظرب بھی تھے۔

مروی ہے کہ عبدالمطلب نے ایک ظالم کو جسے دنیا میں اس کے قلم کی سزا نہ ملی تھی، دیکھا تو
کہا کہ خدا کی قسم ! اس ظالم کو دنیا کے سوا دوسرا جہان بھی ہے جہاں ہر نیک و بد کو اس کے اعمال و کردار

کا معاوضہ ملے گا۔ (تبیین ابلیس)

لیکن یاد رہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں صرف ایک عبد المطلب بادۂ توحید سے مخمور نہ تھے بلکہ سیوطیؒ نے مسالک الخنفار میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں نصر، خزیمہ، الیاس، مہضر، ربیعہ، معدہ، عدنان سب موقد اور دین ابراہیمی کے پیرو تھے اور علامہ محمد شکاری بغدادی نے کتاب "بلوغ اللاب فی احوال العرب" کی دوسری جلد میں موقدین عرب کے عنوان سے تذکرہ صد رسات بزرگوں کی طرح عبد المطلب، ہاشم، عبد مناف، قسّی اور کعب کو بھی زمرہ موقدین میں داخل کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ تمام بزرگوار حضرت خلیل علیہ السلام کے طریقہ پر سختی سے قائم تھے۔

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ ناطق وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جدا مجد حضرت عبد المطلب کو نہیں بلکہ قریش کے آثار اولین میں سے عمر بن لُحی یا کسی دوسرے غیر موقد گم کردہ راہ کو ناری بتایا ہوگا اور یہ کہ راوی کسی طرح غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔ عبد المطلب تو قرشی کفر و شرک کے ظلمت کردہ میں ہر وقت توحید کا جلوہ دیکھتے تھے اور وہ بالیقین خدا سے واحد کے پرستار تھے۔

عبد المطلب کے ایمان اور عقیدہ توحید کے خلاف وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جسے امام احمد ابو داؤد اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زہراؓ سے بتول رہے فرمایا کہ اگر تم ان کے ساتھ قبرستان میں جاتیں تو اس وقت تک جنت نہ دیکھ سکتیں جب تک تمہارے باپ کا دادا جنت نہ دیکھتا۔ لیکن یہ حدیث روایت و درایت کے لحاظ سے بالکل ناقابل التفات ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا ایک راوی ربیعہ بن سیف معافری سخت ضعیف ہے۔

فصل ۱۸۶ حضرت عائشہؓ اور محترمہ سُوہؓ سے عقد تزویج

اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے ایام میں اور اس کے بعد سو سے زائد مومنین و مومنات تو سرزمین حبشہ میں غربت و بے کسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور باقی جو کہ مکہ میں تھے ان کی تعداد قلیل تھی۔ مکہ کی اس مختصر سی اسلامی آبادی میں یہی دو خاتونیں ایسی تھیں جو سُرّ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں منسلک ہو سکتی تھیں، عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ و اہل

سودہ بنت زمعہ اور ان میں بھی عائشہؓ ہمنوز نابالغہ تھیں۔

عقد مناکحت کے لیے
خولہؓ کی استدعا
 حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد جب آپ ہر وقت طول و معزول دکھائی دینے لگے تو جان شاروں کو اس کی بڑی تشویش ہوئی یہ دیکھ کر حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی محترمہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے جو بڑی دانا اور معاملہ فہم صحابیہ تھیں آستان نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! آپ نے اب تک خانہ آبادی کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ نکاح کر لیں۔ آپ نے فرمایا کس سے؟ خولہؓ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں موجود ہیں۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ وہ کون کون ہیں؟ انہوں نے گزارش کی کہ بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں جو آپ پر ایمان لاپٹی ہیں اور کنواری انس بزرگ کی دختر ہیں جو آپ کو تمام خلق خدا میں زیادہ محبوب ہے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی عائشہؓ۔ ان میں سے آپ جس کو پسند فرمائیں اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔

جذبہ رحم کی تحریک
 آپ سوچنے لگے کہ سودہؓ کے معتر ہو جانے کے باعث کسی نے آج تک ان سے نکاح کی خواہش نہیں کی، اس لیے ان کے زخم دل پر عملی ہمدردی کا مرہم رکھنا رضائے الہی کا موجب ہو گا اور اگر ابوبکرؓ جیسے جان نثار کی لڑکی سے عقد ہو تو باہمی تعلقات مودت اور زیادہ مستحکم ہوں گے۔ یہ سوچ کر آپ نے خولہؓ سے فرمایا کہ اچھا تم جا کر دونوں کی نسبت گفتگو کرو۔

خولہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پا کر پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئیں۔ وہ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ خولہؓ حضرت عائشہؓ کی والدہ سے کہنے لگیں، اے اُمّ رومان! خدا سے ڈرو ورنے تم لوگوں پر بڑی خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ اُمّ رومان نے پوچھا کون سی خیر و برکت؟ خولہؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری لڑکی عائشہؓ کے لیے پیام نکاح دیا ہے۔ اُمّ رومان نے کہا زارا لڑکی کے والد کے آنے کا انتظار کرو۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی آگئے۔ خولہؓ کہنے لگیں، اے ابوبکرؓ! حق تعالیٰ نے تم لوگوں پر کیسی ہی خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ انہوں نے کہا کون سی خیر و برکت؟ خولہؓ نے ان سے پیغام کا تذکرہ کیا۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ جس طرح حقیقی بھائی کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا خولہ! عائشہؓ تو اللہ کے برگزیدہ رسول کی بیٹی

ہے۔ آپ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ غولہ بنی نے آستان نبوت میں جا کر اس کے متعلق استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ابو بکرؓ کو میری طرف سے کہو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور دینی بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے (صحیح بخاری و مسند امام احمد)

غولہ دوبارہ آئیں اور بتایا کہ آپ نے یہ جواب دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کہنے لگے کہ رسول اللہؐ ہماری سو جان بھی قربان ہے لیکن تم قدسے ہیں ٹھیکرو! میں ایک بات کا تصفیہ کر کے آتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ باہر نکلے تو اُمّ رومانؓ نے غولہؓ سے کہا کہ ابو بکرؓ نے مطعم بن عدیؓ سے اس کے رٹکے جُبیرؓ کے بے وعدہ کر رکھا ہے اور یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ انہوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو اور پھر اس کا ایقانہ کیا ہو۔ حضرت ابو بکرؓ مطعم بن عدیؓ کے مکان پر پہنچے۔ اس وقت جناب صدیق اکبرؓ کے دل میں یہ آرزو موج زن تھی کہ کاش! مطعم اس نسبت سے دست بردار ہو جائے اور میری بھی حریم نبوت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کر سکے! مطعم کے پاس اس کی بیوی اُمّ الفقیؓ بھی موجود تھی۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کو دیکھتے ہی کہنے لگی، کیوں صاحب! آپ بیٹی دے کر اپنی طرح میرے ذریعہ نظر کو بھی آباہی دین سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ ہمیں یہ گوارا نہیں ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے کہا کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے جو تمہاری بیوی نے ظاہر کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ جناب ابو بکرؓ تو خدا سے چاہتے تھے کہ یہ لوگ الٹا کر دیں۔ چنانچہ وہ اس الٹا پر بہت خوش ہوئے اور جلدی سے آکر غولہؓ سے فرمایا کہ جا کر حضورؐ ان سے کہو کہ آپ کا پیغام سر آنکھوں پر آپ عزیز فائدہ پر مشرف افروز ہوں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا (مسند امام احمد)

پیش بندی بیکار گئی حضرت جُبیرؓ نے قدرِ توحید پی لیا

مطعم بن عدیؓ کی بیوی نے اس خدشہ کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی سے اپنے بیٹے کا عقد نامتطور کر دیا کہ مبادا وہ سسرال کے اثر سے اپنا آباہی دین (بُستِ برستی) ترک کر دے۔ لیکن یہ پیش بندی کچھ بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی کیونکہ اس کے کچھ زمانہ بعد مطعم کے بیٹے حضرت جُبیرؓ رضی اللہ عنہ نے ساقی کوڑکے ہاتھ سے قدرِ توحید پی لیا اور ان کی رگ رگ میں محبت اسلام کا خون دوڑنے لگا۔ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ جُبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قرشی نوفلی اکابر قریش اور علمائے نسب میں تھے۔ بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ وہ اس وفد کے ایک رکن تھے جو مکہ مکرمہ سے اسیران بدر کے فدیے لے کر مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ انہی ایام میں انہوں نے ایک مرتبہ قابل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ طور پڑھتے سنا۔

حضرت جُبَیرؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کی قرارت سن کر میرا کلبہ دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا۔ گو اس وقت وہ مشرف بایمان نہ ہوئے لیکن اسلام کی عظمت ان کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ آخر فتح مکہ سے پہلے دولت ایمان سے بہرہ مند ہو گئے (اصابہ)

حضرت سودہؓ سے عقد ازدواج

حضرت سودہؓ پہلے سکران بن عمروؓ نام ایک صحابی کے بھائی تھیں جو مکہ کے رئیس نہیں بن سکران بن عمروؓ کے بھائی تھے۔ یہ حبش کی پہلی ہجرت میں اپنے شوہر کے ساتھ ترک وطن کرنے حبش گئیں۔ جب وہاں یہ افواہ اڑی کہ قریش پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں تو یہ میاں بیوی بھی مکہ واپس آ گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد حضرت سکرانؓ علیل ہو کر رہ گئے۔ عالم آخرت ہوئے۔ محترمہ سودہؓ نے پانچ چھ سال سے بیوگی کی سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب خولہؓ نے آستان نبوت سے قدم باہر رکھا تو اتفاق سے اسی وقت حضرت سودہؓ وہاں آ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خولہؓ کی گفتگو کا ذکر کر کے اپنے پیام نکاح کا تذکرہ فرمایا۔ وہ عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! آپ مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں اور اس سے بڑھ کر میری کوئی سعادت نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھے شرف زوجیت بخشیں لیکن ایک تو میری عمر ڈھل چکی ہے۔ دوسرے میرے پانچ چھ بچے بچیاں ہیں۔ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ رات دن آپ کے پاس رویا کریں گے اور اس سے آپ کا مزاج گرامی منحصر ہو کرے گا۔

آپؐ نے فرمایا کہ ان دو وجہوں کے سوا معذرت کا کوئی اور پہلو تو نہیں، انہوں نے کہا نہیں۔ چونکہ آپؐ کے عزم مناکحت میں رسم دینی اور اُمت نوازی کا جذبہ کار فرما تھا اس لیے آپؐ نے ان دونوں باتوں کی پروا نہ کی اور اولاد کی محبت و شفقت کا جذبہ دیکھ کر حضرت سودہؓ سے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ اونٹوں کی پیٹھ پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین خواتین قریش کی صالح خواتین ہیں جو اپنی صغیر السن اولاد پر نہایت مہربان ہیں اور اپنے شوہر کے حقوق کو بھی بوجہ احسن ملحوظ رکھتی ہیں زمار بن کنشہ

اس کے بعد خولہؓ اسی روز یا کسی دوسرے دن حضرت سودہؓ کے پاس گئیں اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر خیر و برکت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیونکر؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارا پیغام نکاح دے کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا تم میرے باپ کے پاس جا کر اس کا تذکرہ کرو۔ خولہؓ ان کے والد کے پاس گئیں جو بڑے سن رسیدہ تھے

اور ضعف پیری ان پر مسلط تھا۔ حضرت خولہ بنت نے ان کو جاہلیت کی رسم کے موافق تحیہ و سلام کیا۔ زمرہ بولا کون ہے؟ کہا خولہ بنت حکیم۔ پوچھا کس طرح آتا ہوا؟ خولہ بنت نے کہا مجھے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب نے سووہ کا پیام دے کر بھیجا ہے۔ زمرہ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شریف و کریم آدمی ہیں مجھے ان کا پیغام منظور ہے لیکن تم نے سووہ سے بھی اس کا ذکر کیا ہے؟ خولہ بنت نے کہا ہاں وہ رانی ہیں۔ زمرہ بولا اگر اس کو میرے پاس تو لاؤ۔ خولہ جا کر ان کو لے آئیں۔ زمرہ نے کہا بیٹی! یہ حکیم کہا کرتی ہیں کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب نے تمہارے لیے پیغام بھیجا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہایت شریف اور کریم النفس آدمی ہیں۔ کیا تم اس کو پسند کر دو گی کہ تمہیں ان کی زوجیت میں دیا جائے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ زمرہ نے آپ کو بلا کر بیٹی کا نکاح کر دیا (مسند امام احمد)

بھائی خاک بسر | غیر مسلم قریش کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے کس درجہ علاو تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب اُم المؤمنین حضرت سووہ بنے بھائی عبد بن زمرہ نے جو بہت بڑی سعادت ایمانی سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، ہمیشہ کے نکاح کی خبر سنی تو سر میں خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہوا کہ میری بہن عدو سے قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں چلی گئی۔ لیکن انجام کار جب چشم حقیقت وا ہوئی اور اسلام کا دل آویز چہرہ اس کی پوری تابانی کے ساتھ نظر آیا تو بادۂ ایمان سے غمر ہوئے کے بعد اپنی اس حرکت کو یاد کر کے سخت نادم ہوا کرتے (مسند احمد و طبقات ابن سعد)

میکہ میں حضرت عائشہؓ | کوئی ایسی قابل وثوق شہادت نہیں ملتی جس سے حضرت عائشہؓ اور حضرت سووہ بنے کے عقد نکاح کی تاریخ قطعیت کے ساتھ متعین کی جاسکے، تاہم مختلف بیانات میں سے اس نزع روایت یہ ہے

کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے قریباً تین برس پہلے رمضان میں داعی اہل کو بتیک کہا اور اسی کے ایک مہینہ بعد ثوال میں دونوں اہمات المؤمنین حضرت خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم کے سبک از دواج میں منسلک ہوئیں۔ حضرت سووہ بنے تو عقد کے بعد ہی کاشائہ نبوت میں فروکش ہوئیں لیکن سیدہ عائشہؓ نکاح کے بعد بنا بر عدم بلوغ قریباً تین سال تک میکہ ہی میں رہیں۔ سوا دو سال مکہ مکرمہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔

شادی کی بیوہ و مسرفانہ رسمیں | اوپر کے سطور میں قارئین کرام پر یہ حقیقت روشن ہو گئی ہو گی کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح نہایت سادگی سے انجام

پایا جس میں کسی تکلف، اسراف اور نمائش و آرائش کا نام تک نہ تھا۔ مسلمانوں کو اپنے ہادی و مہر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ لیکن افسوس ہے کہ عہد حاضر میں پاکستان و ہندوستان کے اندر پیروان اسلام نے ہمسایہ قوم کی دیکھا دیکھی شادی بیاہ کو ایسی ہیوہ رسوم اور مسرفانہ تکلفات میں جکڑ دیا ہے جن پر جتنا بھی اظہار نفرت کیا جائے کم ہے۔

**عرب کی چند ہیوہہ
رسموں کی اصلاح**

ستیدہ عائشہؓ کی تقریب شادی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ سے عرب کی متعدد غور رسوم کی بندشیں ٹوٹیں۔ عرب منہ بوسے بھائی کی دختر سے شادی حرام خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح سے یہ رسم نیا منسا ہو گئی۔ جیسے یہاں کے جلازمہ محرم میں یا کم از کم محرم کے عشرہ اول میں شادی نہیں کرتے اسی طرح اہل عرب شوال میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے لیکن مصلح عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں نکاح شوال ہی میں کیے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ماہ شوال منہوس نہیں ہے (طبقات ابن سعد) اسی طرح بعض دوسری جاہلانہ رسوم کی پابندی بھی اس تقریب نکاح سے ٹوٹی۔

فصل نمبر ۱۸۔ واجب الطاعت نبیؐ سے درندانہ سلوک

جہاں تک خالق کو مکار کے قانون طبعی کا تعلق ہے، ہر انسان طوعاً یا کراً رب السموات والارض کے فطری قوانین کی اطاعت کر رہا ہے کیونکہ اس اطاعت سے اُسے کوئی مفرت نہیں، لیکن جہاں تک بنو آدم کے اپنے اختیار کی حد ہے، اکثر لوگ اس دائرہ میں اطاعت خداوندی سے گریز کرتے ہیں۔

**اطاعت خداوندی کے ساتھ
دوسری اطاعتوں کی شرکت**

کسی سابقہ فصل میں حضرت ستید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی مخالفت کے وجوہ و اسباب پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ ان میں سے بڑا سبب یہ تھا کہ حضورؐ کو غیر الٰہین

والآخرون صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت خداوندی کے ساتھ دوسری اطاعتوں کو شریک ٹھہرانے سے روکتے تھے اور قریش کو گوارا نہ تھا کہ قانون طبعی کی فطری اطاعت کی طرح اپنی اختیاری اطاعت کو بھی از سر تا پا رب ذوالجلال کے ساتھ خالص کر دیں۔ چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض

منصبی تھا کہ اس غیر الہی اور غیر قرآنی نظام پر حملہ آور ہو کر لوگوں کو غیر اللہ کی اطاعت سے ہٹا دیں اس لیے داعی اور مدعوین میں تضادم ناکزیر تھا۔ اس کش مکش نے اس مرحلہ پر پہنچ کر بہت نازک صورت اختیار کر لی۔ گو کہ اس کی تفصیل نہایت دردناک ہے تاہم حقیقت حال کے چہرہ سے پردہ اٹھانا بھی ضرور ہے۔

قریش کی مشرم و جیہاٹھ گئی۔ عمائد قریش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے باعث ابولس سے بغض رکھتے تھے تاہم ان کو معزز و محترم مانتے اور قبائل قریش کی سب سے بزرگ ہستی یقین کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابو طالب کی زندگی میں وہ

حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے روحانی مدد سے پہنچاتے رہے اور درپردہ قتل کی سازشیں بھی کیں تاہم آپ پر کبھی کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا لیکن جوہی ابو طالب کی آنکھیں بند ہوئیں تمام مشرم و جیہاٹھ گئی۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ کے شوہر ہونے کی حیثیت سے بھی بہت لوگ آپ کا احترام کرتے اور مشرم و جیہاٹھ کرتے تھے۔ ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت ختم ہوتے ہی دشمنان دین ہر طرف سے آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حیران نصیبوں نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا چنانچہ وفات ابو طالب سے ہجرت مدینہ تک کا زمانہ ایسی سختی سے گزرا کہ جس کی تفصیل نہایت دردناک ہے۔

محسن کائنات کی جان لینے کا منصوبہ طاق التوا پر ابو طالب کی رحلت کے بعد ترقی اسلام کے اسناد کے جو ذرائع قریش کے پیش نظر تھے ان میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا (نصیب اعداء) قتل یا آپ کی جسمانی و روحانی ایذا رسانی

کا سلسلہ سب سے مقدم تھا۔ لیکن چونکہ وہ غیر ہاشمی قریش جن کی بائیں ہاشمیہ تھیں، اقدام قتل سے متفق نہ ہوئے اس لیے قتل و جان ستانی کا خیال سر دست طاق التوا پر رکھ دیا گیا۔

فصل ۱۸۸۔ مجلس ایذا رسانی کی جدید حشر انگیزیاں

اب قریش کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں ان وسائل پر غور کیا گیا جو ترقی اسلام کے روکنے بلکہ (معاذ اللہ) اس کی پہنچ کئی کے کفیل ہوں۔ سید کائنات اور آپ کے پیروؤں کو تنگ کرنے کا فیصلہ | چنانچہ غور و غوض کے

بعد مجلس ایذا رسانی کو جس کی سرگرمیاں شست پڑی ہوئی تھیں مضبوط کیا گیا۔ اب اس کا صدر شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بد نصیب چچا ابوبسب منتخب ہوا اور قریش کے بچپیں سربراہ اور اشخاص اس کے رکن قرار پائے اور طے ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح سے تنگ کیا جائے۔ بات بات میں ان کا مذاق اڑایا جائے اور جس کسی کو جب موقع ملے زدو کوب سے بھی درگزر نہ کرے اور ان کے پیروں پر اس حد تک عرصہ حیات تنگ کیا جائے کہ گھبرا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ دیں اور نئے لوگوں کو حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہو۔ چنانچہ اس قرارداد کے بعد خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں پر ہر طرف یورشیں ہونے لگیں اور خدا کی زمین باوجود وسعت کے اہل ایمان پر تنگ کر دی گئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے حوادث مظلومی کو قلم انداز کر کے ذیل میں چند ایسے روح فرسا واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کا تعلق براہ راست حضور سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھا۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ میں توحید کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ منکروں کے نزدیک توحید کا تذکرہ بہت اللہ کی بہت بڑی توہین تھی۔ اعداء چاروں طرف سے جمع ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے رہیت حارث بن ابولہ رمنی اللہ عنہ نے سنا تو دوڑے آئے اور آپ کو بچانا چاہا۔ بہت بہت لوگ آپ کو چھوڑ کر ان پر پل پڑے اور انہیں تلواریں مار مار کر اسی جگہ ڈھیر کر دیا۔ یہ شہادت فی سبیل اللہ کا سب سے پہلا خون عقابو حمایت اسلام کے ”جرم“ میں گرایا گیا (اصنام حضرت صدیق کا ایک مرتبہ آپ مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط پیچھے سے آیا اور جب آپ سجدہ میں گئے تو چادر آپ کے گلے سے مبارک میں ڈال کر اس کو مروڑا اور آپ کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ آپ برابر سجدہ کر رہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور عقبہ کو پیچھے ہٹا کر قرآن کی یہ آیت پڑھی :-

کیا تم ایک آدمی کو محض اس بنا پر قتل کرتے ہو کہ وہ

کہتا ہے کہ یہ آپ پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ

يَقُولَ سَرَبِقَىٰ اللَّهُ وَ قَدْ

سے جوئی کا بیجا جو پہلے تو ہر سے ہو۔

جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ
تَرِكْكُمْ (۴۰: ۲۸)

اس دعویٰ پر تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں
بھی لے کر آیا ہے (بخاری)

قریش آپ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے اور ان کو مار مار کر ہولمان کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد
جب یہ عاشق رسولؐ ہولمان واپس آئے تو ان کے سر میں بہت سے زخم آئے ہوئے تھے۔
(ابن ہشام)

ابوبکرؓ کا آنحضرتؐ کو
اعداء کے پیچہ جوڑے بچانا
مسند بنار میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو تم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ
ایک مرتبہ اعدائے دین نے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر
زد و کوب شروع کیا۔ یہ اشقیاء گھسیٹتے اور دھکتے دے رہے

تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا تم ہی وہ شخص ہو جو صرف ایک معبود کی پرستش کا حکم دیتے ہو؟ حضرت
علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو قریش کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ ابوبکرؓ آگے بڑھے اور
مشرکوں کو مار تے پیٹتے گراتے اور ہٹاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے اور آپ کو دشمنوں
کے پیچہ جفا سے بچا کر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھنے لگے۔ اَقْتُلُوْهُ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رِبِّيْ
اِلٰهُهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ تَرِكْكُمْ۔ اب مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی بجائے حضرت ابوبکرؓ کو پٹنا شروع کر دیا اور سراود ڈاڑھی پکڑ لی اور ریش مبارک اور سر کے
بہت سے بال لڑچ ڈالے اور بُری طرح مجروح کیا۔

آیہ مذکور میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے جبکہ فرعون نے اپنی مجلس میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل
کا مشورہ کیا تھا اور آل فرعون میں سے ایک مومن جس نے اپنا ایمان مخفی کر رکھا تھا کہنے لگا کہ
تم ایسے شخص کی جان لینا چاہتے ہو جس کا یہ مقولہ ہے کہ میرا پروردگار رب علیل ہے؟ یہ بیان کر کے
حضرت علیؓ نے حاضرین سے سوال کیا کہ بتاؤ آل فرعون کا مومن افضل تھا یا ابوبکر صدیقؓ؟ لوگ
کچھ جواب نہ دے سکے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بخدا ابوبکرؓ کی ایک ساعت مومن بتائی فرعون کی ہزار
ساعت ہے بہتر ہے۔ آل فرعون کے مومن نے اپنا ایمان چھپایا تھا لیکن ابوبکرؓ نے ظاہر کیا۔
(تاریخ الخلفاء سیوطی)

رسول انام کا انتباہ کہ میں فریج
کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہوں
حضرت عمرو بن عامرؓ کے صاحبزادہ عبداللہؓ جو ہنوز
مشرک باسلام نہیں ہوئے تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک
مرتبہ میں حرم کعبہ میں موجود تھا۔ قریش کے اکابر و اعیان

حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ چھڑ گیا۔ یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے ہمارے دین کی مذمت کی اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ بتلایا اور ہم نے آج تک ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اتنے میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لا کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگے۔ جب آپ طواف کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرتے تو یہ لوگ آپ پر آوازے کتے اور گالیاں دیتے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ آپ اسے طول ہوئے اور طال کا اثر دوسے انور پر نمایاں ہوا۔ تیسری مرتبہ کی بدگوئی پر پھیر گئے اور ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا اے گروہ قریش! کان کھول کر سن لو اور یاد رکھو کہ میں تمہارے پاس ذبح کے ساتھ آیا ہوں۔ یعنی اگر ان حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے اور میری متابعت سے کنارہ کش رہو گے تو جس طرح بھیڑ بکری کے گلے پر چھری رکھی جاتی ہے، اسی طرح میری تلوار بھی تمہیں ذبح کر دے گی اور تم مجھ سے لڑائی کر کے مفت میں اپنی جانیں برباد کر دو گے۔

چنانچہ اس واقعہ کے قریباً ڈھائی تین سال بعد جنگ بدر میں مسلمانوں کی خنجر خارا شکاف نے تمام سر پر آور دہ اعدائے دین کو ذبح کر دیا۔

اس ابتداء پر سناٹا چھا گیا۔ ہر بت پرست مسلمان کے عالم میں نظر آتا تھا۔ آخر تمام اعدائے بد زبانی کی جگہ تسلی کا طریق اختیار کیا اور کہنے لگے جناب آپ تشریف لے جائیے اور اس خیال کو جانے دیجئے (ابن ہشام وابن جریر طبری)

دوسری روایت میں آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے ذبح لایا ہوں یعنی دین اسلام تم کو موت کی طرح ناگوار ہے (یہ سن کر سب نے گردنیں نیچی کر لیں اور ایسے چپ ہوئے کہ گویا شخص کے سر پر کوئی پند جھٹھا ہے اور اس فقرہ نے وہ اثر کیا کہ جو شخص آپ کی ایذا کی زیادہ تر بات دیتا تھا وہ ایسے الفاظ سے جو بہتر سے بہتر اس کو دل سکے آپ کی تسکین کرنے لگا اور کہا اے ابوالقاسم! آپ بخیر تشریف لے جائیں کہ بخدا آپ نادان نہیں (ابن حبان و رواہ البخاری مختصراً)

اس واقعہ کے دوسرے دن قریش کا پھر اجتماع ہوا۔ اس روز انہوں نے آپ کی ایذا رسائی کا مشورہ کر رکھا تھا۔ جب آپ نے مسجد الحرام میں قدم رکھا تو قریش نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے تمہاری ہمارے بتوں کی عیب گیری کرتے ہو اور ہمارے مذہب کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں میں ہی کہتا

ہوں۔ ایک شخص نے آپ کی روداے مبارک پکڑ لی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ روتے ہوئے دوڑے اور قریش کو مخاطب کر کے یہ آیت پڑھی اَلْقَتُلُونَ سَاجِدًا اَنْ يَقُوْلَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ قَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ (سیرۃ ابن ہشام و ابن جریر طبری)

مزید شرمناک ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا اور گردن مبارک کو اس زور سے دبا یا کہ آنکھیں نکلنے کے قریب ہو گئیں۔

چہرہ دستیال بعض دفعہ یہ اشقیار اس طرح گلا گھونٹتے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا (ابن ہشام) جس طرح کتا کسی غیر مانوس آدمی کو دیکھ کر بھونکنے لگتا ہے اسی طرح اُمیہ بن خلف کی عادت تھی کہ آپ کو دیکھتے ہی گایاں دینے لگتا۔ اس کے بھائی ابی بن خلف سے عقبہ بن ابی معیط کی دوستی تھی۔ ایک دن ابی عقبہ سے کہنے لگا اگر تم میرے دوست ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ پر (معاذ اللہ) تھوک دو۔ اس شقی اڑلی نے جا کر ایسا ہی کیا (ابن ہشام)

سر مبارک میں کیچڑ ڈالنے ایک مرتبہ آپ راہ میں جا رہے تھے ایک انسان صورت شیطان سیرت نے آکر سر مبارک پر بہت سی کیچڑ ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ آپ

کی ایک صاحبزادی (جو غالباً ستیدہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا تھیں) آپ کو اس حالت میں دیکھ کر ناز و قطار رونے لگیں۔ اس کے بعد پانی لا کر آپ کا سر مبارک دھونا شروع کیا۔ سر سے مٹی دھوتی جاتی تھیں اور ساتھ ہی قرطربج سے روتی جاتی تھیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ جان پدر بار و موت۔ صبر کرو۔ حق تعالیٰ تمہارے باپ کو قریش کی دراز دستیوں سے مامون کرے گا۔ اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ چچا ابو طالب کی زندگی میں یہ لوگ میرے ساتھ اس قسم کا کوئی ناز و اسلوک نہیں کر سکے تھے۔ (محمد بن جریر طبری و ابن ہشام)۔ گہ باغی :-

سپہیں بدنہ کش از گل آزار شود در سایہ سنبیل رخسار شود
بنگر چہ شود بدوش از غم کہ رہش از دست ستگراں پُر از خار شود
معلوم ہو کہ آپ یہ سب تکلیفیں راہِ خدا میں برداشت کرتے تھے کیونکہ آپ مقامِ صبر میں مستقیم تھے جس کے لیے آپ کو حکم ہوا تھا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُوْلُو الْعَرْسِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (۲۶ : ۳۵) آپ صبر کیجئے جس طرح دوسرے اولوالعمر

رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے متعلق کسی بات کی جلدی نہ کیجئے۔

انہی ایام آشوب میں ایک مرتبہ اہل مکہ نے آپ کو انتہائی شقاوت کے ساتھ بہت بُری طرح زد و کوب کیا۔ آپ طول و محزون خون میں رنگے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور پوچھنے لگے آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ جبریل امین نے تسکین خاطر اور رفع حلال کے لیے کہا کیا آپ کو رپٹ جیل کی کوئی نشانی دکھاؤں؟ فرمایا ہاں دکھاؤ۔ سامنے ایک درخت کھڑا تھا۔ جبریل نے کہنے لگے اس درخت کو اپنے پاس بلائیے۔ آپ نے اس کو آنے کا اشارہ کیا۔ وہ چل کر آپ کے قریب آیا اور سامنے کھڑا ہو گیا۔ جبریل نے کہا اب اس سے کہئے کہ ٹوٹ جائے۔ وہ ٹوٹ کر اپنی جگہ پر چلا گیا (ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء)۔

فصل ۱۸۹۔ عُقبہ کا حالتِ سجد میں ویش مبارک پر بخش اوجھ رکھنا

ان ستم کشیوں کے سلسلہ میں ایک اور دناک حادثہ ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ آپ کعبہ معنی کے نزدیک مصروف نماز تھے۔ قریش کے بعض سربراہ اور وہ افراد نے بھی ایک طرف اپنی مجلسِ نگو گرم کر رکھی تھی۔ اتنے میں ابو جہل کی آپ پر نظر پڑی۔ کہنے لگا ذرا اس شخص کی طرف تو دیکھو۔ اس کے بعد بولا کاش! اس وقت کوئی شخص فلاں قبیلہ میں جاتا۔ وہاں اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اس کی بخش اور خون آلود اوجھڑی اٹھا لاتا اور ایسے وقت میں جبکہ یہ شخص رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے، اس کی گردن پر رکھ دیتا۔ عُقبہ بن ابی یحییٰ کہنے لگا میرے سوا کون ہے جو اس خدمت کو انجام دے؟ چنانچہ دوڑا گیا اور خون اور گوبر سے بھری ہوئی اوجھ لاکر ایسی حالت میں آپ کے دونوں ہونڈھوں کے بیچ میں رکھ دی جبکہ آپ سر بسجود تھے۔

حضرت فاطمہؓ کا
آکر اوجھ گراتا

تمام رؤساء قریش اس دن نگارِ منظر کو دیکھ کھل کھلا کر ہنسنے اور انہیں اتنی خردشی ہوئی کہ عالمِ مسرت میں ایک دوسرے کے اوپر گہرے پڑتے تھے۔ اونٹ کی اوجھڑی بڑی وزنی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کہ جبین مبارک

پر کتنا تکلیف دہ بوجھ ہو گا اور سر مبارک نے اس بوجھ کو کس طرح برداشت کیا ہو گا۔ چونکہ آپ بحالت سجدہ نحو واستغراق میں تھے آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی کہ مونڈھوں کے بیچ میں کیا رکھا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اس کی گراہاری سے سر ہی نہ اٹھا سکتے ہوں۔ بعد اللہ بن مسعود میں جو پہلے عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے اتنی طاقت نہ تھی کہ مجمع کفار کے مقابلہ میں کچھ کر سکتے۔ انہوں نے مصالحت وقت ہی دیکھی کہ آپ کے گھر میں خبر کریں۔ چنانچہ آستان نبوت میں جا کر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بتایا کہ تمہارے والد محترم کی گردن پر قریش نے نجاست آلود اوجھ رکھ دی ہے اور آپ اس کا بوجھ اٹھائے سجدہ میں پڑے ہیں۔ حضرت فاطمہ کی عمر اس وقت کلیم نو دس سال کی تھی۔ وہ دوڑیں آئیں۔ دیکھا کہ زعمائے قریش ہنستے اور خوش ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بڑھ کر اوجھ اتار پھینکی۔ قریش کو بددعائیں دیں اور عقبہ کو برا بھلا کہا۔

ہنسنے اور خوش ہونے

والوں پر بددعا

یہ پہلا موقع تھا کہ آپ رؤسائے قریش کے قبول اسلام سے قطعاً مایوس ہو گئے۔ آپ نے اپنے مفترض الطافہ رسول ص کی توہین کرنے اور نماز میں خلل انداز ہونے والے اشقیاء پر بددعا

کی اور فرمایا الہی! قریش کی اس ٹولی کو سزا دے۔ اور دعائیں ان پانچ آدمیوں کا خاص طور پر نام لیا۔ ابو جہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، اُمیہ بن خلف، عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ۔ یاد رہے کہ مکافات عمل کا قازن الہی وار آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائی وہ موقف اجابت پر پہنچی چاہے اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس ذات برتر کی قسم میں نے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی مبعوث فرمایا میں نے ان افراد کو جن کا آپ نے نام لیا تھا بدر کے میدان جنگ میں ذلت کے ساتھ پڑا پایا۔ ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈالی گئی تھیں۔ (بخاری و مسلم مع شرح)

عقبہ کون تھا؟ حضرت عثمان غنی کی والدہ ارو علی بنت کریم جناب رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور حضرت عثمان غنی کی نانی بیضا بنت عبدالملک

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ ارو علی پہلے حضرت عثمان غنی کے والد عثمان کے ساتھ بیابانی تھیں۔ جب عثمان نے اس سہارے فانی سے موٹے

موڑا تو عقبہ بن ابی معیط کے نکاح میں آئیں۔ ابو معیط کا نام ابان بن ذکوان بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر اوجھ رکھنے والا عقبہ بن ابان بن ذکوان بن امیہ بن عبد شمس ہی تھا۔ ابان کی کنیت ابو معیط تھی (ابن اثیر وغیرہ)۔
اس سے معلوم ہوا کہ عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سوتیلایا باپ اور محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تھا۔

فصل ۱۹۰۔ مشرک ہمسایوں کی روحانی و جسمانی ایذا رسانی

تمام بدترین اعداء | ابو جہل بن ہشام، ابولہب بن عبد المطلب، عقبہ بن ابی معیط، ابوسفیان بن حرب، اسود بن عبد العوث، اُمیہ بن خلف، ابی بن خلف، نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ، حکم بن ابوالعاص، منبہ بن حجاج، عارث بن قیس اور اس کی ماں غیلہ، ابوقیس بن فاکہ، عاص بن وائل وغیرہ قریش کے رؤسا جنہیں آپ کے انتہا درجہ کا عناد تھا سوا اتفاق سے آپ کے ہمسایہ واقع ہوئے تھے۔ اور پھر ان اعداء میں اشد ترین دشمن تینوں مقدم الذکر تھے۔ گو عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب بھی دشمن تھے لیکن دوسرے اعدائے حق کی طرح بد مذہبانی اور ایذا رسانی کے درپے نہ ہوتے تھے پھر تمام ہمسایوں میں دو ہمسائے ابولہب اور عقبہ جن کے درمیان حضرت سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان مبارک واقع تھا بہت بُرے ہمسایہ تھے۔ یہ دونوں نجاست، کانٹے، ہڈیاں اور تمام دوسری ممکنہ مصلحتیں ایذا رسانی چیزیں لاکھ سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا قدس سے ڈالتے رہتے جب آپ گھر سے باہر تشریف لاتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر فرماتے اے آل عبد مناف! یہ کس ہمسایہ نے نظر التفات کی؟ پھر ان چیزوں کو وہاں سے ہٹا دیتے رطبقات ابن سعد تاریخ ابن جریر)

ان اعداء کا حمل تھا کہ جہاں کہیں موقع ملتا آپ کو پتھر مار دیتے۔ راستہ میں کانٹے بکھیر دیتے (مدارج) نماز پڑھتے وقت مذاق اڑاتے اور جب داخلہ پر نجاست ڈال دیتے (ابن جریر طبری و ابن ہشام)

عبادت کی جگہ دریدہ دہنی | ایک مرتبہ حضور کا مزاج اقدس زیادہ علیل ہوا۔ اس وجہ

سے دو تین رات قیام شب (تجدد) کی نوبت نہ آئی۔ ابوسفیان بن حرب کی بہن عوزہ بنت حرب جو آپ کی بد نصیب چچی اور ابوسب کی جو روحی حضور کے پاس آئی اور عیادت کی جگہ کنے لگی محمدؐ میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا ہے اسی لیے دو تین رات سے تمہارے پاس نہیں آتا (صحیح مسلم)

ایک روز اعداد باہم مشورہ کر کے کا شانہ اقدس سے باہر جمع ہو گئے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کے سامنے بہت بڑا مجمع ہے۔ دیکھتے ہی چھوٹے بڑے، آزاد غلام ہر فرد بشر نے آپ کو گایاں دینی شروع کیں اور آپ کو جسمانی اذیت پہنچائی۔ آپ آزدگی کے عالم میں اندر چلے آئے اور مونہ لپیٹ کر بیٹ رہے۔ تھوڑی دیر میں حضرت جبریل امینؑ یہ فرمان خداوندی لے کر آئے۔ **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ** (اے مونہ لپیٹنے والے! کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرائیے) سیرۃ ابن ہشام

تسکین خاطر کے لیے
جبریلؑ کی تشریف آوری
 ایک مرتبہ اشیقائے قریش نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو بہت بُری طرح مجروح کیا۔ آپ خون میں رنگے مغموم بیٹھے تھے کہ جبریل امینؑ علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کے دل جزین پر تسکین کا مرم

دکھنے کے لیے بعد سلام کنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ آپ کو ایک نشان صدق دکھاؤں؟ فرمایا ہاں۔ جبریلؑ نے پھلی طرف ایک درخت دیکھا اور کہا کہ اس کو بلائیے۔ آپ نے اس کو آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آکر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں حضرت جبریلؑ نے کہا کہ اب اس کو چلے جانے کا حکم دیجیئے۔ آپ نے فرمایا کہ جا اپنی جگہ چلا جا چنانچہ وہ مع اپنے مستقر کو چلا گیا۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ)

بازاری لونڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دینے کی شیطنت
 حضرت فخر کونین علی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے نکلتے تو آپ کے پڑوسی گایاں دے کر حق ہمسائیگی ادا کرتے۔ راستہ میں جو بھی سامنے آتا وہی گایاں دیتا اور پھر

اسی پر اکتفا نہ تھا بلکہ بازاری لونڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے (مسند امام احمد) حضرت ضماون ثعلبہ ازدری جو طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے، مکہ معظمہ آئے تو خدا کے برگزیدہ رسولؐ کو اس حالت میں دیکھا کہ پیچھے لونڈوں کا غول ہے۔ ضماون نے لونڈوں کو دیکھ کر یہی خیال کیا کہ انہیں (معاذ اللہ) جنون ہو گیا ہے۔ ضماون نبوت سے پیشتر مکہ معظمہ میں رہ چکے تھے اور آپ سے ان کی اچھی ملاقات

تھی۔ فسادِ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تمہاری حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا لیکن اطمینان رکھو میں دیوانگی کا علاج کر سکتا ہوں۔ فسادؓ نے آپؐ کے (معاذ اللہ) سچے دیوانہ خیال کر لیا تھا۔ آپؐ نے حمد و ثنائے الہی کے بعد ان کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ وہ اس خطبہ سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ معاً آپؐ کے جان نثاروں کی صف میں شامل ہوئے (صحیح مسلم وغیرہ)

محمدؐ کی بجائے مذمّم
کہنے کی ذمّات

قریش کی ایک بدسگالی یہ تھی کہ اپنے مفترض الطاعة رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے اسم گرامی محمدؐ (بہت تعریف کیا گیا) کی جگہ مذمّم (ذمت کیا گیا) کے نام سے یاد کرتے تھے اور پھر یہ نام لے کر گالیاں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو اس پر حیرت نہیں کہ خداوند حکیم و قدیر قریش کی گالیوں اور لعنتوں کو مجھ سے کس طرح پھیر دیتا ہے، وہ مذمّم (بڑے آدمی) کو گالیاں دیتے اور اسی پر لعنت بھیجتے ہیں حالانکہ میں محمدؐ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) (صحیح بخاری)

فصل ۱۹۱ حضرت زبیر بن عوام کا جذبہ فدویت

حضور سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ بھی آپؐ پر ایمان لائی تھیں اور ان کے فرزند زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی کم سنی کے ہا وجود جذبہ فدویت میں کسی دوسرے جان نثار سے پیچھے نہ تھے۔ یہ سولہ سال کی عمر میں مشرف ہایمان ہوئے۔ قبول اسلام کے چند روز بعد کسی نے مشورہ کر دیا کہ پیغمبر علیہ السلامؐ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ یہ سن کر جذبہ جان نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ فوراً شنگی تلوار کھینچ کر آستان مبارک پر حاضر ہوئے۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا زبیر! کیا ہے؟ عرض کی سنا تھا کہ نصیب دشمنانِ آپؐ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آپؐ یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ اہل میسر کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی تلوار تھی جو راہِ جان نثاری میں ایک بچہ کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی (اسد الغابہ) یاد رہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

فصل ۱۹۲۔ حضرت طلیبؓ کے جان نثارانہ جذبات

دشنام گو عدوے رسولؐ کی مہرمت

جن ایام میں بدالامین کے اندر ہر طرف جو روبرو داد کے طوفان اٹھ رہے تھے اور حضرت حبیبؓ دہی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مصائب و نوازل کی آندھیاں بڑے زوروں سے چل رہی تھیں، ایک مرتبہ عوف بن ہبیرہؓ نام ایک بہت پرست حضورؐ سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں تارواکھات بک رہا تھا۔ حضرت طلیبؓ نے جو ایک غیور باں کے بیٹے تھے اونٹ کا گلہ اٹھا کر اسے مار دیا اور بڑی طرح زخمی کیا۔ لوگوں نے جا کر ان کی والدہ سے کہا کیا دیکھتی ہو تمہارے بیٹے نے کیا کیا ہے؟ اس شیر دل خاتون نے خوش ہو کر جواب دیا کہ طلیبؓ نے اس کے سوا اللہ کیا ہے کہ اپنے ماموں زاد بھائی کی مدد کی اور اس کے خون اور مال کی غم خواری کی؟ ایک روایت میں ہے کہ مضروب ابوالہب بن عزیز داری تھا۔ قریش نے اسے حضرت فخر کوہین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زود کو ب کرنے پر براہِ گتہ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنا ناپاک ارادہ پورا کرے حضرت طلیبؓ کو خبر ہو گئی۔ وہ اسے جانے اور اس کے عزم فاسد کو اسی پر پورا کر دکھایا۔

ابولہب کی درگت

بلاذری کا بیان ہے کہ جب قریش نے ہاشمیوں کو وزہ میں محصور کر رکھا تھا ان ایام میں دشمنوں کے سرغنہ ابولہب نے چند مسلمانوں کو قید کر لیا۔ طلیبؓ کو پتہ چلا تو ماموں (ابولہب) کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ان بکس مظلوموں کو چھوڑ دو۔ اس نے انکار کیا۔ بہت منت سماجت کی لیکن نہ مانا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن کی قافی الفتوں کو اپنے رشتہ ایمانی پر قربان کر دیا تھا جب حضرت طلیبؓ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح نہیں مانتا تو اسے مار بیٹھے۔ یہ دیکھ کر قریش نے ان کو قید کر دیا۔ آخر ابولہب ہی نے جا کر ان کو چھوڑا اور اپنی بہن حضرت ارویہؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ طلیبؓ کی زندگی کا بہترین اور سچا ترین دن وہی ہے جس میں وہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے (اصابہ)

استقلال نبویؐ کی نظیر بائبل میں

مکہ معظمہ میں اعدائے دین ہادیؑ اناام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ستم رسیدہ پیروؤں کے حق میں جس زندگی

کا ثبوت دے رہے تھے اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آغاز دعوت سے ہجرت تک قیام مکہ کا قریب قریب سارا زمانہ انتہائی مشکلوں اور پریشانیوں میں بسر ہوا لیکن آپ کے عزم آہنیں ثبات و استقلال اور غیر معمولی قوت ارادی نے عناصر جو ر و فساد کو ہر کوشش میں غائب و خاسر رکھا۔ دشمنوں کی کینہ جوئیوں اور عناد پسندیوں کے تلاطم میں شب و روز تکمیل مقاصد کی کوشش میں مستغرق رہنا اور اپنے مقدس مشن کی کامیابی کا حق یقین رکھنا ایسی چیزیں ہیں جن کا ایثار کو بھی اعتراف ہے چنانچہ سر ولیم میور جیسا معاند اسلام رقم طراز ہے:-

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ بظاہر بالکل غیر محفوظ بلکیریوں کیلئے کہ شیر کے موزوں رہ کر جس استقلال اور اولوالعربی کا ثبوت دیا، اس کی نظیر اگر کہیں مل سکتی ہے تو صرف بائبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں گزارش کی تھی کہ اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں (لائف آف محمد)

فصل ۱۹۳۔ ایذا رسانی کی بعض نامراد کوششیں

کسی سنگلاخ زمین سے سڑک نکالنا اور پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر راستہ بنانا جتنا دشوار اور محنت طلب کام ہے، اس سے کہیں زیادہ کسی گم کردہ راہ اکھر قوم کو اس کے روایتی مقام سے ہٹا کر راہ راست پہ لانا مشکلات سے لبریز ہے۔ حضرت مصلح عظیم صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی اور عقائد شرکیہ کی تردید فرماتے تھے اور یہ فعل بت پرستوں کے لیے سخت ناقابل برداشت تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ داعی حق کی آواز زور اور قوت سے بند کر دیں لیکن چونکہ خدا کے پیام پر کا فرض منصبی یہ ہے کہ لوگوں کی مخالفت اور ایذا رسانیوں کی پروا نہ کر کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرے اس لیے آپ قوم کے ہر تشدد کو بلیط خاطر گوارا کرتے ہوئے تبلیغی اور اصلاحی ہمد و حمد میں تنہا رہتے تھے۔ اور خدا سے رحیم و ودود کی رحمت نوازی کبھی کبھی عناصر فساد کو ان کے مساعی تعذیب میں ناکام رکھ کے اور اپنے رسول کی تائید میں کوئی زبردست نشان دکھا کر متنبہ کرتی رہتی تھی کہ تم داعی حق کی مخالفت و ایذا دہی میں درطہ ہلاک میں گر رہے ہو۔ اس تائید ربانی کے چند نظائر ملاحظہ ہوں:-

۱۔ تشنہ خندق کا حامل ہونا

ایک دن ابو جہل بڑے غرور سے کہنے لگا کہ اگر میں محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) کو پھر بھی مٹی میں منہ ملتے سجدہ کرتے دیکھوں گا تو مجھے لات و عزیٰ کی قسم! اپنے پاؤں سے اس کی گردن مسل دوں گا۔ اس کے بعد جب آپ مسجد الحرام میں تشریف لائے تو وہ اسی ناپاک قصد سے آپ کی طرف بڑھا۔ لیکن ابھی قریب نہیں آنے پایا تھا کہ بے تحاشا اٹھ بھاگا۔ لوگوں نے پوچھا یہ بدحواسی کیسی ہے؟ بولا میں نے دیکھا کہ میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی ایک خندق عایل ہے اور چند پرہیزگار ہستیاں کھڑی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو جہل کا قول مذکور ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ابو جہل میرے قریب آنے کی کوشش کرتا تو ملائکہ اس کا عضو غضو الگ کر دیتے۔ ابو جہل کی اس شیطنت کے متعلق سورہ غلق کی چند آیتیں نازل ہوئیں (بخاری و مسلم)

سورہ غلق کی ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے :-

”بیشک انسان حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ (خصوصاً) جب وہ اپنے تئیں توگر اور مال دار پاتا ہے۔ اے انسان! تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے (جہاں تجھے اپنے طغیان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا) بھلا اس شخص کی طرف تو دیکھو جو (ہمارے) بندے (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نازیباں مزاحم ہے حالانکہ (ہمارا بندہ) راہ راست پر ہے اور (لوگوں کو) تقویٰ و طہارت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ روکنے والا شخص دین حق کو جھٹلا رہا ہے اور ایمان سے روگڑوا رہا ہے۔ کیا یہ شخص نہیں جانتا کہ خدا اس کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہے؟ اسے یاد رہے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی کذب شعار پیشانی سے پکڑ کر جہنم کی طرف جھونک دیں گے۔ ایسی حالت میں وہ اپنی ٹوٹی کو (مدد کے لیے) بلائے۔ ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو (اس کی ہلاکت کے لیے) آجانے کا حکم دے دیں گے۔“

سر مبارک پر پتھر

دے مارنے کا منصوبہ

ایک مرتبہ ابو جہل اپنے عنادات پسند ساتھیوں سے کہنے لگا کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے معبودوں اور بزرگوں پر حرمت گیری

کرنے سے کسی طرح باز نہیں آتا۔ اس لیے میں نے عزم مصمم کر لیا ہے

کہ کل ایک بڑا پتھر لے کر بیٹھ رہوں گا اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائے گا تو اس کے

سر پرے ماروں گا۔ اگر وہ اس پتھر سے مر گیا تو تم مجھے اپنی پناہ میں لے لینا۔ پھر جلد مناف کی اولاد سے جو کچھ بن پڑے وہ کر لے۔“ عمائد قریش نے کہا واقعی تم بڑے شجاع مرد ہو۔ تم ضرور اپنا ارادہ پورا کر کے رہو گے۔ ایسی حالت میں ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے لیں گے۔“ دوسرے دن ابو جہل علی الصباح ایک بڑا پتھر لے کر آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔ آپ حسب معمول نماز پڑھنے کے لیے مسجد الحرام میں جلوہ افروز ہوئے۔ اور چونکہ ان ایام میں قبلہ بیت المقدس تھا آپ حجر اسود اور کنیمانی کے درمیان نماز میں مشغول ہوئے۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رئیس اپنی اپنی جگہ پر ابو جہل کی شیطنت کے منتظر تھے۔

چنانچہ جب حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں گئے تو ابو جہل پتھر اٹھا کر آپ کے سر مبارک پر مارنے کے ناپاک ارادہ سے چلا لیکن آپ کے قریب پہنچ کر سخت بدحواسی کے عالم میں اُلٹے پاؤں پھرا اور گھبراہٹ اور سراسیمگی میں پتھر بھی اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر لوگ چاروں طرف سے دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور پوچھنے لگے ابوالحکم! کیا ہوا؟ کہنے لگا جب میں قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت خوفناک اونٹ مونہ بھاڑ کر چلا کر جانے کے لیے میری طرف لپکا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے اپنا نوالہ بنالے۔ یہ دیکھ کر میں سراسیمہ وارتھیجھے کہ ہٹاؤرنہ جان بچانی مشکل تھی۔“ جب بعد کو ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو جہل کا مقولہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ (اس شکل میں) جبریل تھے جو میری حفاظت کے لیے آئے تھے (سیرۃ ابن ہشام)

ایک ایک کاری ضرب لگانے کی منصوبہ بازی

ایک دن دعائے قریش حجر کے پاس بیٹھے ہوئے خلیفۃ اللہ علی الارض کے خلاف زہرا نگل رہے تھے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ادھر سے گزریں تو ہم میں سے ہر شخص ایک ایک کاری ضرب لگا دے۔“ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جوابی کہ سن عقیدت میں کہیں قریب ہی کھڑی رہیں۔ انہوں نے گھر آ کر یہ منصوبہ اپنے والد محترم کے گوش گزار کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹی! کوئی فکر نہ کرو۔ یہ کہہ کر آپ حجر کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے سے

ابو جہل کا نام عمرو بن ہشام اور کنیت ابوالحکم (حکمتوں کا باپ) تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جاثوں اور جالتوں کے پیش نظر اسے ابو جہل (جہالت کا باپ) کی کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے ۱۲

گزرے لیکن بجائے اس کے کہ کوئی شخص اپنے ناپاک ارادے کو عملی جامہ پہنا تا سب نے سر جھکایے یہاں تک کہ سب کی ٹھوڑیاں سینوں سے جا لگیں (مسند امام احمد، حاکم، ہیثمی)

فصل ۱۹۴ قریش کو سرِ عالم کا حق قرابت جملانا اور قوم کی ناسپاسی

جس طرح انسانوں میں انبیاءِ عظیم السلام کا درجہ سب کے فائق و برتر ہے اسی طرح ان کی پریشائیاں اور ذمہ داریاں بھی سب کے بڑھی ہوئی تھیں۔ ایک فریضہ تبلیغ ہی پر غور کرو۔ اس کی انجام دہی میں کتنی زہرہ گداز مشکلات عامل تھیں۔ حضور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی چل سالہ زندگی نہایت امن و عافیت کے ساتھ کٹی تھی لیکن جو نبی تبلیغ کا بارگراں آپ کے دوش ہمت پر پڑا مصیبتوں کے دروازے کھل گئے اور یہ بھی رب العالمین عز اسمہ کے قرب و محبت کا کچھ عجیب کاروبار ہے کہ جو جس قدر زیادہ مقرب ہے، اسی قدر زیادہ حوادث و نوازل کا آماج گاہ بننا ہے۔ اس معنی میں غالباً ایک حدیث قدسی ہے جسے کسی نے شعر کا لباس پہنایا ہے

ما پروریم دشمن و مای کشیم دوست

کس را چہ جد چون و چرا در قضاے ما

زعمائے قوم سے درخواست کہ ایک مرتبہ تو پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان بٹو ہاشم قبیلہ قریش کی ایک شاخ تھا اور آپ اور قریش کے تمام

بطون حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی نسل سے تھے جب آل قیدار یعنی قریش کی ابدار سائیاں اور بدسلوکیاں عد سے بڑھیں تو ایک مرتبہ حرم میں آپ کا ان سے مواجمہ ہو گیا۔ آپ نے ان کو سمجھایا کہ اگر تم لوگ قبول حق پر آمادہ نہیں ہوتے تو کم از کم میرے ان حقوق قرابت کا تو خیال رکھو جو تمام قریش بلکہ تمام عرب میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور میری ایذا رسانیوں سے باز آؤ۔ تمہارے لیے عداوت میں جلدی کرنے کی بجائے یہ مناسب ہے کہ اطمینان و سہولت اور ٹھنڈے دل سے میری پوری بات سن لو اور اسے میزانِ عقل اور دلیلِ صحیح سے

جاچنچو۔ پھر اگر وہ تمہارے نزدیک معقول و مدلل ہو تو اسے قبول کرو اور کوئی شبہ نہ جائے تو میرے سامنے پیش کرو تاکہ میں اسے دور کر دوں۔

اور اگر بغرض محال میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھا دو اور راہ راست پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو سنجیدگی اور معقولیت سے ہو۔ یہ امر کسی طرح قرین انصاف نہیں کہ مجھے اظہار مافی الغنیمت کا موقع نہیں دیا جاتا لیکن ناحق اپنا بدخواہ سمجھ لیا ہے۔ یقین کرو کہ میں تمہارا سچا ہی خواہ ہوں۔ تمہارے پاس ایسی چیز لے کر آیا ہوں جو تمہاری دنیا اور آخرت دونوں جگہ کی نلاح و بہبود کی کفیل ہے۔ دانشجو کچھ میں جانتا اور دیکھتا ہوں تم لوگ نہیں دیکھتے اور جانتے۔ تم لوگ (شرک اور بت پرستی کی) آگ میں کود رہے ہو لیکن میں کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں پیچھے کو ہٹاتا ہوں۔ کاش! تمہارے کان حق کو سنیں اور دل صدق و راستی کی طرف مائل ہوں۔

لیکن قوم نے ان ارشادات حقہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس
پند و موعظہ کے وقت
تائیاں اور مذاق

برسر عناد نہ تھے اور نہ انہیں فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے کوئی دیرینہ عداوت تھی بلکہ بعثت سے پہلے تو آپ کا بڑا احترام کرتے تھے اور آپ کو "امین" کا معزز لقب دے رکھا تھا۔ عدا پروری کی غرض یہ تھی کہ آپ مجبور و ناچار ہو کر فریضہ تبلیغ سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر ظاہر ہے کہ خدا کا وہ برگزیدہ رسول جو محض اس غرض سے دنیا میں بھیجا گیا تھا کہ دنیا کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے نجات دلا کر نور ایمان سے منور فرمائے وہ کسی حالت میں بھی اپنے فرض منصبی میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔

بائبل کی پیش گوئی
بہر حال مخالفتوں اور جفاکوشیوں کے ان ایام آشوب میں بائبل کی
یہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آرہی تھی کہ "میں قیدار کے خیموں کے
کا صادق آنا۔" پاس رہتا ہوں۔ میری جان ان لوگوں کے ساتھ جو صلح سے کینہ رکھتے

ہیں بلحاظ اپنے فائدہ کے زیادہ عرصہ سے رہی۔ میں تو صلح کا آدمی ہوں لیکن جب میں بوتا ہوں تو
جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں (زبور ۱۲۰: ۶-۷)

اور آل قیدار (قریش) کی ناپاسی دیکھو کہ بعثت نبوی سے پہلے یہ لوگ یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب دیکھ کر آرزو کیا کرتے تھے اور قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری قوم میں کوئی

نبی مبعوث کرے تو ہم مریضات الہی پر چلیں اور اللہ کے رسول کی کماحقہ اطاعت کریں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو شکر گزاری اور اطاعت شکاری کے بجائے الہی مخالفت اور بیدار سانی شروع کر دی۔ حق تعالیٰ نے سورہ قاطر کی آخری آیتیں نازل فرما کر قریش کی اس ناپاسی اور عمد فراموشی کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:-

”انہوں (قریش) نے پر زور حلف اٹھایا تھا کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آئیگا تو ہم تمام اُمتوں سے زیادہ مطیع و ہدایت یافتہ ثابت ہوں گے لیکن جب ان کے پاس نذیر آگیا تو ان کی سرکشی اور بداندیشی نے (قبول ہدایت کی جگہ) نفرت کو ترقی دی اور بداندیشی کا وبال ہمیشہ بداندیشی ہی پر عائد ہوتا ہے سو کیا یہ لوگ بھی پہلے منکروں کی سی عقوبت کے منتظر ہیں؟ (جن پر انبیاء کی تکذیب کے باعث عذاب آتا رہا) سو آپ اس آئین خداوندی میں کبھی تغیر و تبدل ہوتا نہ پائیں گے (کہ عذاب کی جگہ لطف و عنایت ہونے لگے)

فصل ۱۹۵۔ اجموہ نامہ جزات کے لیے قریش کی جہانہ استعا

عبد اللہ بن ابی اُمیہ | عبد اللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی عاتکہ بنت عبد المطلب کے فرزند اور اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ چوٹی کے جو شدید العداوت معاندین رسالت مکہ میں تھے جناب عبد اللہ کا بھی ان میں شمار تھا۔ وہ مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کسی سے کم نہ تھے لیکن انجام کار فتح مکہ سے پہلے دولت ایمان سے بہرہ مند ہوئے۔ اور خوش قسمتی سے غزوہ طائف میں کسی کافر کے ہاتھ سے تیر کھا کر شہادت فی سبیل اللہ کی سرفرازی بھی حاصل کی۔

شرکت باسلام ہونے سے پہلے اُن کا کلبہ دل اسلام کی عداوت سے جس درجہ تیرہ تار تھا، اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:-

قریش کا وفد | ابو طالب کی وفات کے بعد جب داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم اور قدح خواران بادۂ توحید کے سروں پر قریش کے جو روستم کا طوفان نہایت شدت سے

اٹھ رہا تھا تو ایک مرتبہ عہد الشہ بن ابی اُمیہ مخزومی رضی اللہ عنہ ابو جہل، ولید بن مغیرہ، ابوالہجرتی اور قریش کے چند دوسرے فراعنہ وقت کو ساتھ لے کر بنی صلی اور علیہ وسلم کے پاس آدھمکے اور سخت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگے:-

محمد! تم نے اپنی برادری اور کہنے کو بہت بُری طرح ستایا۔ ہمارے بڑوں کو خطا کا رہنمایا، معبودوں کو بُرا کہا، ان کی ہر طرح مذمت کی لیکن اب باز آ جاؤ۔ اگر مال چاہتے ہو تو ہم مال و دولت جمع کر کے تم کو نہال کر دیں۔ جاہ و عزت کے طالب ہو تو تم کو اپنا سردار بنالیں اور اگر تمہاری یہ تعلیم کسی بدخواہی کا نتیجہ ہے تو تم کو لکھا پڑھا کر تربیت دیں کیونکہ ناخواندہ جاہلوں پر بھوت پڑتے کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

عجیب و غریب معجزات
ظاہر کرنے کی درخواست

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ خیال محض سورنہ ہے۔ میں یقیناً خدا کا فرستادہ ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اچھا اگر تم سچے ہو تو مکہ کے گرد و نواح کے تمام پہاڑ پیاں سے ہٹا کر اس سرزمین میں بھی ملک شام اور عراق کی طرح نہیں جاری کر دو۔ ہمیں پُرفضا باغ اور چاندی سینے کے محل اور خزانے و لاؤ۔ ہمارے مَرے ہوئے باپ دادوں کو چلا اٹھاؤ۔ ایسا نہ کر سکو تو کم از کم ایک فرشتہ تمہاری تصدیق کے لیے آسمان سے اترے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو جیسا کہا کرتے ہو کہ میرا رب جو چاہے دم بھرتی کر دے "آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے سروں پر لا گراؤ۔"

آسمان پر سیڑھی لگانے کا مطالبہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہ مُزخرقات شن کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے جانے لگے بعد ازاں

بن ابی اُمیہ ساتھ ہوئے اور آپ سے کہنے لگے اے محمد! تمہاری قوم نے جو کچھ چاہا تم اس کی تعمیل نہ کر سکے۔ اس کے بعد تلخ و تیز لہجہ میں کہا یاد رکھو کہ جب تک تم آسمان پر سیڑھی لگا کر میرے سامنے نہ چڑھ جاؤ اور وہاں سے چار فرشتے اپنی رسالت کے گواہ اور ایک لکھی لکھائی کتاب جس میں تمہاری تصدیق ہو نہ ناؤ گے اس وقت تک میں تم کو نہ مانوں گا۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہو کر وہاں سے تشریف لے آئے۔ اس وقت قرآن کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(باب) (ترجمہ)

اے پیغمبر! کفار کہہ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں کہ یا تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا تمہارا کھجوریں اور انگوروں کا کوئی

باغ ہو جس کے بیج میں بہت سی نہریں جاری کرو گھاؤ یا جیسا تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ہم پر لاگراؤ، یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا تمہارے قیام کے لیے سوزہ کا کوئی گھر ہو، یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہاں پہنچ کر ہم پر خدا کے ہاں سے ایک کتاب اتار کر لاؤ جس کو ہم پڑھ لیں۔ آپ کہتے سُبْحَانَ اللَّهِ! میں تو بس ایک بشر رسول ہوں (۱۴: ۹۰-۹۲)

مطالبات کی تعمیل مشکل نہ تھی | ظاہر ہے کہ سونے کا محل کھڑا کر دینا یا زمین سے باغ کا اگادینا یا چشمہ جاری کر دینا، یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب کا

نازل کر دینا نہ تو خدا سے قدرت بے پایاں سے خارج تھا اور نہ اس رسول ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ سے زیادہ مشکل مطالبہ تھا جن کی انگلی کے اشارہ پر چاند دو ٹکڑے ہو کر نیچے اتر آیا تھا یا جن کے ایما سے درخت چل کر فی الفور سامنے آ کھڑے ہوتے تھے یا جن کی انگلیوں میں سے چشمے پھوٹ نکلتے تھے یا جن کے فراق میں ایک بے جان لکڑی کا ستون گریہ اری کرنے لگا تھا یا وہ چشم زدن میں جسم خاکی کے ساتھ حالت بیداری میں ساتوں آسمانوں اور ظلمہ بریں کی سیر کرتے تھے لیکن ان معجزات کے ظہور میں ہائیکے بردست مانع یہ تھا کہ اگر قوم ان فرمایشوں کے پورا ہونے پر ایمان نہ لاتی تو پہلی سرکش امتوں کی طرح فی الفور قہر بلاک میں ال دی جاتی چونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی بربادی گوارا نہ تھی اس لیے آپ دست بدعا تھے کہ قریش کو ان کے فرمایشی معجزے عطا نہ کیے جائیں۔

صدور معجزات کا مدار | سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیات میں آخری آیت یہ ہے:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ
إِلَّا بَشَرًا مِّثْرًا سُوَّلًا
اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ سبحان اللہ۔
میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔

یعنی اے ہمارے رسول! آپ ان خرافات کے جواب میں فرما دیجئے کہ ان فرمایشوں کا پورا کرنا میری قدرت میں نہیں۔ اس آیت میں خدا سے حکیم نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ نشانات اور معجزات کسی پیغمبر کی قدرت یا ارادہ سے ظاہر نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا مدار حق تعالیٰ کی مشیت پر تھا چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:-

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ
بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
اور کسی رسول کی طاقت نہیں کہ وہ
بے حکم خدا کے کوئی معجزہ دکھائے۔

(۱۳: ۳۸)

آسمان پر چڑھ جانے | پادری صاحبان سورۃ بنی اسرائیل کی متذکرہ صدر آیتوں کو پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعجاز ثانی سے بھی اہم و برتر معجزہ ہوا تھا۔ لیکن ایسے ہٹ دھرموں کو جن کی آنکھوں میں چربی چھائی ہو، اس کے سوا کیا کہا جائے کہ صاحبو! ہوش کی دوا لو۔

کیا یہ حق پوش منکرین اعجاز انبیاء سلف کی تاریخ میں کسی ایسے معاند ملت کے قبول اسلام کی مثال پیش کر سکتے ہیں جن نے عبداللہ بن ابی اُمیئہ کی طرح حامل نبوت کو ڈانٹ کر متنبہ کیا ہو کہ میں تم کو اس وقت تک بتی نہیں مانوں گا جب تک تم میرے سامنے سیر بھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور اپنی نبوت پر چار گواہ نہ لے آؤ؟ کیا ایسے عدو سے دین کا قبول اسلام آسمان پر سیر بھی لگا کر چڑھ جانے اور فرشتے اتار لانے سے کچھ کم درجہ کا اعجاز تھا؟

عناد کی کور باطنی | "سیرت کبریٰ" کے صفحات گزشتہ کے مطالعہ سے قارئین کرام اس حقیقت پر پوری طرح مطلع ہو چکے ہوں گے کہ حضرت مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر اب تک بے مدد و حصر معجزے ظاہر ہو چکے تھے لیکن برادری کے عناد پسندوں کی نفسی حالت اس درجہ شرمناک تھی کہ وہ ہر معجزہ کو جادو سے تعبیر کر کے اس کو نظر انداز کر دیتے تھے اور عناد کی کور باطنی ان کی تسکین خاطر کا کوئی سامان فراہم نہ ہونے دیتی تھی۔ چنانچہ رب العالمین کی لسان وحی نے ان الفاظ میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ (ترجمہ)۔

"ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان لوگوں کے سامنے پیش نہیں ہوتی مگر اس سے روگردانی ہی کرتے ہیں۔ جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو یہ لوگ جس چیز کی ہنسی اڑا رہے ہیں اس کی حقیقت ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گی" (۵۰: ۲۶)

طلب معجزات کی | جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی معجزات کے ظہور کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی تو معاندین قریش نے پھر بھی رٹ لگانی شروع کی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آپ ان کے پیہم اصرار کی بھی کوئی پروا نہیں

کرتے تو ایک دن ایک معاند رسالت آپ کو دیکھ کر پکار اٹھا کہ محمد! سنو! اگر تم ہم کو اپنا پیرو
بنانا چاہتے ہو تو اپنے قرآن کی برکت سے مکہ کے پہاڑوں کو چلا دو۔ وہ یہاں سے ٹکی کر دور دور
چلے جائیں تاکہ ہماری کھیتی باڑی باغ پھلکاری کے لیے مکہ کی زمین وسیع ہو جائے یا ہوا کو مسخر
کرادو کہ ہم فی الفور زمین کی مسافت طے کر کے شام پہنچ جایا کریں اور وہاں کا تجارتی مال لیکر
فورا واپس آ جایا کریں۔ یا ہمارے اسلاف کرام قصی وغیرہ کو جلا اٹھاؤ کہ ہم ان سے تمہارے
صدق و کذب کی نسبت دریافت کر سکیں۔

فرمایش اعجاز کی تعمیل میں | لیکن حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی کچھ انتقا
نہ فرمایا اور اہل مشر نے از سر نو زبان و رازی شروع کر دی۔
یہ دیکھ کر بعض صحابہ کرام کے دل میں یہ آرزو پرورش پانے

صحابہ کی مصلحت اندیشی

گئی کہ ان کی فرمایش پوری کر دی جائے۔ عجب نہیں کہ ان معجزات باہرہ کو دیکھ کر وہ قافلہ سعادت
ایمانی سے بہرہ اندوز ہو جائیں۔ اس پر صحابہ کرام کی رہنمائی کے لیے سورہ رعد کی ۳۱ ویں آیت
نازل ہوئی (تفسیر بیضاوی، جلائین وغیرہما)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے :-

”اور اگر کوئی قرآن ایسا بھی نازل ہوا ہوتا جس کی برکت سے پہاڑ چلنے لگتے یا
زمین کی مسافت باسانی طے کی جاسکتی یا اس سے مردوں کے ساتھ گفتگو ہو سکتی
تو بھی یہ لوگ راہ راست اختیار کرنے والے نہیں تھے۔ سارا اختیار اللہ ہی کو
ہے۔ تو کیا یہ سن کر مومنوں کی دل جمعی نہیں ہوئی کہ یہ ہرگز ایمان لانے کے نہیں
اور اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت کر دیتا“

اس آیت سے کفار مکہ کے اعراف کی تین وجہیں ثابت ہوئیں :- (۱) وہ معاند تھے اور
ان کی شدت عناد قبول حق سے مانع تھی (۲) معجزات اور دوسرے اسباب قبول حق میں مؤثر حقیقی
نہیں (۳) ہدایت و ضلالت سب خدا سے قدرت کے دست اختیار میں ہے۔

اعجاز نمائی سے حضرت | جب اہل انکار و اعراف کو کوئی نشانی نہ بخشی اور وہ
ہٹ دھرمی سے کسی طرح باز نہ آتے تو اتمام حجت کے تمام
مسیح علیہ السلام کا انکار | منازل طے ہو جانے کے بعد ان کے طلب معجزہ کے ہمراہ

کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی اور ان کے لیے صرف عذاب الہی کی آخری نشانی باقی رہ جاتی۔

موجودہ اناجیل کے بیانات کے بموجب مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر تمام انبیاء سلف سے زیادہ معجزے ظاہر ہوئے تاہم فریسی یہودی معجزات کے لیے تشنہ لب رہے اور نئے نئے معجزوں کے لیے ہمیشہ نئی نئی فرمائشیں کرتے رہے۔ اس لیے نتیجہ سمجھ کر اعجازِ نمائی سے انکار کر دیا گیا۔ انجیلِ مرقس کے آٹھویں باب میں ہے:

پھر فریسی نکل کر اُس سے بحث کرنے لگے اور اُسے آزمانے کے لیے اُس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی رُوح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔ (مرقس ۸: ۱۲)

ایک مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی توجہ سے ایک گونگے کو قوت گویائی بخشی گئی چنانچہ

دوقا کا بیان ہے ۱

پھر وہ ایک گونگی بدروح کو نکال رہا تھا اور جب وہ بدروح نکل گئی تو گونگا بولنے لگا اور لوگوں نے تعجب کیا لیکن ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ تو بدروح کے سردارِ بول کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔ بعض اور لوگ آزمائش کے لیے اُس سے ایک آسمانی نشان طلب کرنے لگے (دوقا ۱۱: ۵ - ۱۶) جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں کہ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جائے گا (دوقا ۱۱: ۲۹)

اعجازِ محمدی کا انکار معجزات
مسیح کے انکار کو مستلزم ہے

کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا اگر آنحضرت کے انکار سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے تو پھر مسیح علیہ السلام نے جو فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کیا تو اس سے بھی یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سے قدوس کی طرف سے (معاذات) کوئی معجزہ عطا نہیں ہوا تھا۔

فصل ۱۹۶ حضرت ابوذر غفاریؓ کی خویش پوشی

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے اسلام لانے اور اہل مکہ کے ہاتھ سے دکھ اٹھانے کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

سرکارِ دو عالم سے
انیس کا حسن اعتقاد

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا بھائی انیس جو ایک بلند پایہ شاعر تمام مکہ معظمہ آیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی سن کر آپ کا گردیدہ ہو گیا۔ وہاں سے واپس آکر اس نے بیان کیا کہ مکہ میں ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی جو مدعی نبوت ہیں اور کہتے ہیں کہ میں فلی خدا کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ ان کی زبان میں حلاوت اور تعلیمات میں بڑی کشش ہے۔ میں نے انیس سے پوچھا کہ ان کی نسبت لوگوں کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا کہ لوگ انیس صابی، شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا ان کی نسبت تمہارا خیال کیا ہے؟ انیس نے کہا میں نے کاہنوں سے ملاقاتیں کی ہیں اور ان کی باتیں سنی ہیں لیکن جو کلام یہ صاحب پیش کرتے ہیں اور کاہنوں کے کلام سے بہت ممتاز ہے۔ میں نے ان کا کلام شعر کی تمام بھروں پر رکھا وہ کسی زبان پر شعر کی طرح نہیں چڑھ سکتا۔ اس کے بعد انیس نے کہا مجھے تو وہ صاحب سچے اور ان کے مخالف برسرِ باطل معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے ارادہ کیا کہ خود مکہ جا کر ان کے حالات معلوم کروں۔

ابوذرؓ کا مکہ آنا اور اعدائے
دین کے ہاتھوں بڑی طرح پٹنا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مکہ پہنچا مجھے شہر کے کسی معزز و ذی وقار آدمی سے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دریافت کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ بہتہ ایک ناتوان و مفلوک الحال شخص سے پوچھنے کا قصد کیا۔ میں نے کہا کیوں صاحب! وہ شخص کہاں لے گا جس کو تم لوگ صابی (بے دین) خیال کرتے ہو؟ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص چلنے لگا کہ لوگو! دوڑو۔ یہ شخص صابی ہے۔ پکڑو جانے نہ پائے۔ یہ سن کر تمام وادی والے پتھر ڈھیرا کر ڈیڑی بڑی جو کسی کے ہاتھ میں آیا لے کر مجھ پر پل پل سے اور اتنا پٹا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں اس قدر لہو لہان ہو رہا ہوں کہ گویا ایک لال بت

ہوں یا خوئیں لباس پہن رکھا ہے۔ وہاں سے اٹھ کر میں چاہ زمزم کے پاس پہنچا۔ خون دھویا اور زمزم کا پانی پیا۔ خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لیے جب بھوک لگتی تو زمزم کا پانی پی کر پیٹ بھر لیتا۔ ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا۔ اس مدت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دریافت کرنے کی پھر ہمت نہ ہوئی۔

دو عورتوں کا چھینا چلانا | حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ تمام لوگ سوئے پڑے تھے۔ میں نے دیکھا کہ دو عورتیں بیت اللہ کا طواف کر رہی ہیں اور طواف کرتے وقت آسٹ اور ناکہ دو بتوں کے نام کا ورد کرتی جاتی ہیں۔ آسٹ نام کسی زمانہ میں مکہ کے اندر کوئی مرد تھا اور ناکہ عورت تھی اور اہل جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ ان دونوں نے بیت اللہ میں فسق و فجور کا ارتکاب کیا تھا، اس وجہ سے مسخ ہو کر بت بن گئے تھے۔ جب یہ عورتیں طواف کرتی کرتی میرے سامنے آئیں اور میں نے ان کی زبان سے آسٹ اور ناکہ کے نام سنے تو میں نے ازراہ مذاق کہا کہ ناکہ سے آسٹ کی شادی کرا دو۔ یہ سن کر دونوں عورتیں چھینے چلانے لگیں اور یہ کہتی ہوئی وہاں سے چل دیں کہ کاش! اس وقت کوئی شخص موجود ہوتا جو اس گندہ دہن کو اس گستاخی کی سزا دیتا۔

راوی میں ان عورتوں کو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے۔ یہ دونوں حضرات پہاڑ سے اتر رہے تھے۔ انہوں نے عورتوں سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ وہ بولیں کہیں سے ایک صابی (بد مذہب) آیا ہے جو بڑا زبان دراز ہے۔ پوچھنے لگے آخر اس صابی نے کیا کہا ہے؟ بولیں اس نے ایسی بات کہی ہے جس سے منہ بھر جاتا ہے اور کسی طرح زبان گوزیب نہیں دیتی۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہاں سے اگر بیت اللہ میں نماز پڑھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دریافت حال کرنا | حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجھے یہ دریافت نہیں کیا تھا کہ کہاں سے اور کس غرض سے آئے ہو؟ آخر ایک مرتبہ پوچھا کہ بھائی! تم اس شہر میں کس غرض سے دارو ہو؟ میں نے کہا اگر وعدہ کرو کہ مجھے منزل مقصود پر پہنچا دو گے تو میں بتا دیتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا۔ میں نے سب حال کہہ سنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جس بزرگ کی ملاقات کے لیے آئے ہو وہ واقعی خدا کے بھی رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں نبوت اللہ

کہتے ہیں۔

حضرت ابو ذر غبار گاہ نبوت میں | جناب علی مرتضیٰ نے مجھے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا تم

یہاں کب آئے، میں نے کہا ایک مہینہ گزرا ہے۔ فرمایا کھانے کا کیا انتظام رہا، التماس کی کہ میں نے اتنی مدت کھانا تو کچھ نہیں کھایا۔ جب بھوک لگتی تو آب زمزم پی لیتا رہا۔ اس سے میرے جسم میں اتنی توانائی رہی کہ کسی غذا کی حاجت نہ ہوئی بلکہ پہلے سے میرا جسم زیادہ توانا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آب زمزم میں برکت ہے۔ رفع تشنگی کے علاوہ پیٹ بھی بھر دیتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ ان کو کچھ کھلاؤں۔ فرمایا ہاں ضرور کھلاؤ۔ اب ابو بکر صدیقؓ نے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ میں بھی ساتھ تھا حضرت ابو بکرؓ نے ایک دروازہ کھولا اور طائف کا خشک انگوڑ نکالا۔ ہم تینوں نے مل کر کھایا۔ یہ پہلی غذا تھی جو مکہ معظمہ میں میرے شکم میں گئی۔

حلقہ اسلام میں داخل | حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ میں موعظہ حسنة سے بہرہ اندوز

ہوا۔ آپ کے کلمات طیبات میرے دل کی گرائیوں میں اتر گئے اور اسلام کی ایسی سچی تڑپ اور کشش پیدا ہوئی کہ جس کی تعریف سے

زبان قاصر ہے۔ میں بعد اشتیاق حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔ کئی دن تک مکہ معظمہ رہا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جاؤ اور اس وقت تک اپنی قوم میں دین حق کی تبلیغ کرو جب تک میں تمہیں کوئی اطلاع نہ دوں۔ میرا دل جوش ایمان سے لبریز تھا۔ عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! وطن جا کر تو تبلیغ بعد کو ہوگی مگر میں تو اپنے اسلام کا اعلان کر دوں۔ عرض مسجد الحرام پہنچا اور باؤں بلند کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔ کلمہ کا سننا تھا کہ اعدائے دین چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور مجھے پشیمان شروع کیا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلبؓ نے جو ہنوز سعادت اسلام سے بہرہ اندوز نہیں ہوئے تھے آکر میری جان بچائی۔

کلمہ شہادت پڑھنے پر بار بار پشیمان | دوسرے دن میں نے حرم کعبہ میں جا کر پھر کلمہ شہادت

پڑھنا شروع کیا۔ لوگ پھر اٹھ آئے اور دو کو ب شروع کیا۔ حسن اتفاق سے اس دن بھی عباسؓ پہنچ گئے اور اپنی قوم قریش کے اوباشوں سے کہنے لگے تم لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ غفاری ہیں اور تمہاری شامی تجارت کا راستہ غفار کی

آبادی میں سے ہو کر جاتا ہے۔ اگر غفار بگڑ کھڑے ہوئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہ سن کر اعدائے مجھے چھوڑ دیا (بخاری و مسلم)

ابو ذرؓ کی مراجعت اور | یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے۔ یہاں ضمنایہ معلوم کر لیتا بھی مناسب ہوگا کہ جب حضرت ابو ذرؓ وطن انیس کی سعادت ایمانی | جانے لگے تو حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرمایا کہ مجھے ایک نخلستان دکھایا گیا ہے۔ یہ یثرب (مدینہ) کے سوا کوئی اور مقام نہیں ہے اور امید ہے کہ میں کچھ عرصہ کے بعد وہاں چلا جاؤں گا۔ تم جا کر میری طرف سے اپنی قوم میں اسلام کی دعوت کرو۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے طفیل سے تمہاری قوم کو نفع دے اور تمہیں اس کا اجر ملے۔ حضرت ابو ذرؓ اپنے قبیلہ میں گئے۔ سب سے پہلے اپنے بھائی انیس سے ملے انہوں نے پوچھا بھائی کیا کچھ کرائے؟ انہوں نے کہا میں نے دین حق قبول کیا ہے اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی ہے۔ انیس نے کہا اچھا میں بھی ایمان لایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔

قبیلہ غفار حلقہ اسلام میں | اس کے بعد دونوں بھائی اپنی ماں کے پاس گئے۔ جب مادہ محترمہ سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کیا تو وہ بھی شرف ایمانی سے بہرہ مند ہوئیں۔ اب یہ دونوں بھائی اپنی قوم غفار میں پہنچے۔ آدمی قوم تو اسی وقت ایمان لے آئی اور باقی نصف نے کہا کہ جب پیغمبر علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف فرما ہوں گے ہم اس وقت مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مدینہ کو اپنے نور قدوم سے منور فرمایا تو نصف باقی قوم بھی مدینہ الرسول پہنچ کر نعمت ایمان سے مشرف ہوئی۔ اس کے بعد قبیلہ اسلم کے لوگ حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم بھی اپنے غفاری بھائیوں کی طرح مسلمان ہوتے ہیں چنانچہ وہ بھی مشرف بایمان ہوئے (بخاری)

فصل ۱۹۶۔ حج کے اجتماع اور یوں میں توحید الہی کی دعوت

بت پرست حجاج | جس طرح پیروان اسوۂ رسولؐ فریضہ حج ادا کرتے ہیں، اسی طرح مکہ اور مدینہ کے دیار عرب کے بت پرست بھی غایت کلمہ کاج کیا کرتے تھے جن مسلمانوں کو

حقیقت حال کی خبر نہیں، وہ اہل شرک کے حج بیت پر سخت حیرت زدہ ہوتے ہیں کہ بت پرستوں کو بھلا حج کعبہ سے کیا نسبت؟ پس ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عقدہ کا حل پیش کر کے لوگوں کی حیرت دور کر دی جائے۔

اصل یہ ہے کہ بنو اسماعیل جو حجاز میں آباد تھے قرون تک اپنے جدا مجد حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے طریق ہدایت پر کار بند رہے۔ وہ حج اور دوسرے اسلامی ارکان اسی طرح ادا کرتے تھے جس طرح کسی مومن قانت کو ادا کرنے چاہئیں۔

ملت اسماعیلی میں کفر کا اختلاط | آخر کچھ زمانہ کے بعد مکہ معظمہ میں ایک شخص عمرو بن لُحی پیدا ہوا۔ اس گم کردہ راہ نے ملت اسماعیلی میں بہت سے کفریات داخل کر دیے اور باہر سے بت لاکر قریش کو بت پرستی کا خوگر بنا دیا۔ قریش اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کے باعث قرونوں سے تمام عرب کے مذہبی پیشوا چلے آتے تھے۔ جب انہوں نے بت پرستی اختیار کر لی تو ان کی دیکھا دیکھی بتدریج ساری ملت مورخین شرک اور وثنیت میں مبتلا ہو گئی۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمان

اس طرح سرزمین عرب میں کفر اور اسلام باہم غلط و مزوج ہو گئے۔

مصلح اعظم کے ہاتھوں | انجام کار خداوند عالم عز اسمہ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اہدی شریعت عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے بت اسماعیلی کے نقائص اور ثواب شرک و کفر دور فرمائے۔ اس مصلح اعظم نے ان تمام باتوں کو بحال رکھا جو مسلک اسماعیلی کے موافق تھیں اور ان امور میں بقدر ضرورت اصلاح و ترمیم فرمائی جن میں تحریف و تبدیل کو دخل تھا۔ اسی طرح جو امور عادات و اطوار سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے خراب رسموں کی ممانعت فرمائی اور پاکیزہ رسوم کو جاری کیا اور جو مسائل اصلیت میں ترک ہو چکے تھے ان کا احوال فرمایا۔ اس طرح خدا سے برتر کا انعام تکمیل کو پہنچا اور دین الہی شریعت محمدی کے نام سے کامل ہو کر ظلت کدۃ عالم پر فیاض پاش ہوا۔ چونکہ شریعت احمدی کے اکثر و بیشتر شرعی امور ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے مقررہ اصولوں کے مطابق تھے، اس بنا پر مجازاً کہا کرتے ہیں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر یا ان کے گردہ میں داخل تھے۔ پس یہی مطلب ہے اس ارشاد ربانی کا علی ملۃ ابراہیم و اسماعیل۔

حُجَّاج میں توحید کا وعظ | سید موجودات حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب عرب کے قبائل اطراف و اکنات ملک سے حج کے لیے

آ کر مکہ مکرمہ کے گرد و فواح میں اترتے تو آپ ان کی فرودگاہوں پر جا کر توحید کا وعظ فرماتے اور بسا اوقات اہل قافلہ سے دریافت کرتے کہ کیا تم میں کوئی ایسا مرد ہے جو مجھے اپنی قوم میں بے جائے یہاں قریش مجھے احکام الہی کی تبلیغ سے روکتے ہیں۔ مگر کوئی شخص حامی نہ بھرتا (ابن ماجہ و ابن جریر طبری)

قبیلہ بنو عامر کے | ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا یا۔ اس زائرین کو دعوتِ اسلام | قبیلہ کے رئیس اعظم کا نام بنجرہ تھا۔ وہ آپ کا کلام سن کر کہنے لگا: واللہ! اگر مجھے قریش کے اس جوان کا تعاون حاصل ہو جائے تو میں عرب کو کھا جاؤں۔ کھا جانے سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ عرب پر تسلط جمائے۔ اس کے بعد آپ سے کہنے لگا: دیکھیے صاحب! اگر ہم لوگ آپ کی متابعت کر کے آپ کا ساتھ دیں اور آپ ہماری امداد و رفاقت سے مخالفوں پر غالب آجائیں تو کیا آپ اپنے بعد ہمارے لیے امر اور خلافت کی وصیت کر جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ امر و حکومت اللہ تعالیٰ کے دست اختیار میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ بنجرہ کہنے لگا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم آپ کی خاطر سارے عرب کو اپنا دشمن بنالیں اور اپنے سینوں کو قبائل کا ہدف بنائیں لیکن اس کے بعد جب آپ عروج اور غلبہ حاصل کریں تو امر و حکومت دوسرے لوگ لے جائیں۔ ایسی حالت میں ہمیں آپ کی متابعت منظور نہیں ہے (ابن جریر طبری)

خلافت و حکومت کے وعدہ پر | ظاہر ہے کہ آپ اس شخص کو رب العالمین اور نعیم آخرت کی طرف بلاتے تھے لیکن وہ آپ سے دنیا اور اس کی حصول امداد سے انکار

چند روزہ کامگاروں کا سودا کرنا چاہتا تھا اس لیے آپ نے اس کی درخواست مسترد فرمادی۔ لیکن اگر آپ کی بجائے کوئی تقدس کا دکاندار ہوتا تو بے کسی اور کس پیرسی کے موجودہ دور میں امدادی پیشکش کو غنیمت سمجھ کر حکومت و خلافت کا ضرور وعدہ کر لیتا۔ لیکن آپ نے جس حقیقت نفس الامر کا اظہار فرمایا کہ اس کی امداد سے بے نیازی ظاہر فرمائی وہ آپ کے حق و صدق اور مامورین اللہ ہونے کا ایک درخشاں ثبوت ہے۔

نبی علیہ السلام کی دعوت مسترد کرنے پر بزرگ قبیلہ کو تائست

جب بنو عامر کے حجاج نے وطن کو مراجعت کی تو قید کے سب سے بڑے بوڑھے سردار سے جو اپنی ضعیف العمری اور کم سنائی کے باعث چند سال

سے حج کے لیے مکہ نہیں آیا تھا جا کر ملاقات کی۔ حجاج قبیلہ کا دستور تھا کہ موسم حج میں جو جو اہم واقعات پیش آتے واپس جا کر اس کے گوش گزار کرتے۔ اس مرتبہ انہوں نے جا کر بیان کیا کہ قریش کے خاندان بنو عبد المطلب کا ایک جوان جو مدعی نبوت ہے ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ میری متابعت اختیار کر کے میری طرف سے مدافعت کرو اور تبلیغ دین کے لیے مجھے اپنے وطن لے چلو۔ یہ سن کر قبیلہ کے عمر سردار نے بے رحمی کے ساتھ رکھ دیا اور بولا اے بنو عامر! کیا اب بھی کوئی صورت ممکن ہے کہ تمہارے انکار اور تردید کی تلافی ہو سکے اور پھر اس کی دعوت میں شرکت کر سکو؟ مجھے اسی ذات برتر کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کسی اسماعیلی نے کبھی نبوت کا ایسا دعویٰ نہیں کیا جو حق نہ ہو۔ تعجب ہے کہ تم کو اس وقت کیا ہو گیا تھا کہ اس کی پیشکش مسترد کر دی (ابن جریر طبری)

قبیلہ کنذہ کے حجاج میں ایک سال موسم حج میں قبیلہ کنذہ کے قیام کا وہ پہلے ہی ان کے سردار کا نام طبع تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اور اس کی حجاج میں تبلیغ کی توجہ کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ تبلیغ دین کے کام میں میری مدد کرو۔

انہوں نے آپ کی بات سننے سے انکار کیا۔ غرض اسی طرح آپ ہر موسم حج میں قیام گاہوں پر پہنچ کر قبائل کو اس ہدایت و رحمت سے روشناس کراتے تھے جو آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی تھی اور یہ دعوت صرف قبائل اور موسم حج پر موقوف نہیں تھی بلکہ جب بھی کوئی بیرونی شخص کو مغلطہ آتا اور اس کے قدم کی آپ کو اطلاع ملتی، آپ اس کے پاس پہنچ کر فریضہ تبلیغ ادا فرماتے اور شاید ہی عرب کا کوئی نامور اور ممتاز آدمی جلد الامین میں آیا ہو گا جس کے پاس پہنچ کر آپ نے تبلیغ نہ کی ہو (ابن جریر)

سوید بن صامت | زائرین حرم میں جن کو آپ اسلام کی دعوت دیتے تھے بعض ایسے بھی خوش نصیب ہوتے تھے جو آپ کی ایک آدھ بات سن کر ہی متاثر ہو جاتے اور مکملہ توحید پڑھ کر اپنی قسمت اسلام کے وارث سعادت سے وابستہ کر دیتے تھے۔ قبیلہ عمرو بن عوف کے رکن رکن سوید بن صامت کے مشرف باسلام

ہونے کا واقعہ سنئے۔ وہ حج یا عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے۔ یہ اپنے قبیلہ میں حسب و نسب احسن و جمال، شعر گوئی، غرض سب باتوں میں ممتاز تھے اور قوم کے لوگ ان کے جامع صفات ہونے کے لحاظ سے انہیں کامل کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد کا ذکر سنا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ سو پوچھنے لگا کہ آپ کو بنی مرسل ہونے کا دعویٰ ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ بھی کوئی ایسا پاکیزہ کلام پیش کر سکتے ہیں جو میرے پاس ہے؟ آپ نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کون سا کلام ہے؟ انہوں نے کہا میرے پاس مجلہ نقمان (حکمت نقمان) ہے۔ آپ نے فرمایا اس مجلہ کو زرا پڑھ کر تو سناؤ۔ انہوں نے وہ کلام پڑھا۔ آپ نے فرمایا یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو رب قدر نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ وہ سراپا ہدایت و نور اور تمہارے کلام سے کہیں افضل ہے۔ پھر آپ نے قرآن پڑھ کر سنایا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا واقعی یہ کلام جو آپ نے پیش کیا ہے ہر حیثیت سے اعلیٰ ہے۔ یہ کہہ کر وہ مشرف بایمان ہوئے اور پھر اپنے وطن چلے گئے۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد کسی کام سے یثرب گئے اور قبیلہ خزرج کے ہاتھوں جرعہ شہادت پی لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انصار مدینہ ہنوز مشرف بایمان نہیں ہوئے تھے (ابن جریر طبری)

فصل ۱۹۸۔ ایاس بن معاذ کے کشت زارِ دل میں

اسلام کی آبکاری

میں نے اوپر گزارش کی کہ جو پر ویسی بھی مکرر آتا۔ آپ اس کے پاس ضرور قدم رنجد فرماتے تھے۔ بنو عبد الاشمل مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ تھی۔ جب اہل مدینہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں تو اس سے کچھ عرصہ پیشتر انس بن رافع خزرجی اپنے قبیلہ عبد الاشمل کے ایک سعادت مند نوجوان ایاس بن معاذ کی رفاقت میں اس غرض سے مکہ آیا کہ قبیلہ اوس کے مقابلہ میں جس سے قبیلہ خزرج کا قرون سے سلسلہ مذم و پیکار جاری تھا قریشی حلیف تیار کر کے قریش سے کوئی معاہدہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی آمد کا حال سنا تو ان کے پاس پہنچے اور

فرمایا کہ جس غرض سے تم یہاں آئے ہو چاہو تو میں تمہیں اس سے بھی بہتر کام بتاؤں۔ پوچھا وہ کیلئے؟
آپ نے فرمایا میں اللہ کا فرستادہ ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے اس غرض سے اپنے بندوں کے پاس
بھیجا ہے کہ انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور بتاؤں کہ وہ صرف خدا و وحدہ لا شریک لہ کی عبادت
کریں اور اس ذات برتر کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔ اور فرمایا کہ خدا سے ذوالملک نے مجھ پر
اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی
اور قرآن پڑھ کر سنایا۔

ایاس بن معاذ جو ایک کم عمر نوجوان تھے کہنے لگے اے قوم! اللہ! جس کام کے لیے
تم یہاں آئے ہو اس سے تو کہیں بڑھ کر یہ طریقہ ہے۔ یہ سن کر انس بن رافع نے بلخار سے منہی بھر
لگے یاں اٹھا کر ایاس بن معاذ کے چہرہ پر ماریں اور بولا کہ تم ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ ہم یہاں
اس کام کے لیے نہیں آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہو گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر واپس
تشریف لائے اور وہ لوگ بھی یثرب چلے گئے۔ اس کے بعد اوس اور خزرج کی وہ لڑائی ہوئی
جو جنگ بُعاث کے نام سے مشہور ہے (ابن جریر) یہ اوس اور خزرج کی آخری جنگ تھی جو
بعثت کے ساتویں سال یعنی ہجرت نبوی سے چھ سال پیشتر برپا ہوئی۔ بُعاث ایک قلعہ تھا جس
کے مالک اوس تھے۔

مکہ معظمہ سے جانے کے تقوڑے دنوں بعد ایاس بن معاذ انتقال کر گئے۔ جو لوگ بستر
مرگ کے قریب تھے ان کا بیان ہے کہ دم واپس کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر
اس نوجوان کی زبان پر تھا جس کا ورد کرتے ہوئے وہ جان بحق واصل ہو گیا۔ جب اس نوجوان نے
داعی حق کو لبیک کہا تو حاضرین میں سے ہر شخص کہہ رہا تھا کہ سعید نوجوان حالت اسلام پر مرا ہے۔
مرحوم کے کشت زار دل میں اسی مجلس کے اندر اسلام کی آبیاری ہو چکی تھی جس میں اس نے ساقی کوڑ
کے ہاتھ سے توحید و رسالت کا جرّہ سعادت نوش کیا تھا (ابن جریر)

فصل ۱۹۹۔ سید زینب کی اشک باری اور خواجہ عالم کی تلقین صبر

ایام حج میں توحید کے منادِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح افراد اور قبائل کے پاس جا جا کر
حق کا پیغام پہنچا کرتے تھے، اسی طرح جموں میں بھی پہنچ کر دعوت و تبلیغ کا حق ادا کرتے تھے۔

جمع میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہاں جا کر تبلیغ کرنا اور عامۃ الناس سے خطاب کرنا بڑا مشکل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ جس مسئلہ کی طرف لوگوں کو بلایا جائے وہ نہ صرف ان کے عقیدہ کے خلاف ہو بلکہ جذبات کو مجروح بھی کرتا ہو۔

بُت پرستی صدیوں سے لوگوں کی نگہی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کی مخالفت کر کے توحید کا وعظ سنانا لوہے کے چنے چباننا تھا تاہم داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آشوب فزاداری کو بھی اپنے دوش بہت پرٹھا رکھا تھا۔ لیکن بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ آپ نے کسی مجمع کو اپنا مخاطب بنایا ہو اور لوگ آپ کا وعظ سن کر پُر امن طریق پر منتشر ہو گئے ہوں۔ ان مجمعوں کے حاضرین نے درمہدگی اور سہمیت کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جاتا تھا جس نے اپنی قسوت قلبی کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔

سرکارِ دو جہانؐ کو گالیاں | عارِ غامدی کا بیان ہے کہ میں اور میرے والدین نے
اور ہر قسم کی ایذا رسانی | کے لیے کہہ معظّمہ گئے۔ منیٰ میں ہم نے ایک کثیر مجمع دیکھا۔
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لوگوں نے ایک صابائی کے
کے پاس ہجوم کر رکھا ہے۔ جس طرح آج کل پاکستان اور ہندوستان کے حقیقت نا شناس عوام
ہر اُس صحیح العقیدہ مومن کو جو کتاب و سنت سے شغف رکھے اور شرک و بدعت سے اظہارِ برارت
کے وہابی کہہ دیتے ہیں اسی طرح ایامِ بشت میں مکہ کے بُت پرست حضورِ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ
وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو جنہوں نے بُت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی تھی صابائی یعنی بد مذہب
کہا کرتے تھے۔

عارث کہتے ہیں کہ ہم بھی مجمع میں گئے اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو توحید الہی
کی دعوت دیتے ہیں اور لوگ برسرِ عناد ہو کر نہ صرف آپ کی ہر بات کاٹتے جاتے ہیں بلکہ آپ کو
گالیاں دیتے اور ہر طرح سے ایذا رسانی کر رہے ہیں۔ جب اسی حصے میں بہت سادہ چڑھ
آیا تو ایک خاتون جس کے ہاتھ میں پانی کا برتن اور رومال تھا وہاں آئی اور اس بدسلوکی کو دیکھ کر جو
مجمع آپ سے کر رہا تھا رونے لگی۔ آپ نے اُس سے پانی لے کر دھو لیا۔ پھر اس خاتون سے کہا
بیٹی! صبر کرو اور اپنے باپ کے ستائے جانے کا کچھ خیال نہ کر دو۔ یہ دن ہمیشہ اسی طرح نہیں رہیں گے۔
میں نے دریافت کیا کہ یہ خاتون کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ آپ کی بیٹی زینبؓ ہیں (بخاری
فی تاریخہ والطبرانی فی الکبیر)

حضرت خیر الوریٰ پر خشت باری اسی طرح ایک اور حاجی منیب بن مدرک کا بیان ہے کہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے میں اور میرا باپ حج کو گئے۔ جب منیٰ میں پہنچے تو ایک ہجوم نظر آیا۔ وہاں جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک صابی ہے جس نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔ میں اور میرا باپ اونٹ پر سوار تھے ہم دونوں اپنے اونٹ جمع کے پیچھے لے گئے اور نظارہ کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سمجھا رہے تھے اور غضب آلود مجمع اوچھے ہتھیاروں پر اترا ہوا تھا۔ اس وقت کوئی شخص آپ پر تھوک رہا تھا۔ کوئی گایاں دیتا تھا اور کوئی اینٹ پتھر ڈھیللا پھینک رہا تھا لیکن آپ ان کے غنڈہ پن کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے بلکہ مجروح ہونے کے باوجود توحید کی خوبیاں بیان فرما رہے تھے۔ بہت دیر اسی کشمکش میں گزر گئی۔ آخر ایک لڑکی پانی کا ایک برتن لے کر آئی۔ وہ آپ کی حالت دیکھ کر رونے لگی۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ آپ کی صاحبزادی زینب ہیں۔ آپ نے صاحبزادی سے فرمایا کہ بیٹی! اگر یہ چھوڑ دے اور اپنے باپ کے حق میں کسی قسم کا خدشہ دل میں نہ لائے (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر)

راہ تبلیغ میں آنحضرت کی مشکلات ان دل دہز واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ خدا میں کس درجہ ستایا گیا اور آپ شجر اسلام کی آبیاری کے لیے کیسی کچھ مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا ہے:

میں اللہ کی راہ میں اس درجہ خوف زدہ کیا گیا کہ کسی دوسرے کو نہیں کیا گیا۔ مجھے دین خدا کی خاطر اس قدر ایذا میں دی گئیں کہ کسی دوسرے کو نہیں دی گئیں۔

لَقَدْ أَخَفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُذِنْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَحَدٌ (ترمذی)

اصل یہ ہے کہ انبیاء کی تبلیغی زندگی میں رنج سہنے اور ایذا میں اٹھانے کے سوا کوئی سوال ہی نہ تھا کیونکہ لوگوں کو ان کے ناروا مال و اوقات خصوصاً کفر و شرک جیسی "عزیز ترین متاع" سے علیحدہ کرنا کوئی آسانی کام نہیں اور اس مشکل کا صحیح اندازہ کچھ دہی مبلغ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس پر خار دادی میں قدم رکھا ہو۔

فصل ۲۰۰۔ ابن زبیری کا جاہلانہ استدلال

رب السموات والارض عزوجل نے اپنے کلام پاک سورۃ انبیاء (آیات ۹۸-۱۰۰) میں فرمایا کہ تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن بنیں گے تم سب کو دوزخ میں جانا ہے۔ اگر یہ تمہارے معبود تھے معبود ہوتے تو دوزخ میں نہ جاتے۔ تم سب کو اسی میں ہمیشہ رہنا ہے۔

انشرار کی کٹ مچتی | ان آیات میں خدا سے غیور نہ بننے پرست قریش کو متنبہ کیا کہ وہ بت جن کو تم اپنے ہاتھوں سے گھڑ کر ان کی پرستش کرنے لگتے ہو، یہ سب تمہارے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبیری نام ایک مشرک اپنے بہت سے شرارت پسند ساتھیوں کو لے کر سرور نام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد! حضرت غزیرہؓ اور فرشتوں کی بھی تو پرستش ہوئی ہے۔ لوگوں نے اللہ کے سوا ان کو بھی معبود بنایا ہے کیا ان کو بھی دوزخ میں جھونکا جائے گا؟ حالانکہ تم ان کو تعریف کے الفاظ سے یاد کیا کرتے ہو۔ اور جب انبیاء جیسی جلیل القدر ہستیوں کو دوزخ میں چلی گئیں تو ہمارا اور ہماری بتوں کا دوزخ میں جانا کون بڑی بات اور ناگوار امر ہے؟ اس پر سارے کفار کھلکھلا پڑے کہ واہ! کیا قوی دلیل ہے۔ اس کا تو جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ ابن زبیری نے یہ بھی کہا کہ جب پیغمبر اور فرشتے اور بت اس بنا پر دوزخی ہوئے کہ لوگوں نے ان کی پرستش کی تو فی الحقیقت بت منہ میں رہے کیونکہ پتھر کو آگ میں جھونک دو تو اس کو کیا تکلیف ہوگی؟

اس پر سورۃ انبیاء کی آخری آیتیں نازل ہوئیں جن میں سے پہلی دو کا ترجمہ یہ ہے ایشک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہے وہ دوزخ سے دور ہی رہ گئے ہائیں گے۔ اس کی بھنک بھی تو ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی اور وہ اپنی کامرانیوں اور من مانی مرادوں میں ہمیشہ شاد کام رہیں گے (۲۱: ۱۰۱-۱۰۲)

حقیقت میں ابن زبیری اور اس کے حق فراموش ساتھیوں کو تازہ ہنگامہ آرائی کے لیے یہ ایک دستاویز ہاتھ آگئی تھی ورنہ یہ محض کٹ مچتی تھی۔ کیونکہ آیت اُنْکُمْ وَمَا تُعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ خَصَبٌ جَهَنَّمَ (جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ اور تم سب دوزخ

کا ایندھن بنو گئے) میں فرشتے اور پیغمبر کسی طرح داخل نہیں سمجھے جاسکتے تھے کیونکہ لفظ مآذیٰ ذوی العقول کے لیے نہیں بولا جاتا یعنی اس آیت میں صرف بت مراد تھے، جان دار ہستیاں اس مفہوم میں داخل نہ تھیں۔

عبداللہ بن زبیری اور اس کے گم کردگان راہِ ساقی مذاق و دل لگی اور کٹ جیتی سے باز نہ آئے۔ آخر حق تعالیٰ نے سورہ زخرف کی آیات ۵۷-۵۹ نازل کیں جن میں فرمایا: (ترجمہ) "اس پیغمبر! جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو میں آپ کی قوم کے لوگ اس کو سن کر ایک دم سے تالیاں بجانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان لوگوں نے عیسیٰ کی مثال جو تمہارے سامنے لا ڈالی تو محض کٹ جیتی کے طور پر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ عیسیٰ بھی تو ہمارے ایک بندہ ہیں کہ ہم نے انہیں پیغمبری پر سرفراز فرما کر ان پر احسان کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا۔"

قبولِ اسلام | عبداللہ بن زبیری کی کینت ابوسعید خدری۔ وہ قریش کے مشہور شاعر تھے۔ فتح مکہ پر مشرف بایمان ہوئے۔ ابن زبیری جیسے عدو سے حق کا قبول اسلام بھی اسلام کا ایک اہم معجزہ تھا۔ سعادت ایمانی کے بعد انہوں نے آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شعر کہے۔ آپ نے ان کو ایک عطا فرمایا تھا (اصابہ)

فصل ۲۰۱۔ قریش پر عذاب قحط مسلط ہونے کی پیشین گوئی

جب جبارہ قریش کی ظلم رانی اور اہل ایمان کی مظلومی ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئی اور خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش دطوبت اسلام کو قبول کرنے کے بجائے اُلٹا ابلی حق کو فنا کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے ہیں اور مکہ میں کوئی مومنین قانت ایسا نہیں جس کے چہرے پر بے بسی کی اُداسی نہ چھا رہی ہو تو آپ نے قریش کا رت العزت میں دعا کی الہی! قریش کو اسی طرح عذاب قحط میں مبتلا کر جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ہفت سال قحط پڑا تھا۔ دوسری

عن ابن مسعود (۱)

مکہ کے لیے غلہ برآمد کرنے کی بندش

چنانچہ ہجرت کے بعد قحط شدید نے انہیں آیا۔ اس کی حقیقی وجہ تو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی لیکن اس کا ظاہری سبب یہ پیدا ہوا کہ جب ثمامہ بن اثال رئیس یمامہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مشرف بایمان ہوئے تو قریش نے انہیں طعن و تشنیع کا بڑی طرح نشانہ بنایا۔ مکہ میں اناج یمامہ ہی سے آتا تھا۔ حضرت ثمامہ نے مکہ معظمہ کی طرف اناج کی برآمد بند کر دی اور اسی کے ساتھ بارانِ رحمت کا بھی سخت اساک ہوا۔ قحط سے ہی دنوں میں قریش کی حالت یہاں تک زبون ہو گئی کہ چمڑا، سرور اور گلی سڑی لاشیں تک کھانی شروع کر دیں۔ بسا اوقات فاقہ کشی ان کی یہ حالت کر دیتی تھی کہ جب آسمان کی طرف نظر کرتے تو انہیں دھواں ساد کھائی دیتا تھا۔ غرض قحط اور خشک سالی نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ جانوں سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ثمامہ کا انکار | یہ حالت دیکھ کر قریش کے نمایندے یمامہ پہنچے اور حضرت ثمامہ کے سامنے اپنی مصیبت کا بہت کچھ دکھڑا دیا اور بڑی منت

سماجت کی۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ جب تک میرے آقا و مولیٰ سید عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہ ہو گا۔ اہل مکہ اناج کا ایک دانہ بھی نہ دیکھ سکیں گے۔ جب یہ وفد نامراد مکہ واپس آیا تو ابوسفیان بن حرب اور دوسرے اکابر قریش نے ناچار اسی درگاہ کی طرف رجوع کیا جہاں سے کوئی سائل کبھی محروم نہ پھرتا تھا۔ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کر کے بھیجے جس میں منت و زاری کہ فرقہ فرتد تک پہنچا دیا۔ اسی کے ساتھ وہ خدا سے رُف کی جناب میں دستِ دعا بھی ہوئے کہ اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، ہم ضرور ایمان لائیں گے۔

رحمتِ عالم سے | چند روز کے بعد قریش نے ابوسفیان بن حرب کو بھی بطور قاصد مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ابوسفیان نے آستانِ نبوت میں حاضر ہو کر منت و زاری

ابوسفیان کی التجا | شروع کی اور بولے محمد! آپ تو خلقِ خدا پر رحم کرنے اور صلہ رحمی کا حکم

دیتے ہیں لیکن آپ کی برادرِ ناز و اولاد کی جان جو کھم میں پڑی ہے۔ مکہ میں ہر شخص جاں بلب ہے اور قافوں سے بڑی حالت ہے۔ آپ ان کی حالت زار پر رحم کر کے نزولِ باران کی دعا کیجیے اور ثمامہ کے نام حکم بھیجیے کہ وہ اناج کی برآمد کھول دیں۔ ابوسفیان نے بطور دفع الوقتی یہ بھی کہا کہ اگر آپ

ہماری مشکل کشائی کے لیے توجہ فرمائیں گے تو میں اور قریش کے دوسرے افراد ضرور آپ کی متابعت اختیار کریں گے۔ یاس وقت خدا سے برتری طرف سے سورہ مومنوں کی یہ آیتیں نازل ہوئی (ترجمہ): اور جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے، وہ سیدھے رستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان کے حال پر رحم فرمائیں اور جو تکلیف ان کو پہنچ رہی ہے اس کو دور کر دیں تو یہ ایسے بد نفس ہیں کہ پھر بھی راہ راست سے ہٹنے لگیں گے (۲۳: ۷۴-۷۵)۔

شفیق عالم کی شفقت نوازی چونکہ خدا سے برتری بارگاہ عالی سے شفیق دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے مشفقانہ برتاؤ برتنے کی کوئی

مانعت نہ ہوتی تھی اس لیے آپ نے اپنے جذبات رحم و شفقت کے اقتضار سے اہل مکہ کے لیے بارش کی دعا فرمائی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے نام حکم بھیجا کہ اہل مکہ کے لیے اتاج کی بندش دور کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ معظمہ میں خوب بارش ہوئی اور پیامہ سے اتاج بھی پہنچنے لگا۔ اہل مکہ کو فارغ ابالی میسر ہوئی اور بلد اللین میں وہی سابقہ چل پھل دکھائی دینے لگی۔ مگر اس کے بعد قریش کی سرگرائی کا وہی عالم ہو گیا جو قحط سے پہلے تھا۔ ایمان تو کیا لاتے ایام قحط کا عجز و انکسار اور فروتنی و شکستگی بھی جاتی رہی۔ پھر وہی کفر و شرک کا زور شور اور دعوت و تہمت کی گرم بازاری تھی۔ اب انہوں نے کتنا شروع کیا کہ قحط اسباب طبعہ کا ایک معمولی واقعہ تھا کفر و تہمت کی سزا نہ تھی۔

غزوہ بدر بحیثیت معجزہ عذاب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکڑوں معجزے

اٹھانے کی بجائے ان کو ہمیشہ جادو اور شعبہ گری سے تعبیر کر کے وہ اپنے نادان و لوں کو تسکین دے یا کرتے تھے۔ جس طرح اقوام سابقہ کے لیے عذاب کے مختلف معجزے آئے تو وہ ان سے ہلاک ہوئیں اسی طرح تقدیر ازیلی میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگراں امت دعوت کے لیے غزوہ بدر معجزہ عذاب مقدر تھا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا اصطلاح کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا تھا۔ چنانچہ انہیں ہجرت کے دوسرے سال بدر کے بطنہ گہری گرفت (عظیم) سے سابقہ پڑا۔

قرآن کی تین پیشین گوئیاں رت جلیل و قدیر نے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی میں

سورۃ دُخان کی یہ آیتیں نازل فرما کر پہلے قحط کی پھر ان کے گرد گھڑانے کی اور اخیر میں غزوہ بدر کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ (ترجمہ)

اے پیغمبر! اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف سے ایک دُھواں
ظاہر ہو کر لوگوں پر چھا جائے۔ یہ عذاب ہے جس کو دیکھ کر منکر بھی وہائیں
مانگنے لگیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر سے اس آفت کو مٹا دے
ہم ایمان لے آئیں گے۔ لیکن ان کو اس سے کیا نصیحت ہوگی۔ ان کا تو
یہ حال ہے کہ ان کے پاس پیغمبر آیا اور اس نے ان کو ہر طرح سمجھایا۔ اس پر
بھی یہ لوگ اس سے بدکتے رہے اور یہی کہا کیے کہ یہ تو کسی کا سکھایا ہوا
باؤلا شخص ہے۔ یہ ہم تم پر سے اس عذاب کو چند روز کے لیے ہٹا دیں گے
مگر تم پھر وہی کفر کرو گے اور ہم ان کو قرار واقعی سزا تو اس دن دیں گے
جس دن انہیں بڑی سخت گرفت (غزوہ بدر) میں پکڑا جائے گا (کیونکہ
جہاں ہم رحم کرتے ہیں، ہم بدلہ لیا یعنی سزا بھی دیا کرتے ہیں) (۱۰:۴۴-۱۱)

(بخاری، روح المعانی، درمنثور، بیان القرآن)

فصل ۲۰۲۔ مستہزئین نافرجام کی بد انجامی

مشرکین مکہ نے حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان تیاروں کے
خلاف جو مجلس ایذارسانی قائم کی تھی اس کے دو شعبے تھے پہلے میں وہ لوگ تھے جن کا کام
جسمانی ایذارسانی تھا۔ دوسرے شعبہ کے لوگ کسی کام کو پرہیز نہیں اٹھاتے تھے بلکہ جہنم میں
اور نقالوں کی طرح نقلیں اتار دیتے اور مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اس استہزاء و تمسخر پر حال وحی صلی اللہ
علیہ وسلم کا مزاج مبارک مکتدر اور رنجیدہ ہوتا تھا۔ اس لیے خداے قدوس نے اپنے رسول کی
تسکین خاطر اور مستہزئین کو تنبیہ کرنے کے لیے سورۃ انبیاء کی اکتالیسویں آیت نازل کی جس
میں فرمایا (ترجمہ)۔

اے ہمارے رسول! آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا جاتا رہا ہے۔
تو جو لوگ ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے، وہی عذاب جس کی وہ ہنسی ماریا

کرتے تھے اُن پر نازل ہو کے رہا۔

یعنی ہمیشہ اٹانے کی سزا نے ان کو آگیرا اور ان پر عذاب آنا نازل ہوا۔ پس جو لوگ آپ سے مذاق کرتے ہیں، اُن کا بھی وہی حشر ہو گا۔

معلوم ہو کہ مجلس ائندارسانی کے جوار کاں جہانی ایذا و سائنوں کے مرکب تھے، ان کی تعذیب، ہجرت کے بعد غزوہ بدر تک ملتوی رکھی گئی لیکن مسلمانین ناخر جام کو خداے قہار کے مخفی ہاتھ نے اس سے پہلے ہی یلیا میٹ کر دیا۔

ہمنسی اڑانے والوں کے پانچ سرگروہ

مستہزین کی عنان قیادت قریش کے پانچ سرداروں کے ہاتھ میں تھی (۱) حضرت سیف اللہ خالد رضى اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ مخزومی (۲) حضرت عمرو بن عاص فارح مصر رضى اللہ عنہ کا باپ عاص بن وائل (۳) اسود بن مطلب بن اسد (۴) اسود بن عبدغوث زہری (۵) حارث بن قیس سہمی۔

جب اس جماعت کا تسخروا ستہزار حد سے بڑھا تو خدا نے اپنے رسولِ برحق کی تسکین خاطر کے لیے یہ آیت نازل فرمائی :-

آپ کہم انہی صاف صاف سنا دیجئے اور
ان مشرکوں کی پروا نہ کیجئے، ہم ان لوگوں کے
حق میں جو مذاق اُراتے اور اللہ کے ساتھ
دوسرا معبود بتویز کرتے ہیں آپ کے لیے
کافی ہیں، عتقوب انہیں حقیقت حال معلوم
ہو جائے گی۔

قَاصِدًا بِمَا تَوَمَّرَ وَأَعْرَضَ
عَنِ الْمَشْرِكِينَ إِنَّكَ
كَفِينُكَ الْمُسْتَهِزِّينَ ۝
الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ أَسْمَائِهِمُ
آخَرَ فَسَمَوْا يَعْلَمُونَ ۝

(94-9210)

پانچوں اشیقہ کی
عجرتناک ہلاکت

اب وقت آگیا تھا کہ یہ لوگ سارا سال کے شہر و ستہر کا خمیازہ
بھگتیں اور خدا سے شدید لعنتاب کے قہر کی خاموش لاشی ان کے مبار
ہستی کو توڑ بیٹھ کر بے نشان کر دے۔ اس آیت کے نزول کے بعد

پانچوں اشقیاء چند ہی روز میں عفریت ہلاک کے منہ میں چلے گئے۔ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ مخزومی قبیلہ بنو خزاعہ کے ایک تیرگر کے پاس تیر دیکھ رہا تھا۔ وہاں ایک تیر کی نوک اس کی رگ اکھل (ہفت اندام) میں چبھ گئی جس سے رگ

کٹ گئی۔ خون کسی طرح نہ ختم سکا اور وہ رابئی عدم ہوا۔ اس رگ کو اسی بتا پر ہفت اندام کہتے ہیں کہ اس کے فصد سے سرسینہ، پشت اور ہاتھ پاؤں کا خون خارج ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن عاصی فارخ مصر رضی اللہ عنہ کا باپ عامر بن وائل طائف گیا۔ راستہ میں سواری سے گر گیا اور بول کا کاٹا اس کے تلوے میں گر گیا اور یہی کاٹا اس کے لیے پیام مرگ ثابت ہوا۔ اسی طرح اسود بن مطلب بابر سے گھر آیا تو کہنے لگا بیٹو! اس شخص کو مجھ سے دور کر دو۔ یہ میری آنکھوں میں کانٹے چھوٹتا ہے۔ بیٹوں نے کہا ہمیں تو کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔ اسود بولا کہ میں سو۔ ہائے ہائے اب کوئی شخص نیزے کی نوک کے پوکے میری آنکھوں میں دے رہا ہے۔ بیٹوں نے کہا ہم تو یہاں کسی شخص کو نہیں پاتے۔ وہ اسی طرح چیتا چلاتا رہا یہاں تک کہ اس کی دونوں آنکھیں پھوٹ گئیں اور زندگی کی رسوائی سے غلصی پا گیا۔ حارث بن قیس سہمی کو قویج کا عارضہ ہو گیا۔ بچا ست اس کے منہ کے راستہ سے نکلنے لگی۔ آخر اسی حالت میں بھل اب اقلین کا راستہ لیا۔ اسود بن عبد یغوث زہری کے سر میں پھوٹا نکل آیا جس سے تمام بھیجا گل کر پیب بن گیا اور وہ بہت جلد قعر جہنم میں پہنچ گیا اسناد امام احمد، سیرت ابن ہشام وغیرہما) یاد رہے کہ اسود بن عبد یغوث زہری اعداء کی اس ٹولی میں داخل تھا جن سے ہوشیار رہنے کا سید لا نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر حکم ہوا تھا۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ حَلَالٍ مَّهِينٍ
هَتَايَا مَشَايَا بِمَيْمٍ
مَتَايَا تَلَحُّظُ مَعْتَدٍ أَثِيمٍ
مُحْتَلٍّ كَعْدًا فَرَلَفَ زَنِيمٍ

(۹۸: ۱۰ - ۱۲)

اور آپ کسی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آ جانا جو بہت
بھوٹی، تمیں کھانے والا ہے وقت آدھے کئے والا
چلیاں کھانے والا نیک لوگوں سے ملنے والا اور
بجاذبہ کرنے والا گندہ لوگوں کو کش اور ان کے عیب کے
علاوہ اپنے آپ کو کسی دوسرے خاندان کی طرف منسوب کرنے

جو کوئی کسی غیر قوم کی طرف منسوب ہو وہ اگرچہ اس سے متعلق ہو لیکن اس میں سے نہ ہو
اس کو عربی زبان میں زنیعہ کہتے ہیں (مفردات راجح) آیات مذکورہ میں جن لوگوں کا تذکرہ
ہے وہ بعینہ ان اوصاف سے تصفیت تھے۔ بنجملہ ان کے اسود بن عبد یغوث تھا۔ وہ قبیلہ
بنو زہرہ کی طرف منسوب تھا حالانکہ اس میں سے نہیں تھا۔ اسی طرح احنس بن شریک
فی الحقیقت لقصی تھا مگر بنو زہرہ کا حلیف ہونے کے باعث اسی قبیلہ سے سمجھا جاتا تھا۔

(تفسیر ابن جریر طبری)

یہ بھی معلوم ہو کہ حارث بن قیس سہمی جیسے عدو نے اسلام کے گھر میں حضرت
الوقیس صحابی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جنہوں نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی بلیک کیا
اور سابقین فی الاسلام کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد ہجرت حبشہ کا اعزاز حاصل
کیا۔ (اصابہ)

مجلس ایذارسانی کا صدر ابونوب جنگ بدر کے قریب دو ہفتہ بعد عدسہ کی بیماری
ہلاک ہوا تھا۔

معلوم ہو کہ جو دشمنان دین مثلاً ابوسفیان بن
حرب، عکرمہ بن ابوجہل، خالد بن ولید عمرو
بن عاص، حکیم بن حزام، شہیل بن عمرو اور

ابوسفیان، عکرمہ، شہیل، صفوان وغیرہ
قتل و ہلاک سے کیوں محفوظ رہے؟

صفوان بن امیہ (رضی اللہ عنہم) قتل و ہلاک سے محفوظ رہے ان کے مأمون و مہزون رہنے
کی وجہ یہ تھی کہ وہ علیم خداوندی میں نعمت ایمان سے مشرف ہونے والے تھے اور خدا سے
قدوس ان سے بڑی بڑی دینی خدمتیں لینے والا تھا یا ان کی اولاد میں بڑے بڑے کابریت
اور عابدین پیدا ہونے والے تھے۔

فصل ۲۰۳ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام کی امام الانبیاء کا سماوی عروج

خدا نے حکم الحاکمین نے عالم انسانیت کی رہنمائی کے لیے دنیا کا جو آخری پیامبر بیٹ
زمین پر بھیجا اس کے برزخی مشاہدات اور آسمانی سیروسیاحت کا واقعہ بہت بڑی اہمیت
رکھتا ہے۔

شاہان زمانہ اپنے ممالک محروسہ میں جو مال
اور صوبہ دار مقرر کرتے ہیں ان میں سے بعض
خاص معتمدین کو ملک کے اندرونی نظم و نسق

خاص بندوں پر راز ہائے فطرت اور
اسرار کائنات ظاہر فرمانے کی حکمت

اور اصول جہانگیری سے بھی مطلع کیا کرتے ہیں۔ یہی حال شہنشاہِ ارض و سماء کی سلطنت و جہان بینی کا ہے۔ مالک الملک نے بھی کبھی اپنے خاص پیام بڑوں کو اپنی حکمرانی کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر فطرت کے راز اور کائنات کے وہ اسرار ظاہر فرمائے جو دوسروں پر ظاہر نہیں کیے جاتے۔ چنانچہ ابراہیم خلیل اللہ کو ملکوت السموات والارض یعنی کائنات کے مخفی نظام اور اندرونی نسق کا مشاہدہ کرایا گیا اور اس بات کا بھی تجربہ کرایا گیا کہ فائق کردگار کس طرح مردوں کو زندگی بخشتا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم پر بارش پر جلوت و تہانی سے سرفراز کیے گئے اور انہیں اس غرض سے اپنے ایک مقبول بندے کی رفاقت میں پھرایا گیا کہ وہ ربِّ قدیر کی مشیت کے ماتحت دنیادی نظم و نسق کا عملی تجربہ کریں۔

اسی طرح خدا سے قادر و توانا نے دنیا کے آخری سخات دہندہ حضرت امام المرعین صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ کا مشاہدہ کرانے کے بعد عالم ملکوت کی سیروسیاحت کا امتیاز بخشا اور آسمانوں پر بلا کر عالم آخرت کے اسرار و خفایا سے مطلع فرمایا۔

لَا اَعْلٰی کے نشان ہائے قدرت
کو برائی العین دیکھنے کی ضرورت

حضور سرور کون و مکان علیہ التقدیہ السلام خاتم الانبیاء اور منتمی دین ہیں۔ آپ ہر ملک اور ہر قوم کے لیے تالاف و ترقی و عالم بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے تھے لیکن اتمام نعمت و تکمیل دین سے پیشتر یہ ضرور تھا کہ دعوت و تبلیغ اور ترغیب و ترہیب کا کام بھی سنسکا کماں کو پہنچ جائے۔ اسی لیے لازم ہوا کہ آپ لَا اَعْلٰی کے نشان ہائے قدرت کو برائی العین دیکھ کر لوگوں کے سامنے اپنے معنی مشاہدے پیش کریں اور حجت الہی ہمیشہ کے لیے ختم کر دی جائے۔ عالم بالا اور اسرارِ آخرت کو پیشتر خود دیکھنے کے بعد تحریریں و تحریفات کا فرض جس خوبی سے انجام پاسکتا تھا اس کے بغیر مشکل تھا۔ اس لیے آپ کو چہر تہ کی روحانی دید کے بعد عالم ملکوت کے حجاباتِ حالتِ پیداری میں ظاہری آنکھوں سے بھی دکھائیے گئے۔

اسرار و معراج
کا تعدد و وقوع

مکہ معظمہ کی مسجد کو مسجد الحرام اور بیت المقدس کی مسجد کو مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ مکہ مکرمہ سے اس قدر بعد مسافت پر واقع تھی کہ پھر اس سے آگے کوئی اور مسجد نہ تھی۔ اس بنا پر اہل عرب اس کو مسجد جاہلیت سے مسجد اقصیٰ کے نام سے موسوم کرتے چلے آئے ہیں۔ عرب عام میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسرار اور اس سے آگے آسمانوں سے اہر تک کی سیر و عروج کو معراج کہتے ہیں۔ بعض اوقات ہر لفظ کا

اطلاق مجروحہ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ معراج جس میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو صعود آسمانی سے پہلے بیت المقدس لے جایا گیا، بیداری میں جسم مبارک اور روح اطرو دونوں کے ساتھ ہوتی تھی۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ ایک ہی مرتبہ ہوتی۔ اس کے علاوہ آپ کو روحانی طور پر بھی بہت دفعہ اعزاز معراج سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ فی الدین بن عربی ۴ فتوحات میگہ میں رقم طراز ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس مرتبہ شرف اسرا بخشا گیا جن میں سے ایک عروج مع الجسم تھا باقی سب مجروحہ روح کو حاصل ہوئے۔ جمہور سلف و خلف معراج اعظم کے متعلق متفق ہیں کہ یہ بدن اور روح دونوں کے ساتھ حالت بیداری میں واقع ہوئی۔ بلکہ سے بیت المقدس تک جاتا سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جانا مشہور حدیثوں میں مصرح ہے۔

تعدد کے قول کو ابن کثیر | علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو جو روحانی معراج ہوئی یا ہوتی رہی وہ معراج اعظم کی تمہید تھی۔ ان روحانی مشاہدات کی غرض و فائیت یہ تھی کہ آپ کے اندر تدریجاً معراج جسمانی کی برواقت کا لغو قرار دینا

راستعداد اسی طرح پیدا ہو جاتے جس طرح منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے آپ بہت دن تک ریاضے صالحہ دیکھتے رہے اور اس کے بعد باقاعدہ وحی الہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر حافظ ابن کثیر نے تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور احادیث صحیحہ کی تصریح کے خلاف بتایا ہے۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک تعدد معراج کی جو تشریح اور ضبط تحریر میں آئی، اس میں کوئی استحالیہ و اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ قائلین تعدد بھی دوسروں کی طرح جسمانی معراج کو ایک ہی مرتبہ تک محدود مانتے ہیں۔ اور جب اسرار و معراج کا لفظ لایا جاتا ہے تو اس سے وہی سیر مراد لی جاتی ہے جو آپ کو منجانب اللہ آخری مرتبہ جسد عنصری کے ساتھ کرائی گئی تھی۔

زمانہ اور دن کی تعیین | اس بارہ میں اہل علم مختلف البیان ہیں کہ معراج اعظم کب ہوئی، لیکن علماء امت کی اکثریت اس کا وقوع ہجرت سے ایک سال پہلے

ربیع الاول میں مانتی ہے۔ ابن حزم نے نہ صرف اس قول کی توثیق کی ہے بلکہ اس پر جامع اُمت ہوتا بیان کیا ہے۔ ہا دن کا معاملہ سوا اس کے متعلق ابن ابی سیبہ نے حضرت عباس اور حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دو شبہ کے دن متولد ہوئے اسی دن نبوت ملی، اسی کی رات کو معراج ہوئی اور اسی روز آپ رعلت فرما ہوئے (یعنی تشریف بخاری)

واقعہ اسراء کے مبادیات

اب اسراء کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔ ایک رات حضور آقا سے وہ جہان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کا شانہ زہد میں استراحت فرماتے تھے کہ گھر کی چھت شوق ہوئی اور حضرت جبریل علیہ السلام نزول فرما ہوئے (بخاری و مسلم عن ابن شہاب عن انس عن ابی ذر الغفاری) بعض روایتوں میں اُمّ ہانیؓ کا گھر مذکور ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ تھیں۔ لیکن اس میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ابوطالب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی مشترک مکان تھا جس کے ایک حصہ میں حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا رہتی تھیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک چھت کھونے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کو ابتداء امر ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی خارق عادت معاملہ ہونے والا ہے (نشر الطیب) اور حسب بیان علامہ ابن حجر عسقلانیؒ چھت کھلنے میں اس مقصد و مراد کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ کو غلو کی جانب عروج بخشنا جانے والا ہے (فتح الباری)

جبریل علیہ السلام آپ کو بیت اللہ شریف کے پاس خیمہ میں لے گئے۔ خیمہ کو حجر بھی کہتے ہیں۔ خیمہ یا حجر اس کھلی جگہ کا نام ہے جو کعبۃ اللہ کے شمال میں ہے۔ یہ جگہ پہلے کعبہ میں داخل تھی لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال پہلے قریش نے کعبہ صلی کو از سر نو تعمیر کیا تو چندہ کا روپیہ ٹھہر جانے کے باعث اتنی جگہ کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کے ہمراہ اپنے گھر سے حجر میں تشریف لائے تو اس وقت آپ کے چچا حمزہؓ اور عم زادہ جانی حضرت بن ابی طالب خیمہ میں سو رہے تھے۔ چونکہ اس وقت نیند کا اثر تھا، آپ بھی خیمہ پہنچ کر ان دونوں کے بیچ میں لیٹ گئے اور آپ کی آنکھ لگ گئی لیکن آپ کی آنکھیں سوتی اور دل جاگتا تھا (نسائی، فتح الباری)

اسراء کے لیے مولانا اشرف علی تھانویؒ دیکھتے ہیں کہ رات کی تخصیص میں یہ حکمت تھی کہ عادتاً وقت خلوت کا ہے۔ اس میں بلانا زیادہ اختصاص کی دلیل ہے۔ رات کی تخصیص (نشر الطیب) شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث معراج سے دن کے سفر پر رات کے سفر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اسراء رات کو ہوا۔ اسی بنا پر آپ کی اکثر عبادتیں رات ہی کو ہوتی تھیں اور آپ سفر بھی زیادہ تر رات ہی میں کرتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا یا علیکم بالذلجۃ فان الاسواق قطوی باللیل (اول رات میں سفر کو لازم کرو کیونکہ رات کے

سفر میں زمین لپیٹی جاتی ہے (فتح الباری)

حسن اخلاق کی ایک دلیل

ابن ابی جبریل کہتے ہیں کہ دوسروں کے بیچ میں استراحت فرمانا بنی مہدی علیہ وسلم کے حسن خلق اور تواضع و انکسار کی دلیل

ہے کہ باوجود اس علو منزلت کے آپ لوگوں کے ساتھ سوتے اور ان میں بیٹھتے تھے اور اپنے نفس کریمہ کو دوسروں پر فوقیت و منزلت نہ دیتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی پائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک ہی جگہ دوسروں کے ساتھ سونا جائز ہے بشرطیکہ ہر ایک نے الگ الگ کپڑے اوڑھ کر اپنے جسم دوسروں سے چھپا رکھے ہوں (المعراج الکبیر للخلی)

شوق صدر

جبریل علیہ السلام آپ کو بیدار کر کے چاہ زمزم کے پاس لے گئے بخاری نسائی اس کے بعد جبریل نے آپ کا سینہ مبارک اوپر سے اسفل بطن تک چاک کیا اور

سینہ اور جوف کو بالکل خالی کر دیا (بخاری عن شریک بن عبد اللہ عن انس) علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ خارق عادت واقعہ سننے والوں کے لیے بھی سخت تعجب خیز اور وحشت انگیز ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت خود اس نفس قدسی کی کیا حالت تھی جس پر یہ حالت گزری تھی۔ یہ عادت جاری ہے کہ اگر کسی کا شکم چاک کیا اور دل نکالا جائے تو وہ معاً دم توڑ دیتا ہے لیکن حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے کوئی ضرر نہ پہنچا اور نہ کوئی درد محسوس کیا چہ جائیکہ مرگ و ہلاک تک نوبت پہنچتی۔ ابو حمزہ کا قول ہے کہ خدا سے قدیر کو اس بات کی قدرت تھی کہ شوق کے بغیر آپ کے قلب مبارک کو ایمان اور حکمت سے بھر دے لیکن چاک کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کی قوت یقین میں اضافہ ہو۔ آپ خود مشاہدہ کر چکے تھے کہ آپ کا شکم مبارک چیرا گیا ہے لیکن آپ اس عمل سے کچھ بھی متاثر نہ ہر اسان نہ ہوئے (فتح الباری)

باطن کا ایمان اور حکمت سے معمور کیا جانا

شوق صدر کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ کا قلب مبارک نکالا اور سونے کے ایک طشت میں جس میں آپ زمزم تھا ڈال کر اس کو دھویا۔ پھر ایک اور طشت جو ایمان و حکمت سے معمور تھا آیا۔ جبریل نے آپ کے قلب مبارک اور سینہ اور خلق کی رگوں کو ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ (بخاری عن شریک بن عبد اللہ عن انس) دوسری روایت میں ہے کہ وہ کو نکال کر دھویا اور اسے اس کے اصلی مقام پر رکھ کر سینہ برابر کر دیا و بخاری عن قتادہ عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعہ۔

ایمان و حکمت جس سے آپ کا باطن مہرور کیا گیا جو اہر غیبیہ کی قسم سے کوئی ایسی چیز تھی جو ایمان و حکمت میں ترقی و اضافہ کا ذریعہ تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے لوگ دنیا میں تفریح اور اعضاء رئیسہ کی تقویت کے لیے یا قوتیاں اور جوارشیں استعمال کرتے ہیں۔ اس تصرف کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا سینہ اور قلب مبارک آئینہ سے بھی بڑھ کر مصطفیٰ و بھلتی ہو جائے۔

آب زمزم کے وجہ ترجیح | امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ زمزم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے لیے جبریل بھی کے عمل سے عرصہ سو میں آیا تھا، جبریل علیہ السلام نے مناسب خیال کیا کہ خدا کے قدس کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور اس سے مناجات کرتے وقت زمزم ہی کے پانی سے آپ کے قلب مبارک کو بھلی و مزکی کیا جائے (فتح الباری)

آپ کے قلب شریف کو آب زمزم سے دھونے کی دوسری وجہ ترجیح امام بقیہؒ نے یہ قرار دی ہے کہ وہ آب کوڑے سے بھی زیادہ افضل ہے اس لیے ضرور تھا کہ آپ کا قلب مبارک افضل ترین پانی سے دھویا جاتا۔ تیسری وجہ حافظ زین الدین عراقی نے یہ بتائی ہے کہ آب زمزم بالخاصہ دل کو تقویت دیتا اور خوف و وحشت کو دور کرتا ہے۔ اسی بنا پر شب معراج آب زمزم استعمال کیا گیا کہ ملکوت کی عمر و آیات بینات کی خصوصیات و قوت کے وقت صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب صافی منبسط و مستحکم رہے (المعراج الکبیر فی فضیلتہ)

طلاتی ظرف کی خصوصیت | شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ دھونے کے لیے طشت اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ عرنا سب سے زیادہ مشہور و افضل ہے۔ اور دھونے کا طشت اس بنا پر اختیار کیا گیا کہ سونا حتیٰ ظروف کے تمام اقسام میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ سونے میں وہ خواص ہیں جو کسی دوسری دھات میں نہیں پائے جاتے۔ اس کو داگ کھاتی ہے، نہ مٹی اور نہ زنگ لگتا ہے۔ سونا دنیا میں لوگوں کی سب سے زیادہ محبوب و مرغوب متاع ہے، مزید برآں ثقل ابھرا ہے جسے ثقل وحی سے بھی مناسبت تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سونے کا برتن جتنی ظروف میں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مناسبات تھیں (فتح الباری)

طلاتی ظرف کے استعمال کا شرعی پہلو | امام نووی شارح مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کسی کو طلاتی و تقرقی ظروف کے استعمال کا وہم جواز ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود طلاتی برتن

استعمال نہیں کیا بلکہ یہ فعل فرشتہ کا تھا اور یہ ضرور نہیں کہ ملائکہ بھی ہر بات میں ہماری طرح تکلف ہوں۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ کہنا قرین صواب نہیں کہ استعمال کرنے والے نبی علیہ السلام نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے کیونکہ اگر طلافی ظرف کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا تو فرشتے بھی ایسے امر میں مبادرت نہیں کر سکتے تھے جس کا تعلق آپ کے بدن مکرم سے تھا۔ بلکہ یہ کہنا اقرب الی الصواب ہے کہ طلافی و نفرتی برتنوں کے استعمال کی تحریم، احوال دنیا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن جو واقعات شب معراج میں پیش آئے ان کا تعلق احوال غیب کے تھا پس وہ احکام آخرت سے متعلق ہیں (فتح الباری)

اس سے قطع نظر معراج کا واقعہ کہ معظمہ کا ہے جہاں ابھی چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال ممنوع نہیں ہوا تھا ان کے استعمال کی مخالفت مدیثہ منورہ میں اس وقت ہوئی جب مسلمان نارسہ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ (فدی شرح مسلم و فتح الباری)

عالم برزخ کی سواری | جب وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاصہ کا اجراء اور نقاد عمل میں آنے والا تھا تو

شوق صمد و تطہیر جنان سے فراغت پانے کے بعد حضرت روح الامین ؑ کو حکم ہوا کہ حبیب رب العالمین کے لیے وہ سواری جو برق سے زیادہ سریع السیر ہے مہیا کریں۔ کارپردانان عظم کو حکم پہنچا کہ دنیا سے آب و گل کے تمام مادی قوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں اور مکان و زمان کی تمام طبعی پابندیاں بظرف کر دی جائیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی جہلکتے ہیں۔ حق تعالیٰ اس بات کی قدرت رکھتا تھا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام درمیانی وسائط کے بغیر زمین طے کرادے لیکن عالم برزخ کی سواری بھیجنے کا مقصد ایک تو ذرائع و اسباب کا اثبات تھا، دوسرے اس میں آنحضرت کی ولی تقویت و ترویج تھی۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی مرقم فرماتے ہیں کہ گو صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں بھی زمین طے کرائی جاسکتی تھی لیکن آپ کو سوار کر کے سیر کرانے میں ایک ہی حکمت تھی کہ خرق عادت کی بجائے آپ سواری پر مانوس رہیں۔ دوسرے قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ

کسی ایسے شخص کو طلب کرتا ہے جو اس کی درگاہ میں خصوصیت رکھتا ہو تو اس کے لیے سواری چاہیے
کا بھی حکم دیتا ہے۔ پس سواری میں اور بالخصوص براق کی سواری میں آپ کی زیادہ سرفرازی
تھی۔ اگر آپ یہ نفس نفیس صعود فرماتے تو پیادہ کی حیثیت رکھتے اور سوار پیدل چلنے والے سے
زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے (فتح الباری)

براق کے اوصاف | براق جو آپ کی سواری کے لیے لایا گیا سفید رنگ کلیک چاہیے
خچر سے چھوٹا اور گدھے سے کسی قدر بڑا تھا۔ یہ اس قدر تیز تھا
کہ اس کا ہر قدم اس کے منہ سے نظر تک پہنچتا تھا (شیخ ابن حجر مکتبہ میں۔ براق
کے اس صفت پر موصوف ہونے میں یہ حکمت تھی کہ آپ ایسے امن اور سلامتی کے ساتھ عروج
کریں جس میں کسی خوف و وحشت کا شائبہ نہ ہو اور براق کے اس صفت پر پیدا کیے جانے میں
یہ معجزہ تھا کہ اتنی سرعت رفتار ایسے قدر قدرت کے جانور کے لیے عادتہً محال ہے جو اس صفت
سے موصوف نہ ہو (فتح الباری)

اہل لغت نے براق کو برق (یعنی بجلی) کے تحت میں لکھا ہے۔ محققین کا بیان ہے کہ
فیرمولی شفافیت اور اس کی انتہائی سرعت رفتار کی بنا پر اسے براق کہتے ہیں۔ تو جب دنیا کی
سب سے بڑی شغیخت کو کرد ارض کے ہر چشم زدن میں دوسرے عالموں کی سیر کرانی ہو گئی تو گویا
آج کی زبان میں سواری کے لیے بجلی کا کھوڑا عنایت ہوا اور بجلی کی شرح رفتار آج کی دنیا کو
مسلم ہے کہ ایک سکنڈ یعنی چشم زدن میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی ہے۔ اس سے براق
کی سرعت رفتار کا خود اندازہ ہو سکتا ہے۔

براق کی رازوں پر دو پرستے اور انبی پر دوں میں اس کی سرعت سیر کا راز مضمحل تھا۔ براق کی
پیشہ خوب بستی تھی اور کان بھی بہت لمبے تھے (ابن سعد) شیخ ابن حجر مکتبہ میں کہ میں نے ابن سعد
کے سوا کسی دوسرے کی روایت میں پردوں کا ذکر نہیں پایا۔ براق زمین اور لگام سے آراستہ تھا۔
براق کی فرح و انبساط | جب آپ سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی جبریل علیہ السلام
سائے نزحی کرتا ہے۔ آج تک کوئی ایسا شخص جو خدا سے قدوس کے نزدیک ان سے زبا
مکرم و مقبول ہو بخت پر سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر وہ نہامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا (ترمذی)
معلوم ہو کہ براق کی شوخی مسرت و انبساط سے ہمکنار تھی۔ اس کو اس بات کی غیر معمولی

خوشی تھی کہ آج دنیا اور آخرت کے سردار اور نبیوں کے سر تاج نے مجھے اپنی سواری کا شرف
سعادت بخشا ہے۔ براق تو غیر ذی روح تھا۔ مجرد شجر جیسی بے جان چیزیں جو فہم و ادراک سے
بالکل عاری تھیں کبھی گئی ہیں وہ بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا احساس رکھتی
تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کوہ اُحد پر تشریف لے گئے۔ حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی
اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔ پہاڑ (ازراہ مسرت و افتخار) جنبش میں آیا۔ آپ نے اس پر پاؤں
مار کر فرمایا اے اُحد! ٹھیر جا۔ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں (صحیح بخاری)
اکثر روایتوں میں براق پر جبریل علیہ السلام کے سوار ہونے کا ذکر
سوار میں تراویف

پیچھے سوار کیا چنانچہ ابویمنی اور خاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق لایا گیا اور میں جبریلؑ کے پیچھے سوار ہوا۔ اور صحیح ابن جتان میں عبداللہ
بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جبریلؑ علیہ السلام نے آپ کو اپنے پیچھے سوار کرایا۔ اسی طرح
حادث نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ براق لایا گیا۔ آپ جبریلؑ کے پیچھے سوار ہوئے
اور وہ دونوں کو لے کر چلا (صحیح ابیاری)

مولانا اشرف علی دہلوی فرماتے ہیں کہ روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اول
اول جبریلؑ علیہ السلام خود بھی اس سلطنت سے سوار ہو لیے ہوں کہ آپ کو طبعاً خوف معلوم نہ ہو۔
پھر اتر کر رکاب تمام لی ہو اور دونوں حالتوں میں گاہ گاہ سب ضرورت آپ کو تھا منے کے
لیے ہاتھ پکڑ دیتے ہوں۔

اب براق نے برق تاباں کی سی تیزی کے ساتھ قطع مسافت شروع کیا۔ حضرت عبداللہ
بن مسعودؓ کی روایت میں جس کی ابویمنی اور بزار نے تخریج کی ہے یہ بھی مذکور ہے کہ جب وہ پہاڑ
پر پہنچا تو اپنے پچھلے پیر اٹھالیتا اور جب پہاڑ سے اترتا تو اپنے اگلے پاؤں اٹھاتا (فتح الباری)

عجائبات برزخ کا مشاہدہ

دلائل ہیئت کی ایک روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے

محکم خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی بھی حوت بھرت پوری ہوئی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان
رضی اللہ عنہما دونوں آئندہ چل کر تیغ جفا سے شہید کیے گئے ۱۲

پہلے کوائف برزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اور ایسے لوگ دکھائے گئے جن کو ان کے جرائم کی پاداش میں عبرت ناک سزائیں دی جا رہی تھیں۔

مجاہدین فی سبیل اللہ | بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کی فصل ایک ہی دن میں پک کر تیار ہو جاتی ہے اور وہ اسے ہر روز کاٹ بیٹے ہیں اور جب کاٹ چکے ہیں تو وہ پھر ویسی ہی تیار ہو جاتی ہے۔ آپ نے جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کلمۃ اللہ کے لیے سرفروشی کی۔ ان کی ہر ایک نیکی سات سو گونہ تک بڑھ جاتی ہے۔ یہ لوگ جتنا بھی خرچ کریں حق تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزاق ہے (دلائل بیقی)

تارکین صلوٰۃ | پھر آپ ایک ایسی جماعت پر گزرے جن کے سر پتھر سے کچلے جاتے ہیں۔ جب یہ سر کچلے جا چکے ہیں تو حالت سابقہ پر عود کر آتے ہیں اور اس سلسلہ میں ذرا بھی انقطاع نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی اُمت کے بے نماز ہیں۔ انہیں فریضہ صلوٰۃ کی طرف توجہ نہیں۔ پھر آپ ایک جماعت پر گزرے جن کی سر مٹا ہوں پر آگے اور پیچھے پتھر سے پٹے ہوئے تھے اور وہ موشیوں کی طرح چرتے تھے۔ قہوہر اور جہنم کے پتھر ان کی غذا تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا اور ظلم کرنا اس ذات بے چوں کے شایاں نہیں۔

حرام کار | پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس پہنچے جن کے پاس ہنڈیا میں پکا ہوا نفیس گوشت رکھا تھا اور دوسری ہنڈیا میں کچا سڑا ہوا گوشت تھا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ پکے ہوئے نفیس و خوش ذائقہ ماسن کی طرف التفات نہیں کرتے بلکہ پاس کا کچا متعفن گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا یہ آپ کی اُمت کے وہ مرد ہیں جن کے گھر میں حلال طیب بیوی موجود ہے لیکن وہ اس کو چھوڑ کر پرائی ناپاک عورت کے پاس جاتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں میں ایسی عورتیں بھی ہیں جو اپنے حلال طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی ناپاک مرد کے پاس جاتی ہیں (طہرائی و بزار)

غیبت کرنے والے اور دروغ گو | اس کے بعد آپ نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے تاخن تانے کے تھے۔ یہ لوگ اپنے چہروں اور سینوں

کہ فوج رہے تھے۔ آپ نے حضرت روح الامین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبرو کے پیچھے پڑے رہتے ہیں (احمد داؤد واؤد)

اسی طرح آپ ایک اور جماعت کے پاس پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بیٹھ ہے اور دوسرا کھڑا ہے۔ کھڑے ہونے والے کے ہاتھ میں لڑہے کا گونہ ہے کہ بیٹھے ہوئے کی ہاچھ میں ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ ہاچھ کٹ کر کندھے تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر دوسری ہاچھ میں ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے۔ اتنے میں پہلی ہاچھ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ وہ دو آدمی ہیں۔ اسے جھوٹ بکنے میں ہاگ نہیں (بخاری)

حقوق العباد سے غافل | پھر آپ ایک شخص کے پاس پہنچے جس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ اس کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے مگر زیادہ بوجھل ہونے کی وجہ سے اٹھا نہیں سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اور لکڑیاں لالاکر گئے رہکتا ہلا جاتا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ جبریل نے کہا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے ذمے لوگوں کے قرض، امانتیں اور دوسرے حقوق ہیں لیکن یہ حقوق العباد کی طرف سے بے اعتنائی برتنا ہے اس لیے دن بدن زیادہ گراں ہار ہوتا جا رہا ہے (طبرانی و بزار)

علمائے سنو سے | پھر آپ ایسے لوگوں پر گزے جن کی زبانیں اور مونڈ اپنی مقراضوں سے کھائے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ جب زبانیں اور مونڈ کٹ چکے ہیں تو پھر حالت سابقہ پر غور کرتے ہیں اور بتنے اور بگڑنے کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ آپ نے پوچھا یہ یا معاملہ ہے جواب ملا کہ یہ آپ کی امت کے ہادیان بے عمل اور ایسے علماء شور میں جو لوگوں کو آپ کی سنت سنیت کے راستے سے ہٹا کر گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ (ترمذی، طبرانی، بزار، بیہقی فی شعب) اور دوسری روایت میں جبریل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو دوسروں سے کہتے ہیں لیکن خود ہمیں کرتے۔ کتاب اللہ پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے (کنز العمال بحوالہ ابن ابی داؤد و فی المصاحف و ابن جابر)

بدگو، حرام خور | پھر آپ کا گزرا ایک چھوٹے سے پتھر پر ہوا جس میں سے ایک بڑا پس پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ پیل اسی پتھر میں جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جاسکتا۔

آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو بڑی بات منہ سے نکال کر تادم مونا سے لیکن اس کو واپس لینے پر قادر نہیں۔ پھر آپ نے بہت سے خوان دیکھے کہ جن پر پاکیزہ گوشت رکھا تھا لیکن ان کو کھانے والا کوئی نہیں تھا اور دوسرے خوانوں پر مڑا ہوا گوشت رکھا تھا جن پر بہت سے آدمی بیٹھے کھا رہے تھے۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال روزی کو چھوڑ کر حرام کھاتے اور اسی کے ولدا وہ ہیں۔

یتیموں کا مال کھانے والے | اسی طرح آپ کا گزرا یہیے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ

پیٹ کی گوانی کے باعث فوراً گر پڑتے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ لوگ سود خوار ہیں۔ اور آپ ایسے لوگوں پر بھی گز رہے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی مانند تھے یہ لوگ آگ کی چٹاریاں بچل رہے تھے اور بھلنے کے بعد یہ چٹاریاں اسفل کی طرف سے خارج ہو رہی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں (طہرانی بزار)۔

سود خور | آپ نے فرمایا کہ میرا گزرا یہیے لوگوں پر بھی ہوا جن کے شکم اتنے بڑے تھے جتنا کوئی مکان ہو۔ ان شکموں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو شکموں سے باہر دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔ (۱۹۔ محمد ابن ماجہ)

حسن کی نمائش | اسی طرح آپ نے اسی عورتیں بھی دیکھیں جو بیستانوں سے بندی ہوئی سک رہی تھیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کس قماش کی عورتیں ہیں؟

کرنے والیاں | جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ عورتیں ذریعہ ذہنیت کر کے گھر سے نکلتی ہیں اور پرانے مصلح کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں (بیہقی)

چنل خور | اور آپ کا گزرا یہیے لوگوں پر ہوا کہ جن کے پیلوں کا گوشت کاٹ کاٹ کر انہی کو کھلایا جاتا تھا۔ آپ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ لوگ چنل خوری اور عیب بینی کے عادی ہیں۔ اسی طرح آپ نے ہر قسم کے مجرموں اور بد اعمالوں کو مختلف قسم کی سزائیں دیکھا اور وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔ (بیہقی)۔

جنت کی استعداد آگے چل کر ایک روح افزا اور طرب انگیز واوی میں پہنچے جہاں
 ایک طرف سے نہایت پاکیزہ سرور ہوا آ رہی تھی اور کستوری
 خالق کروگار سے کی سی خوشبو تھی جس نے مشام جان کو معطر کر دیا۔ اتنے میں ایک

طرف سے کچھ آواز آئی۔ آپ نے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ جنت
 کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے کہ اے میرے خالق کروگار! مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس سے مجھے
 سرور فرما کیونکہ میرے بالا خانے اور استبرق اور سندس قسم کے ریشمی لباس اور بیش بہا جواہر
 اور چاندی سونے کے ظروف، شہد معدودہ، شراب طور، سواریاں، تزک و احتشام اور انواع
 اقسام کے سامان عیش و راحت بہت کثرت کو پہنچ گئے۔ اب میرے وعدے کی چیز مجھے عطا
 فرمائی جائے (یعنی اہل بہشت کو میرے اندر آباد کر کہ ان نعمتوں کو استعمال کریں)۔

رب تقدیر کا ارشاد ہوا کہ ہم نے تیرے لیے تجویز کر رکھا ہے کہ ہر مسلم و مسلمہ اور مومن و
 مومنہ جسے مجھ پر اور میرے رسولوں پر اور یوم قیامت پر ایمان ہے اور میرے ساتھ امیری ذات
 صفات یا عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اور مجھ سے ڈرتا و تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار
 کرتا ہے۔ امن میں ہو گا اور جو کچھ مجھ سے مانگے گا وہ اس کو عطا کروں گا۔ اور جن اعمالِ حسنہ
 کا میرے پاس ذخیرہ کرے گا میں اسے ان کی جزا دوں گا اور جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے
 کفایت کروں گا۔ میں رب متعال ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں وعدہ خلافی
 نہیں کیا کرتا۔ بے شک مومن فوز و فلاح کو پہنچ گئے۔ جنت نے کہا میں اس انعام و اکرام
 پر مطمئن و مسرور ہوں۔

جہنم کی آواز | پھر سرورِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم ایک واوی میں پہنچے۔ وہاں ایک
 وحشت ناک آواز گوش زد ہوئی اور بدبو محسوس ہونے لگی۔ آپ نے

پوچھا یہ کیا ہے؟ جبریل امین نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ کہہ رہی ہے اے رب تقدیر!
 (دوزخیوں سے بھرنے کا) مجھ سے جو وعدہ تو نے کیا تھا اس کا ایفا فرما کیونکہ میری زنجیروں کو
 طوق، شعلے، گرم پانی، پیپ، سانپ، بچھو اور انواع و اقسام کے دوسرے مذاہن کی بڑی
 فراوانی ہے۔ میرا قعر بہت عیش ہو گیا اور حرارت بڑی شدت اختیار کر گئی۔ رب العالمین نے
 ارشاد فرمایا میں نے تیرے لیے تجویز کر رکھا ہے کہ ہر مشرک، مشرکہ، کافر، کافرہ اور ہر منکر
 عیند جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتا تیرے حوالے کروں گا۔ دوزخ نے کہا میں اس

عطیہ و نوازش پر خوش ہوں (طبرانی و بزار عن ابی ہریرۃ)

الحکم سابقہ اور خیر الامت کا مشاہدہ | حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شب معرج بعض

تھا اور ایسوں کو بھی دیکھا جن کے پیرو قلیل التعداد تھے اور ایسے انبیاء بھی نظر آئے جن کی کسی نے پیروی نہیں اختیار کی تھی۔ جب آپؐ ایک جم غفیر کے پاس سے گزرے تو آپؐ دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لوگ ہیں۔ اس کے بعد آپؐ سے کہا گیا کہ اپنا سراپہ کی طرف اٹھا کر دیکھئے۔ سو آپؐ کیا دیکھتے ہیں کہ اتنا بڑا ہجوم ہے کہ جس نے تمام آفاق کو گھیر رکھا ہے۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ آپؐ کی امت ہے۔ ان کے علاوہ آپؐ کی امت میں ستر ہزار اشخاص ایسے ہیں جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ یہ ستر ہزار وہ لوگ ہیں جو دماغ نہیں لگاتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (ترمذی یعنی ترک دہشت سے بچتے ہیں۔

مدینہ منورہ، طور سینا اور بیت اللحم میں نماز گزارنا | آگے چل کر جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے کہا کہ یہاں اتر کر نماز پڑھیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اتر کر نماز ادا کی جبریل بوسے کیا آپؐ کو معلوم ہے

کہ یہ کون جگہ ہے؟ اس کے بعد خود ہی کہنے لگے کہ آپؐ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی ہے جو آپؐ کا دارالہجرت ہو گا۔ پھر میں سوار ہوا اور کچھ مسافت طے کرنے کے بعد جبریلؑ نے کہا کہ اترئیے اور نماز پڑھیئے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریلؑ نے کہا یہ طور سینا ہے جہاں خداے قدوس نے موسیٰؑ سے کلام کیا تھا۔ پھر میں سوار ہوا۔ جب آگے بڑھا تو جبریلؑ نے کہا اترئیے اور نماز پڑھیئے۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبریلؑ علیہ السلام نے کہا یہ بیت اللحم ہے جہاں مسیح (علیہ السلام) پیدا ہوئے تھے۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا (نسائی، بزار، ابن ابی حاتم، طبرانی و اخرجہ ایضاً البیہقی و صحیح)

ربط براق کی حکمت | ثابت بنانیؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت المقدس پہنچ کر میں نے براق کو اس علاقے

سے باندھ دیا جس سے انبیاء (علیہم السلام) اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے (رواہ مسلم) شیخ محمد الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ براق کو باندھنا اس حکیم عادت کے ماتحت

تھا جو اللہ تعالیٰ نے چار پایوں میں جاری کر رکھی ہے۔ اور اگر آپ اس کو باندھے بغیر یوں ہی کھڑا کر دیتے تو بھی وہ کھڑا رہتا لیکن عادت مستمرہ ایسا کرنے سے مانع تھی (الیواقیت الجوامہ) اور امام نوویؒ نے ربط براق کے باب میں فرمایا ہے کہ جب اعتقاد ذاتِ خداوندی پر ہو تو اسباب و ذرائع سے فائدہ اٹھانا اور احتیاط کا سررشتہ ہاتھ میں رکھنا تو کل کے منافی نہیں۔ اور امام شہابیؒ فرماتے ہیں کہ براق باندھنے میں اس بات کی تنبیہ و تعلیم تھی کہ محنت تو کل کے ساتھ احتیاط برتنا و انش مندی کی دلیل ہے چنانچہ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستر قدیم آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مراد و ہم معنی معنون پایا ہے کہ پہلے اونٹ کے گھٹنے باندھو اور پھر اللہ پر توکل کرو۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین تھے لیکن اس کے باوجود آپ سفر میں زاہد راہ ساتھ لیتے اور لڑائی میں سلاح بند ہو جاتے یہاں تک کہ آپ نے غزوہ اُحُد میں دوزخ میں بہن رکھی تھیں۔ ربط براق بھی اس قبیل سے تھا۔

انبیاء اور ملائکہ کی امامت ہمارے ہاوی و موئی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچ کر براق سے اُس مقام پر اتارے تھے جس کو آج بابِ محمدؐ کہتے

ہیں۔ جب آپ وہاں سے قنار مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو وہاں ایک جم غفیر موجود پایا۔ یہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ اطراف مقدسین آپ کے غیر مقدم کے لیے معج ہوئے تھے۔ اب ایک مؤذن (جبریل علیہ السلام) نے افان دی۔ اس کے بعد تمام حاضرین نے سفیں درست کیں اور اقامت کہنی گئی۔ اس وقت ہر شخص یہ دیکھنے کے لیے منتظر تھا کہ کون امام بنتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل (علیہ السلام) نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت پا کر جبریلؑ مجھ سے پوچھنے لگے کیا معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن دو گوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا کہ تمام انبیاء سے سلف نے جو آج تک مبعوث ہوئے اور ملائکہ نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی ہے (نسائی، بیہقی، تفسیر ابن ابی حاتم)۔

تین اولوا الحزم

رسولوں کی بازوید

انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کا بدن قبل

دوسری روایت میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور

جبریلؑ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دونوں نے دو دو رکعت

نماز (تحتہ المسجد) پڑھی (بیہقی) اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو

انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کا بدن قبل

اور بال گھونگر یا لے تھے گویا کہ وہ قبیلہ تنوہ میں سے ہیں اور میں نے دیکھا کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور وہ شکل و صورت میں عروہ بن مسعود ثقفی (صحابی رئیس طائف) سے زیادہ مشابہ ہیں۔ اور میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا کہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور وہ تمام دوسرے آدمیوں کی نسبت تمہارے ساتھی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیادہ مشابہ ہیں (صحیح مسلم عن ابی ہریرہ)۔

ملائکہ کا استفسار نماز کے بعد ملائکہ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ آپ کے ہمراہ کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ملائکہ نے پوچھا کیا ان کے لیے رب العالمین عز و جل کی طرف سے پیام بھیجا گیا تھا؟ جبریل نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان پر تخت نازل فرمائے کہ بہت اچھے بھائی اور بہترین خلیفہ اللہ ہیں (بیہقی عن ابی سعید) اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فراغت نماز کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا اے محمد! یہ دوزخ کے مانع مالک ہیں ان کو سلام کیجئے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے خود ہی آپ کو سلام کیا۔ (صحیح مسلم)

قیام ساعت پر مذاکرہ الغرض یہ مبارک روحانی اجتماع اور خدائی تقریب جس میں ملا اعلیٰ اور قدوسیان عالم بالانے بھی شرکت کی ہزار عید سے بڑھ کر فرح و سرور کی ساعت سعید تھی۔ انبیاء اور ملائکہ نے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار میں نماز پڑھی تو یہ سب شہنشاہ احکام الحاکمین کی طرف سے مأمود ہو کر آپ کے استیصال کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ یہ وہ مبارک وقت تھا جب کہ ایام اللہ کا ایک خاص موسم بہار پر تھا اور قیادت محمدی کی روحانیت کبریٰ نے ہاں حال لاکھوں کروڑوں سید روحوں کے درمیان اپنی صدائے عظمت سے غلغلہ انداز عالم تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ شب معراج قیامت کے معین زمانہ کی نسبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام سے مذاکرہ ہوا۔ تینوں حضرات نے جناب خلیل اللہ سے دریافت کیا لیکن انہوں نے لاکھنی ظاہر کی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ انہوں نے بھی نفی میں جواب دیا۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کا ٹھیکہ مانا

(یعنی سالِ مہینہ اور تاریخ) تو مجھے معلوم نہیں اور اس کو علام الغیوب عزائمہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
البتہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ میں قیامت سے کچھ زمانہ پیشتر دنیا میں آؤں گا اور دجال کو قتل کروں گا۔
(اب ماجہ)

انبیاء علیہم السلام

مثالی جسموں میں

اوپر لکھا گیا ہے کہ انیلے کرام نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی۔ اور آگے چل کر معلوم ہو گا کہ بعض انبیاء مثالی جسموں میں علیہم السلام سے آسمانوں پر بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا سب کے سب اپنی قبروں میں تھے وہ پہلے بیت المقدس میں اور اس کے بعد آسمانوں پر کس طرح پہنچ گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے عنصری یعنی خاکی جسم تو واقعی قبروں میں تھے لیکن مثالی جسم اولاً بیت المقدس میں اور پھر آسمانوں پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ دوسروں کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی بظاہر مثالی جسم میں بیت المقدس تشریف فرما تھے البتہ آسمان پر جو ان سے آپ کی ملاقات ہوئی تو وہاں وہ جسم عنصری کے ساتھ موجود تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان کی طرح بیت المقدس میں بھی جسم عنصری کے ساتھ قدوم فرما ہوں اور حکم الہی امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جشن تہنیت میں شرکت فرمائی ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مثالی جسم میں معراج ہوئی تھی مگر یہ گمان سراسر بیہودہ ہے کیونکہ اگر آپ کو مثالی جسم میں معراج ہوئی ہوتی تو پھر فراق پر سوار ہونے کی کوئی حاجت نہ تھی کیونکہ خود مثالی جسم پر روحانیت کا اس درجہ غلبہ ہوتا ہے کہ اسے کہیں جانے آنے میں کسی سہائے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مثالی جسم کی سیرو خروج پر قریش کے لیے بھی کوئی وجہ انکار و اعتراض نہ تھی۔

عالم مثال اور مثالی جسم

یہاں منمنایہ بتلا دینا بھی مناسب ہے کہ مثالی جسم کے کتنے ہیں اور عالم مثال کیا ہے؟ معلوم ہو کہ کتاب و سنت کے بہت سے شواہد دلالت کرتے ہیں افراہل کشف کو مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس عالم عنصری کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے جسے عالم مثال کہتے ہیں۔ عالم مثال زمین و آسمان میں کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں بلکہ وہ اسی عالم جس کا دوسرا پہلو ہے۔ عالم مثال مادی اور مجرد عالموں کے درمیان ایک ذوجہتین عالم ہے۔ یہ عالم مجرور (ملائکہ فاعدا) کی طرح اس درجہ

لیفٹ ہے کہ ظاہری حواس اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ اس کے اور اک و احساس کے لیے حائر باطنی یا نگاہ کشفی کی ضرورت ہے۔ دوسری جہت کے اعتبار سے یہ مادی عالم سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ مقدار یعنی طول، عرض، عمق، رنگ وغیرہ جسمانی خواص سے خالی نہیں ہے۔ مگر غرض و منزل اور مادی کے درمیان ایک تیسری چیز ہے۔ جتنی چیزیں اس عالم شہادت میں پائی جاتی ہیں ان سب کے نمونے عالم مثال میں موجود ہیں۔ اسی لیے اس کو عالم مثال کہتے ہیں۔

عالم مثال کا انکشاف مقبولان
بارگاہ کے ساتھ مخصوص نہیں

عالم مثال کا انکشاف کچھ اہل اللہ اور حق پرستوں یا اہل مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ ایسے عوام پر بھی مجرأ منکشف ہوتا ہے جو دہر بارہی تعالیٰ کے

منکر یا خشیت الہی کے مفہوم سے بالکل نا آشنا ہیں۔ زندگی میں ہر انسان کو تجربہ ہوا ہوگا کہ بہت سی باتیں قبل از وقوع خواب میں معلوم ہو گئیں یا ایسے واقعات کا انکشاف ہو گیا جو پردہ خفا میں مستور تھے۔ بسا اوقات انسان خواب میں دیکھتا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں پھر رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہاں اس شخص کا جسم گیا یا روح گئی؟ ظاہر ہے کہ جسم خاکی ہرگز نہیں گیا کیونکہ وہ تو بستر خواب پر پڑا ہے اور اگر کہا جائے کہ روح گئی تو بھی درست نہیں کیونکہ اس شخص نے تو خواب میں اپنے جسم کو چلتے پھرتے اور طرح طرح کے اشغال میں مصروف دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ نہ تو روح کے اعضاء ہیں اور نہ چلنا پھرنا اور کسی کام میں مصروف ہونا اس کے افعال و خواص میں داخل ہے۔ پس جب وہ نہ روح تھی نہ جسم تو پھر کیا تھا جو دور دور کی سیر کرتا پھرا؟ سو معلوم ہو کہ یہ وہی مثالی جسم تھا جو عالم مثال سے تعلق رکھتا ہے۔

عالم مثال میں دنیا کی ہر چیز کا نمونہ موجود ہے
عالم مثال میں دنیا کی ہر چیز کا نمونہ موجود ہے

عالم مثال میں دنیا کی ہر چیز کا نمونہ موجود ہے۔ جس کی یہ صورت ہے کہ ہمارا ہر فعل نیک ہو یا بد عالم مثال میں کوئی نہ کوئی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر وہ فعل نیک ہو تو اچھی صورت قبول کرتا ہے ورنہ

بُری شکل اختیار کرتا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ دمنو کے وقت ہاتھ پاؤں دھونے سے گناہ خارج ہوتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ زائل ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں گناہوں کی صورت مثالیہ مراد ہے جس نے ہمارے ازکاب ذنوب کے بعد کوئی صورت و شکل اختیار کر لی ہے۔

جیسے جیسے خُسنات کی نیکی اور رِیاضات کی بدی بڑھتی ہے ویسے ہی اس کی مثالی شکل کا

حسن و قبح بھی ترقی پذیر رہتا ہے۔ عالم مثال میں مادیات کی طرح مجردات یعنی ملائکہ اور ارواح کی بھی شکلیں موجود رہتی ہیں۔ مجردات مثالی شکلیں اختیار کر کے عالم شہادت میں نظر آتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام کا درجہ کبھی کی شکل میں تشریف لانا یا عاقبات الہی کا بیک وقت متعدد مقامات پر پہنچنا اس پر شاہد ہے۔ منامات یعنی رؤیا و خواب، تخیلات یعنی انسانی خیالات اور ارادے جو دل سے دماغ میں آتے ہیں، کشف اور روحانی واقعات مشککہ وغیرہ سب عالم مثال کے تعلق رکھتے ہیں۔

عالم برزخ | یہاں موقع کی رعایت سے عالم برزخ کا جان لینا بھی مناسب ہے۔ عالم آخرت دو زمانوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا زمانہ موت سے حشر اجساد یعنی مردوں کے جی اٹھنے تک ہے۔ دوسرا قیامت سے ابد الابد تک۔ پہلے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں۔ برزخ عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہے اور یہ عالم عناصر اور عالم الارواح کے درمیان ایک واسطہ و ذریعہ ہے۔ موت کے بعد میت کا راحت پانا یا دکھ اٹھانا اسی عالم برزخ سے متعلق ہے۔ دنیاوی زندگی میں جسم اور روح کے درمیان ایک مضبوط اتصالی علاقہ قائم ہے۔ یہ علاقہ مرنے کے بعد ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس القطاع تعلق کے بعد روح اور بدن ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ نہیں ہو جاتے بلکہ ان میں احساس و ادراک کا تعلق اب بھی قائم رہتا ہے۔ اس تعلق کا نام بھی برزخ ہے جو کسی جگہ اور مقام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ محض ایک کیفیت کا نام ہے۔ حیات برزخ کا ابتدائی اہم مرفلہ منکر و نکیر کا سوال ہے جس کے بعد ثواب یا عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ اسی کو قبر کا عذاب یا ثواب کہتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں جہاں میت گاڑی جاتی ہے بلکہ یہ تو صورت قبر ہے۔ قبر حقیقت میں عالم برزخ کا نام ہے۔

عالم مثال اور عالم برزخ کا فرق | عالم مثال اور عالم برزخ میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں کوئی جتن نہیں بخلاف عالم برزخ کے کہ اس

میں احساس موجود ہے۔ مثالی شکل میں احساس اسی وقت ہوتا ہے جب وہ بوقت حاجت کسی ذمی روح کی شکل اختیار کرے لیکن یہ احساس ہنگامی اور عارضی ہوتا ہے۔ ضرورت اٹھ جانے کے بعد جب روح جسم مثالی سے علیحدہ ہوگی تو جتن بھی مفقود ہو جائے گی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عالم برزخ صرف روح اور جسم سے متعلق ہے لیکن عالم مثال کا تعلق تمام کائنات سے ہے۔

چنانچہ وہ انسانی اعمال و افعال، عقاید اور نیکی و بدی سے بھی متعلق ہے۔

دودھ نوش فرمانا | جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام معصومیتوں سے فارغ ہو کر مسجد اقصیٰ سے باہر نکلے تو پیاس نے غلبہ کیا۔ آپ نے پانی پینے کی خواہش کی۔ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے دو ظرت پیش کیے۔ ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ آپ نے دودھ کا برتن لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت (صحیح دینی مسلک) کو اختیار فرمایا ہے۔ اور امام احمد کی حدیث میں بروایت ابن عباس ایک ظرت دودھ کا اور دوسرا شند کا مروی ہے۔ اور شذا دین اوس کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد مجھ کو پیاس لگی۔ اس وقت میرے سامنے یہ برتن حاضر کیے گئے۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا تو ایک بزرگ نے جو میرے سامنے تھے، جبریل سے کہا کہ تمہارے دوست نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

گو اس وقت تک اسلام میں شراب حرام نہ ہوئی تھی لیکن چونکہ ظر فطرت فاسدہ، سامان نشاط اور باعث مسکری ہے، آپ نے اس کو پسند نہ کیا اور نظر انداز فرما دیا۔ البتہ دودھ کو جو فطرت صالحہ ہے پسند فرمایا جس طرح دین و حانی غذا کا ذریعہ ہے اسی طرح دودھ سے جسمانی غذا حاصل ہوتی ہے اور گو غذائیں اور بھی بہت ہیں مگر دودھ کو اردوں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے اور جسم اور جوہر دماغ کا تقویٰ ہے۔ اور دودھ کے ساتھ جو شراب پیش کی گئی تو ممکن ہے کہ وہ جنت کی شراب طور جو چنانچہ ملائم ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ گو دودھ حلال اور شراب حرام تھی تاہم ان دو میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس تفویض اختیار میں یا تو یہ حکمت تھی کہ شراب اس وقت تک حرام نہ ہوئی تھی، یا وہ شراب جنت سے آئی ہوگی اور جنت کی شراب حرام نہیں ہے (فتح الباری)

سیرتھی کا نصب کیا جانا | یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس سے آسمان پر کس طرح پہنچے۔ آپ فرماتے ہیں:-

فَاُطْلِقَ بَنِي جَبْرِئِيلَ حَتَّىٰ

آتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا رُفَاً

وَمُسْلِمٍ مِّن قَادِهِ مِّنَ النَّاسِ

پھر جبریل مجھ کو لے گئے یہاں تک کہ آسمان

دنیا پر پہنچے۔

اس ارشاد سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر بھی براق ہی کی سواری پر تشریف لے گئے گو درمیان میں بیت المقدس وغیرہ مقامات پر اترتے رہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ جب خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی مصروفیتوں سے فارغ ہوئے تو آپ کے لیے ایک سیڑھی کھڑی کی گئی جس سے چڑھ کر آپ آسمان پر پہنچے۔ آپ کا عروج سماوی بذریعہ براق نہیں ہوا تھا جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ براق کو تو آپ نے مسجد اقصیٰ کے دروازے پر منگوا پس جانے کے قصد سے باندھ دیا تھا۔ حافظ سیوطیؒ نے بھی اسی پر جزم کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (المعراج الکبیر) ان بیانات کی تائید مفصلہ ذیل روایتوں سے ہوتی ہے۔ بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر (بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد) میرے سامنے ایک زمین لایا گیا جس کی راہ سے بنی آدم کی رو میں (بعد از مرگ) چڑھتی ہیں۔ سو اس زمین سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز مخلوق کی نظر سے نہ گزری ہوگی۔ تم نے کسی میت کا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھنا مشاہدہ کیا ہوگا۔ سو وہ میت اسی زمین کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔

شرف المصطفیٰ میں ہے کہ یہ زمین جنت الفردوس سے لایا گیا۔ اس کے داہنے بائیں فرشتے اوپر تلے اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور کعب کی روایت میں ہے کہ آپ کے لیے ایک سونے کا اور ایک چاندی کا زینہ رکھا گیا یہاں تک کہ آپ اور جبریلؑ اس پر چڑھے۔ اور ابن اسحق کی روایت میں آپ کا ارشاد ہے کہ جب میں بیت المقدس کی مصروفیت سے فارغ ہوا تو یہ زمین لایا گیا اور میرے رفیق سفر جبریلؑ نے مجھ کو اس پر چڑھایا یہاں تک کہ دروازہ آسمان پر پہنچے۔ (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ مولانا اشرف علیؒ)

مولانا اشرف علیؒ (تھانویؒ) فرماتے ہیں کہ براق اور زمین کی روایتوں میں اس طرح جمع ممکن ہے کہ کچھ دور ایک پر سفر کیا ہو کچھ دور دوسرے پر جس طرح مکرم ہمان کے روبرو کئی سواریاں حاضر کی جاتی ہیں۔ اس کو اختیار ہوتا ہے کہ جس پر چاہے سواری کرے یا تھوڑی تھوڑی مسافت

سب پر قطع کرے۔ اس کے بعد مولانا سے مدد و کھتے ہیں ہر چند کہ براق نہایت تیز رفتار ہے مگر اس کی سرعت اور بطور راکب کے دست اختیار میں ہوگا کیونکہ براق پر سوار ہونے کے بعد مختلف مواقع و مقامات پر نزول اور مختلف مناظر پر مفصل اطلاع و مرد و ظاہر اعتدال فی السیر پر دلالت کرتا ہے (نشر الطیب)

آسمانِ اول پر ورود حضرت سید کوئین صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کی رفاقت میں آسمانِ دنیا تک پہنچے جبریل علیہ السلام نے آسمان کے محافظ فرشتے سے کہا کہ دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں۔ محافظ نے کہا مرحبا! تشریف لائیے۔ اہل آسمان اس بشارت پر مسرور ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ آسمان کا کوئی فرشتہ نہیں جانتا کہ خدا سے قدوس زمین پر کیا چاہتا ہے جب تک اس کو معلوم نہ کرایا جائے (بخاری عن شریک بن عبد اللہ عن انس ر)۔

ابن وحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آسمانوں کے دروازے بند رہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے پہلے ان کو کھول کر نہیں رکھا گیا تھا حالانکہ کھول رکھنے میں آپ کا زیادہ اکرام تھا لیکن کھلے رکھنے کی صورت میں شاید آپ یہ گمان کرتے کہ آسمانوں کے دروازے ہمیشہ کھلے ہی رہتے ہوں گے۔ پس عین وقت پر کھولے گئے تاکہ آپ کے احساس ہو کہ محض میری خاطر کھولے گئے ہیں۔ (المعراج الکبیر)

شیخ ابن حجر عسقلانی یہ لکھتے ہیں: "فرشتوں کا یہ سوال کرنا کہ آپ کے ساتھ کون ہے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے جبریل کے ساتھ ان کے کسی رفیق کا بھی احساس کیا ورنہ وہ یوں سوال کرتے کہ کیا کوئی آپ کے ساتھ بھی ہے؟ اور یہ احساس یا تو مشاہدہ سے حاصل ہوا کیونکہ آسمان شفاف ہیں یا کسی معنوی امر مثلاً زیادت الوداد وغیرہ سے مدد کے ہوا ہو۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ملائکہ کے اس سوال میں کہ کیا ان کو طلب کیا گیا ہے، یہ حکمت تھی کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ اطلاع دینی چاہی کہ ملائکہ میں بھی آپ کی شہرت ناموری ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ملائکہ میں یہ بات مشہور تھی کہ آپ کسی وقت طلب کیے جائیں گے۔ ورنہ وہ یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں؟ (فتح الباری)

نہر کوثر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے وہاں ایک نہر دیکھی جس کے

کناروں پر مردار پیدا اور زبرد کے محل بنے تھے۔ اس میں ہاتھ ڈالا تو اس کی مٹی بالکل خالص کستوری کی مانند تھی۔ پوچھا اسے جبریل! یہ کیا ہے؟ کہا یہی نہر کوثر ہے جو خدا نے مہین نے آپ کے لیے تیار کر رکھی ہے (بخاری عن شریک بن عبداللہ عن انس رضی اللہ عنہ)

دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں ایک نہر پہنچا جس کے کناروں پر یاقوت مردار پیدا اور زبرد کے پیالے رکھے تھے اور نہر پر جا بجا نہایت لطیف قسم کے مسز پرند تھے۔ جبریلؑ نے کہا یہ نہر کوثر ہے جو واہب کر دگار نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ یہ نہر یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر جاری ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ یہاں کے برتن سونے اور چاندی کے ہیں۔ میں نے ایک برتن لے کر کوثر کا پانی پیا تو وہ شہد سے زیادہ شیریں اور کستوری سے زیادہ خوشبو تھا (تفسیر ابن ابی حاتم)

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جس کو سبیل کہتے ہیں۔ اس سے دو نہریں نکلی ہیں۔ ایک کوثر اور دوسری نہر رحمت رہیقی عن ابی سعید رضی اللہ عنہ مولانا اشرف علی دہلوی لکھتے ہیں کہ دوسری احادیث سے جو من کوثر کا جنت میں ہونا منصوص ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی اصل جنت میں اور یہاں اس کی شاخ ہوگی جیسا اس کی ایک شاخ میدان قیامت میں ہوگی۔

ابو البشر سے ملاقات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے آسمان پر آدمؑ کو سلام کیا۔ انہوں نے اس کا جواب دیا اور کہا اے فرزند صالح اور نبی صالح! مرحبا۔ اس کے بعد میرے لیے دوائے خیر کی۔ میں نے دیکھا کہ آدمؑ علیہ السلام کی داہنی اور بائیں جانب بہت سی دھندلی صورتیں ہیں۔ وہ دائیں طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ جبریلؑ علیہ السلام نے کہا کہ یہ صورتیں جو ان کے دائیں بائیں ہیں ان کی اولاد کی رو میں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لیے آپ دائیں طرف دیکھ ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (بخاری عن ابن شہاب عن انس عن ابی ذر)

اور بزار کی حدیث میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آدمؑ علیہ السلام کی داہنی طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے خوشبو آتی ہے۔ جب داہنی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے

ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو مغنوم ہوتے ہیں۔ اور باقی نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ ان کی اولاد کی روحیں ان کے پیش کی جاتی ہیں۔ مومن کی روح ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ روح طیبہ نفس طیبہ ہے اس کو قلمین میں رکھو اور جب فاجر اولاد کی روح سامنے لائی جاتی ہے تو فرماتے ہیں کہ روح خبیثہ اور نفس خبیثہ ہے اس کو سجن میں رکھو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے جو رحیں پیش کی جاتی ہیں یہ وہ روحیں نہیں جو متوزجسوں میں داخل نہیں ہوئیں بلکہ وہ ارواح مراد ہیں جو قبض ارواح کے بعد جسوں سے خارج ہو جاتے ہیں (فتح الباری)

مولانا اشرف علی تھکے ہیں :-

ایک اشکال کا حل

ایک اشکال کا حل

آدم علیہ السلام کے واسطے ہائیں جو صورتیں نظر آئیں وہ ارواح کی مثالی صورتیں تھیں اور بزار کی روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح اس وقت آسمان پر موجود اور مستقر نہ تھے بلکہ اپنے اپنے ٹھکانے پر تھے اور اس ٹھکانے اور مقام آدم علیہ السلام کے درمیان دروازہ تھا، اس دروازہ سے صورتوں کا عکس اس مقام پر پڑتا ہوگا یا وہ ہوا جو آتی تھی آخر وہ بھی جسم ہے اُس میں الطبع و انبکاس کی خاصیت ہوگی جیسے ہوا شاعروں سے منکشف ہو کر رویت کے قابل ہو جاتی ہے کیونکہ اُس رویت میں دروازہ کا ہونا مذکور ہے۔ یہ ظاہر اس کا قرینہ ہے کہ وہ دروازہ وہاں تک اُن صورتوں کے اثر پہنچنے کا واسطہ تھا۔ پس اس میں اشکال نہ رہا کہ نص قرآنی اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَسْمٰكِنَا لَا یَفْقَهُوْنَ کَلِمًا وَاٰیٰتِنَا یُحْضَرُوْنَ الشَّکَکْیَہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی رو میں آسمان پر نہیں جاسکتیں۔ پھر آسمان دنیا پر کافروں کی یہ رو میں جو ہائیں طرف تھیں کیسے پائی گئیں؟

(نشر الطیب)

لفظ صالح پر تواتر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء نے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی صالح سے خطاب کیا اور آپ کے تمام

فخر ہے (فتح الباری)

انبیاء کے ارواح کا تمثیل

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قبل جمیع انبیاء میں بھی آدم علیہ السلام سے مل چکے تھے اور وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح آپ کے دوسرے آسمانوں میں دوسرے انبیاء کو بھی دیکھا۔ سب کے متعلق یہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسم سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثیل ہوا تھا یعنی غیر عنصری جسد سے (جس کو صوفیہ مثالی جسم کہتے ہیں) روح کا تعلق ہو گیا۔ اور جسد میں نقد و بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق۔ اور ظاہر یہ مثالی جسم جو دو جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا۔ اسی لیے بیت المقدس میں ملاقات ہونے کے باوجود آپ نے ان انبیاء کو آسمان پر نہیں پہچانا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر مع الجسد ہیں، ان کو آپ نے مع الجسد دیکھا لیکن ان کو جو بیت المقدس میں دیکھا وہ مع الجسد نہیں تھا بلکہ بالمثال تھا کہ مثالی جسد کے ساتھ روح کا تعلق قبل الموت بھی بطور عرق عادت ممکن ہے اگرچہ اس کا بھی امکان ہے کہ بیت المقدس میں مع الجسد ہوں اور وہ آسمان سے آگئے ہوں یا دونوں جگہ مع الجسد ہوں کہ پہلے آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں اور پھر یہاں سے آسمان پر پہنچ گئے ہوں۔ مگر خلاف ظاہر ہے۔

واللہ اعلم (نشر الطیب)

یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام

آپ فرماتے ہیں کہ جبریلؑ مجھ کو ساتھ لے کر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھولنے کو کہنا۔

سے ملاقات

کہا گیا کون ہے؟ کہا جبریل۔ محافظ نے کہا ساتھ کون ہیں؟

کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا بلائے گئے ہیں؟ کہا ہاں۔ کہا مرحبا! کیا خوب آنا ہوا۔ غرض دروازہ کھلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) موجود ہیں اور وہ دونوں باہم خلیفے بھائی ہیں۔ جبریلؑ نے کہا یہ عیسیٰ اور یحییٰ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ دونوں

یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں۔ اس اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام جناب یحییٰ علیہ السلام کی خالہ زاد بہن کے رشتے یا بھانجے تھے۔ چونکہ تانی بنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی تانی کو ماں قرار دے کر مجازاً خلیفہ بھائی فرمایا گیا۔ عرب میں اس قسم کا استعمال عام طور پر رائج ہے (نشر الطیب)

نے جواب دے کر کہا مر جا! اسے برادر صالح و نبی صالح۔ اس کے بعد وہ نوں نے میرے حق میں دعائے خیر کی۔

یوسف علیہ السلام کی بازوید | نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر جبریل مجھ کو تیسرے آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھلوا دیا۔ وہاں بھی نماز

فرشتہ سے وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے اور دوسرے آسمان پر ہوئے تھے جب دروازہ کھلا تو میں نے دیکھا کہ وہاں یوسف (علیہ السلام) ہیں۔ جبریل نے کہا یہ یوسف ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا اور یوسف (علیہ السلام) نے جواب دے کر کہا مر جا! برادر صالح و نبی صالح۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک بڑا حصہ عطا کیا گیا ہے۔ انہوں نے میرے لیے دعائے خیر کی (بغداد مسلم عن ثابت البنانی عن انس)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابو سعید خدریؓ سے اور ابن عساکر نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک مرد سے ملا جو خلق اللہ سے زیادہ حسین تھا اور اسے حسن میں لوگوں پر اسی طرح تفوق بخشا گیا تھا جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔ حالانکہ ترمذی نے انسؓ سے روایت کی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں فرمایا جو حسین اور خوش آواز نہ ہو اور تمہارا نبی ان سب سے زیادہ حسین و خوش جمال اور سب سے زیادہ خوش الحان ہے۔ پس حدیث معراج اس پر محمول ہوگی کہ اس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دوسرے لوگ مراد ہیں چنانچہ اس بیان کی تصدیق اس شخص کے قول سے ہوتی ہے جس کا بیان ہے کہ حکم اپنے علوم خطاب میں داخل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد علامہ ابن حجر جو لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے جس کی امام بخاری نے تخریج کی ہے، ابن میسر نے یہ مراد لی ہے کہ جو حسن و جمال ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا گیا تھا، اسی کا کچھ حصہ یوسف علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ واللہ اعلم (فتح الباری)

موسیٰ علیہ السلام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ہم چوتھے آسمان پر گئے۔ وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے آسمانوں پر ہو چکے تھے اور دروازہ کھلوا دیا۔ وہاں میں نے ادریس علیہ السلام کو پایا۔ انہوں نے

کا مر جسا کہنا

بھی مرجا کہہ کر میرے لیے دعا کی۔ پھر ہم پانچویں آسمان پر گئے۔ وہاں ہارون (علیہ السلام) کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مرجا کہہ کر میرے لیے دعا کی۔ اس کے بعد چھٹے آسمان پر پہنچے جہاں موسیٰ (علیہ السلام) کو پایا۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا یہ موسیٰ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے مرجا کہہ کر میرے حق میں دعا کی اور کہا اے میرے دہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کسی کو مجھ پر فضیلت دی جائے گی (بخاری عن شریک بن عبد اللہ عن انس) جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ (علیہ السلام) روئے۔ آواز آئی کیوں روتے ہو؟ کہا اے خدا! میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ لڑکا جو میرے بعد مبعوث ہوا ہے اس کی امت کے لوگ میرے امتیوں سے زیادہ جنت میں جائیں گے (مسلم عن قتادہ عن انس بن مالک بن معصود)

غبطہ کا محو ہونا | امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا رونا اپنی امت پر حزن و حسرت اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تابعین پر غبطہ کے طور پر تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امر خیر میں غبطہ محو ہے۔ غبطہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کریں کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہوتی۔ البتہ دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا سے بچنا چاہئے ورنہ یہ حسد ہوگا اور حسد حرام ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) کی شفقت | علامہ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا گریہ و بکا (معاف شدہ) کسی حسد سے ہمکنار نہ تھا کیونکہ حسد سے تو احادیث مسلمین بھی محفوظ ہیں یہ جائز کہ اس ذات گرامی کی طرف سے اس کا احتمال ہو جسے خداے علیل نے برگزیدہ فرمایا بلکہ موسیٰ (علیہ السلام) کو اس بات کا عدم تھا کہ ان سے وہ اجر فوت ہو گیا جس سے رفع درجہ مترتب ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ امت موسوی نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی مخالفت میں بڑی سرگرمی دکھائی اور انتہائی شدت اختیار کی جس کی وجہ سے ان کے ثواب میں نقص ہوا اور اجر میں کمی رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کو انہی افراد کی برابر اجر ملتا ہے جنہوں نے اس کی متابعت کی ہو۔ کرامت محمدی کے مقابلہ میں امت موسوی کی مدت طویل ہوئی تاہم موسیٰ (علیہ السلام) کے پیرو تعداد میں پیروان اسوۂ محمدی سے کم رہے۔

اور موسیٰ (علیہ السلام) کا آپ کو لڑکا کہنا ازراہ نقص نہ تھا بلکہ قدرت الہی کی عظمت اور اس کے غیر معمولی فضل و کرم کے اظہار کے لیے تھا کہ اس مولائے کریم نے اس چھوٹی عمر میں

حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمالات عطا فرمائے جن سے کسی نبی کو زیادہ عمر رکھنے کے باوجود نہ نوازا تھا اور اس اُمت کے حق میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نماز کے بارہ میں وہ شفقت و عنایت ظاہر ہوئی جس کا کسی دوسرے نبی سے اظہار نہ ہوا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں جس کی طبری اور بزار نے تخریج کی ہے اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جن پیغمبروں کے پاس سے گزراؤں میں موسیٰ (علیہ السلام) کو جاتے وقت سب سے سخت اور آتے وقت سب سے شفیق پایا۔

اور ابن ابی جرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں بہت زیادہ رحمت و شفقت و ولایت رکھی تھی اور یہ اسی رحمت کا افضلہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت کے لیے آبدیدہ ہوئے۔ اور ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانا اپنے مقابلہ میں آپ کی مغرری کی طرف اشارہ تھا اور خطاب نے کہا کہ جب تک انسان کے بدن میں قوت باقی ہے، عرب اسے دکھا ہی کہا کرتے ہیں (فتح اباری)۔

حضرت صادق ممدوق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھوم سا توں آسان رہنچے۔ وہاں میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ جبریلؑ نے کہا یہ آپ کے جد امجد

ابراہیمؑ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا نرجالے فرزند صالح اور نبی صالح۔ میں نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں ان کا ہمشکل فرزند ہوں۔ اس وقت ابراہیم بیت المعمور کی طرف پشت کا سہارا ایسے بیٹھے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو پھر دوبارہ نہیں آتے (مسلم عن ثابت ابنانی عن انس) دوسری روایت میں ہے کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب جلتے ہیں تو پھر دوبارہ نہیں آتے (نسائی عن قتادہ عن انس عن مالک بن معصوم)۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیمؑ بہت حسین ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں اور میری اُمت کے بھی دو طبقے موجود ہیں۔ ایک وہ جن کے سفید اُجلے لباس ہیں اور دوسرے وہ جن کے کپڑے میلے کھیلے ہیں۔

اُجلے لباس والے اُمّتیوں کے ہمراہ بیت المعمور میں داخلہ

میں بیت المعمور میں داخل ہوا۔ اُچلے باس والے بھی میرے ساتھ گئے اور دوسرے روک دیے گئے۔ سو میں نے اور میرے ساتھ والوں نے وہاں نماز پڑھی (دلائل بہیقی عن ابی سعید) اور فرمایا کہ بیت المعمور آسمان میں ایک مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے اوپر کی جانب اس کی بالکل سیدھ میں واقع ہے۔ اس میں ستر ہزار ملائکہ روزانہ داخل ہوتے ہیں اور جب وہ نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی (رواہ محمد بن جریر طبری عن قتادہ) یعنی اگلے دن اور نئے ستر ہزار داخل ہوتے ہیں (کذا فی مشکوٰۃ عن مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شافع ہر دوسرا علیہ التبیۃ السلام نے فرمایا کہ شب معراج ابراہیم خلیل اللہ نے مجھ سے کہا اے محمد! اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہتا اور ان کو اطلاع دیتا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور اس کا پانی شیریں ہے بہشت ایک وسیع پیشیل میدان ہے اور سُبْحَانَ اللہ وَالْحَمْدُ لِلہِ وَكَأَلَّا اللہُ وَاللہُ وَاللہُ آکْبَرُ کا پڑھنا اس میں درخت لگانا ہے (ترمذی)

مختلف آسمانوں کے ساتھ | اس میں اختلاف ہے کہ ہر نبی کو اس آسمان سے کیا خصوصیت تھی جہاں جہاں پیغمبر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک سے ملاقات فرمائی اور پھر جن انبیاء کرام سے آپ ملاقات ہوئے وہی اس ملاقات کے لیے کیوں مخصوص ہوئے؟ دوسروں کو اس شرف سے کیوں سرفراز نہ کیا گیا؟ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت قائم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی قوم کے ساتھ وہی معاملات پیش آئے تھے جو ان انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کی طرف سے پیش آئے تھے اس لیے وہی اس ملاقات کے لیے مخصوص فرمائے گئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں امام شافعی رحمہ اللہ اور علامہ ابن مینوم سے ان مناسبات و خصوصیات کو بالتفصیل قلم بند کیا ہے راقم یہاں ان کا محض درج کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام | آدم علیہ السلام کی ملاقات میں اس حقیقت پر اکتفا تھا کہ جس طرح انی بشر آدم علیہ السلام جنت سے نکال کر دنیا میں پہنچائے گئے اسی طرح نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے وطن مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جائیں گے۔ دونوں حضرات کو یکساں مشقت کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں وطن مالوت کے فراق کا صدمہ سنانے پر مجبور ہوئے اور پھر دونوں کا مال یہ ہے کہ اپنے اپنے وطن کو جہاں سے نکالے گئے واپس لائے جائیں گے۔

اس کے علاوہ آدم علیہ السلام کے آسمان اول پر موجود ہونے میں یہ حکمت تھی کہ وہ انبیاء میں سب سے اول اور آبار کرام میں سب سے مقدم اور سب کی اصل و بنیاد ہیں اس لیے ہمارے اولیٰ ہی ان کے استقرار کے لیے مناسب و موزون تھا۔

عیسیٰ اور یحییٰ | جس طرح عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام نے یہود کی طرف سے ایذا نہیں اٹھائیں اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کے بعد یہودیوں کے ہاتھوں سے دکھ سہنے پڑے جس طرح یہودیوں نے یحییٰ نبیؑ کو شربت شہادت پلایا اور مسیح علیہ السلام کو مصلوب کر کے ان کا چراغ جیات گل کرنے کی کوشش کی اسی طرح وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی جان لینے میں برابر کوشاں رہے اور آپ کو ہم تکلیفیں پہنچائیں۔ اس کے علاوہ عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام آپ کو دوسرے آسمان پر ملے کیونکہ وہ زمانہ کے لحاظ سے دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپ کے زیادہ قریب ہیں۔

یوسف علیہ السلام | یوسف علیہ السلام سے آپ کی یہ مناسبت تھی کہ جس طرح ان کے بھائیوں نے انہیں کوئیں میں ڈالا، اسی طرح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم قریش کے ہاتھوں سے سخت دکھ اٹھائے اور جس طرح برادران یوسفؑ نے انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی، اسی طرح قریش نے بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نقش ہستی محو کرنے کی انتہائی کوششیں کیں اور جس طرح یوسف علیہ السلام انجام کار اپنے بھائیوں پر غالب آئے اسی طرح خدا سے قدیر نے امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جبارہ قریش پر غلبہ نصیب کیا چنانچہ آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ میں بھی آج تمہارے متعلق وہی کہتا ہوں جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَغْرِيبُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ رَاجِعْ تَمَّ بِكُمْ كَوْنِي اِنْ اَمَّ نِيلِي) یوسف علیہ السلام سے ایک مناسبت یہ ہے کہ اہمیت محمدی یوسف علیہ السلام ہی کی شکل و صورت میں بہشت میں داخل ہوگی (فتح الباری)

اور یس علیہ السلام | اور یس علیہ السلام کے ساتھ آپ کی یہ مناسبت تھی کہ جس طرح وہ جنت میں داخل کر کے رفیع منزلت سے بہرہ مند کیے گئے اور حق تعالیٰ نے ان کی نہت فرمایا دَرَّ نَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا اسی طرح آپ کو ایسی بلندی پر پہنچایا گیا جہاں ہر کوئی نبی اللہ کوئی ملک مقرب نہیں پہنچا تھا۔ اور صرف ہی نہیں بلکہ ہمارے نبی علیہ السلام

تو اپنے عین حیات یعنی شب معراج جنت میں داخل ہوئے تھے لیکن اور پس علیہ السلام کو بلند درجہ جنت کا داخلہ نہیں ہوا تھا۔ ایک اور مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اور پس علیہ السلام نے لوگ عالم کو خطہ بھیج کر توحید کی طرف بلایا تھا اسی طرح آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شاہان عالم کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے تھے۔ (المعراج الکبیر)

ہارون علیہ السلام | حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ یہ مشابہت تھی کہ جس طرح ان کی قوم نے پہلے ان کو ایذائیں دیں اور پھر ان کی محبت پر مائل ہوئی، اسی طرح قریش بھی سالہا سال کی ایذا رسائیوں اور عداوت کو شیوں کے بعد انجام کا سپرد بن کر آپ کی محبت سے سرشار ہوئے۔

موسیٰ علیہ السلام | موسیٰ علیہ السلام سے یہ مناسبت تھی کہ جس طرح حضرت کلیم کو ان کی قوم نے ایذائیں دیں، اسی طرح آپ کی قوم بھی آپ سے برسرِ عناد رہی اور شیعہ جو روحِ افتار کیے رکھا چنا چھ آپ نے فرمایا ہے لَقَدْ أَوْذَىٰ مُّوسَىٰ بِأَكْثَرِ مَنْ هَذَا فَصَبَرَ (موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ ایذائیں دی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا)۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام | جس طرح ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پیٹھے لگائے بیٹھے ہیں، اسی طرح آپ نے بھی مناسک حج ادا کیے اور بیت اللہ کا احترام ملحوظ رکھا اور ساتویں آسمان پر ان سے ملاقات کرنے میں ایک مناسبت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرہ بھری میں مکہ معظمہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے آباء کرام میں سے آخری باپ ہیں۔ پس مناسب ہوا کہ آپ ان کی ملاقات سے از سر نو مانوس ہوں کیونکہ اس کے تھوڑا زمانہ بعد آپ دوسرے عالم کی طرف توجہ فرماتے والے تھے۔ مزید برآں گو خلیل کی منزلت اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ بلحاظ درجات سب سے افضل ہوں لیکن حبیب کا درجہ خلیل کے مقام سے بھی بلند ہے۔ اسی کے اظہار کے لیے آپ حضرت خلیل کی منزلت سے بلند ہو کر قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی تک پہنچے (فتح الباری)

مناسبت کے متعلق | مولانا تقاوی ۲ رقم فرمایا ہیں کہ مذکورہ صدر روایات میں صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات آدم، یحییٰ، عیسیٰ، یوسف، اور یسٰ ہارون موسیٰ، ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات فرمانے کا ذکر ہے جو آپ کے

استقبال اور خیر مقدم کے لیے اپنے اپنے مقام پر موجود تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی اس ترتیب میں ابتداء انتہا اور اوسط کی یہ مناسبت ہے کہ جناب ابوالبشر علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پدر اول اور جناب خلیل علیہ السلام پدر آخر ہیں اور بیچ کے چھ پیغمبر آپ کے اخوان یعنی دینی بھائی تھے۔ گو دوسرے جلیل القدر اور اولوا العزم انبیاء بھی آسمانوں پر موجود تھے، لیکن ان نام بُرودہ حضرات کا انتخاب اس فطری مناسبت کے باعث ہوا جو ان میں فردا فردا اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتماعی حیثیت سے موجود تھی (نشر الطیب)

نوح علیہ السلام سے ملاقات نہ ہونے کی علت

جن انبیاء و مرسلین نے شب معراج خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اپنے مستقر پر خیر مقدم کیا، نوح علیہ السلام کے سوا ان میں تمام اولوا العزم رسول داخل تھے۔ بظاہر مقام حیرت ہے کہ ایسا جلیل القدر رسول جس نے تمام انبیاء و رسل سے زیادہ طویل زمانہ تبلیغ و رسالت کے فرائض ادا کیے اور راہِ خدا میں بڑے بڑے دُکھ اٹھائے، آپ کے شرف دید سے کیوں محروم رہا۔ اس کی وجہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ شب معراج رحمت و برکت اور خوشی کی مانت تھی اس لیے مصلحتِ خداوندی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ وہ جلیل القدر نبی علیہ السلام حضرت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم میں شرکت نہ فرمائے جس نے اپنی قوم کے لیے بارگاہِ الہی سے عذاب و ہلاکت کی درخواست کی تھی۔ نوح علیہ السلام قریباً ہزار برس تک غلوت اور جلوت میں ترغیب و ترہیب کے مختلف پہلوؤں سے اپنی مصلحت پسند قوم کو بجاتے رہے، لیکن ان کی اُمتِ دعوت کے افراد ایسے قسبِ القلوب تھے کہ انہوں نے نصیحت قبول کرنا تو درکنار سنا بھی گوارا نہ کیا۔ آخر نوح علیہ السلام نے قرنہا قرن کے بعد ان پر ہلاکت و بربادی کی بددعا کی، چنانچہ طوفان نے سب کو تعمرِ ہلاک میں ڈال کر نابود کر دیا۔

سُدْرۃ المُنْتَهِی کے قُرب میں ورود

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جبریلؑ مجھ کو سُدْرۃ المُنْتَهِی کی طرف لے گئے۔ حکم الہی سے اس پر چھ چھانا تھا وہ چھا چکا تو اس کی بیست بدل گئی۔ پھر کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کی تعریف کر سکے (مسلم عن ثابت ابن النبیؓ) اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ سُدْرہ پر کچھ رنگ چھائے ہوئے تھے جن کی حقیقت میں نہیں جانتا۔ بخاری و مسلم عن ابن شہاب عن انس عن ابی ذہب خلائے قدیس نے سُدْرۃ نغم میں فرمایا اِذَا يَغْشَى السُّدْرَةَ مَا يَغْشَى (جب سُدْرہ کو لپٹ

ہی تھیں جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں (راوی کہتا ہے کہ اس سے مرنے کے پروانے مراد ہیں۔
 (مسلم، ترمذی، نسائی عن عبداللہ بن مسعود) لیکن یہ محض تشبیہ ہے ورنہ مرنے کے پروانے
 دراصل ملائکہ ہیں جن سے طلائی چمک و یک پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں پروانوں
 کی بجائے فرشتوں کا لفظ مذکور ہے۔ مندرجہ بالا روایتوں کا ماحصل یہ ہے کہ جب اس درخت
 پر خدا نے قدوس کی خاص تمثیل ہوئی تو اس کا رُوب ہی بدل گیا اور حسن و جمال اس انتہا کو پہنچ گیا
 کہ جس کی تحریر نہیں ہو سکتی۔

سدرۃ المنتہی | معلوم ہو کہ یہ درخت فرشتوں کے اوپر جانے یا ان کے معلومات کی آخری
 حد ہے اسی لیے اس کو منتہی کہتے ہیں چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی وجہ تسمیہ | نے فرمایا کہ جو چیز زمین سے اوپر جاتی ہے وہ سدرہ پر پہنچ کر رُک جاتی ہے
 اور جو چیز اوپر کی طرف سے آتی ہے وہ بھی ہمیں رہ جاتی ہے (مسلم عن عبداللہ بن مسعود) اور
 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی متنفذ اس حد سے آگے نہیں جاسکا۔ ایک راوی
 کا بیان ہے کہ سدرہ پر تمام دنیا کا علم منتہی ہوتا ہے۔ اس سے اوپر کسی کو علم نہیں (ترمذی)
 احادیث متذکرہ سدر کا مفہوم یہ ہے کہ سدرہ ساتویں آسمان میں ایک درخت ہے۔
 عالم ہالہ سے جو رزق اور احکام وغیرہ آتے ہیں وہ پہلے سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے
 ملائکہ زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح دنیا سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہی تک پہنچتے
 ہیں پھر وہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کی مثال ڈاک خانہ کی سی ہے کہ خطوط کی آمد و
 برآمد وہیں سے ہوتی ہے۔ غرض سدرۃ المنتہی کو نیچے اور اوپر کی حد فاصل سمجھنا چاہیے۔ نیچے
 کے لوگ اس سے اوپر نہیں جاسکتے اور اوپر والے اس سے نیچے نہیں اترتے۔ اسی سدرۃ المنتہی
 کے پاس جنت ہے۔

روح الامین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنا | پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جبریل امین حامل نبوت صلی اللہ علیہ
 وسلم کے پاس ہمیشہ انسانی شکل و صورت میں وحی کے
 آیا کرتے تھے اور اتنے وقت عموماً وحیہ کلبی نام ایک صحابی
 کی شکل و ہیئت اختیار کی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ابدال نبوت میں آپ نے جبریل سے یہ درخواست
 کی تھی کہ مجھے اپنی اصلی صورت بھی دکھاؤ چنانچہ آپ نے ان کو غار حرار کے پاس ایسی حالت میں
 دیکھا کہ ان کے چہرہ ستور پر تھے اور جسم اور پروں نے آسمان کے دونوں کنارے چھپا رکھے تھے۔

اسی طرح شب معراج میں بھی آپ نے حضرت جبریلؑ کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا چنانچہ سورۃ نجم کی ان آیات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (ترجمہ) :-

”اور انہوں نے تو (معراج کے وقت) سدرة المنتہی کے پاس جہاں انیک بندوں کے رہنے کی جگہ بہشت ہے جبریلؑ کو ایک دفعہ اور بھی ان کی اصلی صورت پر دیکھا تھا جبکہ اُس بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ اس وقت بھی (پیغمبرؐ کی) نظر نہ کسی طرف کو ہلکی نہ حد سے بڑھی۔ بیشک انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیاں دیکھیں“

لیکن اس روایت ثانیہ کی تفصیل کسی حدیث، تفسیر، یا سیرت کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری اور یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت روح الامیںؑ دوسری مرتبہ کسی مصلحت و ضرورت سے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے۔

نماز پہنچانہ کی فرضیت | پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب ہم سدرة المنتہی کے پاس پہنچے تو مجھ پر ایک کہری چھا گئی۔ میں سجدہ میں گر پڑا۔ آواز آئی کہ میں نے جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا اُسی روز تم پر اور تمہاری اُمت پر سچا نماز فرض کی تھیں۔ اب تم اور تمہاری اُمت ان کو قائم کرو۔ پھر میں ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس پہنچا۔ انہوں نے (اس بارہ میں) مجھ سے کوئی امر دریافت نہ کیا۔ وہاں سے میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا (نسائی عن زید بن ابی ملک عن انسؓ) موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا خدا نے آپ کو کیا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا مجھے اُت دن میں سچا نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ ”موسیٰ نے کہا آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر جا کر درخواست کیجیے تاکہ خدا سے بڑا اس میں تخفیف کر دے۔“ میں نے جبریل امینؑ سے کہا آپ اس بارہ میں کیا صلاح دیتے ہیں؟ جبریلؑ نے کہا ہاں! آپ جا کر التماس کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میں (بارگاہِ ایزدی میں درخواست کرنے کے لیے) اُسی مقام پر جہاں مناجات کی تھی پہنچا (یعنی جہاں نماز کا حکم ہوا تھا) اور التماس کی انہی! سچا نمازوں میں تخفیف فرمادے کہ میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ حق تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ (بخاری عن شریک بن عبد اللہ عن انسؓ) پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا اور ان سے دس نمازوں کی تخفیف کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا بارگاہِ خداوندی میں، دوبارہ جلیسے اور تھلیل رکعات کی درخواست کیجیے۔ خدا نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں۔ وہ اس کو بھی ادا نہ کر سکے

خداوند تعالیٰ کی رحمت سے تعجب ہے اس لیے میں موسیٰ علیہ السلام کے گھسے پر مزید تحنیف کی درخواست کرتے گئے یہ دیکھ کر ان کی طرف سے یہ بات منقطع ہو گئی

حضرت خلیلؑ نے حسب تحنیف کا کیوں مشورہ نہ دیا؟
 اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خلیلؑ نے اپنے آپ کو نبی مقرر کیا تھا اور ان کے پاس سے یہ بات منقطع ہو گئی

نبی علیہ السلام سے آپ کو کوئی صلاح نہ دی کہ اگر حضرت خلیلؑ جو نبی ہو تبصرہ کی بات کے تمام پورا کر دینے کی وجہ سے ہمارے سب عقول عقلیہ علیہ السلام کے ساتھ نبییت بنیاد و اختلاف ہو گئے تھے اس کو وجہ یہ تھی کہ نبییت و نبیوت کا مقصد ہے۔ اس مقصد پر نبییت کی نسبت کے ترقی ہے اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کیسے تھے ان کا مقصد اولیٰ و انبیا و کا مقام تمام نبیوں کی ان کے تمام اسے پر مبادت کر گئے تھے و انہوں نے یکسر رسولان مشکوک کیا
 اس میں جو شخص کی سب سے پہلی جو درجہ شہادت وہ تھا وہ من خدا سے ہمکنار ہو کر

موسیٰ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں باوجود نبی حضرت میں تحنیف کی درخواست کرتا رہا مگر اب تک کہ مجھے شرم محسوس ہونے لگی۔ لیکن اب میں قسم رہی پر رضامند ہوں کہ میں تمہیں قسم کرتا ہوں کہ پھر جب میں ان سے چڑھتا تو ایک مٹا دیں گے کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے اور اپنے بندوں کا جو بدلہ کر دیا ہے۔

حضرت علامہ ابن حجر مہدویؒ نے اس کی شرح میں لکھی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد کہ مجھے ایک بچہ نے مارنے سے آواز دی اس دعویٰ کی قسم دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ شب معراج اپنے نبی خیر علیہ السلام سے یہ واسطہ ہم کلام ہوا (فتح الباری)

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ جو حدیثوں میں کتب کا توں ہے ان اللہ قسم مراد ہے و کلامہ بین محمد و موسیٰ اللہ تعالیٰ نے روایت اور کلام محمد اور موسیٰ علیہ السلام میں تقسیم کر دیا۔ گذارواہ (الترغی) اس سے کلام کی غلطی لازم نہیں آتی کیونکہ اس کے کلام کی عادت مراد ہے تو قرآن بعد از موسیٰ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام نہیں ایک ہی بار واقع ہوا (نشر المصباح)

دو مزید عطیے

اس موقع پر حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مزید نوازشوں سے بھی سرفراز کیا گیا۔ ایک سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں دوسرے اُن مسلمانوں کی بخشش جو اللہ وحدہ لا شریک کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھیراتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں چیزیں عطا ہوئیں۔ نماز پنج گانہ، سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ کی امت میں سے اُن لوگوں کے کبیرہ گناہوں کی بخشش جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ (مسلم، ترمذی، نسائی)

لیکن جاے افسوس ہے کہ نفی کے سیکڑوں ہزاروں دلائل کی موجودگی میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شرک جلی میں گرفتار ہے۔ ان لوگوں نے حضور ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم کو صفات خداوندی میں خداے واحد کا شریک بنا رکھا ہے اور برملا کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمیع و بصیر ہیں اور نہ صرف سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ ان کے زعم میں اللہ کا ہرالی غیب داں، سمیع و بصیر اور حاجت روا ہے خلق ہے۔ دعا ہے کہ خداے موفق ان لوگوں کو راہ حق پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

جنت کی سیر

جنت جو مادی چیز ہے، عالم آخرت میں مومن متقیوں کا دارالجزا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو عالم اول کے فنا ہونے کے بعد اس عالم کے نیکو کار اور قابل مغفرت لوگوں کا مسکن بنے گا۔ جنت وسعت میں تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے۔ اس کی جسامت اتنی لطیف ہے کہ اس کو ظاہری نگاہ نہیں دیکھ سکتی البتہ کشفی نظر سے دکھائی دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہی دیکھنے کے بعد میں جنت میں داخل کیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں رجو محل ہیں ان کے گنبد مردارید کے ہیں اور اس جگہ کی مٹی کستوری کی ہے۔ (بخاری و مسلم)

حسب بیان ابن وحیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر جنت آپ کے حق میں کرامت عظیمہ تھی، کیونکہ آپ اپنی اُمت کو جنت کی خریداری کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اشْتَرُوا مِنِّي الْيَوْمَ نِيَّةً
الْفُسْهُمُ وَآمُوا لَهُمْ بِأَنْ كُفُّوا
الْجَنَّةَ

اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے
مومنوں کی مائیں امدان کمال
خرید لیتے ہیں۔

ہونا کیوں کا حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے پورا پورا احساس ہوگا، آپ پر کسی اضطراب اور بدحواسی کا اثر نہ ہوگا اور آپ پوری دل جمعی کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں اپنی اُمت کے لیے شفاعت خواہ ہوں گے (المعراج الکبیر)

دو دن کی ذہرہ گدازی کا یہ عالم ہے کہ دو دن کے واروہ مالک کے خازن جہنم کا تبسم سے اجتناب

جو فرحت قلب اور حظ نفس کی علامت ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں شب معراج اہل سماء میں سے جس کسی کے پاس گیا اس نے مجھے مرجھا کر اور ہنسا سوائے ایک متنفس کے کہ جب میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب تو دیا لیکن نہ مرجھا کر اور نہ ہنسا جبریل نے کہا محمد! یہ جہنم کے خازن مالک ہیں۔ جب سے پیدا ہوئے کبھی نہیں ہنسے۔ اگر وہ کسی اور کو دیکھ کر ہنسے ہوتے تو آپ کی ملاقات کے وقت بھی ضرور ہنسے اور اظہار فرحت کرتے (فتح الباری)

مقادیروں کی کتابت حضرت مخزومہ جودات علیہ التَّحیۃ والسلام فرماتے ہیں کہ (تقاریر ابراہیم علیہ السلام کے بعد) مجھ کو پھر عروج کرایا گیا یہاں تک کہ میں ایک ہموار میدان میں پہنچا جہاں قلموں کی آواز ز جو لکھنے کے وقت پیدا ہوتی ہے) سنی (بخاری عن ابن شہاب عن ابن حزم عن ابن عباس و ابی جتہ الانصاری)

مولانا اشرف علی دہلوی لکھتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزِ قرہ کے جزئی احکام تھے جو احکام نیکو بینی کے متعلق روح محفوظ سے نقل کیے جاتے ہیں: "اور قاضی عیاض مالکی نے فرمایا ہے کہ یہ نگارش مالک الملک عز اسمہ کے فیصلے اور اس کی وحی ہے جو روح محفوظ سے نقل کی جاتی ہے جو کچھ رب العزت اپنی مخلوق میں کسی تدبیر کا ارادہ کرے اس کو قلم بند کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث مسلک اہل سنت کی مؤید ہے جن کا ایمان ہے کہ وحی اور مقادیر قلموں سے لکھے جاتے ہیں اس باب میں کتاب عزیز کی آیات اور احادیث صحیحہ میں جو کچھ مندرج ہے ظاہر پر محمول ہے لیکن اس کی کیفیت، صورت اور جنس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں اگر خدا سے عزیز ملائکہ و رسل میں سے کسی کو کسی بات پر مطلع فرمادے تو اسے بھی اتنی مقدار کا علم ہو سکتا ہے۔ کوتاہ نظر اور ضعیف الایمان لوگوں کے سوانہ تو کوئی اس کی تاویل کرتا ہے اور نہ اسے محال سمجھتا ہے کیونکہ جس امر کے متعلق شریعت وارد ہوئی ہو اور دلیل معقول اس کی شہادت سے رہی ہو وہ محال

نہیں ہو سکتا (المعراج الکبیر)

اور شیخ عبدالحق دہلوی رقم فرمایا ہیں کہ ملائکہ ان قلموں سے اقدار الہی کی کتابت کرتے ہیں۔
 اگرچہ قصفا اور تقدیر الہی قدیم ہے لیکن مقادیر کی کتابت حادث (یعنی نو پیدا) ہے اور کتاب لوح محفوظ
 کہ جہاں کائنات ثبت ہے اس وقت سے موجود ہے جب کہ ہنوز زمین اور آسمان بھی پیدا
 نہیں ہوئے تھے۔ حدیث کے الفاظ جَعَلَ الْقَلَمُ بِمَآ هُوَ كَاثِنٌ میں اسی طرف اشارہ
 ہے (مدارج)

علامہ نجم الدین عینی المعراج الکبیر میں لکھتے ہیں :-

مُنْتَہَا عَرُوج

امام رضی الدین قزوینی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاؤں مبارک نے عرش معلیٰ کو پامال کیا تھا اور کیا رب السموات والارض
 نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ اے میرے حبیب! عرش عظیم کو اپنے
 نعل مبارک سے مشرف فرما؟

امام رضی الدین نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نعل مبارک کا عرش الہی کو پامال کرنا
 کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ آپ کا عرش کی بلندی تک پہنچنے کا بھی کسی خبر صحیح یا حسن سے
 ثبوت نہیں ملتا۔ یہ محض بے اہل قصہ ہے۔ احادیث میں یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ آپ کا انتہائی
 عروج سدرۃ المنتہی تک تھا۔ اس سے آگے کوئی صحیح طور پر ثابت نہیں۔ البتہ ضعیف اور منکر روایتوں
 میں مذکور ہے لیکن وہ روایتیں کسی طرح قابلِ اعتماد اور درخورِ اعتناء نہیں۔ (المعراج الکبیر مطبوعہ
 مصر، صفحہ ۹۰)

کیا خیر البشر نے
باری تعالیٰ کو دیکھا؟
 صحابہ و تابعین کے زمانہ سے اس مسئلہ میں اختلاف چلا آتا ہے کہ حضور
 سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج باری تعالیٰ عز
 اسمہ کو برآی العین دیکھا تھا یا نہیں؟ یہاں جانبین کے دلائل حوالہ
 قرطاس کیے جاتے ہیں :-

قائلین رویت کے دلائل
 حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ محبوب
 رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا (ترمذی)
 اور امام احمد نے بسند صحیح حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 رَأَيْتُ سَيِّدِي هُوَ دَجَلٌ (میں نے اپنے پروردگار عزوجل کو دیکھا)۔ ابن عباس سے یہ بھی

مروی ہے کہ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ بصرہ اور دوسری مرتبہ قلب کے (رواہ الطبرانی فی الاوسط قال ابن حجر واسنادہ قوی) اور عبد اللہ بن عمر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے قلت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو کلام موسیٰ کو اور روت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی اور عبد الرزاق نے بواسطہ معمر روایت کی کہ امام حسن بصریؒ اس پر قسم کھاتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے پیرو بھی اسی کے قائل ہیں۔ کعب اجار اور زہری اور معمر نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ سے بھی اثبات روایت منقول ہے۔ امام احمدؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج حق تعالیٰ کو نہیں دیکھا اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا قول اُمّ المؤمنینؓ کا جواب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے مَا آيْتُ رَبِّي (میں نے اپنے رب کو دیکھا) اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبد اللہ نے معراج کی جو روایت کی ہے اس کے اخیر میں ہے:-

آپ تدریجاً المنستی تک پہنچے تو صاحب عزت جہاداً ترک یہاں تک قریب ہوا کہ اس کے اندر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان دو کانوں یا اس سے بھی کم کاٹا رہ گیا۔

حَتَّى جَاءَ بِسَدِّ رَأْيِ النَّتْهِ
وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ
فَتَدَلَّى حَتَّى كَانَ مِنْهُ قَابَ
قَوْسَيْنِ أَوْ أَذْنِي
(بخاری کتاب التوحید)

لیکن حضرات محدثین نے شریک کی اس روایت کے اتنے ٹکڑے پر سخت اعتراضات کیے ہیں۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے باب المعراج میں شریک کی یہ سند اور متن کا کچھ حصہ دس کر اس کو ناقص چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد مسلمؒ نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے:-

شریک نے اس روایت میں واقعات کو مقدم و مؤخر کر دیا ہے اور گٹھا بڑھا دیا ہے۔

فَقَدْ مَرَّقِيهِ وَأَخْبَرُوا نَادَا
وَلَقَصَ

اسی طرح امام خطابیؒ لکھتے ہیں:-

صحیح بخاری میں باعتبار ظاہر بھی اور تدقیق سلیم پر شاق گزرنے کے لحاظ سے بھی کوئی

ليس في هذا الكتاب يعني
صحیح البخاری حدیث

اشتم ظاهراً ولا اشتم مذناً
من هذا الفصل فانه يقتضى
تحديد المسافة بين احد
المذکورين وبين الآخر
وتمييز مكان كل واحد
منهما هذا الى ما فى التداى
من التشبيه والتماثل
بالشئ الذى تعلق من فوق
الى اسفل

حدیث فاصلے کی اس روایت سے زیادہ
بیودہ ذیل کے گی کیونکہ یہ حدیث عزیر
اور صاحب المعراج صلی اللہ علیہ وسلم میں
کی متنبہ ی کرتی ہے اور اس سے ہر ایک
کے لیے مکان میتر ہوتا ہے۔ ملاوہ ازیں
اس روایت کے بموجب اگر کر قریب ہونے میں
اس چیز سے مشابہت اور تشبیل لازم آتی
ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف ٹکی
ہو۔

اور علامہ عبدالحق کتاب الجمع بین الصحیحین میں رقم طراز ہیں :-

زاد فیہ یعنی شریکاً زیادۃ
مجهولة واتی فیہ بالفاظ
غیر معروفة وقد سادی
الاسراء جماعة من الحفاظ
فلم یأت احد منهم بما
اتی به شریک وشریک
لیس بالحافظ

اس روایت میں شریک نے مجہول زیادت
کا اضافہ کیا ہے اور غیر معروف الفاظ بیان
کیے ہیں حالانکہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت
نے بھی معراج کے واقعات روایت کیے
ہیں لیکن شریک کے بیان کردہ الفاظ کسی نے
نقل نہیں کیے۔ اصل یہ ہے کہ شریک حافظ
حدیث نہیں تھے۔

اور علامہ ابن عزم نے شریک کی اس روایت کی نسبت لکھا ہے :-

لم نجد للبخاری وصلم
فی کتابیہما شیئاً لایحتمل
مخرجاً الا حدیثین ثم غلبہ
فی تخریجہ الوهم مع
اتقانہما وصحة معرفتہما
وقی هذا الحدیث الفاظ
معجزة -

ہم نے دو حدیثوں کے سوا بخاری و مسلم کی
کسی کتاب میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس
کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ بخاری پر اس حدیث
کی تخریج میں وہم غالب آگیا حالانکہ وہ دونوں
قوی الحفظ ہونے کی وجہ سے اس حدیث کی صحت
کو بخاری پر کھ سکتے تھے۔ یہ حدیث اہل الفاظ
پر مشتمل ہے۔

(فتح الباری جلد ۳ کتاب التوحید ص ۳۷۳)

قرب مکانی یا زمانی مراد نہیں | لیکن اگر حدیث کے اس حصے کو بھی صحیح باور کر لیا جائے تو قاطعی و یاضحیٰ کی تصریح کے بموجب اس سے کوئی

اعتقادی خرابی لازم نہیں آتی۔ چنانچہ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف یا حق سبحانہ کی طرف سے قرب و اتصال کی اضافت میں نہ تو قرب مکانی مراد ہے اور نہ قرب زمانی ہی ہو سکتا ہے۔ یہ قرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی عظیم منزلت اور شرف رتبہ کو ظاہر کرتا ہے اور اگر رب العزت کی طرف نسبت کریں تو اس سے متجانس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائیس و اکرام مقصود ہے۔ اس قرب اور نزدیکی کا وہی مطلب و مفہوم سمجھنا چاہیے جو اس حدیث قدسی میں قرب سے مراد ہے:-

”جس شخص نے میری طرف ایک بالشت قرب چاہا میں اس کے ایک گز قریب ہو جاتا ہوں اور جو مجھ سے ایک گز نزدیک ڈھونڈے میں اس سے ایک باع یعنی دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کی مقدار نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کے پاس دوڑ کر پہنچتا ہوں (رواہ مسلم)

اُمّ المؤمنین صدیقہ | اب نفی روایت کے دلائل سنئے۔ بخاری اور مسلم نے لغایت کی ہے کہ مسروق تابعی نے ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ مادر من! کیا نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ بولیں یہ سن کر تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تین باتیں ایسی ہیں اگر کسی نے ان میں سے ایک بھی کہی تو اس نے خدا پر ہتان باندھا میں نے پوچھا وہ تین باتیں کیا ہیں؟ فرمایا جو تم سے یہ بیان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں اس نے جھوٹ کہا، اور جو شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ آنحضرت نے خدا کو نہیں دیکھا البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا تھا۔ مسروق عرض پیرا ہوئے اُمّ المؤمنین! خدا نے تو خود فرمایا ہے وَكَفَّ سَاقَاكَ كَرْكَةً أُخْرَى۔ بولیں سب سے پہلے خود میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ یہ جبریلؑ تھے۔ میں نے دودھ کے سوا ان کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بزرگ حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی اس تفسیر کا مخالف نہیں۔ ان دونوں کو روایت بصری سے سخت انکار تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی مسلک تھا۔ حضرت ابو ذرؓ کے متعلق دوگ مختلف ابیان ہیں۔ لیکن صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابو ذرؓ غفاریؓ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا تھا تُوْراً آتٰی اَسْمَاکُ (وہ تو زور ہے میں اُس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں) اور مسلم کی دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں نے صرف ایک نور دیکھا اور امام احمدؒ نے بھی ابو ذرؓ سے یہی روایت کی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے ایک نور دیکھا۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ نور سے ابو ذرؓ کی کیا مراد تھی لیکن روایت میں اور آنکھوں میں نور جایل ہو گیا (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۲۹-۴۳۰)

دل کی آنکھوں سے
پھر قائلین روایت میں ہی اس بارہ میں اختلاف ہے کہ صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم نے ریت جیل کو آنکھوں سے دیکھا یا دل سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا۔ روایت قبلی کے متعلق بھی

روایتیں موجود ہیں۔ چنانچہ ابن خزیمہ نے روایت کی کہ حضرت ابو ذر غفاریؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو آنکھ سے نہیں بلکہ دل سے دیکھا تھا (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۲۹) علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مطلق اور مقید دونوں طرح کے قول مروی ہیں۔ پس واجب ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ مسلم نے بطریق ابی العالیہؓ روایت کی کہ ابن عباسؓ نے مَآ كَذَبَ الْخُودُ مَا سَمِعَ اِیْ اور وَكَلَّمَ سَمَآکَ نَزَلَتْ الْخُودُ کی تفسیر میں کہا کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور مسلم نے بطریق عطاءؓ روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے ریت و دود کو دل سے دیکھا۔ اور اس سے بھی بہت زیادہ صریح وہ ہے جو ابن مردودہؒ نے عطار ہی کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہیں بلکہ دل سے دیکھا۔ پس ابن عباسؓ کے اثبات اور حضرت عائشہؓ کی نفی میں جمع اس طرح ہو سکتی ہے کہ نفی کو روایت بصری پر اور اثبات کو روایت قلبی پر محمول کیا جائے اور کہا جائے کہ آپ نے رب العالمین کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا۔

اس کے بعد علامہ مستطانی دیکھتے ہیں کہ روایت قلبی سے یہ مراد ہے کہ جو بینائی آپ کو حاصل ہوئی وہ اس طرح قلب میں پیدا کر دی گئی جس طرح دوسروں کے لیے آنکھ میں پیدا کی گئی ہے اور عقل کے دوسرے روایت کے لیے کوئی شے اور جگہ مخصوص نہیں اگرچہ عادت یہی جاری ہے کہ بینائی آنکھ میں پیدا کی گئی ہے (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۸ ص ۲۲۹-۲۳۰)

درمیان راستہ | شیخ عبدالحق دہلوی مکتبے میں کہ سلف کی ایک جماعت نے توقف کی راہ اختیار کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ ہم اثبات یا نفی میں سے کسی طرف بھی جزم نہیں کرتے۔ قرطبی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ دلیل قاطع کسی جانب نہیں۔ قائلین روایت و عدم روایت نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے وہ باہم متعارض ہیں اس لیے کسی پر وثوق نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے قطع نظریہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں کہ اس میں اولیٰ قلیہ پراکتفا کیا جاسکتا بلکہ معتقدات میں سے ہے جن میں قطعیات کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے،

لیکن راقم الحروف کے نزدیک سب احوط طریق اور معتدل راستہ بین بین کا ہے یعنی روایت قلبی کا اعتقاد رکھنا۔ اس سے تمام روایتوں میں جمع و تطبیق ہو جاتی ہے اور نزاعات مٹ جاتے ہیں۔ داخلہ جنت سے پہلے کسی انسانی آنکھ کو اس کی صلاحیت نہیں بخشی گئی کہ رب العالمین عز اسمہ کو برآی العین دیکھ سکے۔ اسی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کی طلب دیدار پر معذرت جواب ملا تھا کہ تَنْتَهِیٰ عَنْ تِلْكَ الْأَنْبَاءِ (تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے) چونکہ خدا سے حکیم کو دار دنیا میں اس گلی اُصول کا توڑنا منظور نہ تھا اور حضرت سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و محبوبیت بھی اس کی مقتضی تھی کہ آپ نوازش خاص سے سرفراز فرمائے جائیں، اس لیے خدا سے دودنے شب معراج اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو یہ صلاحیت بخش دی کہ اپنے خالق کو گاہ کا اسی طرح دیدار کرے جس طرح اہل جنت ان دو آنکھوں سے ذات باری کو عیاں دیکھیں گے۔ اسی صلاحیت پزیری کے لیے عروج سہادی سے پہلے آپ کے دل مبارک کو سونے کے ظرف میں آب زمزم سے دھونے کا تکلف و اہتمام کیا گیا تھا تا کہ قلب شریف میں عالم ملکوت اور ذات باری کے مشاہدہ کی کامل استعداد پیدا ہو جائے۔

سماوی عروج خدا سے | عوام الناس میں مشہور ہے کہ شب معراج خدا نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت مہمان اپنے پاس بلایا تھا مگر یہ خیال سخت بیوقوفانہ اور مضحکہ خیز ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی

قدوس کی طرف نہ تھا

رحمہ اللہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں :-

”حق تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عالم ملکوت کی سیر کرائی کہ آپ کو ان آیات بتیات کا معائنہ کرائے جو عالم بالا ہی کے ساتھ مخصوص تھیں اور وہ عجائبات دکھائے جو خدا سے قدرت بے پایاں پر وال ہیں۔ گویا خدا سے حکیم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو محض ان آیات بتیات کے مشاہدہ کی غرض سے سیر کرائی۔ یہ سیر میری طرف نہ تھی کیونکہ میں لا مکان ہوں اور کسی مکان میں میری سمائی نہیں آؤ جس حالت میں کہ میں ہر جگہ اپنے بندوں کے ساتھ ہوں میرا اپنے بندہ خاص کو اپنی طرف بلانا کوئی معنی نہ رکھتا تھا (الیواقیت والنجواہر)

شیخ عبدالحق کا استعجاب | شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ اخبار و آثار کے اعتبار سے علماء کا کام یہی ہے جو مذکور ہوا لیکن دل میں یہ غلبان رہ جاتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات میں سے بلند ترین مقام اور آسمان کے کمالات میں سے اعلیٰ کمال تھا یہاں تک کہ انبیاء کرام میں سے کسی نبی کو اس شرف میں آپ کی شرکت نصیب نہ ہوئی۔ پس سخت حیرت کی بات ہے کہ آپ کو اس بلند ترین مقام تک رسائی ہو لیکن آپ دیدار الہی سے جو آپ کا سب سے اعلیٰ مطلوب تھا مشرف نہ ہوں (مدارج) اس کی نسبت گزارش ہے کہ اصرار اور عروج سادہ کے جو مقاصد و اغراض تھے وہ آپ کو سب کے سب علی وجہ الکمال حاصل ہو گئے یہاں تک کہ آپ دیدار الہی سے بھی جو آپ کا سب سے اعلیٰ مطلوب تھا مشرف ہوئے۔ لیکن دیدار خداوندی کے لیے یہ ضرور نہ تھا کہ آپ اس ذات بچوں کو سرہی کی آنکھوں سے دیکھیں بلکہ اس کے بجائے آپ کی چشم دل کو نعمت دیدار سے مشرف کیا گیا۔ ٹھیک اس طریق پر جس طرح آپ اپنے خالق یکتا کو سر کی آنکھوں سے دیکھ کر فائز المرام ہوتے حصول مقصد کے لحاظ سے ان دو حالتوں میں سیر کو فرق نہیں۔

مراجعت | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے بیت المقدس تک براق پر جانا تو متفق علیہ حدیثوں سے قطعی طور پر ثابت ہے لیکن بیت المقدس سے سدرۃ المنتہی تک کے عروج اور سدرۃ المنتہی سے مکہ مکرمہ تک کی واپسی کے متعلق مختلف روایتیں ہیں جن میں کوئی بھی ایسی نہیں جس سے آپ کے ذیاب و ایاب کی کیفیت پر کامل وثوق ہو سکے۔ ان میں ایک روایت وہ ہے جسے علامہ کمال دہلوی نے کتاب ”حیات الحیوان“ میں نقل کیا ہے کہ حضرت

حذیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر آسمانوں کی سیر کی اور براق ہی پر مراجعت فرمائی۔
ابنہ حضرت حذیقہ رضی اللہ عنہ کے قول کی سند معلوم نہیں ہوئی لیکن مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں کہ کمال میر
جیسے محقق کی نقل سیر و تاریخ کے باب میں غالباً کافی ہے۔

گھر والوں سے
حضرت علیؓ کی بڑی بہن محترمہ اُمّ ہانی ہند بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ شب
معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت پانے کے بعد بخواب ہو گئے اور صبح
بھی سو گئے صبح سے پیشتر آپؐ ہم کو بیدار کیا۔ نماز فجر کے بعد آپؐ نے فرمایا اُمّ ہانی
میں نے تم لوگوں کے ساتھ نماز عشاء ادا کی جیسا تم نے دیکھا تھا۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا اور مسجد اقصیٰ میں
نماز پر ہی ادب صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ہے جیسا تم دیکھ رہی ہو۔ (سیرت ابن ہشام)

مجمع قریش میں
جب آپ گھر سے باہر جانے لگے تو حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا نے گزارش کی
یا رسول اللہ! رات کے سفر کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے گا ورنہ لوگ آپ کی تکذیب
کریں گے اور آپ کو ایذا دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا اظہار ضروری ہے۔ اُمّ ہانی

نے ایک لڑکی سے کہا کہ آپؐ کے پیچھے پیچھے جا اور اگر مجھے بتلا کہ اس بارہ میں آپؐ نے لوگوں سے کیا گفتگو فرمائی
ہے۔ آپ قریش کے ایک مجمع میں جا کر واقعات معراج کا تذکرہ فرماتے لگے۔ لوگوں کو سخت تعجب ہوا اور کہا محمدؐ!
کیا اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو جو ہم کو یقین دلائے؟ ہم نے ایسی عجیب بات کہی نہیں سنی تھی۔

دو قافلوں کی نشان دہی
آپؐ نے فرمایا اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں ملک شام کو جاتے ہوئے فلاں
وادی میں سربراہ تہلے فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا۔ ان کا ایک

اونٹ بھاگ گیا تھا اور انہوں نے میرے بتلانے پر اس اونٹ کو پکڑا تھا۔ پھر واپسی پر جب صحنان کے مقام پر
فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا تو میں نے لوگوں کو سوتے پایا۔ وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا برتن تھا جو ڈھکا ہوا
تھا میں نے اس کا پانی پی کر اس کو پھر ڈھک دیا۔ اس وقت وہ قافلہ بیضا سے شبنم کو آ رہا ہے ابھی
جا کر دیکھ سکتے ہو۔ سب آگے خاکستری رنگ کا ایک اونٹ ہے جس پر دو دوسے لڑے ہیں۔ ایک
سیاہ دوسرا دھاری دار (سیرت ابن ہشام)

بلا اجازت پانی
قارئین کرام! نے اوپر پڑھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قافلہ کے برتن میں سے پانی
پی کر اس کو ڈھک دیا۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پانی جو آپؐ نے پیا وہ غیر کی
ملک تھا اور اس وقت تک اعدائے دین کے ملک اور خونِ مسلح نہ ہوئے تھے۔

ایسی حالت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالک کے بے اجازت از خود پانی کیوں پیا؟

امام سیلی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جاہلی عرب میں مسافروں کو عام اجازت تھی کہ وہ دوران سفر میں جہاں کہیں ریوڑ پائیں حسب ضرورت دودھ لے لیں۔ ریوڑوں کے مالک اپنے چرواہوں کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ مسافروں کو دودھ مہیا کرنے میں کامل فیاضی اور میر جیشی سے کام لیں پس جس صورت میں کہ ابن اسیر کو دودھ لینے کی عام اجازت تھی پانی توان کے لیے بدرجہ اولیٰ مباح تھا جس کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔

آپ کے بیان کی تصدیق جب آپ نے اتنی تفصیل بیان کی تو چند لوگ اس کا امتحان کرنے کے لیے شام کے راستہ کی طرف اٹھ دوڑے۔ وہی قافلہ آتا دکھائی دیا۔ آپ کے

ارشاد کے بموجب سب آگے خاکسری رنگ کا اونٹ تھا جس پر دو بوسے دودھ سے جوئے تھے۔ ایک بوسہ سیاہ تھا اور دوسرا دھاری دار۔ پھر انہوں نے پانی کے برتن کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے پانی بھر کر ڈھانک دیا تھا سو ڈھکا ہوا برتن تو ملا مگر پانی نہیں تھا۔ اور اس قافلہ کے لوگوں سے بھی دریافت کیا گیا جن کا اونٹ بھاگ جانے کا آپ نے تذکرہ فرمایا تھا وہ کہ میں آچکے تھے۔ انہوں نے کہا واقعی ایسا ہی ہوا۔ اس دلدی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا تھا ہم نے کسی شخص کی آواز سنی جو ہم کو اونٹ کی طرف پکار رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا (سیرت ابن ہشام)

صدیق کے خطاب مستطاب سے حضرت ابوبکر کی سرفرازی جب مکہ منورہ میں واقعہ معراج کا چرچا ہوا تو قریش کو از سر نو مذاق و دل چاہی کا ایک شغلہ ہاتھ آگیا۔ بالخصوص ابو جہل کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ تھی۔ دوسرے بت پرستوں نے تو واقعہ کو محض سا ان خند مزی

بنایا تھا لیکن ابو جہل کے کلبے پر غصے اور حسد کے مائے سانپ ٹوٹ رہے تھے۔ بعض بت پرست حضرت عبداللہ بن عثمان معروف بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا ابیوں صاحب! آپ نے دوست کی بھی کچھ خبر ہے کہ اب انہوں نے کیا شگوفہ چھوڑا ہے؟ پوچھا انہوں نے کیا کہا ہے؟ بولے کہ ہے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا اللہ میں ایک طویل سفر سے نایغ ہو کر راتوں رات وہیں بھی آگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ ایسا کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگ بے کیا تم اس بیان میں ان کی تصدیق کرتے ہو کہ اتنی مسافت پر جا کر رات کے ایک لمحے میں واپس بھی آگئے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! میں تو اس کے میں زیادہ بیدار میں یعنی آسانی خبروں کے متعلق جو صبح شام ان کے پاس آتی رہتی ہیں ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ صبح یا شام کا وقت رات کی مقدار سے بھی کم ہوتا ہے جب حضرت صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا علم ہوا تو آپ نے ان کو "صدیق"

کا قابلِ فخر لقب عطا فرمایا (مستدرک حاکم) اس دن سے جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔

جبریلؑ کی آمدِ مسلم ہے تو آپؐ کا مسکن جبریلؑ پر پہنچنا محال نہیں

دوسری روایت میں ہے کہ اعدائے دین کی ایک جماعت جناب ابو بکرؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی تم نے سنا ہے کہ تمہارے دوست نے ایک اور دلچسپ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے آسمان پر بلایا گیا اور میں تمام آسمانوں کی سیر کر آیا ہوں۔ اب تک تو صرف نبوت کا دعویٰ تھا۔ یہ بیان اُس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بڑھ کر نہیں بلکہ گھٹ کر ہے۔ جب میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان کے فرشتے ان کے پاس آتے ہیں تو اگر یہ بھی کہی آسمان والوں کے پاس پہنچا دیے گئے تو اس میں اچھے کی کیا بات ہے؟ جبریلؑ علیہ السلام ملا اعلیٰ کے رہنے والے ہیں۔ جب میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ کے مسکن پر تشریف لے جانے کا دعویٰ کریں تو کیا میں اس قول میں ان کی تصدیق نہ کروں گا؟

بیت المقدس کا قریش حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے بایوس اور لا جواب ہوئے تو خود حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بمقامِ حجرِ پیچھے اور کہنے لگے کہ آسمانوں کا حال تو ہمیں معلوم

نہیں البتہ بیت المقدس کو ہم نے بادِ بادیکھا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم وہاں پہلے کبھی نہیں گئے۔ اچھا بیت المقدس کا نقشہ اور اس کی آبادی کی ہیئت تو بیان کرو؟ چونکہ آپؐ رات کے وقت وہاں تشریف لے گئے تھے اور شہر اور مسجد اقصیٰ کو نظرِ قمر سے دیکھنے کا کوئی موقع نہ ملا تھا اور نہ اس کی ضرورت ہی تھی، آپؐ کو بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا نقشہ بیان کرنے میں تاثر ہوا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے بیت المقدس کی ایسی باتیں مجھ سے دریافت کر فی شرع کیں جو مجھ کو یاد نہ تھیں میں ان سوالات پر ایسا گھبرا یا کہ اس پہلے مجھ پر کبھی ایسی گھبراہٹ طاری نہیں ہوئی تھی لیکن خدا سے قاور و توانا نے بیت المقدس (کا نقشہ) میرے سامنے کر دیا۔ میں اس کی طرف دیکھتا جاتا تھا اور ان کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا تھا (صحیح مسلم) حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم نے فرمایا کہ بیت المقدس میرے لیے متخیل (مثل) کیا گیا اور میں دیکھ کر لوگوں کو اس کے نشان بتا رہا تھا۔ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ مسجد اقصیٰ کے کتنے دروازے ہیں؟ میں نے ان کو (غیر ضروری ہونے کی وجہ سے) گنا نہیں تھا۔ اب میں نے دیکھ کر ایک ایک دروازہ شمار کیا اور ان کی تعداد بتادی (ابن سعد) پوچھنے والوں کا سر گردہ (حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ہاں) معلوم بن عدی تھا (فیصلی)

بائبل سے استشہاد | سرولیم میں رسالتی گورنر محبوباں متحدہ اگرہ وادہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ واقعہ معراج صرف روحانی خواب تھا نہ کہ جسمانی

سیر و عروج۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابن ہشام کے صفحہ ۲۹۷ میں بھی جو کچھ لکھا ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ معراج عالم رویا میں ہوئی تھی۔ لیکن حاسے حیرت ہے کہ جس صورت میں عیسائی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کا بدن اور روح کے ساتھ آسمان پر چڑھ جانا تسلیم کرتے ہیں تو انہیں داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی سے کیوں انکار ہے؟ عیسائی لوگ تو دفع جسمانی کے عقیدہ میں مسلمانوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں کیوں کہ اہل اسلام کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے براق نام ایک برق سیر سواری لائی گئی تھی لیکن عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کسی سواری اور وسالت کے بغیر آسمان پر اٹھائے گئے۔ بائبل کے عدد نامہ جدید میں جہاں کہیں دفع مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے وہاں کوئی وسالت مذکور نہیں، چنانچہ اعمال میں ہے۔

”یہ کہہ کر وہ ان کے دیکھتے دیکھتے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی لے اسے ان کی نظروں سے چھپایا اور اس کے جاتے وقت جب وہ آسمان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے تو دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس آکھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے گیلیلیری مرد! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو؟ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے اسی طرح پھر آئے گا جس طرح تمہارے آسمان پر جاتے دیکھا ہے“ (اعمال باب اول درس ۱۰-۱۱)

دوسرے منکروں کے | بعض لوگ انکار و اعراض کا یہ غذر پیش کرتے ہیں کہ کوئی ثقیل جسم

غذر ہائے لنگ | کسی مشین کے بغیر اوپر کی طرف نہیں چڑھ سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ آفتاب اور اجتناب جیسے ثقیل اجسام کو ہر روز چڑھتے اور

اُترتے نہیں دیکھتے؟ کیا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک ان سے زیادہ ثقیل

تھا، بعض لوگ معراج جسمانی کی صحت سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں کسی سواری یا اس کے سوار کی اتنی سرعت سیر ہو مسلمان بیان کرتے ہیں خلافت قیاس ہے۔ ان کے زعم میں یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی خاکی جسم اس غیر معمولی تیزی کے ساتھ فلک الافلاک تک پہنچ جائے اور وہاں کی سیر و سیاحت میں مشغول رہ کر چند گھنٹوں میں واپس بھی آجائے۔ اور پھر وہ خاکی جسم بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح بغیر کسی سواری کے نہیں گیا بلکہ براق نام کی برق سیر سواری پر ہر جگہ پہنچا۔

زمین کی حرکت اور آفتاب کی سرعت سیر

اس کے متعلق التماس ہے کہ عقلاً تیز روی کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے یہ امر مسلم ہے کہ بعض کو اکب بہت عظیم ہونے کے باوجود نہایت سریع السیر ہیں۔ مثلاً زمین کی حرکت کو دیکھو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ میں اٹھادون ہزار میل مسافت طے کرتی ہے یعنی ایک منٹ میں قریباً ہزار میل اس تیز رفتاری کے باوجود نہ زمین کے اجزاء میں کوئی تفرق پیدا ہوتا ہے اور نہ سُکانِ ارض کو اس کے متحرک ہونے کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اور سینے۔ جغرافیہ کی درسی کتابوں میں لکھا ہے کہ آفتاب زمین سے سترہ لاکھ حصے بڑا ہے۔ اس کے باوجود ہم روزمرہ طلوع کے وقت برآی العین دیکھتے ہیں کہ آفتاب کا پچلا کنارہ اوپر کے کنارے کی جگہ پر حرکت فلکی یا ارضی کی مزاحمت کے باوجود دو تین منٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ کروڑوں میل کا بُعد مسافت دو تین منٹ میں طے کر لیتا ہے۔ یہ تیزی رفتار خود آفتاب میں موجود ہوا یا آسمان اور زمین میں سے کسی ایک کی حرکت کے باعث ہو، ہمارا مدعا بہر حال ثابت ہے۔

پس جس صورت میں کہ تیزی حرکت کی کوئی انتہاء بالکل تو فعال لما یرید کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ کسی جسم کو اس سے بھی زیادہ تیز روی کی طاقت بخشے۔ جو لوگ قرآن کو کلام الہی یقین کرنے کے باوجود معراج جسمانی کے منکر ہیں ان سے یہ سوال ہے کہ کیا وہ کتاب اللہ کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ ملکہ یمن کا تخت چہم زدن میں یمن سے شام پہنچ گیا تھا؟ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خود میرے زمانہ میں متعدد ایسی بزرگ ہستیاں موجود ہیں جو آناً فاناً مسافت بعیدہ پر پہنچ جاتی ہیں۔ (لاحظہ ہو کتاب الجواب الصیح لمن بدل

دین المسیح جلد ۴ ص ۱۷۰)

ان سب باتوں سے قطع نظر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسرار و عروج اس وار دنیا سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ عالم برزخ سے متعلق تھا جہاں کے حالات کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کر سکتے۔ فلاسفہ نے معراجِ جسدی کے عقلاً محال ہونے پر جو اعتراض کیے ہیں وہ بھی مع جوابات علامہ ممدوح کی کتاب الجواب الصبح (جلد ۴ صفحات ۱۶۶-۱۶۸) میں مندرج ہیں۔

آیات قرآنی سے معراج | جمہور اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ معراج حالت بیداری میں جسم اور روح کو معاہوتی تھی اور اس کی دلیل اجماع امت ہے۔ اس اجماع کا مستند یہ امور ہیں۔ اول یہ آیت قرآنی

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اس غرض سے سیر کرائی کہ اسے اپنے کچھ نشانہا قدرت دکھائے۔ وہ بلاشبہ وسیع و بصیر ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ
لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى
الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي
بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ
أَيِّتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْبَصِيرُ (۱۷: ۱)

سُبْحَانَ کا لفظ تنزیہ یا اظہارِ تعجب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سیر انتہا درجہ کی تعجب خیز تھی اور حیرت انگیز ہونے کی وجہ سے خالق ذوالجلال کی انجوبہ نہائیوں پر دلالت کرتی تھی اس لیے واقعہ اسرار و معراج کا تذکرہ اس لفظ کے ساتھ شروع کیا گیا۔ یہ آیت عروجِ جسمانی کی بین دلیل ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے بندہ کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک رکھ چاہیں دن کی مسافت ہے (سیر کرائی۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ روح اور جسم دونوں کے مجروح کا نام ہے۔ اس کی دلیل قول ربانی ہے۔

أَمَّا آيَاتُ الذِّكْرِ يَنْهَى
عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۝
(۹۶: ۱۰)

کیا تم نے اس شخص (ابو جہل) کے حال پر نظر کیا کہ جب ہمارا بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اسے منع کرتا ہے۔

اور فرمایا:-

اور جب خدا کا (مقبول) بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ بتاتے قرآن

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ
يَدْعُوهُ كَأَنَّهُ يَكُونُ ثَوْنًا

عَلَيْهِ لَبَدًا ۝

(۱۹ : ۷۲)

سننے کے لیے) اس پر بھیڑ لگا کر ایک دوسرے سے چٹنے جاتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں بھی بندہ کا لفظ جسم اور روح دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ اگر معراج حالت خواب میں روحانی حیثیت سے ہوتی تو جس وقت قریش نے حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی یا بیت المقدس اور اپنے قافلہ کے حالات دریافت کیے تھے اس وقت آپ بسہولت جواب دے دیتے کہ میں اس میرد عروج کے بحالت بیداری واقع ہونے کا کب مدعی ہوں جو تم ایسے سوالات کر رہے ہو اور آپ بیت المقدس کی ہیئت اور کیفیت بیان کرنے میں مضطرب نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ نہ صرف قرآن حدیث کے اسلوب کلام میں بلکہ ہر بول چال کے اندر جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے اور اس کے بیان کرتے وقت خواب کا کوئی ذکر نہ ہو تو محاورہ زبان کے مطابق اس بیان کے ہمیشہ ہی معنی ہوتے ہیں کہ یہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا تھا۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں اسرار کی غرض وغایت یہ بتائی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشان ہائے قدرت کا مشاہدہ کرایا جائے لیکن مکہ معظمہ میں تو کوئی ایسے نئے نشان ہائے قدرت ظاہر نہ ہوئے تھے جو آپ کو دکھائے گئے ہوں اور دوسرے لوگوں نے اس کی دید پر قدرت نہ پائی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو بالضرور ایسے نشان دکھائے گئے جن کے دیکھنے سے دوسری آنکھیں محروم تھیں۔ پس وہ وہی نشان ہائے قدرت تھے جو آپ نے عالم برزخ میں اور آسمانوں پر مشاہدہ فرمائے۔ انہی مشاہدات کے متعلق رب العالمین عزوجل نے قریش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا دَايَ
اَفْتَسَرُّوْنَهُ عَلَىٰ مَا يُرَايَ
وَلَقَدْ سَرَّاهُ نَزْلَةً أُخْرٰى
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاوٰى
اِذْ يَفُشّٰى السِّدْرُ سَرَّاهُ مَا
يَفُشّٰى ۚ مَا تَرَاعَا الْبَصَرُ

(میر علیہ السلام کے) قلب نے اپنی دیکھی ہوئی چیز میں کوئی جھوٹ داخل نہیں کیا تو کیا ان کی دیکھی ہوئی چیز میں ان سے نزاع کرتے ہوئے انہوں نے ان (جبریل) کو ایک اور تجربہ بھی (ان کی اصلی صورت میں شب معراج) سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا ہے۔ اسی سدرہ کے پاس جنت الماویٰ ہے اس وقت سدرہ پر چھارہ بتا جو چھارہ تھا (یعنی انوار الہی جو ہر طرف سدرہ کو آٹا

وَمَا ظَنِّي . لَقَدْ دَاوَى

مِنْ أَيْتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى .

(۵۳ : ۱۱ - ۱۸)

کہے ہوئے تھے) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نہ تو (مرئی) سم

ہوئی اور نہ (مقصود سے) متجاوز ہوئی۔ انہوں نے اشبہ علاج

لپٹے پروردگار کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

یاور ہے کہ کوئی انسان فرشتوں اور جنوں کو ان کی اصلی شکل و صورت میں نہیں دیکھ سکتا۔ ان کی عیاں اید صورت نور نبوت کے ذریعہ سے ممکن تھی۔ چنانچہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ قارہ رار میں جبکہ انہوں نے شرق سے غرب تک تمام آفاق کو گھیر لیا تھا اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے پاس جس کا آیت مذکورہ اور ان احادیث میں مذکور ہے جو پہلے درج ہو چکی ہیں۔ ورنہ جبریل علیہ السلام عموماً حضرت رحیمہ کلبیہؑ کی شکل میں نظر آیا کرتے تھے جو ایک نہایت خوش جمال صحابی تھے۔

شیخ محی الدینؒ کا استدلال حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے کتاب فتوحات مکیہؒ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج کے اثبات

میں بخجلہ دوسرے دلائل حقہ کے یہ ایک لطیف دلیل بھی زیب رقم کی ہے کہ اگر معراج نبویؐ بعض روحانی ہوتی تو آپ کو پیاس نہ لگتی کیونکہ مجرد روحوں پر بھوک پیاس کا کچھ اثر نہیں۔ حالانکہ حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دو مرتبہ پیاس لگی اور آپ نے دونوں مرتبہ دودھ نوش فرمایا (الیواقیت و البجاء ہر)

معراج جسمانی سے اُم المؤمنین عائشہؓ کا منکر انکار ابن اسحق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

قال ابن اسحق وحدثني

بعض آل أبي بكر ان عائشة

زوج النبي صلى الله عليه

وسلم كانت تقول ما فقد

جسد رسول الله صلى

الله عليه وسلم ولكن

أُسرى بروحه (بخاری)

ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ کے

خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے ذکر

کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا جسم مبارک گم نہیں پایا گیا بلکہ آپ

کی روح مطہرہ کو میرا گرائی گئی تھی۔

لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ ابن اسحاق کو خود بہت سے محدثین نے ضعیف بتایا ہے۔ پھر ابن اسحاق نے اپنے راوی کا نام بھی ظاہر نہیں کیا بلکہ صرف خاندان ابوبکر کا ایک شخص کہہ دیا ہے اور اس راوی نے حضرت عائشہؓ کا نام لے دیا ہے حالانکہ اس کے اور حضرت صدیقہؓ کے درمیان دو راوی اور ہونے چاہئیں۔ ہر حال اگر خود ابن اسحاق کو ثقہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی سرے سے تین راوی ہی غائب ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی روایت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے بلکہ اس کے برخلاف اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی تھی۔ چنانچہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

الذی یدل علیہ
صحیح قولہا انه
بجسدہ
یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا
صحیح قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج
جسم مبارک کے ساتھ تھی۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے محض اس بات سے انکار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے کہہ کر گوشہ شب معراج آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر ان کے نزدیک معراج خواب کا واقعہ ہوتا تو وہ روایت کا انکار نہ کرتیں۔

فرقہ معتزلہ کا انکار | اسلام کا ایک گم کردہ راہ فرقہ جو آج کل معدوم ہے معتزلہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر تھے۔ وہ اپنے انکار کی دو دلیلیں پیش کرتے تھے۔ ایک تو اُمّ المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ مشہور قول کہ شب معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ جب حضرت امیر معاویہؓ سے معراج نبوی کی نسبت دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک رویا ہے صالح تھا چنانچہ رب عزیز اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا الْإِنسَانَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ سو خود رب العالمین نے معراج کو خواب کا واقعہ بتایا ہے۔

حضرت صدیقہؓ کے قول کی نسبت ابھی لکھا جا چکا ہے۔ اور اگر بفرقہ محال انہی کا ارشاد گرامی تھا تو اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ کا جسم مبارک روح سے مفقود و مفارق نہیں ہوا تھا بلکہ دونوں مجتمع تھے یعنی معراج صرف روح کو نہیں تھی بلکہ جسم اللہ روح دونوں کو ہوئی۔ اور امیر معاویہؓ کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رویا صالح

یعنی رویاے چشم آپ کا چشم دید واقعہ تھا۔ تمام نشان ہاے قدرت بیداری میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ رؤیا رویت کے معنی میں ہے۔ رؤیا اور رویت دونوں راہی کے مصدر ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے راہی سوڈیا (ایسا دیکھا جو دیکھنے کا حق ہے) پس یہ دید عینی تھی۔ اور اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو کسی شخص کو انکار کی گنجائش اور ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر کافر و منکر اور فاسق و فاجر بھی نیند کی حالت میں طرح طرح کے خواب دیکھ لیتا ہے۔ حضور مسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو ایں اں سے بہت ارفع تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے شب معراج جو کچھ دیکھا وہ سب آپ کی بیداری کے عینی مشاہدات تھے۔ اور جو اس ارشاد بانی سے استدلال کیا گیا ہے۔

اور ہم نے اس نظارہ کو جو آپ کو شب معراج
عیاں دکھایا اور اُس درخت (تھوہر) کو
جس پر قرآن میں نفون کی گئی ہے لوگوں کی
آزمائش (کا ذریعہ) ٹھیرایا۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي
أَمَّا يَنْفَكُ لَا فِتْنَةً لِلنَّاسِ
وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي
الْقُرْآنِ ۝ (۱۷: ۶۰)

اس کے متعلق التماس ہے کہ اول تو احتمال ہے کہ اس آیت میں غزوہ بدر یا عمرہ مکہ کا خواب مراد ہو جیسا بعض مفسرین نے لکھا ہے اور اگر واقعہ معراج ہی مراد ہو تو رؤیا بمعنی رویت ہے کیونکہ جس طرح قرنی اور قرابت دونوں قرب کے مصدر آتے ہیں اسی طرح راہی کے رؤیا اور رویت دونوں مصدر زبان عرب میں مستعمل ہیں۔

اور آیت میں رؤیا کے بمعنی رویت استعمال کیے جانے کی تائید اس کی شان نزول سے بھی ہوتی ہے چنانچہ مسند ابویعلیٰ موصی، تفسیر ابراہیم بن منذر، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں اس آیت کی جو شان نزول کئی صحابہ سے منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شب معراج کی صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے معراج کا واقعہ بیان کیا تو وہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگے پھر اس کی نشانی اور علامت طلب کی تو آپ نے بیت المقدس کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس وقت حضرت سیف اللہ خالد رضی اللہ عنہ کا باپ وید بن مغیرہ بولا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کامل درجہ کا ساحر ہے تو اس وقت آیہ مذکورہ نازل ہوئی۔

اس آیت میں جو واقعہ معراج اور تھوہر کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کو لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۔ سو حق پرستوں نے معراج جسمانی کی تصدیق کی اور باطل پرستوں نے اس واقعہ کو

بھوٹ جانا اور درخت زقوم کی نسبت قرآن میں فرمایا گیا تھا کہ یہ دوزخیوں کی غذا ہوگی۔ اس پر بھی اہل حق ایمان لائے اور مکروں نے یہ اعتراض کیا کہ ہر درخت آتش دوزخ میں کیونکر ہوگا، ان دونوں باتوں نے اہل ایمان اور اہل باطل میں امتیاز کی ایک نئی دیوار کھڑی کر دی۔

ایک اور شبہ کا حل | بعض لوگوں کو شریک کی حدیث سے جس کے معنی میں تہ استیغاثہ

بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں پیش آیا اگر یہ غلط ہے کیونکہ شریک محدثین کے نزدیک حافظ حدیث نہیں۔ دوسرے اس لفظ کی زیادت دوسرے حفاظ کے خلاف ہے جنہوں نے معراج کی حدیثوں میں اس لفظ کو نقل نہیں کیا اس لیے یہ زیادت غیر مقبول ہے (روح المعانی)

یا تعدد واقعہ پر محمول کر کے اس زیادت کو قبول کر لیا جائے کہ جاگ اٹھنے کا لفظ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روحانی عروج کے متعلق فرمایا ہوگا کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ جسمانی معراج سے پہلے آپ کو روحانی عروج بھی بہت دفعہ ہوا تھا۔

عروج سماوی بھی جسم | صحابہ تابعین اور اتباع تابعین کی بہت بڑی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرار اور معراج کے دونوں سفر جسم کے ساتھ حالت بیداری میں طے فرمائے۔ وہ بزرگانِ ملت

جن سے خاص طور پر اس کی صراحت ہوئی ہے، ان کے سماعے گرامی یہ ہیں :- حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابی بن کعب، حضرت بکر بن عبدالمطلب، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت عذریہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت شداد بن اوس، حضرت شیب، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت ابویوب انصاری، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابو جہلہ بخاری، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، عفاک، قتادہ، ابن شہاب، ابن زید، حسن بکری، ابراہیم نخعی، مسروق، عکرمہ، ابن جریج، طبری، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ اور یہی تمام فقہائے متاخرین، محدثین، متکلمین اور مفسرین کا مذہب و مسلک ہے۔

مخالفین کا استدلال

لیکن ایک قیل جماعت کا خیال ہے کہ بیت المقدس تک تو اسرار جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا تھا لیکن وہاں سے آسمان تک صرف روح کو معراج ہوئی۔ ان کا استدلال سورۃ بنی اسرائیل کی یہ پہلی آیت ہے :-

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہِ
مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ
الْبَصِیْرُ

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے
کورات کے وقت مسجد حرام سے مسجد
اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے گرد اگر ہم نے
برکت نازل کر رکھی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو
اپنی نشانیاں دکھائیں اور ہی دیکھنے والا اللہ
سننے والا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مسجد اقصیٰ ہی غایت اسرار بتائی گئی ہے اور اسی قدر اسرار پر عظیم
قدرت باری تعالیٰ پر اظہار تعجب کیا گیا ہے اور اسی معراج پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرف
ہونے کی مدح کی گئی ہے :-

اس کی نسبت گزارش ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں صرف اُس سیر کا ذکر ہے جو
مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کرائی گئی بیت المقدس سے آسمانوں پر جانے کا تذکرہ رب العالمین
کی سان وھی نے سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔ عروج سماوی کا بیان آیت اسرار کے متصل شاید اس
وجہ سے نہ کیا گیا کہ دونوں میں لحاظ وقوع اتصال نہ تھا بلکہ بیچ میں بیت المقدس کے مقام
پر انقطاع ہو گیا تھا۔ گویا دونوں سیاحتیں الگ الگ تھیں۔ معراج سماوی کی نسبت
ارشاد خداوندی ہے :-

وَلَقَدْ سَرَّاهُ اَنَّا نَزَّلَہٗ اُخْرٰی
عِنْدَ مِیْدَ سَرَّیْہِ الْمُنْتَهٰی
عِنْدَ مَا جَنَّۃ الْمَاوٰی
اِذْ یَغْشٰی السُّدُ سَرَّیْہِ مَا
یَغْشٰی مَا تَرَاغِ الْبَصَرُ وَمَا
کُنَّا عَلٰی سَرَّایْہِ مِنْ اٰیٰتِ
رَبِّہِ الْکُبْرٰی (۵۳: ۱۳-۱۸)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو (شب معراج)
سورۃ المنتہی کے پاس جہاں (نیک بندوں کی)
آرام جگہ مشیت ہے جبریلؑ کو ایک فود اور بھی
(ان کی اصل صورت میں اپنے پاس) دیکھا جبکہ سورۃ
المنتہی پر چار بار تھا چار بار تھا (یعنی نور) اور
بھی نہ پیغمبر کی نظر ہوئی اور نہ حد سے تجاوز ہوئی۔
کچھ شک نہیں کہ پیغمبر نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے

سماوی آیات کا
اعظم و اکمل ہونا

بلکہ اہل یہ ہے کہ مکہ سے بیت المقدس تک کی سیر میں آپ نے جو نشان ہا قدرت دیکھے وہ ان آیات بقیات کے مقابلہ میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے، جتنے اہم و کثیر نشان ہا سے قدرت آسمانوں پر پہنچ کر آپ کے مشاہدہ میں آئے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آیات سماویہ خصوصاً ایسی حالت میں کہ آسمانوں پر انبیاء کرام بھی قیام فرماتے، آیات ارضیہ سے اعظم و اکمل ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو مسجد اقصیٰ سے آگے آسمانوں پر بھی لے جایا گیا۔ اسی بنا پر تفسیر روح المسانی میں یٰلَیْلَیْکَ مِنْ اَیَّتِنَا رَتَا کہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں، کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔

تاکہ اپنے بندے کو آسمانوں کی طرف
اٹھائیں یہاں تک کہ وہ وہاں کے عجائبات
قدرت کا معائنہ کرے۔

اَنۡیَ لَیْلَیْکَ رَاۤیِی السَّمٰوٰتِ
حَتّٰی یَرٰی مَا یُوٰی مِنْ
الْعَجَابِ

سورۃ نجم کی ان آیتوں کے علاوہ جو اوپر درج ہوئیں صاحب
المعراج صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو جو اپنے
اپنے عروج کے باب میں فرمایا۔

صاحب المعراج کا
اپنا ارشاد گرامی

فَاٰتَلَقَ بِیْ جِبْرِیْلَ حَتّٰی اَتٰی السَّمٰوٰتِ الدُّنْیَا (پھر جبریلؑ مجھ کو لے
گئے یہاں تک کہ آسمان دنیا پر پہنچے) بخاری و مسلم عن قتادہ عن انسؓ (دوسری روایت کے
الفاظ یہ ہیں۔ ثُمَّ عَرَجَ بِنَاۤیِی السَّمٰوٰتِ لِیُخْرِجَ لَیْلَیْکَ رَتَا (مسلم عن ثابت البنانی
عن انسؓ) تیسری حدیث میں ہے۔ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدَیْیَیْ فَعَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمٰوٰتِ (پھر جبریلؑ
میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو آسمان کی طرف لے چڑھے) بخاری و مسلم عن ابن شہاب عن انسؓ
ظاہر ہے کہ سورۃ نجم کی متذکرہ صدر آیتوں میں یا ان ارشادات نبویہ میں کہیں بھی یہ مذکور
نہیں کہ آسمانوں پر آپ کی روج سطر کو معراج ہوئی تھی بلکہ ان سے آپ کا یہ نفس نفیس تشریف
لے جانا آفتاب نصف انوار کی طرح عیاں ہے۔

سرور انبیاءؐ کی خصوصیت | شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ کے باب ۳۶
میں فرماتے ہیں۔

یَاۤیُّہَا مَنْ تَرٰ سُوۡلَی الْاَوَّلَی | کوئی رسول ایسا نہیں گزرے اس بُرائی پر

اُسْرَىٰ بِهِ سَارِكًا عَلَىٰ ذَرْبِ
الْبُرَاقِ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُ لَنُخْرِجَنَّكَ
عَنَّهُمْ فِي رَحْمَةٍ يَا مُؤْمِنُونَ
تَعْرِفُهَا أَهْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

سوار کر کے معراج نہ کرائی گئی ہو۔ البتہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں
دوسرے رسولوں سے جن امور میں امتیاز
و اختصا میں بخشا گیا تھا۔ اہل اللہ عز و
جل پر روشن ہیں۔

(البیہاقیت والجوہر ص ۱۸۵)

لیکن راقم الحروف کے زعم میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جس طرح دین اسلام آدم
علیہ السلام کے زمانہ سے ترقی کرتے کرتے حضرت ختمی مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر پائی تکمیل
کو پہنچا تھا اور آپ تمام انبیاء و رسل کے سر تاج قرار پائے اسی طرح روحانی کمالات کی انتہائی
منزلیں اور قرب خداوندی کے تمام تدریج بھی معراج جسمانی کی بدولت آپ کی ذات گرامی پر
ختم کر دیے گئے۔ علاوہ ازیں فاطمہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہر زمانہ اور ہر انسان کے لیے
عام ہے اس لیے تکمیل دین اور اتمام نعمت کے لیے ضرورت تھی کہ فاطمہ البتین صلی اللہ علیہ وسلم کو
آپ کی ابدی شریعت کی تکمیل کے لیے آیات تینا کا مشاہدہ کرایا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے
لیے آپ کو معراج سے متاز فرمایا گیا۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جس میں کوئی دوسرا رسول آپ کا شریک
سمیم نہیں۔ نجم الدین عینی لکھتے ہیں :-

عادت باللہ بعد العزیز مدوی سے دریافت کیا گیا کہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
میں سے بھی کسی نبی کو اسرار سے نوازا گیا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اسرار بالجسم کا مرتبہ انبیاء
سلف میں سے کسی کو نہیں بخشا گیا۔ یہ حضرت فاطمہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے
ایک خصوصیت تھی۔

اسی طرح حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنے ”خصائص کبریٰ“ اور ”خصائص صغریٰ“
میں معراج کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے (المعراج الکبیر
صفحہ ۷۵)

فصل ۴۰۔ چنات کی سعادت ایمانی اور حضرت سلطان الانبیاء سے ملاقاتیں

دنیا کی تمام قوموں میں کسی نہ کسی حیثیت سے یہ اعتقاد چلا آ رہا ہے کہ جس طرح انسان پہلے ارضی پر بود و باش رکھتے ہیں، اسی طرح ایک غیر مرنی مخلوق بھی زمین پر آباد ہے جس کو جن کہتے ہیں۔ لغت عرب میں جن کے معنی پوشیدگی کے ہیں چونکہ انسانی بصابت اس مخلوق کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے جن کے نام سے موسوم ہوئی۔

تمام آسمانی مذاہب کے پیرو چنات کے قائل ہیں

مسلمانوں کی طرح تمام اہل کتاب یہود، نصاریٰ وغیرہ چنات کے قائل رہے ہیں۔ تورات کتاب پیدائش کے تیسرے باب میں حضرت آدم علیہ السلام کو سانپ کا دھوکا دینا مذکور ہے۔ علماء یہود بالاتفاق اس سانپ سے شیطان مراد لیتے ہیں اور کتاب اول سموئل کے باب ۹ اور ص ۹ میں ہے: "اور خداوند کی طرف سے وہ بڑی روح ساؤل پر چڑھی۔" بڑی روح سے جن اور اسی قسم کی غیر محسوس مخلوق مراد ہے جسے لطافت کی بنا پر روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح انجیل متی کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ شیطان حضرت مسیح کو قریب دینے آیا اور ان کو میل کے کنگرے پر لے گیا اور پھر اونچے پہاڑ پر لے گیا اور وہاں سے دنیا کی ساری بادشاہتیں اور شان و شوکت دکھا کر کہنے لگا کہ اگر تم مجھے سجدہ کرو تو یہ سب کچھ تمہیں دے دوں گا۔ تب مسیح نے فرمایا کہ اے شیطان! دور ہو۔ مسجدہ اور بندگی کا مستحق صرف خدا ہے۔ اور انجیل متی کے آٹھویں باب اور ص ۱۶ میں ہے کہ جب شام ہوئی تو مسیح کے پاس بہتوں کو جن پر جن چڑھے تھے لائے اور اس نے ان بدروحوں کو کلام الہی سے دور کیا یعنی کچھ پڑھ کر بیٹھ دیا۔ اور انجیل متی باب ۹ اور ص ۳۲ میں ہے کہ جس وقت وہ باہر نکلے تو لوگ ایک گونگے کو جس پر جن چڑھا تھا، اس کے پاس لائے۔ جب وہ بدروح نکال دی گئی تو گونگے بولنے لگا اور لوگوں نے تعجب سے کہا کہ اسرائیل میں کبھی ایسا دیکھا نہیں گیا۔ مگر فریسیوں نے کہا کہ یہ تو چنات کے سرزد کی بدو سے چنوں کو نکالتا ہے۔

جَنّات کا اُصولِ پیدائش | بعض علماء نے لکھا ہے کہ چار چیزیں پیدائش کی اہل ہیں۔ ہوا، آگ، پانی، مٹی۔ ان میں سے مٹی اور پانی کو تو ہم دیکھتے ہیں لیکن ہوا اور آگ دکھائی نہیں دیتی۔ آگ نور، شعلہ اور دھواں تین چیزوں سے مرکب ہے۔ نور ضیاء محض کو کہتے ہیں۔ دھواں ظلمت محض ہے اور شعلہ جو مابین متوسط ہے، شرعاً محض ہے۔ جَنّات کو قاتی کر دگا۔ نئے مارج یعنی بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا ہے۔ پس جَنّات کو نوریت کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ اور ظلمت و قاتی کے لحاظ سے شیاطین کے ساتھ مناسبت ہے۔ اسی بنا پر ان میں مطیع بھی ہیں اور نافرمان بھی۔ مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ جس طرح ہوا اور آگ نظر نہیں آتی اسی طرح جو مخلوق ان دونوں عنصروں سے مرکب ہے، وہ بھی دکھائی نہیں دیتی۔

خسکی پر رہنے والے ذی روح انسان، چار پائے، وحوش، طیور، حشرات، مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ پھلیاں اور مینڈک وغیرہ پانی کی نبات اور سبزہ سے پیدا کیے گئے ہیں پس مخلوقات کی چار قسمیں چار اقساموں سے معرض وجود میں آئیں۔ ان میں سے دو جنسیں یعنی ملائکہ اور جَنّات بلندی کی طرف چڑھنے والی ہیں کیونکہ ان کی اصلیں ہوا اور آگ، اوپر کو صعود کرتی ہیں اور دو جنسیں یعنی حیوانات برّی اور حیوانات بھری اپنی اصلوں کے مہبوط کے باعث نیچے کو اترنے والی ہیں اس لیے اوپر کو نہیں جاسکتیں۔ اور پھر ہر جنس کے لیے ضرور ہے کہ جب اس کی پیدائش مکمل ہو جائے تو وہ اپنی اصل کی شکل و صورت چھوڑ کر کوئی دوسری شکل جو اصل کے مشابہ نہ ہو اختیار کرے۔ خود کرو کہ انسانی پیدائش میں گارے اور مٹی کی صورت اُس سے کس طرح زائل ہوئی اور اس نے کس طرح گوشت، پوست اور چہرے میں تبدیل ہو کر انسان کی مخصوص صورت وضع اختیار کرنی۔ اسی طرح ہوا کی صورت ملائکہ اور جَنّات کے اجساد سے زائل ہو گئی ہے اور انہیں لطیف وضع و حیثیت میں مختلف شکلیں بخش دی گئی ہیں۔ ملائکہ اور جَنّات اپنی غایت لطافت کے باعث ہماری نظروں سے اسی طرح مخفی ہیں جس طرح ہم ہوا کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ اجسام لطیفہ میں جو ہوا اور آگ سے بنائے گئے ہیں، اجسام کثیفہ کی نسبت جو مٹی اور پانی سے پیدا کیے گئے، طاقت و استحکام زیادہ ہے۔ اس لیے ایسی مخلوق بہت زیادہ قوی اور طویل العمر ہوتی ہے اور بجلی اور ہوا کی طرح آنا جانا اور بھی پہنچ جاتی ہے۔

جَنّات کے اقسام | جَنّات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ اُن کا مادہ کامل طور پر لطیف نہیں بلکہ کثیف مادہ بھی ان کی ترکیب میں داخل ہے۔ مگر وہ غلبہ لطافت

کے باعث دکھائی نہیں دیتے۔ اس قسم کے جنات میں خیر و شر دونوں مادے ودیعت رکھے گئے ہیں اس لیے وہ بھی انسان کی طرح احکام الہی کے مکلف و مامور ہیں۔ ان کے لیے بھی ثواب و عذاب ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں انسان کے ساتھ ان کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ اس قسم میں ناری مادہ زیادہ ہے اس لیے ان کی سرشت میں غرور و سرکشی بھی زیادہ ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان میں ہوائی مادہ زیادہ ہے۔ ان کے بھی مختلف اقسام ہیں۔ عرب میں انہی اقسام و صفات کے لحاظ سے جدا جدا نام بھی تھے چنانچہ وہ جنات جو انسانوں کے ساتھ رہتے تھے، عام کہلاتے تھے۔ جو جن رکے بالوں کو پریشان کرتے ہیں ان کو ارواح کہتے تھے۔ انہی ارواح کو ہندی میں بھوت پریت کہتے ہیں، اور جو زیادہ سرکش اور موذی ہیں ان کو شیطان کہا جاتا تھا اور جو ایذا رسانی میں ان سے بھی بڑھ کر ہوں ان کو مار اور عنفریت کہتے تھے یعنی وہ جنات جنہیں فارسی زبان میں دیو کہتے ہیں اور جو جنات جنگلوں میں آوازیں دیتے ہیں ان کو ہالفت سے موسوم کر رکھا تھا اور جو جنگل بیابان میں بھولوں کو راستہ بتا دیتے ہیں، ان کو ریحال الغیب کہا کرتے تھے۔

جنات کے جن اقسام میں بدوی مادہ زیادہ ہو ان کو شرکی طرف زیادہ اور خیر کی طرف کم میلان ہوتا ہے۔ اس قسم کے انواع میں تو والد و تناسل کا سلسلہ بھی جاری ہے اور بعض اقسام تو ایسے ہیں جن کو مزاج انسانی سے بہت ہی مناسبت ہے۔ ان کے نام، اُن کا تمدن، ان کی زبان اور ان کے ادیان و مذاہب غرض ہر چیز ملک کی عام انسانی آبادی کی مانند ہے۔ یہ جس شکل میں چاہتے ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور جب چاہتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔

انسان پر جناتی تسلط | جنات اپنی لطافت کے باعث انسان پر تسلط اور اس کے خیالات میں دخل ہو سکتے ہیں اور یہی شیطان کا گمراہ کرنا ہے۔ اسی طرح جن

صالحین امت پر ملائکہ کا تسلط ہو، ان سے ملکی صفات اور انسانی قدرت سے بالاتر افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ نصوص و مشاہدات سے اس امر کا امکان بلکہ وقوع ثابت ہے کہ بعض انسانی امراض میں شیطانیوں کو دخل ہو سکتا ہے۔ وہ بے ہوش کر سکتے ہیں۔ وہ آدمی کو اٹھالے جاسکتے ہیں۔ وہ پتھر برسا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ اکثر اوقات فرشتے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، اس لیے ایسے واقعات بکثرت وقوع پذیر نہیں ہوتے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ جنوں کی پیدائش انسان سے پہلے ہوئی تھی۔

زچہم شیطانی | بعثت نبوی سے پہلے آسمان تک بھی جنات کی رسائی تھی۔ جب احکام

فرشتوں پر نازل ہوتے اور ملائکہ میں باہم ان کا تذکرہ ہوتا تو جنات وہ باتیں سن کر کاہنوں کو آساتے۔
 کاہن ان میں اپنی طرف سے میں جھوٹ ملائے اور تخت غیب دانی پر بیٹھ کر کوہن آناؤ کا غیور بن جاتے۔
 گتے۔ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو بڑے قوی ہیکل فرشتے چوکیدار بنا کر ہر طرف تعینات
 کر دیے گئے تاکہ کوئی جن آسمانی کلام سننے کو آئے تو وہ ان کو شہب سے دفع کریں۔ شہب شہاب
 کی جمع ہے اور شہاب اس بلند شعلہ آتش کو کہتے ہیں جو آتش بازی کے انار کی شکل میں آسمان پر دھڑکتا
 ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسے رجم شیطا طین بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حالت ہو گئی
 کہ جو نبی کوئی جن کلام ملائکہ سننے کے لیے اپنے سابق مقام پر جا بیٹھتا اس پر شعلہ آتش چھوڑا جاتا
 اور اسے جلا کر فنا کر دیا جاتا۔ اس انقلاب کا مقصد یہ تھا کہ جنات کوئی آسمانی کلام نہ سن سکیں اور حق
 و باطل میں اختلاف نہ ہونے پائے یعنی وحی آسمانی کلام شیطانی سے میتر رہے۔

وحی الہی کی غیر معمولی حفاظت | اور صرف اس پر اکتفا نہ کی گئی بلکہ کلام الہی کی حفاظت کے لیے
 یہ بھی انتظام ہوا کہ نزول وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی چاروں طرف محافظ فرشتے متعین کر دیے جاتے تاکہ وہاں جنات و شیطا طین کا گزر نہ ہو۔ ہمارا
 جبریل امین کی زبان سے کلام وحی سن کر کسی دوسرے سے جا کہیں یا القاء دوسرے کی کوشش کریں۔
 الغرض مبعوث کے بعد رمی بالشہب کی سخت بھرمار ہوئی۔ چونکہ یہ امر خارق عادت تھا، بعض لوگوں
 کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں دنیا کی بربادی کا سامان تو نہیں؟ آخر اس امر کی تفتیش کی گئی کہ یہ رمی بالکواکب
 ہے یا رمی بالشہب؟ آخر جب یہ ثابت ہوا کہ یہ رمی بالکواکب نہیں بلکہ شعلہ زنی ہے تو معلوم ہوا کہ
 دنیا میں کوئی غیر معمولی انقلاب برپا ہوا ہے (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح لابن تیمیہ م)

ابلیس سے جنات کا شکوہ | الغرض جب جنات نے معمول کے خلاف آسمان تک اپنی رسائی
 نہ دیکھی اور رمی بالشہب کی بھرمار ہوئی تو انہوں نے ابلیس سے

اس کا شکوہ کیا۔ اس نے کہا اس کی علت بجز اس کے کچھ نہیں کہ دنیا میں کوئی امر عظیم حادث ہوا ہے
 اس لیے اطراف و اکناف عالم میں پھیل جاؤ اور ہر جگہ پھر کر اس کی علت معلوم کرو۔ جنات کی مختلف
 ٹولیاں مختلف اقطار عالم میں پھیل پڑیں کچھ جنات حجاز بھی آئے۔ وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بارہا
 عکازہ کو جاتے وقت بطن نخلہ میں پہنچے اور یہاں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دو پہاڑوں کے درمیان
 اپنے اصحاب کے ساتھ نماز صبح پڑھتے دیکھا۔ جب انہوں نے آپ کی قرأت سن کر قرآن کا اجماع
 معلوم کیا تو آپس میں کہنے لگے کہ بس وہ نیا سبب جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان عایل ہوا

یہی ہے۔ پس وہ اپنی قوم میں واپس گئے اور کہنے لگے اے قوم! ہم نے عجیب طرح کا قرآن سنا ہے جو نیک راہ دکھاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم تو آئندہ کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں کریں گے۔ پس حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ جن نازل فرمائی۔ اس واقعہ کو جسے میں کسی سابق فصل میں مختصراً لکھا آیا ہوں امام احمد بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور محدثین کرام کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نصیبین کے جن تھے جو دیار بکر کا ایک شہر ہے (نوع المعانی)۔

جنات کو قرآن سننے کا اشتیاق یہ واقعہ جو مکہ معظمہ میں رونما ہوا ایلتہ الجن (جنوں کی رات) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سورہ جن کی انیسویں آیت کا ترجمہ یہ ہے: "جب بندہ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی عبادت کرنے کھڑے ہوئے تو جنات

نے سماع قرآن کے شوق میں اتنا ازدحام کیا کہ (نزدیک تھا کہ ایک دوسرے سے چسپید ہو جائیں) بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جنات نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا کہ کس خشوع و خضوع سے اپنے فائق کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر انتہائی غلوں کے ساتھ اس کا کلام پاک پڑھ رہے ہیں۔ پھر کبھی جھکتے ہیں کبھی اپنے موی کریم کے آگے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں اور آپ کے اصحاب ہیں کہ دست بستہ صف باندھے پیچھے کھڑے ہیں اور جس طرح اللہ کا محبوب پیشوا اُمت کرتا جاتا ہے، وہ بھی اُس کا اتباع کرتے جا رہے ہیں۔ تو جنات نے یہ عجیب حالت دیکھ کر قرآن مجید سننے کے اشتیاق میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بھیر لگا رکھی تھی اور کچھ ایک دوسرے سے چپٹے جاتے تھے (مدارک)۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ جنات جب یہاں آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو معتقد اور مومن ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور یہ واقعہ اپنے ہم قوموں کے گوش گزار کر کے سب کو قبول ایمان کی ترغیب دی۔ لیکن آپ کو ان کے آنے جانے کی خبر نہ ہوئی۔ رواہ ابن المنذر عن عبد الملک (نوع المعانی)۔

درخت کا جنوں کی آمد سے مطلع کرنا مسروق تابعی سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں کی آمد کا کیونکر علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درخت نے اس کی اطلاع دی تھی (مجمع مسلم مع شرح مطبوعہ نو لکھنؤ جلد اول صفحہ ۱۸۴)۔

امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا سے قدریں جہاد میں چاہے قوت تیز پیدا کر دے۔ اللہ اس کی نظیر ارشاد ربانی ہے۔ **وَرَأَىٰ مِنْهَا لَمَّا يَغْلِبُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ** (اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو خوف الہی سے گر پڑتے ہیں۔ ۲: ۷۷) اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔ **وَرَأَىٰ مَنْ شَاءَ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَلَا يَكُنْ لَا تَقْضُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ** (اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہیں مگر تم لوگ ان کی تسبیح و تقدیس کو نہیں سمجھتے۔ ۱۷: ۴۴) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں اس پتھر کو سچا پتا ہوں جو کہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ اور ان دو درختوں کی حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے پاس آگئے تھے اور ستون کے رونے کی حدیث اور طعام کا تسبیح پڑھنا وغیرہ واقعات اس سلسلہ میں قابل توجہ ہیں (مسلم مع شرح جلد اول ص ۱۸۵)

تین سو چنوں کا حضرت فخر عالم کی ملاقات کو آنا کعب اجار کا بیان ہے کہ نصیبین کے حق بطن نخلہ سے واپس گئے تو اپنی قوم میں پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ چنانچہ وہاں کے جانا تین سو کی تعداد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے اور حجوں میں قیام کر کے اپنا قاصد بارگاہ نبوی میں بھیجا۔ اس نے آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور امتاس کی کہ میری قوم آپ کی ملاقات کے لیے حجوں میں حاضر ہے۔ ان کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے وعدہ فرمایا کہ ان شراذم میں لات کا کچھ حصہ گزرنے پر حجوں پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ رہاں تشریف لے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سورۃ الرحمن پڑھ کر سنائی۔ جب آپ قیامی آگ لگا کر چلے گئے تو وہ ہر مرتبہ کہتے کہ ہم اپنے رب کی کسی آیت کی تکذیب نہیں کرتے۔ اے ہمارے رب! تو ہی ہر حمد کا مستحق ہے۔ یہ واقعہ ربیع الاول میں نبوت کے گیارہویں سال پیش آیا اور دوسری روایت میں ہے کہ ہجرت سے تین سال پیش واقعہ پڑھا تھا (روح المعانی)

طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردودہ نے جبر سے روایت کی کہ جنات کے دو دو مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور حسب بیان خواجهی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے چنوں کو چھ مرتبہ تعلیم و افادہ سے مشرف فرمایا تھا (روح المعانی)

جنتوں کے ایک وفد کی آمد کا تذکرہ سورۃ احقاف میں بھی ہے۔ اس وفد نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا تھا کہ بھائیو! ہم ایک عجیب کتاب سُن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ (قرآن ۴۶: ۳)

انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نظر انداز کر کے جناب موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا۔ اس سبب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر تمام اہل کتاب متفق ہیں۔ یا یہ وجہ تھی کہ انجیل اکثر شرائع میں تورات کے تابع ہے اور تورات قرآن کی طرح مستقل کتاب ہے۔ پس وفد کا مقصود یہ تھا کہ جیسی مستقل کتاب موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اسی طرح مستقل کتاب یہ آئی ہے۔

نبی علیہ السلام کو بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ چنانچہ امام احمد، مسلم، ترمذی، جنات کا مدعو کرنا اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد

غلقہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ حضرات میں سے کوئی بزرگ لیلۃ الجن میں سرور و جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ البتہ ایک اور رات ہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ اپنا نمک منقود ہو گئے۔ ہم نے آپ کی بہتری تلاش کی لیکن آپ کو کہیں نہ پایا۔ دادیوں اور دروں میں پھر بھرا کر دیکھا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ خدا نخواستہ آپ کو کوئی جن نہ اٹھالے گیا ہو یا آپ کو خفیۃ قتل نہ کر دیا گیا ہو۔ ہم نے ساری رات سخت قلق اور انتہائی اضطراب میں گزاری۔ ہمارے لیے یہ ایسی منحوس رات تھی کہ مسلمانوں کے لیے اس سے بدتر رات کبھی کوئی نہیں آئی تھی۔ صبح ہوئی تو اپنا نمک کیا دیکھتے ہیں کہ آپ حمار کی طرف سے تشریف لارہے ہیں۔ ہم نے گنارشل کی یا رسول اللہ! شب گزشتہ آپ کو نہ پایا تو ہم لوگ آپ کی تلاش میں سرگرداں رہے لیکن آپ کہیں نہ ملے۔ ہم نے رات ایسے رنج و اضطراب میں بسر کی کہ آج تک قوم کو ایسی شرانگیز رات سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ رات کو جنتوں کا قاصد آکر مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد آپ ہم لوگوں کو اُس مقام پر لے گئے اور ان کے قیام گاہ اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے زاوراہ کے لیے درخواست کی تو میں نے کہا کہ ہر ہڈی ربا گوشت، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور تمہارے ہاتھ لگ جائے تمہارا تو شبہ ہے اور اونٹ اور بکری کی مثلنیاں تمہارے چار پایوں کا چارہ ہے۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

صحابہ سے فرمایا کہ ان دونوں چیزوں سے استنجانہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں کی غذا ہے۔ یہ جنات جزیرہ کے رہنے والے تھے (صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۴)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ تو مومن جنات کا طعام ہے لیکن غیر مومن جنات کی غذا کے متعلق دوسری حدیثوں میں مروی ہے کہ ان کا کھانا وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (شرح مسلم)

فصل ۲۰۵۔ طائف کا تبلیغی سفر

جب دعوت الہی کے مناد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات ابی طالب کے بعد دیکھا کہ اہل مکہ کو ہنوز قبول حق سے اعراض ہے اور دعوت توحید کا حجاب نہ صرف اینٹ پتھر سے دیا جاتا ہے بلکہ از سر نو آپ کی جان لینے کے منصوبے ہو رہے ہیں تو ارادہ کیا کہ سر دست قرب و جوار میں جا کر اغیار ہی کو اسلام کی طرف بلائیں۔ چنانچہ ابو طالب کی وفات کے چند ماہ بعد یعنی نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں اپنے متبعی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر قبیلہ بنو بکر میں تشریف لے گئے۔ لیکن انہوں نے اپنے ہاں نہ ٹھہرنے دیا۔ پھر قبیلہ قحطان میں قدم رنجہ فرمایا۔ وہ بھی شرارت و بداندیشی سے پیش آئے۔ وہاں سے شہر طائف کا قصد کیا جو قبیلہ ثقیف کی مرزبوم تھی۔ گو مکر معظمہ کی طرح طائف بھی آپ کے لیے بھڑوں کا پھٹا بنا ہوا تھا تاہم آپ تن بہ تقدیر بیاں پہنچے۔ طائف مکہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق کی طرف ایک زرخیز، سبزہ زار اور خوش سواد مقام ہے۔

رؤسائے طائف کی بد اخلاقی | آپ طائف میں دس دن ٹھہرے اور وہاں کے ہر سربراہ اور گئے۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبد یلیل بن عمرو، مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو۔ آپ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور اپنی آمد کی غرض بیان کی۔ لیکن یہ تینوں بھائی سخت بد اخلاقی سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ امر محال ہے کہ اللہ لے تم کو اپنا پیامبر منتخب کیا ہو۔ دوسرا بولا کیا اللہ کو اپنی تبلیغ رسالت کے لیے تمہارے سوا کوئی اور شخص نہ مل سکا تھا؟ تیسرے نے کہا کہ میں تم سے ایک بات بھی نہیں کرتا کیونکہ اگر تم حبیب کہتے ہو واقعی اللہ کے رسول ہو تو تمہاری بات کی تردید کرنے میں انتہا درجہ کا خطرہ ہے اور اگر تم اپنے دعوے میں کاؤب ہو اور اللہ پر افترا پر دانی

کر رہے ہو تو تم اس قابل ہی نہیں کہ تم کو اپنا مخاطب بناؤں۔ آپ ان کے پاس سے اٹھ آئے اور ثقیف کی طرف سے مایوس ہو کر مراجعت فرما ہوئے۔ (ابن سعد و ابن جریر طبری)

لوندے اور اوباش حبیب | غرض اہل طائف نہ صرف بد افلاقی سے پیش آئے اور سختی سے تبلیغ کی ممانعت کی بلکہ لوندوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ ایسی لشکر ہر طرف سے ٹوٹ پٹا اور گایاں

دینے اور شور مچانے لگا۔ اس کے بعد آپ کی ذات اقدس پر بے پناہ سنگ باری شروع کر دی۔ آپ جدھر کا رخ کرتے، یہ اشقیاء برابر آپ کا تعاقب کر کے پتھراؤ اور دریدہ دہنی کرتے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو آنحضرت کی ڈھال بنا رکھا تھا اور ان کی یہ کوشش تھی کہ جو پتھر بھی آئے وہ آقا کے جسم طہر پر پڑنے کی بجائے ان کے گلے لیکن جب چاروں طرف سے بے پناہ سنگ باری ہو رہی تھی تو زید بیچا لے آپ کو کہاں تک محفوظ رکھ سکتے تھے۔

نعلین کا خون | اتنے پتھر پڑے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد طہر لہو لہان ہو گیا اور نعلین مبارک خون میں چھپ گئی۔ جب تیرہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور ہو کر ذرا آرام فرمانے لگے تو خدا نادر حملہ آور بازو مبارک تمام کر کھڑا کر دیتے۔ اس کے بعد جب آپ چلنے لگتے تو پھر سنگ باری شروع کر دیتے اور ہنسی اڑاتے، گایاں دیتے۔

زور اخیار و از دیوار سنگ باری آید

بلای درد منداں از درد دیوار می آید

گو حضرت زیدہ بھی زخموں سے نڈھال تھے لیکن چونکہ اصل نشانہ آپ ہی کی ذات والا تھی جسم مبارک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو مجروح نہ ہو اور جس سے خون کے فوارے نہ چھوٹ رہے ہوں۔ آخر آپ نے ایک باغ کے اندر انگور کی ٹیلیوں میں پناہ لی اور لوندوں اور اوباشوں سے پچھپا چھوڑا یا زاتح ابن جریر طبری، سیرۃ ابن ہشام، الروح المعانی

منجد خون میں سے | طائف میں رو سائے مکہ کے بھی باغ تھے جس کی وجہ سے اکثر ان کی آمد و رفت یہاں رہتی تھی۔ یہ باغ جس میں سرور کوئین علیہ الصلوٰۃ والسلام پناہ گزین ہو پیروں کا مشکل نکلتا | امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نانا عقبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ بن ربیعہ کی ملک میں تھا اور عقبہ اور شیبہ اس وقت باغ میں موجود تھے۔ باغ میں اطمینان کی سانس لینی نفیب

ہوئی تو حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے اولاً آپ کے جسم اطہر کا خون پونچھا اور پھر اپنے زخم صاف کرنے لگے چونکہ آنحضرتؐ کے نعلین میں خون بہت جم گیا تھا۔ آپ وضو کرتے وقت اپنے پیر میں نکل کے (تاسخ ابن جریر مدارج)

و وضو سے فراغت پا کر آپ قبلہ رو ہو بیٹھے اور ہاتھ اٹھا کر رب السموات والارض کی بارگاہ معلیٰ میں التماس کی۔

بارگاہ رب العزت میں مناجات

اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ اَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيلَتِيْ ۝ اِهْوَانِيْ عَلَي النَّاسِ يَا رَحِمَ الْوَالِدِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعِفِيْنَ وَاَنْتَ سَرِيْقِيْ اِلٰى مَنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى يَّعِيْدُ يَتَّجِهْ مَعِيَ اَمْ اِلٰى هَدُوْءٍ مَّلَكْتَهُ اَمْرِىْ اِنْ كُنْتُ تَكُنْ سَاخِطًا عَلَيَّ فَلَا اُبَالِيْ خَيْرَ اَنْ عَافَيْتَكَ اَوْ سَعَرْتَنِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرٍ وَّ جِهْكَ اَلِكْرِيْمِ اَلَّذِيْ اَضَامَتْ لَهُ السَّمَوَاتُ وَاَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَاَلْآخِرَةِ اَنْ يُّجَلَّ عَلَيَّ غَضَبُكَ وَ تُنْزَلَ عَلَيَّ سَخَطُكَ وَ لَكَ الْعُتْبَى حَتّٰى تَرْضٰنِيْ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ

(ابن جریر طبری)

اے میں اپنے مجزوبے بیسی اور درگوں کی نظروں میں اپنی حقیر مہ بنامتی کا تجھ ہی سے شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! اے کمزوروں کا توفیق کے مربی! تو ہی میرا آقا و پروردگار ہے۔ اے میرے مولیٰ! اے کریم کارساز! کیا تو مجھے ایسے بیگانوں کے سپرد کرے گا جو مجھ سے نفرت کریں گے یا دشمنوں کے حوالے کرے گا کہ انہیں میرے نیک و بد کا مالک بنائے گا؟ ہاں خدا یا! اگر تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے تو مجھے ان مصائب کی پروا نہیں۔ تیری عافیت اور بخشش میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیری ذات بزرگ کے زور پاک کے وسیلہ سے جس سے آسمان روشن ہوئے تاریکیاں دور ہوئیں اور دنیا اور آخرت کے کامیاب املاک پذیر ہوئے تجھ سے اس بات کی پناہ پاتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل نہ ہو اور اپنی خلی کا سرور بنائے اور مجھ کو جب تک چاہے قیاب کرنے کا حق ہے یہاں تک کہ راضی ہو اور تیری امداد و تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں۔

اس مناجات کے ایک ایک لفظ پر غور

کر دو کہ کس مجروح و دردمند دل سے نکلے ہے۔

مجروح و دردمند دل سے نکلے ہوئے الفاظ

اللہ کا رسول کس عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے رب قدیر کو پکارتا اور اس کی نصرت بخشی کا طالب ملتی ہے۔ اس نے کس طرح اپنے آپ کو اپنے مولا سے کریم کی مرضی مبارک کے سپرد کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دعا و مناجات کسی مامور من اللہ کے سوا جس کا معاملہ براہ راست رب السموات والارض کی جناب سے قائم ہو اور اس کے رحم و کرم کو اپنی امیدوں کا آخری سہارا یقین کرتا ہو کسی اور شخص کی زبان سے نہیں بچل سکتی۔ غنڈوں کا یہ سلوک ایک ابتلا تھا جس میں خدا کے تمام برگزیدہ رسول مبتلا کیے جاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی اور وہی لوگ جو اس بدسلوکی کے مجرم ہیں کچھ عرصہ کے بعد نہایت شرم و خجالت کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوں گے اور آپ کے جان نثاروں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔ رؤسائے طائف جنہوں نے لشکروں اور اواباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا ان کے قبول اسلام کا واقعہ ان تبار اللہ العزیز "شمائل کبریٰ" میں جو راقم الحروف کی زیر تالیف کتاب ہے نظر سے گزرے گا۔

عیسائی غلام کا مشرف بایمان ہونا

گو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نانا عتبہ اور عتبہ کا بھائی شیبہ ہادی

انام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے لیکن شریف الطبع اور عالی حوصلہ آدمی تھے۔ خصوصاً عتبہ تو ایک سنجیدہ اور شرافت مآب انسان تھا۔ سفناے ثقیف نے آپ پر جو سنگ بازی کی، اُس کا دوزخ بھائیوں نے جہنم خود مشاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے آپ کو اس مجبوری اور پریشان حالی میں دیکھا تو بلحاظ خویشی و قربت ان کے جذبات رحم و ہمدردی حرکت میں آ گئے اور عداوت نام نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا تذکرہ زول وحی کی فصل میں حوالہ قرطاس ہو چکا ہے انکسور کا ایک خوشہ طبع میں رکھوا کر روانہ خدمت کیا۔ آپ لوگوں کے قبول حق کے بڑے مشتاق تھے، اس لیے اس خیال سے کہ شاید عتبہ اور شیبہ خوش ہو کر محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیں اور اس ذریعہ سے ان پر تبلیغ حق کی راہ کھل جائے اس تحفہ کو قبول فرمایا۔

طائف کے سفر میں ایک متنفس کو بھی قبول ہدایت کی توفیق نہ ہوئی تھی۔ اس لیے آپ واپسی کے وقت طول و محزون تھے۔ البتہ بیتوا کے عیسائی غلام عداوت کی قسمت میں ایمان کی سعادت لکھی تھی۔ وہ اس سے شرف اندوز ہوا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ جب عداوت نے انکسور کا خوشہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ گو عداوت آپ کے دعوئے نبوت کا شرہ منا کرتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں لیکن اس لحاظ سے کہ دشمنان دین کی غلامی میں انتہائی بے بسی کے دن کاٹ رہا تھا آپ کے در سعادت پر حاضر ہو کر قدم بوسی کا کبھی

شرف حاصل کر سکا تھا جب آپ نے بسم اللہ پڑھی تو عداس کہنے لگائیں تے یہاں والوں کی زبان سے یہ کلام کبھی نہیں سنا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں تینوا کا باشندہ اور مذہباً عیسائی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں تینوا مرد صالح یوش بن نثی علیہ السلام کا وطن، قداس بولا آپ یوش بنی کو جانتے ہیں؟ فرمایا یوش میرے بھائی ہیں۔ میری طرح وہ بھی پیغمبر تھے۔

یہ سن کر عداس نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور عرض پیر ہوا
عداس کا نبی اقدس
 یا رسول اللہ امت مدید گزری جب میں نے آپ کا وصف پاک انجیل میں
کے ہاتھ پاؤں چومنا
 دیکھا تھا اور آپ کی رسالت کی تعریف تو رات میں نظر سے گزری تھی اور
 جان لیا تھا کہ آپ اہل مکہ میں مبعوث ہوں گے۔ وہ آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو جلاوطن
 کر دیں گے اور انجام کار حق تعالیٰ آپ کو نصرت بخشنے گا۔ پھر آپ مکہ میں آئیں گے اور آپ کا دین
 دور دور تک پھیل جائے گا۔ اب مجھے اپنے دین میں داخل کیجئے کہ مدت سے اس سعادت کے
 ادراک کا آرزو مند تھا

دیر است کہ سوداے تو در سینہ ماست

غرض وہ مشرف بایمان ہوا جب وہ حضرت رسالت آب علی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں
 چوم رہا تھا تو غلبہ اور شبیہ دور سے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے لو غلام تو ہاتھ سے گیا۔ جب قداس نے
 قبول اسلام کے بعد معاودت کی تو دونوں بھائی کہنے لگے کم بخت! تجھ پر کون سی آفت سوار ہوئی تھی کہ
 اُس شخص کے ہاتھ پاؤں چوم رہا تھا؟ عداس نے کہا آپ صاحبوں کو معلوم ہو کہ اس وقت روئے
 زمین پر اس عظیم المرتبہ ہستی کی برابر کوئی انسان نہیں۔ میں نے ان کی زبان مبارک سے جو بات سنی
 نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ انہوں نے عداس کو ڈانٹا کہ خبردار کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا۔ تیرا
 مذہب تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب سے بہتر ہے (تاریخ طبری، روضۃ الاحباب، مدارج النبیین)
 بخاری اور مسلم نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی
 کہ ایک دفعہ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت
پھاڑوں کے موکل
فرشتہ کی عرضداشت
 کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی گزرا ہے جو یوم اُحد سے
 زیادہ سخت ہو؟ فرمایا وہ دن میرے زیادہ سخت تھا جب کہ میں نے طائف سے مراجعت کی تھی۔ میں
 رباغ سے نکل کر غزوہ آ رہا تھا۔ جب قرن ثعالب کے مقام پر پہنچا تو اچانک ہادل کے ایک
 ٹھوسے نے آکر میرے اوپر سایہ کر لیا۔ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو جبریلؑ دکھائی دیے۔ انہوں نے

مجھے آواز دی کہ آپ کی قوم کے سربراہ اور دو جہاں نے آپ سے جو کچھ کہا وہ رب العالمین نے سنا اور اس سلوک کا بھی مشاہدہ فرمایا جو آپ سے روار کھا گیا۔ حق تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں ان کے بارہ میں اس کو حکم دیں۔ اتنے میں مجھے فرشتہ جہاں نے آواز دی کہ اے محمد! مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ کی مرضی مبارک ہو تو میں طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملا کر وہاں کی جملہ آبادی کو تھس تھس کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں ایسا نہیں چاہتا بلکہ مجھے خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ انہی کے اصحاب میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیرائیں گے۔

وہ پاکے بھلا بروں کا تو نے چاہا

تعریف کے قابل ہے یہ ہمت تیری

ایذا اعداء سے اور تیرے موئمہ سے دعا

اللہ دے کیا ہے شان رحمت تیری

سفر طائف کے متعلق میوز کی رائے | طائف کے سفر کی نسبت سرولیم میوز لکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سفر طائف میں آپ کی بڑی عظمت

شان ظاہر ہوتی ہے۔ ایک یکتہ و تنہا انسان جسے اس کی قوم نے نظیر حقارت سے دیکھا اور رو کر دیا وہ خدا کی راہ میں اپنے شہر سے نکلتا ہے اور جس طرح یونس نبیؑ نے قینوا جا کر حق کی دعوت دی اسی طرح یہ بھی وطن سے نکل کر ایک بت پرست شہر میں تبلیغ کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ وہ توبہ کریں اور خدا کے نبی پر ایمان لا کر اس کی تائید کریں۔ یہ واقعہ اس حقیقت پر بھی ایک زبردست روشنی ڈالتا ہے کہ آپ کو اس بات کا کامل وثوق تھا کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں (لائف آف محمد)

فصل ۲۰۶۔ طائف سے مراجعت و رائل مطعم کی حمایت و جوا

طائف سے مراجعت فرمانے کے بعد حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چند روز نخلہ میں ٹھہرے۔ اس وقت مکہ معظمہ جانا سخت مخدوش اور خطرات سے لبریز تھا۔ حضرت زید بنے گزارش کی یا رسول اللہ! آپ مکہ کو جہاں ہر وقت آپ کی جان کو خطرہ ہے کس طرح واپس جائیں گے؟

خدا دور ابتلاء کے بعد
اپنے نبی کو غلبہ دے گا

آپ نے فرمایا زید! حق تعالیٰ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے۔ وہ خود ہماری مخالفت کا سامان کرے گا اور موجودہ دور ابتلاء کے بعد اپنے نبی کو غلبہ دے گا۔ اس کے بعد آپ حرار کو روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کے دل میں خیال آیا کہ قریش کی مخالفت نے تبلیغ کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں اس لیے قرین مصلحت یہ ہے کہ عرب کی رسم کے مطابق کسی رئیس کی حمایت حاصل کر کے فریضہ تبلیغ ادا کیا جائے۔ اتفاق سے یہاں مکہ کے بعض باشندوں سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے ایک مکی سے کہا کیا تم میرا پیغام پہنچا دو گے؟ اس نے کہا پہنچا دوں گا۔ فرمایا جا کر احنس بن شریق سے کہنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہش ہے کہ تم مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دو تاکہ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناؤں۔ قاصد نے پیغام پہنچایا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں عرب کا حلیف ہوں اس لیے ان کی مخالفت میں کسی کو اپنے پاس نہیں بلا سکتا۔

اس کے بعد حضرت شہیل بن عمرو کو جو ہنوز دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے یہی پیغام بھیجا۔ انہوں نے بھی حامی نہ بھری۔ حالانکہ اہل عرب کا دستور تھا کہ اگر کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی طالب جوار و حمایت ہوتا تو اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس انکار میں ان کے خاندانی وقار کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ انجام کار آپ کو حضرت جحیر صحابیؓ کے والدہ معظمہ بن عدی کا خیال آیا۔ آپ اس کی نرم دلی سے واقف تھے۔ اس کے پاس بھی یہی پیغام بھیجا۔ معظمہ نے غیر مسلم ہونے کے باوجود آپ کی درخواست قبول کی اور آپ کو مکہ معظمہ بلا بھیجا۔ معظمہ کو معلوم تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرنا تمام قریش کو مخالفت کی دعوت دینا ہے اس لیے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جائیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کا انتظار کریں۔

مُطِعم کا اعلان جوار
جب آپ کو مُطِعم کا پیغام ملا تو آپ نے مکہ معظمہ کا عزم فرمایا یہاں تک کہ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ مُطِعم بن عدی نے اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز بلند پکارا کہ اے گرد و قریش! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے۔ کوئی شخص ان کی ایذا رسانی کا قصد نہ کرے۔ آپ نے حرم میں نماز ادا کی اور کاشانہ اقدس کو تشریف لے گئے۔ اس وقت مُطِعم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے آپ پر تلواروں کا سایہ کیے ہوئے تھے۔

جحیرؓ ہنوز دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

اطہات ابن سعد اس سے شاید یہ غرض تھی کہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے کہ اگر کسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تعریف کیا تو آلِ مطہم کی تلواریں آپ کی تائید میں بے نیام ہو جائیں گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب ابو جہل نے آپ کو مسجد حرام میں دیکھا تو مطہم بن عدی سے پوچھنے لگا کہ تم نے ان کو اپنی حمایت میں لیا ہے یا ان کی پیروی اختیار کی ہے؟ اس نے کہا حمایت میں لیا ہے۔ ابو جہل بولا جس کو تم نے پناہ دی ہے اس کو ہم بھی پناہ دیتے ہیں (ابن جریر طبری)

طوقان ہاے جور و ستم | لیکن حمایت و تائید کا یہ عہد کچھ دیر پا ثابت نہ ہوا کیونکہ آپ قریش کی خواہش کے مطابق اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے کسی طرح باز نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد قوم کا طوقان معاندت از سر نو پوری شدت کے ساتھ اُمنڈ آیا اور آپ پر اور آپ کے پیروں پر عرصہ حیات بدستور تنگ کر دیا گیا۔ لیکن آپ اس سے مطلق ہر اسان نہ ہوئے بلکہ قبائل کا دورہ کر کے اشاعت اسلام میں سرگرم رہے۔

مطہم سے آنحضرتؐ کا نسبی تعلق | یہاں ضمناً آپ سے مطہم بن عدی کا نسبی تعلق بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ بعد منات کے چار بیٹے تھے۔ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل۔ جناب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کی، بنو مطلب مطلب کی، اور بنو امیہ عبد شمس کی اولاد ہیں۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما بنو امیہ میں سے تھے اور مطہم بن عدی نوفل کی اولاد تھا۔ بنو مطلب ہاشمیوں کی طرح حالت کفر میں بھی حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و ناصر رہے اور آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا لیکن عبد شمس اور نوفل کی اولاد آپ سے علیحدہ رہی یہی وجہ تھی کہ جب آپ نے ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ذوی القربیٰ کا حصہ تقسیم فرمایا تو ہاشمیوں کی طرح بنو مطلب کو بھی دیا۔ حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہما جو علی الترتیب عبد شمس اور نوفل کی اولاد تھے، حاضر خدمت ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! بنو ہاشم کی وجہ ترجیح سے تو مجال

انکار نہیں کیونکہ خدا سے برتر نے آپ کو ان میں پیدا کیا ہے لیکن جب بنو مطلب اور ہم دونوں حضورؐ سے ایک سی قرابت رکھتے ہیں تو پھر مطلب کی اولاد کو ہم پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو مطلب اور بنو ہاشم ہمیشہ باہم متحد و متفق رہے ہیں (بخاری)



فصل ۲۰۷۔ فریضہ تبلیغ میں ابولہب اور اہل کی منہجیت

ابولہب کی دریدہ دہنی | ہنود کی طرح عربوں میں بھی میلوں کا بڑا رواج تھا۔ ان میں عکاز، بختہ، اور ذوالحجاز کے میلے زیادہ مشہور تھے۔ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان میلوں میں بھی قدم رنجہ فرماتے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے۔ مگر ایام حج میں قبائل عرب کے پاس یا میلوں میں جہاں کہیں بھی آپ تبلیغ کی غرض سے تشریف لے جاتے آپ کا برگشتہ بھلت چھا عبد العزیٰ معروف بہ ابولہب جو بیت پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے آپ کا سخت دشمن تھا عام طور پر ساتھ ساتھ جاتا اور جب آپ تقریر شروع کرتے تو یہ برابر سے کتار ہوتا کہ یہ شخص صابی ہے۔ دین سے پھر گیا ہے۔ جھوٹا ہے۔ اس کا دماغ چل گیا ہے (مسند امام احمد و طبقات ابن سعد) ان غرض ابولہب نے معوں بنایا تھا کہ آپ وعظ و تلقین کے لیے جہاں کہیں بھی شہر سے باہر تشریف لے جاتے یہ حرمائے نصیب مخالفت و تردید کے لیے آپ کا تعاقب کرتا اور اس وقت تک آپ کا پیچھا نہ چھوڑتا جب تک آپ دعوت و تبلیغ سے فراغت پا کر مراجعت نہ فرماتے مجمع طارق کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ کیا دیکھتا ہوں کہ سوق ذی الحجاز میں حضرت سید الاولیاء والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے اسلام کی دعوت دیتے جازبے ہیں اور پیچھے پیچھے ابولہب پتھر مارتا ہوا آ رہے ہیں جس سے آپ کی پنڈلی اور قدم مبارک ہولناں ہو گیا ہے (ردح المعانی)

ابولہب کی سنگ باری | ایک صحابی ربیع بن جہاد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آغاز شباب میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ گیا۔ اس وقت داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب میں کھڑے ہو کر وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بنی فلاں! میں اللہ کا رسول ہوں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ ربّ علیل تمہیں حکم دیتا ہے کہ اسی ذات پر تر کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے مدد مانگنا چھوڑ دو۔ اللہ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو تمہاری حاجت دعائی کر سکے۔ اس کے بعد فرمایا میری رسالت پر ایمان لاؤ اور میری طرف سے مزاحمت کرو تا کہ میں بقرآنِ خاطر خلقِ خدا کے سامنے وہ آسمانی تعلیمات پیش کر دوں جن کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

جب آپ اتنا کہ چکے تو ایک خوش رو لمبی زلفوں والا آدمی جس نے عدنی عتہ زیب تن کر رکھا تھا پکارا اٹھا اسے بنی قلاں! یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ تم سے لات اور عزیزی کی پرستش چھوڑنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ تم اپنا دین چھوڑ کر اس کی دعوت کو جو سراسر منکرات اور گمراہی ہے قبول کرو۔ اس لیے اس کی کوئی بات نہ سناؤ اور ہرگز اطاعت نہ کرو۔ حضرت زبیر بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں نے والد سے دریافت کیا کہ یہ پیچھے پیچھے جا کر مخالفت کرنے والا کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ ان کا چچا ابولناب ہے (مسند احمد و تاریخ طبری) اور امام احمد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ جب تک آپ تقریر کرتے رہے ابولناب آپ پر خاک پھینکتا اور پتھر ڈھیلے مارتا رہا۔

اسی طرح ابن عبد اللہ محارب بنی کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار فوالمجاز میں دیکھا۔ اس وقت آپ بلند آواز سے فرما رہے تھے کہ لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے۔ ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ایک شخص جس کے ہاتھ میں پتھر تھے چلا اٹھا کہ لوگو! یہ شخص (معاذ اللہ) کذاب (بہت جھوٹا) ہے۔ اس کی بات نہ سناؤ میں نے دریافت کیا کہ پہلے صاحب کون ہیں اور یہ مخالفت کرنے والا کون ہے؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ تبلیغ کرنے والا تو خاندان عبد المطلب کا ایک جوان ہے اور مخالفت مبلغ کا اپنا چچا عبد العزیٰ (ابولناب) ہے (کنز العمال بحوالہ ابن ابی شیبہ)۔

ابولناب کی محرومی عیہ وسلم سے محض نسبی رشتہ کی وجہ سے محبت ہو تو وہ عند اللہ بیکار اور ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے والد ابوطالب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ محبت تھی؟ لیکن اس لحاظ سے کہ وہ محبت برادر زادہ ہونے کے باعث تھی مفید نہ ثابت ہوئی۔ حق تعالیٰ کے نزدیک محبت وہی مقبول ہے جو آپ کے رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رکھی جائے۔ اسی طرح ابولناب کو بھی آپ کی قرابت کچھ سودمند نہ ہوئی بلکہ آپ کی عداوت نے اُسے جہنم کے اُس طبقہ کا مستحق کر دیا جس سے اسفل ورجہ کوئی بھی متصور نہیں ہوتا جائی فرماتے ہیں۔

بیچ سود سے نہ کرواں نسب
شد مقدر و سقوچو بولیش

ابوہیل کی ذلیل حرکت ابوہیل نے بھی مخالفت و مزاحمت کا وہی رنگ اختیار کر رکھا تھا جو

اور پند کو رہنما چنانچہ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تیسرے موجودات صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجاز کے میلے میں گئے میں ہنوز مشرف ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ آپ نے ایک مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر شروع کی جس میں فرمایا دیکھو بھائیو! یقین کرو کہ اللہ رب العالمین عزائم کے سوا کوئی ہستی قابل پرستش نہیں۔ اسی کی عبادت کرو اور بت پرستی سے باز آ جاؤ! جب تک آپ معظ فرماتے رہے ابو جہل خاک اٹھا اٹھا کر پھینکتا اور یہ کہتا رہا کہ اس شخص کے چکے میں نہ آنا۔ یہ تو تمہیں تمہارے معبودوں لات اور عجزی کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے (مسند احمد)

انبیاء علیہم السلام کا بحث
و مناظرہ سے اجتناب

بیان نمٹنا یہ معلوم کر لینا بھی مناسب ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخالفوں سے کوئی لکھی چوڑی بحثیں اور طویل مناظرے نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اس سے سننے والوں کو بہت کم نفع ہوتا ہے۔ اس مقدس جماعت کا اصول تھا کہ جب اعداء بالمقابل مخالفانہ لب و لہجہ اختیار کرتے تو یہ خاموش ہو جاتے اور جب ان کی زبان ورازی ختم ہو جاتی تو پھر بولنے لگتے۔ یہ نفوس طاہرہ اپنے ارشادات حقہ کا تہا بار بار اعادہ فرماتے تھے لیکن مخالفوں کی راڑ خانی کے درپے جواب نہ ہوتے تھے۔ ہاں اگر کبھی فوق مقابل کسی علمی اور عقلی دلیل سے استدلال کرتا تو یہ اس کا جواب دے کر ایک ہی آدھ بات میں اس کو لا جواب کر دیتے۔ اس طرح دشمن کے مونہ پر ایسی ٹہر سکوت لگتی کہ پھر اسے یارے گفتار نہ رہتا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عمرو کو جس طرح لا جواب کیا اور جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے فرعون سے جو گفتگو فرمائی وہ اس حقیقت کی درخشاں مثالیں ہیں۔ بھران کے پادریوں سے حضور تیسرا مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مکالمہ ہوا وہ ان شار اللہ العزیزہ شائل کبریٰ میں سپرد قرطاس ہو گا۔ جب بھرائی پادریوں کا نشان قائد آپ کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا اور آپ نے دیکھا کہ یہ ہٹ دھرمی پر نکلا ہوا ہے تو آپ نے حسب ارشاد خداوندی سچی و نڈے مبالغہ کا مطالبہ کر کے ان کا نالغہ بند کر دیا۔

خرافات کا جواب
خاموشی سے

ہم لوگ تھوڑی سی تردید کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ادنیٰ اسی مخالفت پر آپ سے باہر ہو جاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے عقل سے تحمل دشمن نہایت بلند تھا۔ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ابولسب یا ابو جہل کے خرافات کا کچھ جواب نہ دیتے تھے بلکہ جب تک وہ اپنی مدیدہ دہنی میں مصروف رہتے آپ خاموش کھڑے رہتے اور جب ان کی مخالفت کا سونامی تھم جاتا اور آپ دیکھتے کہ جو کچھ انہیں کہنا تھا کہ

چلے تو بھر اپنی دعوت شروع کر دیتے مگر آپ کی جگہ کوئی قاصر الغم اور کم ہمت متا دہوتا تو دخل در معقولات پر دشمنوں سے الجھ پڑتا بلکہ بسا اوقات انتہا پائی اور گالی گلوچ تک نوبت پہنچ جاتی لیکن آپ اعداء کے تمام تر خرافات کا جواب صرف خاموشی سے دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب ان کی خرافات کوئی اور دشنام دہی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو انہیں سکوت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا۔

آج کل کے بے سود مناظرے | آج کل مناظروں کا جو رواج ہے یہ کچھ منفعت بخش نہیں۔ پس مناسب یہی ہے کہ جب اہل باطل بولیں تو انہیں

علیہم السلام کی طرح اپنی انگ کٹے گیس۔ اہل باطل کے جواب کی طرف توجہ و انہماک سود مند نہیں۔ ہمیں بھی انبیاء و مرسلین کے طریق ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے حق کا تواعدہ بار بار کرنا چاہیے لیکن زیادہ دیر جواب نہ ہونا چاہیئے۔

حیاج میں دعوت و تبلیغ کا خوشگوار اثر | حضرت بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزیز خواہش تھی کہ دعوت حق کی آواز اطراف عالم کے کونے کونے میں پہنچ جائے لیکن چونکہ مکہ معظمہ کے اعدائے دین آغاز دعوت ہی سے اس مبارک کوشش میں مڑا

جاری کر رکھی تھی اور وہ تبلیغ حق کا جواب ہمیشہ زبان تیغ سے دیتے تھے اس لیے آپ نے انجام کا فیصلہ کر لیا تھا کہ آیام حج میں اہل مکہ کو نظر انداز کر کے ان قبائل کو دین حق کی دعوت دینے میں منہمک رہیں جو مکہ کے مختلف حصوں سے وارد مکہ ہوتے ہیں۔ گو یہ دعوت اُس وقت بظاہر کامیاب نہ ہو نتیجہ خیر نہ ہوتی تھی لیکن اس سے بھی آپ کا مقصد تبلیغ کسی حد تک پورا ہو جاتا تھا کیونکہ جب حاجی لوگ اپنے اپنے وطن میں پہنچ کر لوگوں کو یہ خبر سنا تے کہ مکہ میں ایک مدعی نبوت ظاہر ہوئے ہیں جو بت پرستی کی ممانعت کرتے اور ایک خالق کردگار کی عبادت پر زور دیتے ہیں تو آپ کی اجمالی تعلیم بلکہ تمام تر تعلیمات کا خلاصہ اور پختہ ٹک کے کونے کونے میں پہنچ جاتا اور بہت سے سید الفطرت لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقیقت اور مدعی نبوت کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہوتا۔ چنانچہ کئی ایک صحابہ کرام ایسے تھے جو آپ کا ذکر خیر سن کر تحقیق و تفتیش کے لیے مازم مکہ ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر واپس گئے۔

فصل ۲۰۷۔ قبیلہ بنو شیبان کو دعوت حق

جوں جوں اسلام کا سیل صداقت پھیل رہا تھا، قریش کی طرف سے دین حنیف کے (معاذ اللہ) امتیصال کی امکانی کوششیں بھی روبہ ترقی تھیں اور گواس سلسلہ میں داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم پیروان اسلام پر ہر طرف سے ظلم و تعدی کے طوفان اٹھ رہے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ مآئذیل میں ترقی کا غیر مشروط حکم پہنچا ہوا تھا جس میں مقتضائے وقت اور مصلحت اندیشی وغیرہ کی کوئی قید نہ تھی اس لیے آپ ہر مشکل و مزاحم کو نظر انداز کر کے حکم خداوندی کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف تھے۔

جب مکہ مکرمہ سے باہر دعوت اسلام کی بنیاد پڑی اور سرورد دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب کا دورہ شروع کیا تو آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر قبیلہ بنو شیبان میں تشریف لے گئے۔ چنانچہ حاکم ابوسفیم اور بیہقی نے دلائل میں روایت کی کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ابن عباسؓ سے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو قبائل عرب کے سامنے پیش کریں تو آپؐ اپنی طرف روانہ ہوئے۔ میں اور ابوبکرؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہاں تک کہ ہم قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ میں پہنچے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ بڑے نقاب تھے اور انھیں قبائل عرب کے نام و نسب سے پوری واقفیت تھی اس لیے حسب حکم وہی آگے بڑھے اور دریافت کیا کہ کون سی قوم ہے؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں۔ پوچھا تم کون سے ربیعہ ہو؟ انہوں نے کہا بنو دہل ہیں۔

اس وقت مشنی بن عادیہ، مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ اور نعمان بن شریک رکوسا سے قبیلہ وہیں موجود تھے۔ سب سے پہلے مفروق بن عمرو سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ جس پیغمبر کا تم نے تذکرہ سنا ہوگا، وہ یہی ہیں۔ مفروق نے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر آپ سے دریافت کیا کہ اسے قرشی بھائی! تمہاری کیا تعلیم ہے؟ آپ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر آپ پر سایہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ معبود جز حق صرف ذات رب السموات والارض کو مانو۔ بت پرستی چھوڑ دو اور مجھے اللہ کا فرستادہ یقین کرو۔ قریش دین حق کی تبلیغ سے ممانع ہیں۔ انہوں نے رسولوں کو مہلک یا ہے۔

حق کی مخالفت کرتے ہیں اور باطل کے مددگار ہیں۔ مگر خدا سے قدر اپنے دین کو سر بلند کرے گا بہتر ہے کہ آپ حضرات دین حق قبول کر کے اس کے پشت پناہ بن جائیں تاکہ میں اپنا فرض منصبی کہ تبلیغ ہے آزادی سے انجام دے سکوں۔ مفروق نے کہا آپ اس کے بعد میں کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے سورہ انعام کی آیت پڑھی: **قُلْ تَعَالَوْا أَقْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَالْمُنكَرَ الْهُنَافِ** (ترجمہ) اسے پیغمبر! ان لوگوں سے کہئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ کسی کو خدا کا شریک مت ٹھہراؤ۔ والدین کا حق خدمت ادا کرو اور اپنی اولاد کو اخلاص کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تم کو اور ان کو روزی دیتے ہیں اور بے حیائی کی باتوں کے پاس بھی نہ بھٹکو خواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی۔ اور آدمی کی جان جس (کے مارنے) کو اللہ نے حرام کر دیا ہے ہلاک نہ کرو مگر مطالبہ حق کی بنا پر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ (دنیا میں رہنے کا طریقہ) سمجھو۔

مفروق نے کلام الہی سن کر کہا واللہ! یہ اہل زمین کا کلام نہیں۔ اس کے بعد مفروق نے پوچھا کہ آپ ان امور کے علاوہ لوگوں کو کس امر کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا اور قربت داروں کی امداد کرنے کا اور بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہے اور تم لوگوں کو ایسی ایسی نصیحتیں کرتا ہے تاکہ ان باتوں کا خیال رکھو (۱۶: ۹۰)۔ مفروق نے کہا آپ ہمیں مکالمہ اخلاق و محاسن اعمال کی دعوت دیتے ہیں مگر افسوس آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی اور مخالفت کرتی ہے۔ اسی قبیلہ کے دوسرے سردار ہانی بن قبیصہ نے کہا مجھے آپ کے کلمات بہت پسند آئے اور میں ان کو سن کر بہت محظوظ ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ تھوڑا زمانہ گزرے گا کہ رب قدیر مسلمانوں کو ملک فارس اور انہار کسریٰ کا مالک بنادے گا اور ان کی بیٹیاں مسلمانوں کے نکاح میں آئیں گی اور لوگ اللہ کی تقدیس و تسبیح کریں گے۔

الغرض چاروں دوسرے قبیلہ متاثر ہوئے۔ سب نے کلام الہی کی بلاغت کی داد دی اور اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور پاکیزگی کا اعتراف کیا۔ مثنیٰ کہنے لگے کہ انہوں نے جیسا پاکیزہ کلام سنایا دیسی ہی پاک تعلیم بھی پیش کی۔ اس کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے کہا کہ آپ کی باتوں میں انتہاء درجہ کی کشف و جاوہیت ہے اور کلام نہایت حیرت انگیز ہے اور

مجھے کامل وثوق ہے کہ آپ خدا کے سچے پیامبر ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ سر دست ہم آپ کا دین قبول کرنے سے معذور ہیں کیونکہ ہم جس دین کے پیرو ہیں وہ مدتہائے زمانہ سے ہمارا خاندانی دین چلا آتا ہے اس کو دفعہ نہیں چھوڑ سکتے اور ایسا کرنا زود اعتقادی میں داخل ہو گا۔ اس کے علاوہ ہم میں اور کسریٰ شاہ فارس میں معاہدہ ہے کہ نہ ہم کسی مصلح و مجدد کو پناہ دیں گے اور نہ کسی جدید تحریک کو قبول کریں گے چونکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ آپ کی دعوت مفاد کسروی کے خلاف ہو اس لیے ہم بالخصوص اس کے قبول کرنے سے معذور ہیں۔ البتہ ہم قریت و جوار کے عربی حکمرانوں کے مقابلہ میں آپ کی حفاظت و حیانت کا عہد کر سکتے ہیں۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ اعتراضات حق کے باوجود قبول حق سے اعراض کرتے ہیں تو ان کی اخلاقی امداد قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا کہ خدا نے تدبیر اپنے دین کی خود ہی مدد فرمائے گا اور حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر لڑا تھ کھڑے ہوئے۔ تاہم یہ دعوت بے نتیجہ نہ رہی چنانچہ اس واقعہ کے دس گیارہ سال بعد یعنی ۳۰ھ میں حضرت مشنیؓ اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے (فتح الباری، اسد الغابہ، استیعاب)

فصل ۲۰۹۔ مزید تبلیغی دورے

تبلیغی جدوجہد کی وسعت جس دن مطعم بن عدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا اعلان کیا تھا اور آپ مراجعت فرمائے بلدا لائین ہو گئے۔ آپ اسی روز اپنے فرض منصبی پر کمر بستہ ہو گئے اور قبائل کے دورے کر کے تبلیغ دین شروع کر دی۔ آپ نے اجتماع کا کوئی موقع و محل ایسا نہ چھوڑا جس میں مالک الملک عزائمہ کا پیام حق نہ پہنچا یا ہو۔ موسم حج میں حجاج کے قیام گاہوں پر اور عکازہ، بجنہ اور ذوالمجاز کے مسلوں میں تشریف لے جاتے۔ عکازہ، بجنہ اور ذوالمجاز مکہ معظمہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھے۔ عکازہ، طائف اور بجنہ کے درمیان بتایا جاتا ہے۔ بجنہ بھی وہاں سے قریب ہی کسی جگہ واقع تھا اور ذوالمجاز کی جاسے وقوع عرفات سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر بیان کی جاتی ہے۔ عرب من جہاں کہیں بھی کسی اجتماع کا پتہ چلتا وہاں پہنچ کر آپ خدا سے برتر کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے۔

قبائل کی درندگی آپ ہر قبیلہ میں جا کر کہتے کہ فرمان خداوندی کی تبلیغ میں میرا ساتھ دو۔ اس کے عوض میں تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے جہاں کی آبدی نعمتیں

دوال پذیر نہیں۔ مگر کوئی قبیلہ دعوت حق کو ٹھیک نہ کہتا۔ اسی طرح آپ ایک ایک قبیلہ میں پہنچتے اور فرماتے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ تمہیں عرب کی حکومت ملے گی اور ہم تمہاری اطاعت کر سگے گا اور تمہیں نہ صرف دنیوی عروج نصیب ہو گا بلکہ دابر آخرت میں جنت کی بادشاہت سے بھی سرفراز ہو گے۔ مگر ابواب ہر جگہ مخالفت کے لیے ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ آپ کی تبلیغ کے جواب میں آپ پر اترارہ دازیاں کر کے لوگوں کو بھڑکا دیتا اور کہتا کہ اس جھوٹے صابی کی بات نہ سننا، یہ تو خلق خدا کو لات اور عزی کی عبادت سے محروم کر دیتا چاہتا ہے۔ یہ سن کر زیر تبلیغ قبائل براہِ گھٹتہ ہو کر نہ صرف آپ کی بات مسترد کرتے بلکہ معاہدہ سازانی اور دشنام دہی پر اتر آتے اور کہتے کہ یہ تمہارا چچا ہے اور قریش تمہاری اپنی برادر ہی کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ تمہاری حالت سے پوری طرح باخبر ہیں۔ اگر تمہاری دعوت صدق و راستی سے ہمکنار ہوتی تو یہ لوگ تمہاری مخالفت میں اتنی سرگرمی نہ دکھاتے۔ مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ابلیس کی اغوا کو شئی اور بھوک کی نیش زنی ان کا مقتضائے فطرت ہے۔

جب اہل قبائل کی طرف سے آپ پر زیادہ تشدد ہوتا تو آپ فرماتے الہی! اگر تو نہ چاہتا تو ان کا رویہ ایسا سخت نہ ہوتا۔ آپ نے جن قبائل میں جا کر توحید الہی کا پیغام پہنچایا اور انہوں نے آپ سے کج خلقی اور دوندگی کا برتاؤ کیا، یہ تھے: (۱) مخارب بن حنیفہ (۲) بنو فزارہ (۳) بنو فہر (۴) بنو مرہ (۵) بنو سلیم (۶) بنو عبس (۷) بنو نضر (۸) بنو بکر (۹) بنو حارث بن کعب (۱۰) بنو عذرہ (۱۱) بنو حنارہ (۱۲) بنو کندہ (۱۳) بنو کلب (۱۴) بنو مہیفہ (۱۵) بنو عامر بن صعصعہ (ابن سعد)

چند خاص قبیلوں میں
آنحضرت کے تبلیغی مساعی

آپ نے چند خاص قبیلوں میں جا کر جو تبلیغ کی اب اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے: آپ نے قبیلہ کندہ کی منزل گاہ پر جا کر اس کے سردار یثیع سے ملاقات کی اور اسے فاطر السموات والارض کے احکام کی طرف بلایا۔ اس نے آپ کی بات مسترد کر دی اور سخت بے اعتنائی کے ساتھ دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اسی طرح آپ بنو کعب کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ بنو کلب کی ایک شاخ جو عبد اللہ میں بھی پہنچے۔ ان کو رب غیل کی طرف بلایا اور یہ بھی فرمایا کہ میں بنو عبد اللہ اور عبد اللہ سے تمہارے جد کو بہت اچھا نام عطا فرمایا ہے۔ تم لوگ حق کی طرف رجوع کرو۔ مگر انہوں نے بھی آپ کی دعوت کے قبول کرنے سے پہلو تہی کی دیاں سے آپ بنو مہیفہ کے پاس پہنچے جو پیامبر کے

رہنے والے تھے اور ان کو توحید کی طرف بلایا۔ وہ انتہائی کج خلقی سے پیش آئے اور غیر معمولی درشت
 لہجہ میں آپ کو بھرپور دیا اور بڑے غرور سے آپ کی دعوت رد کر دی۔ قبیلہ کذاب اسی قبیلہ کا نہیں
 تھا جس نے ہجرت کے چند سال بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھا دیکھی نبوت کا دعویٰ
 کیا تھا۔

شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس بھی تشریف لے گئے اور
 ان لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلایا۔ اس قبیلہ کا ایک رئیس جسے میجرہ بن فراس کہتے تھے بڑا
 تیز طرز قسم کا آدمی تھا۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کہنے لگا کہ اگر یہ شخص میرے ہاتھ آجائے تو میں تمام
 عرب کو تابع فرمان بناؤں۔ اس کے بعد آپ سے کہنے لگا ہاں صاحب ایہ تو فرمائیے کہ اگر
 ہم آپ کا ساتھ دیں اور آپ ہماری مدد سے دشمنوں کو مغلوب کر کے ملک پر مستط ہو جائیں
 تو کیا آپ اپنے بعد ہمارے لیے حکومت و خلافت کا عہدہ کر دیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ خلافت
 کا معاملہ رب قدر کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے گا میرا جانشین بنائے گا۔ میجرہ بولا کہ
 اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ہم آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنا سینہ ہدف بنائیں اور حکومت
 آپ کے بعد دوسرے لوگ لے جائیں۔ ہم کو یہ منظور نہیں ہے۔ (ابن جریر طبری)

غرض آپ نے ایسے لوگوں کی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا جس لیے اسلام
 قبول نہیں کرنا چاہتے تھے کہ راہ حق کے پیرو ہو کر فلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے بلکہ جاہ پرستی
 کے سوا ان کا کوئی مطمح نظر نہ تھا۔ اگر آپ کی بجائے کوئی خود غرض داعی ہوتا تو ایسے وقت میں جبکہ
 درود دیار سے انکار و اعراض کی صدائیں اٹھ رہی تھیں، حصول امداد کا یہ ایک سنہری موقع تھا لیکن
 آپ کو وثوق کامل تھا کہ قیوم السموات والارض خود دعوت دین کو پروان چڑھائے گا اس لیے
 جاہ پرستی کے مطالبہ کو ناقابل قبول دیکھ کر وہاں سے مراجعت فرما ہوئے۔

غیر معمولی استقلال

حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مشکلات اور مسلسل
 ناکامیوں کے باوجود ساٹھ سال تک اس تنہی اور جانفشانی کے ساتھ
 فرض تبلیغ میں منہمک رہے کہ اگر آپ کی جگہ کوئی غیر مامور اور غیر متوید من اللہ داعی ہوتا تو ٹھکت کر ابد
 مایوس ہو کر بیٹھ جاتا لیکن آپ کی اولوالعزمی اور علقہ تمت میں کوئی ادنیٰ انحطاط بھی رونما نہ ہوا اور
 جبین استقلال میں کبھی ادنیٰ شکن بھی نہ پڑی۔

لیکن ان ناکامیوں سے یہ نہ سمجھتا چاہیے کہ آپ کی یہ دعوت بالکل بے نتیجہ اور غیر ثمرری

کیونکہ گویا عربی قبائل کی فضا اسلام کے خلاف یکساں مسوم تھی تاہم انفرادی حیثیت سے بعض ایسے نفوس قدسیہ بھی موجود تھے جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق کو لبیک کہنے پر بالکل مستعد تھی اور ان کے قلب سلیم کا رنگ بسوالت زائل ہو سکتا تھا چنانچہ آپ کی دعوت توحید نے انفرادی طور پر بہتر سے قبائل کو متاثر کیا کیونکہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ اور اس کے گرد و نواح میں مختلف قبائل کے جو افراد حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔

فصل ۲۱۰- اہل یثرب کی بیعت اسلام

قریش کی مسلسل عناد پسندیوں اور پیہم ایذا رسانیوں کے بعد جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فی الحال میری قوم قریش کی طرف سے تائید و نصرت دین کے کوئی آثار نہیں تو آپ کے دل میں اس بات کی آرزو ہوئی کہ کاش مستتب الاسباب کسی دوسری جماعت ہی کو کھڑا کر دے جو تائید و ناصر دین بنے۔ آپ اس نیت سے آیا مہج اور دوسری تقریبوں میں قبائل عرب میں پہنچ کر تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے۔ لیکن ایک تو قریش نے بے پناہ شریہ کر کے آپ کے خلاف ملک میں سخت جذبہ نفرت پھیلا رکھا تھا۔ دوسرے ابولہب آپ کی تبلیغی جدوجہد کو ناکام بنانے کے لیے ہر قبیلہ میں پہنچ جاتا تھا، آپ جس قبیلہ میں بھی جاتے وہ آپ کے بات کرنے سے روک دیتا بلکہ استماع حق کی جگہ ایذا رسانی اور دشنام گوئی پر اتر آتا۔ طبعات ابن سعد

تمام ازل نے یہ نعمت اہل یثرب کی قسمت میں لکھ رکھی تھی۔ ان کے سوا عرب کے تمام گروہ و قبائل اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے۔ اسلام کے تیر درخشاں کا طلوع گو مکہ معظمہ میں ہوا لیکن نیا پاشی مدینہ کے آفت سے ہوا۔

مدینہ نبویہ کا قدیم نام یثرب تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طیبہ، طابہ اور مدینۃ البی (نبی کا شہر) کے ناموں سے بدل دیا۔ مؤخر الذکر نام مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔ روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (ابن اثیر) اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ یثرب اہل مدینہ کے معبودیت کا نام تھا۔ لفظ انصار

ناصر یا نصیر کی جمع ہے۔ انصار مدینہ منورہ کے اُن صحابہؓ کہ کہتے ہیں جنہوں نے ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجرین کی ممانداری کی اور اپنے ہاں ٹھہرا کر غون و نصرت کا حق ادا کیا۔ انصار دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ ایک کو اوس کہتے تھے، دوسرے کو خزرج۔ اوس اور خزرج دو بھائی تھے جن کی اولاد انہی کے نام پر اوس اور خزرج مشہور ہوئی۔ شریف اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں گشت و خون کا بازار گرم رہتا تھا۔ لیکن مصلح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ان دونوں کی باہمی عداوتیں دور کر کے ان میں اخوت کی ایسی مستحکم بنیاد قائم کر دی کہ پھر ان میں کبھی تصادم نہ ہوا۔

جنگ بُعاث | ان دونوں قبیلوں کی آخری آویزش جنگ بُعاث (یا بُعاث) کے نام سے مشہور ہے۔ بُعاث بنو قریظہ کے قریب مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک مقام تھا۔ یہاں اوس اور خزرج میں جو رزم و قتال ہوا اس میں جانبین سے بہت آدمی مارے گئے۔ آخر خزرج کو فتح ہوئی۔ اوس ایسے منہزم ہوئے کہ ان کے نظام قومیت کا ڈھانچہ بالکل بگڑ گیا۔ لیکن حُثَیر نے جو اوس کا رئیس اور مشہور صحابی حضرت انسید بن حُثَیر رضی اللہ عنہ کا باپ تھا اپنے قبیلہ میں از سر نو ایسی جنگی رُوح پھونکی کہ بگھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ آخر دونوں لشکر دوبارہ متصاف ہوئے تو اوس کو فتح ہوئی۔ خزرج کا قائد عمرو بن نعمان بیامنی میدان جاں ستاں کی نذر ہو گیا اور حُثَیر بھی مجروح ہو کر زخموں سے جاں بردہ ہو سکا۔ یہ لڑائی ہجرت سے پانچ سال پیشتر برپا ہوئی تھی۔ (فتح الباری)

چند خزرجیوں کو دعوت اسلام | مالک الملک کو منظور ہوا کہ اہل یثرب اسلام سے منور ہو کر اسلام کے دست و بازو بنیں تو نبوت کے گیارہویں سال وہاں کے چند افراد حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ حامی توحید علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی آمد کی خبر سن کر حسب معمول بغربن تبلیغ ان کے کھوت میں نکلے۔ چنانچہ عقہہ کے پاس جو جوار اور مٹی کے دریاں پہاڑ کی ایک گھاٹی ہے آپ نے ان کو پایا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم خزرج کے آدمی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہود کے حلیف؟ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا آپ لوگ میرے پاس بیٹھ کر میری ایک بات سنیں گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ وہ لوگ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے یہ جملہ کہہ کر میں خدا سے برتر کا آخری پیام برہوں اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر اُن کو سنایا۔ وہ بڑے متاثر ہوئے۔ آپ نے فرمایا میری قوم

قریش تبلیغ حق سے مانع ہے۔ اگر تم لوگ ایمان لا کر دین حق کی تائید کرو تو دنیا اور سعادت کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہو گے۔

آئینہ ہائے دل کا | یہ سن کر ان کے آئینہ ہائے دل پر تو ایمان سے جگمگاٹھے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور فیرب کے یہود نے جو اہل کتاب تھے اور اپنے آسمانی ایمان سے جگمگانا علم کی بدولت مدینہ اور اس کے مصافحات میں بہت کچھ عزت و نمود حاصل کر رکھی تھی ان کی بت پرستی کے باعث ان کو حقیر سمجھتے تھے۔ یہود کی عادت تھی کہ جب کبھی کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو اپنے مخالف فریق سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ ہم اس نبی کی پیروی کر کے تم لوگوں کو اسی طرح تیس تیس کوس گئے جس طرح عاد اور ارم قہر ہلاک میں ڈالے گئے تھے۔

جب سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طرز جیوں کو اسلام کی تبلیغ کی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ واللہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہود کی زبان پر ہے۔ دیکھو اس دعوت کو بیشک کہو۔ بہاؤ دوسرے لوگ اس کا رخطیر میں تم سے سبقت لے جائیں۔ غرض انہوں نے یہ دعوت قبول کی اور صدق دل سے سب کے سب حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

قبول اسلام کے بعد انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے ایسی قوم چھوڑ آئے ہیں جس میں عداوت باہمی اور فساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی برکت سے ان میں اتحاد و اتفاق کی روح پیدا کر دے گا۔ ہم جا کر آپ کا پیغام لوگوں کو پہنچائیں گے اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے اور وہ کو بھی اس کی طرف مدعو کریں گے۔ اگر رب قدیر نے ان لوگوں کو اسلام پر جمع کر دیا تو پھر ان کی نظر میں آپ کے برابر کوئی اور معزز و محترم ہستی نہ ہوگی۔

انصاری سابقین اسلام | قبیلہ خزرج کے قدح خوار بن باؤہ توحید جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی یہ چھ حضرات تھے: اسعد بن زرارہ،

عوف بن عارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم۔ مقدم الذکر دو بزرگ قبیلہ بنو نجار میں سے تھے جو خزرج کی ایک شاخ تھا۔ ابن جریر، ابن اثیر نے یہ تعداد سات بتائی ہے اور عامر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے۔

لیکن موسیٰ بن عقبہ نے بروایت عروہ یہ نام بتائے ہیں: اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک،

معاذ بن عقر، یزید بن ثعلبہ، ابوالہیثم بن تیمان اور عویم بن ساعدہ۔ کہا جاتا ہے کہ مجاہدہ بن مسات اور ذکوان بھی ان میں داخل تھے (فتح الباری) ان حضرات نے واپس جا کر اپنی قوم سے ساتی و تجدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی بعثت کا فائدہ یہاں تک بلند ہوا کہ قبیلہ خزرج کا کوئی مکان اور کوئی جلسہ ایسا نہ رہا جو آپ کے تذکرہ سے خالی ہو۔ (ابن جریر، ابن سعد، ابن ہشام)

بیعت عقبہ اولیٰ اگلے برس یعنی نبوت کے بارہویں سال حج کے موسم میں بارہ آدمی آئے اور حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ میں جا کر ان سے ملاقات فرمائی۔ بارہ میں سے پانچ تو وہ تھے جو پہلے سال بھی آئے تھے یعنی اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، ثکبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم۔ اور سات یہ حضرات تھے: معاذ بن حارث، ذکوان بن عبد قیس، مجاہدہ بن صامت، ابوعبدالرحمن یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبدادہ، ابوالہیثم مالک بن تیمان اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم (ابن جریر، ان سات میں سے دو بزرگ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت مجاہدہ بن صامت کا بیان حضرت مجاہدہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ کی رات ہمارے پاس قدم فرما ہوئے اور فرمایا اؤ تم لوگ ان امور میں میری بیعت کرو: اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کو شریک نہیں کرو گے۔ چوری نہیں کرو گے۔ حرام کا وہی سے بچو گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ کسی پر ہتھان نہیں باندھو گے اور نیکی میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ اس کے بعد فرمایا تم میں سے جس کسی نے ان باتوں کو پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی فعل قبیح کا مرتکب ہوا اور اسے دنیا میں اس فعل کی سزا مل گئی تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ گناہ ہو جائے گی اور ستارا میوے جس کی پردہ پوشی کر لی تو اس کا انجام رب تقدیر کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو اس کو معذرت کرے یا معاف کر دے۔ حضرت مجاہدہ بن صامت کا بیان ہے کہ ہم نے ان سب امور پر آپ سے بیعت کر لی (بخاری)

حضرت مصعبؓ کی بیعت کے بعد نو مسلموں نے درخواست کی کہ قرآن پڑھانے اور اسلامی احکام کی تعلیم کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ اس فہمیت مدینہ کو روانگی کے لیے حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر شتاس نے

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جو سابقین اسلام میں تھے منتخب فرمایا اور انہیں ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی جو ایک نابینا صحابی تھے، ان کے ساتھ بھی گئے۔ (بخاری) یہ مدینہ جا کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش ہوئے جو وہاں کے بڑے معزز رئیس تھے۔ مصعبؓ وہاں مقبریٰ کے لقب سے مشہور ہوئے (ابن جریر) یہ جاتے ہی ہمہ تن تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنی پاک نفسی اور قوت قدسیہ کے جذبہ سے بیسیوں طالبان حق کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ان کا روزانہ معمول تھا کہ غزرج کے ایک ایک گھر میں جاتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ رفتہ رفتہ بنو غزرج میں اسلام کو اتنی مقبولیت نصیب ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں قریباً چالیس آدمی اسلام سے مشرف ہو گئے (ابن خلدون)

حضرت مصعبؓ بنو عبدالمطلب کے باغ میں

اب قبیلہ اوس کے مشرف بایمان ہونے کا واقعہ سنئے: ایک دن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اسعد بن زرارہ اور چند دوسرے مسلمانوں کی رفاقت میں بنو عبدالمطلب کے باغ میں گئے جو قبیلہ اوس کی شاخ تھے اور وہاں قرآن بخانی شروع کی۔ کسی نے جا کر اسعد بن معاذ کو جو قبیلہ اوس کے سردار اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اس کی خبر کر دی۔ انہوں نے اپنے غم زاد بھائی اُسید بن حنفیر کو بھتیجا اور کہا کہ اسعد میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔ میں ان کے مقابلہ میں خود نہیں جا سکتا۔ اس لیے تم جا کر مصعبؓ کو ڈانٹ دو اور کہہ دو کہ تمہیں ہمارے گھروں میں آکر نادان لوگوں کے بہکانے کا کوئی حق نہیں اور تنبیہ کر دو کہ پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کریں۔ اُسید مسلح ہو کر چلے۔ اسعد بن زرارہ دور سے دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہنے لگے دیکھیے! قبیلہ اوس کے دو بڑے سردار ہیں اسعد بن معاذ اور اُسید بن حنفیر۔ ان میں سے آغوا لڑ کر آپ کے پاس آ رہے ہیں۔ اگر یہ آپ کی بات مان جائیں تو ان سے اسلام کو بڑی تقویت ہوگی۔

اُسید کا آکر

گایاں دینا

اتنے میں اُسید اپنے اور چھوٹتے ہی گایاں دینی شروع کیں اور خشم آلود لہجہ میں کہا تم ہمارے حقوق کو بہکانے آگئے ہو۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو فی الفور بیان سے چل دو۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جو حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ اور نہایت متین مبلغ تھے نرمی سے جواب دیا کہ کاش! آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں۔ اگر معقول ہو تو قبول فرمائیں، نامعقول ہو تو مسترد کر دیں۔ اُسید نے کہا اچھا بتاؤ کیا کہتے ہو اور نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے حقانیت اسلام پر مختصر سی تقریر کی اور قرآن پڑھ کر

اُسیدؓ کے دل میں نور اُئیدؓ جو اسلام کی حقیقت معلوم کرتے ہی اس کے شیدائی بن چکے تھے قرآن سننے کے بعد اور بھی گردیدہ ہو گئے۔ غرض نور ایمان نے جلوہ گری کی اور بے اختیار مومنہ سے نکلا واہ! یہ کیسا اچھا مذہب ہے

اور کیسی اعلیٰ ہدایت ہے۔ اس کے بعد دریافت کیا کہ دین اسلام میں کیونکر داخل ہو سکتا ہوں؟ دینی اسلام میں نے فرمایا غسل کر کے پاک کپڑے پہنو اور توحید و رسالت کا اقرار کرو کے نماز پڑھو۔ حضرت اُسیدؓ نے حسب الحکم غسل کیا۔ اُجلالِ باس منگو کر پہنا اور کلمہ شہادت پڑھ کر سعادت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے اور نماز پڑھی۔

قبول اسلام کا شرف حاصل کرنے کے بعد حضرت اُسیدؓ بولے ایک اور صاحب سعد بن معاذ ہیں۔ اگر وہ بھی آپ کے پیرو بن گئے تو پھر قبیلہ عبدالاشمل کا ہر تنفس اس مذہب کی پیروی کرے گا اور میں جا کر انہیں ابھی آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیے بغیر ان سے کہنے لگے کہ بھائی! میں نے ان کو بخوبی سمجھا دیا ہے اور وہ مان بھی گئے ہیں۔ لیکن وہاں ایک بات درپیش ہے کہ جس کے باعث تمہارا بذاتِ خود جانا ضروری ہو گیا ہے۔

سعد بن معاذ کو مسلمانوں پر سختی کرنا اور حضرت مُصعبؓ کو ڈانٹنا

سعد بن معاذؓ نے اُسیدؓ سے کہا کوئی کام سرانجام نہ ہو سکا۔ لہذا نیزہ لے کر باغ میں پہنچے اور جاتے ہی نو مسلموں پر سختی شروع کر دی اور حضرت مُصعبؓ کو سخت سُست کہہ کر بولے کہ اس ذلیل شخص کو بولے وقوفوں کو گمراہ کر رہا ہے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ہماری جگہ پر اس قسم کی وحشت انگیز باتیں کرے۔ اگر اس نے دوبارہ ادھر کا رخ کیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک عاشقِ حق پر اس تشدد اور وحشت کلامی کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ دوسرے دن حضرت مُصعب بن عمیرؓ اور سعد بن زرارہؓ اسی باغ کے قریب دعوتِ اسلام میں باصروف ہوئے۔ لوگوں نے پھر سعد بن معاذؓ کو اس کی خبر کی۔ سعد غضب ناک ہو کر وہاں پہنچے اور جناب مُصعبؓ کو پھر سختی سے ڈانٹنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد بن زرارہؓ کہنے لگے بھائی! ناراض ہونے سے پہلے ذرا امتا تو سن لو کہ یہ صاحب کہتے کیا ہیں! اگر یہ کوئی ایسی بات کہیں جو ضلالت و گمراہی کی طرف لے جاتی ہو تو پھر اس سے کوئی بہتر چیز پیش کیے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا دو اور اگر بات جو یہ پیش کرتے ہیں سچی ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے

تو پھر سخت کلامی بے معنی ہے۔ "سعد بوئے اچھا یہ کہیں کیا کہتے ہیں؟"

سعد اور تمام شہل دائرہ اسلام میں

داعی اسلام رمی اللہ عنہ نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے محاسن اسلام پیش کیے کہ سعد کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا۔ معاشرہ با ایمان ہوئے اور مذہبی جوش و وارفتگی کی دولت

سینے میں لیے اپنے قبیلہ میں پہنچے اور با قاز بلند سوال کیا "اے بنو شہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟ انہوں نے کہا تم ہمارے سردار ہم میں سب سے زیادہ عاقل اور معاملہ فہم اور سب سے زیادہ عالی نسب رئیس ہو۔" بوئے خدا کی قسم! مجھ پر تم لوگوں سے ہم کلام ہونا اُس وقت تک حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے برگزیدہ رسول پر ایمان نہ لاؤ۔ یہ سن کر عبداللہ شہل کا سارا قبیلہ نعمت ایمان سے سعادت مند ہو گیا۔ اس رُوح پرورد واقعہ سے مدینہ منورہ کے درو دیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے اور اسلام شہر اور اس کے مضافات میں بڑھی تیزی سے پھیلنے لگا (تاریخ ابن جریر طبری و سیرت ابن ہشام) ان ایام میں حضرت مصعب ہی مدینہ کے مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ اُس اور خزرج کو جن کے دل میں پراسنے جذبات عناد اب تک پرورش پارہے تھے ایک دوسرے کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا گوارا نہ تھا (وقار الوفا باخبار دارالمصطفیٰ)

فصل ۲۱۱۔ مدینہ منورہ میں نماز جمعہ کا قیام

تشدید اور یک نشینہ کا جمعہ کے معنی اکٹھا ہونا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتہ میں ایک ایسا دن مقرر کریں جس میں سب لوگ جمع ہو کر خالق کریم کی عبادت کریں۔ لیکن خدائے حکیم نے کوئی دن نہیں بتایا تھا بلکہ اس کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ یہود نے اس خیال سے تشدید کا دن مقرر کیا کہ قاطر السموات والارض اس دن مخلوق کی پیدائش سے فارغ ہوا تھا۔ یہود نے ارادہ کیا کہ ہم اس دن کا دوبارہ سے دست بردار کر عبادت کے لیے فارغ ہوا کریں اور عیسائیوں نے اس لحاظ سے اتوار کا دن منتخب کیا کہ اس روز خالق اکبر نے دنیا کی پیدائش شروع کی تھی۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہی دن دنیا کی پیدائش کے شکر کے لیے موزون ہے۔

مسلمانوں کا یوم اجتماع عبدالرزاق، عبد بن حماد اور ابن منذر نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ

سے روایت کی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایک مرتبہ مسلمانانِ یثرب کا اجتماع ہوا۔ نماز جمعہ ہنوز فرض نہیں ہوئی تھی۔ انصار کہنے لگے کہ یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ ہر ہفتہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک یوم اجتماع ہے۔ آؤ ہم بھی ایک ایسا دن مقرر کریں جس میں تمام کلمہ گو ایک جگہ جمع ہو کر اللہ کی یاد کیا کریں۔ آخر یہ صلاح ٹھیری کہ جہاں شنبہ یہود کا اور اتوار نصاریٰ کا بڑا دن ہے، ہم یومِ عربیہ کو جو شنبہ سے پہلا دن ہے، اپنا یومِ عبادت مقرر کریں کیونکہ رب العالمین نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور انسان جمعہ کے دن پیدا کیا گیا تھا۔ اس لیے نعتِ پیدائش کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے جمعہ ہی عبادت و اجتماع کے لیے موزون ترین دن ہے۔ غرض یہود و نصاریٰ نے آفرینش دنیا کے آغاز یا اختتام کا لحاظ کیا اور مسلمانوں نے انسانی پیدائش کو ملحوظ رکھا۔ اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا انتخاب ہی عند اللہ ہی صحیح تھا۔

نماز جمعہ کا آغاز | اس فیصلہ کے بموجب تمام انصار کرام رضوان اللہ علیہم حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ جو حضرات اس اجتماع میں شریک ہوئے، حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ان کی فیاضیت کے لیے ایک بکری ذبح کی اور سب کے کھانا کھایا اور یہ خوشگوار اجتماع نہایت خیر و خوبی سے اختتام پزیر ہوا۔

محمد بن یسویں کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہی قیام جمعہ کے بانی تھے۔ چنانچہ حسب روایت ابو داؤد ابن ماجہ، ابن جبران اور بیہقی عبدالرحمن بن کعب کا بیان ہے کہ جب میرے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہؓ پر رحمت بھیجتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ میں سننے والا ہاں ہوں۔ اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ اسعد رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے نماز جمعہ قائم کی تھی۔

مُصْعَبؓ کو قیام جمعہ کا فرمانِ نبوی | حضرت اسعدؓ کا یہ عمل عند اللہ ایسا مقبول ہوا کہ اس کو منجانبِ شرعی حیثیت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اس کے بعد شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُصْعَب بن عمیرؓ کو باقاعدہ قیام جمعہ کا حکم بھیج دیا۔ طارق بن شہاب نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ہی جمعہ پڑھنے کے مامور ہو چکے تھے

لیکن مکہ معظمہ میں آپ کو غلبہ کفر کی وجہ سے اجتماع پر قدرت حاصل نہ تھی۔ پس آپ نے حضرت مصعبؓ کو لکھ بھیجا کہ جب جمعہ کے دن سورج ڈھل جائے تو دو گانہ نماز سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ پس اسعد بن زرارہؓ نے مدینہ منورہ میں از خود اور مصعبؓ نے شامع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے ماتحت سب سے پہلے جمعہ قائم کیا۔

روز جمعہ کی فضیلت مروی ہے کہ جب خواجہ عالم علیؑ اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو انصارِ عربؓ میں پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ہم نے بھی یہود و نصاریٰ کی طرح عبادت کے لیے جمعہ کا دن مقرر کیا ہے۔ آپ نے حضرت اسعدؓ کے صدق اخلاص اور ان کے اس انتخاب کی تحسین کی اور فرمایا یہی وہ دن ہے جس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن وہ جنت میں داخل ہوئے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن دنیا میں آئے۔ اسی دن انتقال فرمایا۔ اسی دن تمام انسانوں کی رو میں قبض کی جائیں گی۔ اسی دن تمام فی روح زندہ کیے جائیں گے۔ اسی دن حساب کتاب شروع ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہر مرتبہ جب جمعہ کی صبح ہوتی ہے تو انسانوں اور جنوں کے سوا ہر ذی روح کو اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ کہیں آج قیامت نہ برپا ہو جائے۔ لیکن جب آفتاب نکل آتا ہے تو پھر یہ اندیشہ جاتا رہتا ہے کیونکہ قیامت جمعہ کو علی الصبح برپا ہوگی۔ حکیم کر دگار نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے غافل کر رکھا ہے کہ معیشت و نبوی کا سلسلہ درہم برہم نہ ہو جائے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ بعض نے کہا ہے کہ اس دن کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس روز حضرت آدمؑ اور حواؑ زمین میں مجتمع ہوئے تھے۔ اور سعید بن منصورؒ اور ابن مردودہؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا نبی اللہ! جمعہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس میں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی طینت جمع ہوئی تھی (روح المعانی)

فصل ۲۱۲۔ قریش کے پاس مسلمانانِ مدینہ کی سفارت

ادھر لکھا گیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے ابتدائی تین سال خاموشی اور امن و سکون

سے گزارے تھے کیونکہ اوایل میں نہ تو آپ ﷺ علاقہ دعوت و تبلیغ کے امور تھے اور نہ آپ نے بت پرستی اور کفر و شرک کی مذمت کی تھی۔ اس لیے بت پرست حلقوں میں آپ سے برسرِ پر خاشا ہونے کا جذبہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن جو نہی قوم کی بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی گئی سب لوگ دشمن ہو گئے۔ اس کے بعد دس سال کا طویل زمانہ جن مشکلات و مصائب میں کٹا، اس کی دردناک تفصیل کسی قدر پہلے گزر چکی ہے۔ اہل باطل اور باب صدق و یقین کو اس وقت تک براہِ جہانی اور روحی صدمے پہنچاتے رہے جب تک کہ قدحِ خوارانِ بادۂ توحید نے مکہ کی سرزمین کو الوداع نہ کہہ دیا۔

اہل مدینہ اور قریش میں زمانہ دراز سے بھائی چارہ اور مصاہرت کا تعلق چلا آتا تھا اور آپ میں بڑے گہرے مراسم قائم تھے۔ جب کچھ دنوں کے بعد مدینہ منورہ کے نو مسلموں کو معلوم ہوا کہ قریش نے نہ صرف فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے پہلو تہی کی ہے بلکہ آپ کو اور آپ کے مخلص پیروں کو طرح طرح کی ایذائیں بھی دے رہے ہیں تو قبیلہ بنو نضیر بن مالک کے مشہور شاعر ابوقیس بن اسلت سے ایک طویل قصیدہ لکھوایا اور ایک تہنیتی کے ساتھ قریش مکہ کے پاس بھیجوا دیا۔

اس خط اور قصیدہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و احترام ملحوظ رکھنے کی تاکید اور حضور سے برسرِ پر خاشا رہنے کی ممانعت کی تھی۔ قصیدہ میں یہ بھی مذکور تھا کہ اہل مکہ آنحضرتؐ ہی کے یمن و برکت سے اصحابِ قبل کے دستِ ہلاک سے محفوظ رہے تھے۔ اس قصیدہ کے سنہیں شعر تھے۔ ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو کتاب السیر میں حرف بحرف درج کیا ہے لیکن قریش مکہ جن پر اسلام اور داعی اسلام علیہ التحیہ والسلام کی مخالفت کا بھڑکتا بہت بُری طرح سوار تھا اس قصیدہ سے کچھ بھی سبق آموز اور عبرت پذیر نہ ہوئے اور یہ سفارت ناکام رہی (ابن خلدون)

فصل ۲۱۳۔ عمرو بن جموح وائرۃ اسلام میں

انصار کے قبیلہ بنو سلمہ کے مساوات و احسان میں ایک رئیس کا نام عمرو بن جموح تھا۔ یہ بہت ضعیف العمر شیخ کبیر تھے۔ ان کے فرزند معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان حضرات میں داخل تھے جنہوں نے عقبہ میں رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

عمر کے گھر میں لکڑی کا ایک بُت تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ اس بُت کا نام منات تھا۔ مشرق بائمان ہونے کے بعد ان کے بیٹے مُغَاذِمہ اور مُغَاذِ بن جِل، اور قبیلہ بنو سُلَہ کے بعض دوسرے نو مسلموں کا یہ معمول ہو گیا کہ رات کے وقت اُس بُت کو اٹھا کر نجاست کے کسی گوشے میں اس طرح ڈال دیتے کہ سر نیچے اور پاؤں آسمان کی طرف ہوتے تھے۔ جب علی الصبح عمر کو پوجا کے وقت وہ بُت اپنی جگہ پر نہ ملتا تو کہنے لگتے معلوم نہیں رات کو ہمارے معبود پر کس جفا کار نے دست درازی کی ہے؟ پھر اس کی تلاش میں نکلتے یہاں تک کہ اس کو پا کر نجاست سے صاف گرتے اور نہلا کر خوشبو لگاتے اور کہتے کہ خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کس نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں اسے اچھی طرح ذلیل کروں۔

کئی دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اُس کو تلاش کر کے لاتے اور غسل دے کر اور خوشبو لگا کر رکھتے۔ پھر جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی نہ دیا تو ایک دن تلوار لا کر اس کے سر کے اوپر لٹکا دی اور کہنے لگے فاش! میں نہیں جانتا کہ کون ایسا ظالم ہے جو تیرے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی قدرت اور قابلیت ہے تو آئندہ اس تلوار سے اپنے حفظ و دفاع میں مدد لینا! جب رات ہوئی تو مسلمان جوانوں نے وہ تلوار تو غائب کر دی اور ایک مرے ہوئے پلے کو بُت کے گلے میں رسی سے باندھ کر نجاست کے ایک کونے میں لٹکا دیا۔ جب صبح کو تلوار اور بُت دونوں کو مفقود پایا تو از سر نو تلاش میں نکلے۔ سیر راہ ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے سامنے اپنا ڈکھڑا ہونے لگے مسلمان نے ملامت کی اور سمجھایا کہ تم نے بُت پرستی کر کے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کر رکھا ہے؟ اور اسلام کے محاسن بیان کر کے قبول ایمان کی دعوت دی۔ عمر و رضی اسی روز ملتقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اپنے مشرف بائمان ہونے کی خوشی میں ایک نظم کہی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

وَاللّٰهُ كَوْنُكَنتَ الْهَيْلُ لَمْ تَكُنْ

اَنْتَ وَ كَلْبٌ وَ مَسْطَبٌ يُّثْرِفِي قَرْيٰنَ

وقارہ الرفا باخبار دارالمصطفیٰ جلد اول ص ۱۵۹

فصل ۲۱۴ تہتر انصار مدینہ کے ہمراہ حضرت مصعبؓ کا ورود مکہ

نبوت کے تیرہ سو برس حج کے موسم میں اوس اور خزرج کے تہتر اکابر و اعیان حضرت برابر

مُتَرُودِ رَضِی اللہ عنہ کی قیادت میں حج کرنے اور اپنی قوم کی طرف سے تجدیدِ بیعت اور رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو شربِ مدعو کرنے کے لیے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ واردِ مکہ ہوئے (ابن خلدون) محمد ابن جریر طبری نے تہتر کے بجائے ستر کی تعداد بتائی ہے۔ اس جماعت میں عقبہ اولیٰ والے بعض افراد کے علاوہ یہ حضرات بھی داخل تھے۔ سعد بن ربیع، منذر بن عمرو، عبداللہ بن رواحہ، ہزار بن مُتَرُود، حضرت جابر انصاری مد کے والد محترم عبداللہ بن عمرو بن حرام اور قبیلہ خزرج کے سب سے بڑے سردار سعد بن جُحَادہ۔ ان کے علاوہ قبیلہ اوس کے تین حضرات بھی تھے۔ اسید بن حنفیر، سعد بن خثیمہ اور ابوالعیثم بن تیمان رضی اللہ عنہم (ابن خلدون) مزید برآں حضرت کعب بن مالک اور عباس بن جُحَادہ بن نضلة انصاری رضی اللہ عنہما بھی قابل ذکر ہیں (ابن جریر)

ان کے معلم دین حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانِ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی ایک سالہ تبلیغی کارگزاری بالتفصیل حضورِ ستید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی۔ آپ نے تمام واقعات نہایت دلچسپی اور پوری توجہ کے ساتھ سنے اور حضرت مُصعب مد کی قابل تحسین کارگزاری اور سعی شکور پر نہایت محظوظ ہوئے (ابن سعد)

ماں کا غضب آلود پیغام | حضرت مُصعبؓ کی ماں نے جسے اپنے کفر و شرک میں انتہا درجہ کا غلو تھا، اور جس کا تذکرہ صفحاتِ گزشتہ پر آچکا ہے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا کہ ”اے نافرمان فرزند! تو شہر میں آیا لیکن اب تک مجھے ملنے نہ آیا۔“ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں خدا کے برگزیدہ رسول سے پہلے کسی کی ملاقات کو نہیں جاسکتا۔ دربارِ رسالت کا شرف ملاقات حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے۔ ماں نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ تو اب تک اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے برگشتہ ہے۔ ”فرمایا میں دین حق کا پیرو ہوں۔ ماں کہنے لگی کیا تو ان پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھول گیا جو ہمیشہ میں سہنی پڑیں؟ اسوس تو نے میری ہمدردی اور غمگساری کی کوئی قدر نہ کی۔“

قبولِ اسلام سے | حضرت مُصعبؓ ماں کے تیور دیکھ کر سمجھ گئے کہ مجھے دوبارہ قید کرنے کی فکر میں ہے۔ کہنے لگے اب جو کوئی میری طرف بڑھے گا اس کی جان کی خیر **بشدت انکار** نہیں۔ یہ دیکھ کر ماں بولی بس تو میری آنکھوں سے دور ہو جا اور یہ کہہ کر رونے لگی۔ حضرت مُصعبؓ کا دل بھی بھر آیا اور کہنے لگے اماں! میں تمہیں محبت اور خیر خواہی کی راہ سے مشورہ دیتا ہوں کہ اپنی ضد چھوڑ دو اور اس بات کو تسلیم کرو کہ سچا معبود صرف ایک خدا ہے اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول برحق ہیں۔" بولی مجھے لات وعزیز کی قسم! میں تمہارے تھے مذہب میں داخل ہو کر اپنے تئیں احمق نہ بتاؤں گی۔ جا میں تمہارے اور تیرے مذہب سے بیزار ہوں۔ میں تیری طرح اپنا آبائی دین ہرگز ترک نہ کروں گی۔ حضرت مصعبؓ وہاں سے چلے آئے اور تین مہینہ تک مکہ معظمہ میں قیام فرمایا رہے۔ آخر یکم ربیع الاول کو اپنے آقا حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی راہ لی (طبقات ابن سعد)

برابرہ کا کعبہ کی طرف نماز پڑھنا

یثرب کے جو ستریا کچھ زیادہ مسلمان مکہ معظمہ آئے تھے ان کا قصد تھا کہ حج سے فارغ ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف دید حاصل کریں گے لیکن امیر قافلہ حضرت برابرہ بن معرورؓ نے ایک خواب دیکھا تھا اور ان کی

خواہش تھی کہ وہ اوروں سے پہلے سرکار رسالت میں حاضر ہو کر اپنے خواب کا ذکر کریں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اہل مدینہ بصرہ ج شہر سے نکلے تو برابرہؓ کہنے لگے بھائیو! سنو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ معلوم نہیں تم لوگ اس میں میری موافقت کرتے ہو یا نہیں۔ رفقائے سفر نے پوچھا وہ کیا خواب ہے؟ برابرہؓ نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ میں کعبہ کو اپنی پیٹھ کی طرف نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا ہمیں تو نبی علیہ السلام کا یہی حکم پہنچا ہے کہ شام (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ اس لیے ہم لوگ ارشاد نبوی کے خلاف کسی طرح نہیں جاسکتے برابرہؓ نے کہا میں تو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کروں گا۔ ساتھیوں نے کہا ہم اس میں تمہاری موافقت نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد جب نماز کا وقت آیا تو برابرہؓ نے کعبہ کا رخ کر کے نماز پڑھی لیکن دوسروں نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی اور برابرہؓ کے اس فعل پر عیب گیری کی۔

بارگاہ نبوت کی حاضری

جب یہ قافلہ مکہ معظمہ پہنچا تو برابرہؓ نے کعب بن مالکؓ سے کہا براہِ زاد سے! تم زرا میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس چلو تاکہ میں حضورؐ سے اپنے اس فعل کے متعلق دریافت کروں۔ یہ دونوں آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے نکلے۔ انہوں نے پہلے آپؐ کو نہیں دیکھا تھا اس لیے پہچانتے دتے انہوں نے مکہ کے ایک آدمی سے آپؐ کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا تم لوگ انہیں پہچانتے ہو؟ بولے نہیں اس نے کہا اچھا ان کے سپہ سالار بن عبدالمطلب کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں وہ تو ہمیشہ بصرہ میں تجارت چھارے ہاں جایا کرتے ہیں۔ وہ بولا مسجد حرام میں جاؤ۔ وہ صاحبِ متیں اپنے چچا کے

پاس بیٹھے ملیں گے۔ یہ دونوں مسجد میں گئے اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جناب عباس بن کے پاس بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں سلام کر کے بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباس بن سے پوچھا، اے ابا الفضل! ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یہ اپنی قوم کے سردارہ برابر بن معرور ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔

آنحضرت کا ارشاد کہ تم نے قبلہ بدلنے میں جلدی کی

برابر بن نے اتنا س کی کہ اسے نبی اللہ جب میں اس سفر کے لیے گھر سے نکلا تو اس سے پیشتر میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں کعبہ معلیٰ کی طرف پیٹھ نہیں کرتا اس لیے میں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کی لیکن میرے ساتھیوں نے میرے اس اقدام میں میری مخالفت کی۔ اس بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں اپنے قبلہ سابق پر قائم ہوں۔ اس لیے بہتر تھا کہ تم ابھی صبر کرتے اور قبلہ بدلنے میں جلدی نہ کرتے۔ اس ارشاد کے بعد برابر بن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے از سر نو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کی (ابن جریر طبری)

سچا خواب شرعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتا

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ خواب اگرچہ سچا ہو تاہم اسے دلیل شرعی کی حیثیت حاصل نہیں۔ بعض لوگ احکام شریعت اور نص کی موجودگی میں کسی روایا سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ یہ سخت درجہ کی گمراہی ہے۔ اگر روایا کسی حکم شریعت سے متضاد نہ ہو تو اس پر عمل پیرا ہونا جائز ہے ورنہ اس کو افغاث اطلال اور وساوس شیطان میں داخل سمجھنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آقا زبونت سے لیکر سولہ مہینے بعد از ہجرت تک برابر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبہ معلیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آگیا۔ تب سے کعبہ ہی اہل ایمان کا قبلہ چلا آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا قبول اسلام

دعوت و تبلیغ ایک خاص پیغمبرانہ عمل ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جو خلافت و نیابت الہی کے شرف سے سرفراز ہوتے تو ان کا مقصد بعثت امر معروف و نہی منکر ہے (جو جسے تبلیغ بھی کہتے ہیں) کچھ نہ تھا۔ لیکن ہم نے آج امر معروف و نہی منکر کو بالکل طاق نہ بیان پر رکھ چھوڑا ہے اور اس حقیقت سے بالکل غافل ہو گئے ہیں کہ تبلیغ بھی اسلامی فرائض میں داخل ہے۔ اگر ہم دس سال تک کسی غیر مسلم ملاقاتی سے ملتے رہیں تو اس کے سامنے کبھی اسلام پیش نہ کریں گے اور ہمیں یہ کہنے کی کبھی جرأت نہ ہوگی کہ تمہارے کفر و شرک کی سزا ابدی جہنم ہوگی۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت اس سے بالکل

مختلف تھی۔ وہ غیر مسلموں کو حلقہ اسلام میں داخل کرنے اور مسلم عوام کو شریعت کا پابند بنانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جابر بن عبد اللہ بن عمرو ہمارے رفیق سفر تھے لیکن ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ ہم نے عبد اللہ سے کہا اے جابر کے باپ! تم بھی ہماری قوم کے ایک سردار ہو لیکن ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اگر تم اپنے موجودہ کیشن صنم پرستی کے پیچھے پڑے رہے تو تم فردا سے قیامت کو ضرور جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔ غرض ہم نے عبد اللہ کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں بتایا کہ حضرت ﷺ تم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ملاقات کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ پر مسلمان ہو گئے۔ (ابن جریر طبری)

جمال جہان آرا سے

مصطفوی کا انتظار

جب حضرت بار بن معرور اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما نے اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد الحرام میں جا کر ملاقات کی تھی تو آپ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تم لوگوں سے ایام تشریق کے وسط میں عقبہ میں ملوں گا۔ آخر جب مسلمانانِ مدینہ نے حج سے فراغت پائی اور وہ رات آئی جس میں آپ نے ان سے ملاقات کرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو عقبہ جانے کا قصد کیا۔ انہوں نے اپنے مشرک رفقاء سفر سے خلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی موعودہ ملاقات کی اطلاع بالکل مخفی رکھی تھی۔ رات کو اپنے غیر مسلم ساتھیوں کے ساتھ ہی اقامت گزیر رہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر چکا تو چپ چاپ نہایت اخفاء کے ساتھ منہ سرپیٹ کر اور اپنے بت پرست ساتھیوں سے بے خبر قیام گاہ سے نکلے اور عقبہ کے پاس گھائی میں جمع ہو کر طلوع جمال جان آرا سے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ یہ کل ستر آدمی تھے۔ ان کے ساتھ دو خواتین بھی تھیں۔ (محمد بن جریر طبری) ابن ہشام نے یہ تعداد ۷۳ بتائی ہے۔

مسلمانانِ مدینہ کا خود و پیمان

جب شیفتگانِ حق و صدق گھائی میں پہنچے تو اس کے بعد خیر البراء حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عم محترم عباس بن عبد المطلب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ گو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہنوز دائرۃ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن وہ اس دعوت کی کامیابی کے دل سے متعین تھے۔ اس سے پیشتر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ یثرب کے نو مسلم کثیر تعداد میں اس غرض سے آئے ہوئے ہیں کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شرب تشریف چلنے کی دعوت دیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا اے گروہ خزع! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قدر و منزلت سے اچھی طرح واقف ہو اور مکہ میں ان کی جس درجہ مخالفت ہے اس سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں با کہ یہاں سے منقطع ہو کر تمہارے پاس چلے جائیں۔ لیکن اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ جس امر کی طرف ان کو مدعو کرتے ہو اس کا لازماً ایفا کرو گے اور تمہاری طرف سے ان کی مخالفت کرنے والوں کا ہر قیمت پر دفعیہ ہوتا رہے گا تو تم اس بوجھ کو اپنے دوش ہمت پر اٹھاؤ اور اگر اس قسم کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی ہو کہ جب یہ اپنے وطن سے مفارقت کر کے تمہارے پاس چلے جائیں تو تم کل کلاں انہیں دشمنوں کے حوالے کر کے خدا نخواستہ ان کی ذلت کا سامان کر دو تو ابھی وقت ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنے مستقبل کی کوئی اور راہ تجویز کر لیں گے۔“

حاضرین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے اچھی طرح سن لیا ہے۔ اس کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التماس کی یا رسول اللہ! آپ کو جو کچھ فرمانا ہے خود اپنی زبان مبارک سے فرمائیے۔ آپ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھیں اور حاضرین کو خدا سے عزیز و ہر ترک کی طرف بلا تے ہوئے اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی اور فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لینا چاہتا ہوں کہ جس طرح تم اپنے اہل و عیال کے معاف اور خبر گیریاں ہو اسی طرح میری بھی تائید اور نصرت کرتے رہو گے۔“

یہ سن کر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور التماس کی یا رسول اللہ! ہمیں اسی ذات برتر کی قسم کہ جن نے آپ کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کا اسی طرح ساتھ دیں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی خبر رکھتے ہیں اور آپ کی بھی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی جانوں کی کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ہم ہمیشہ حضور کے سینہ سپر رہیں گے۔ آپ ہم سے اس بات پر بیعت لے لیجیے (ابن جریر طبری)

حضرت عباس بن جراح بن عبد اللہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا اے گروہ
بیعت عقبہ ثانیہ | خزع! سنو کیا اس بات کو سمجھتے ہو کہ تم کس بات پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہے ہو؟ ضرورت ہے کہ کوئی قول و قرار کر دو پہلے خوب سوچ لو کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا عرب و عجم سے جنگ کا اعلان کرنا ہے۔ اگر بالفرض یہ حالت ہو گئی کہ انتخاب کا ساتھ دینے میں تمہارا مال برباد ہو جائے۔ عزت و ناموس خطرے میں ہو جائیں تلف ہوں تو ایسا نہ ہو کہ کل کو عجم مصائب و مشکلات سے گھبرا کر انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو۔ اگر اس وقت تم نے ایسا کیا تو دنیا اور آخرت کا زیان تمہارے شامل حال ہو گا۔ اور اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے وعدے پر پورے اترو گے اور آپ کی خاطر ہر قسم کا نقصان جان و مال گوارا کرو گے تو بیعت کر لو۔ یہ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کے لیے نیک خیر اور بابرکت ہو گا۔

تمام حاضرین نے بیک آواز کہا کہ ہم ہر قسم کے نقصان جان و مال کو گوارا کریں گے مگر پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ ذرا یہ تو فرمائیں کہ اگر ہم نے اپنے وعدے پر سے کیے اور جانی اور مالی قربانیاں دیں تو ان خدمات کے معاوضہ میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جنت۔ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! تو پھر بیعت لینے کے لیے ہاتھ بڑھائیے چنانچہ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے بیعت کر لی (ابن جریر) اس بیعت کو عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

انصار سے حضرت
صادق مصدق کا وعدہ

اب قبیلہ عبدالاشہل کے حلیف حضرت ابوالہیثم بن تہیان نے التماس کی یا رسول اللہ! ہمارا اور یہود کا باہم معاہدہ ہے۔ آئندہ ہم ان سے کوئی پیمانہ دوست نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہم سے کوئی وعدہ فرمائیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم حسب وعدہ آپ کا پوری طرح ساتھ دیں اور جان نثاری کا حق ادا کریں اور اس کے بعد خدا سے قاہر آپ کو دشمنوں پر غالب کر دے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس تو نہیں چلے آئیں گے؟ یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور کہا نہیں۔ ہرگز ایسا نہ ہو گا بلکہ تمہارا خون میرا خون میری آبادی تمہاری آبادی اور تمہاری بربادی میری بربادی ہو گی۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا۔ عرض میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے (ابن جریر) چنانچہ آئندہ چل کر واقعات نے بتا دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انصاری جان نثاروں سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ اخیر دم تک کس طرح حرف بحرف پورا کیا یہاں تک کہ آج آپ کا مرقہ منور بھی اپنی مرز و بوم مکہ معظمہ کی بجائے اسی مدینہ منورہ میں ہے۔ قریش سے بدلہ لینے کی اجازت طلبی قریش مکہ سرور انا م صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے جان نثاروں کے ساتھ کئی سال سے جو بہیمانہ سلوک کر رہے تھے، مسلمانانِ مدینہ کو اس کا حال بخوبی معلوم ہو چکا تھا چنانچہ جب کبھی ان سفایکوں کی یاد و ستاقتی توان کا نہاں غائب دل کلبہ حزن و ملال بن جاتا تھا۔ اس لیے بیعت کے بعد غرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم آج ہی قریش سے ان کی جفاکاریوں اور اپنے دینی بھائیوں کی مظلومیوں کا بدلہ لے لیں اور اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے سر دست تلوار بے نیام کرنے کی اجازت نہیں ہے (ابن جریر طبری)

بارہ نقبار کا انتخاب | اس کے بعد سید عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانانِ یثرب کے دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے میں سے بارہ آدمی بحیثیت نقیب منتخب کر لو۔ چنانچہ ان بارہ نقبار کا انتخاب عمل میں آیا (۱) اسعد بن زرارہ (۲) رافع بن مالک (۳) ہزار بن عمرو (۴) عباد بن صامت (۵) عبداللہ بن عمرو بن حرام (۶) سعد بن ربیع (۷) عبداللہ بن رواحہ (۸) سعد بن عبادہ (۹) منذر بن عمرو بن خنیس (۱۰) اسید بن خضیر (۱۱) سعد بن خبیثمہ (۱۲) ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہم (فتح الباری) ابن ہشام نے بھی بارہ نقبار کے اسمائے گرامی حوالہ قرطاس کیسے ہیں لیکن بارہ صواہ نام ابوالہیثم بن تیہان کے بجائے رفاعہ بن عبداللہ بن زبیر دیا ہے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ اہل علم نے بارہ صواہ نام رفاعہ کی جگہ ابوالہیثم بن تیہان بتایا ہے۔ ان بارہ میں سے پہلے نو خزر جی اور تین نو خزانہ کر یعنی اسید بن خضیر سعد بن خبیثمہ اور ابوالہیثم بن تیہان (یا رفاعہ بن عبداللہ بن زبیر) قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے (سیرت ابن ہشام) یہ تمام حضرات زمیں القبایل تھے۔ اس بیعت کے بعد آپ نے انصار کو مراجعت کی اجازت بخشی (طبری)

یثرب کو شرفِ قدوم بخشنے کی درخواست | رخصت کے وقت انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ! اگر حضور ہمارے ساتھ ہی ہمارے شہر کو تشریف لے چلیں تو ہماری بڑی سعادت ہے۔ ہم ہر طرح سے جان نثاری کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہ تو ہنوز مکہ سے نکلنے کا حکم ہے اور نہ ابھی میری ہجرت کا کوئی مقام متعین ہوا ہے۔ اس لیے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب اور جہاں کے لیے حکم رہی ہو گا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ انصاف کی یہ جماعت ماہ ذوالحجہ میں آئی تھی۔ رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بقیہ ذوالحجہ اور اگلے سال کے دو مہینے محرم اور صفر مکہ ہی میں رہے۔ اس کے بعد ربیع الاول میں ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے۔

(ابن جریر وابن ہشام)

سیرت ابن ہشام میں اوس اور خزیج کے ۷۳۷ فردوں اور عورتوں کے اسماء گرامی بھی
زیب رقم کیے گئے ہیں جنہوں نے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت
کی تھی۔ میں یہاں ان کے اندراج کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ بدری سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں
غزوہ بدر میں حضرت مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف رفاقت میسر ہوا تھا۔ چونکہ اُمت محمدی میں
اصحاب بدر کا درجہ سب سے بلند و برتر ہے، اس لیے اس فضیلت کا اظہار مناسب خیال کیا گیا۔

قبیلہ اوس کے عباسیہ کرام | قبیلہ اوس کے یہ بلند فطرت حضرات داخل بیعت ہوئے۔
(۱) اسید بن حنیف (۲) ابوالیثم مالک بن نبہان بدری۔

(۳) سلمہ بن سلامہ بن وقش بدری (۴) ظہیر بن رافع بن عدی (۵) ابو بردہ ہانی بن دینار بدری (۶)
نہیر بن مہشم (۷) سعد بن خیشم بدری (۸) رفاعہ بن عبداللہ بدری (۹) عبداللہ بن جبیر بدری (۱۰)
معن بن عدی بدری (۱۱) عوف بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔

خزرجی اہل بیعت | خزرجیوں کے ان مقدسین کو حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے
حضور میں شرف بیعت و ارادت نصیب ہوا: (۱) ابوالیثم خالد بن

کلیب بدری (۲) معاذ بن حرث (ابن عفرار) بدری (۳) ان کے بھائی عوف بن حرث (ابن عفرار) بدری
(۴) رفاعہ بن حرث بن سواد (۵) عمارہ بن حزم بدری (۶) ابوامامہ سعد بن زرارہ (۷) سہل بن
عتیک بدری (۸) اوس بن ثابت بدری (۹) ابو طلحہ زید بن سہل بدری (۱۰) قیس بن ابی صعصعہ
بدری (۱۱) عمرو بن غزیہ (۱۲) سعد بن ربیع بدری (۱۳) خارجہ بن زید بدری (۱۴) عبداللہ بن رواحہ بدری
(۱۵) بشیر بن سعد بدری (۱۶) عبداللہ بن زید بدری (۱۷) غلام بن سوید بدری (۱۸) ابو مسعود عقبہ بن عمرو
(۱۹) زیاد بن لبید بدری (۲۰) فروہ بن عمرو بدری (۲۱) خالد بن قیس بدری (۲۲) رافع بن مالک
(۲۳) ذکوان بن عبد قیس بدری (۲۴) عباد بن قیس بدری (۲۵) حرث بن قیس بدری (۲۶) ہارث بن
معروڑ (۲۷) ان کے فرزند بشر بن ہارث بدری (۲۸) سنان بن صیفی بدری (۲۹) طفیل بن نعمان بدری
(۳۰) معقل بن منذر بدری (۳۱) یزید بن منذر بدری (۳۲) مسعود بن یزید (۳۳) ضحاک بن حارث
بدری (۳۴) یزید بن خدام (۳۵) جبار بن محضر بدری (۳۶) طفیل بن مالک بدری (۳۷) کعب بن
مالک (۳۸) سلیم بن عمرو بدری (۳۹) قطبہ بن عامر بدری (۴۰) یزید بن عامر بدری (۴۱) ابوالیسر
کعب بن عمرو بدری (۴۲) صیفی بن سواد (۴۳) ثعلبہ بن غنم بدری (۴۴) عمرو بن غنم بدری (۴۵)

عبد اللہ بن امیس (۴۶) خالد بن عمرو (۴۷) عبد اللہ بن عمرو بدری (۴۸) جابر بن عبد اللہ بن عمرو (۴۹) معاذ بن عمرو بن جموح بدری (۵۰) ثابت بن جذع بدری (۵۱) عئیز بن حوث بدری (۵۲) معاذ بن جبل بدری (۵۳) اوس بن عباد بن عدی (۵۴) عبادہ بن صامت بدری (۵۵) عباس بن عبادہ بن نضله (۵۶) ابو عبد الرحمن بن زید بن ثعلبہ (۵۷) عمرو بن حوث (۵۸) ابو الولید رفاعہ بن عمرو بن زید بدری (۵۹) عقبہ بن وہب بدری (۶۰) سعد بن عبادہ (۶۱) منذر بن عمرو بن خنیس بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

دو خواتین کی بیعت | ان کے علاوہ دو خواتین نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرنے تھے۔ ان سے زبانی ترک معاصی کا اقرار کرا لیتے اور پھر فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔ دو میں سے ایک خاتون اُمّ منیع اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں اور دوسری اُمّ عمارہ نسیمہ بنت کعب جو ایک بڑی بہادر و انصاریہ خاتون تھیں۔ اُمّ عمارہ اپنی بہن اور اپنے شوہر زید بن عامر اور دو بیٹوں حبیب بن زید اور عبد اللہ بن زید کے ہمراہ غزوہ اُحُد میں شریک ہوئیں اور بڑی شجاعت و جان بازی کا ثبوت دیا۔

مسیلمہ کذاب مدعی نبوت نے ان کے فرزند گرامی حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو زندان بلا میں ڈال رکھا تھا۔ مسیلمہ اُن سے ہر روز سوال کرتا کہ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ وہ کہتے بے شک! پھر پوچھتا کہ کیا تم اس امر کی بھی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو فرماتے کہ میں نہیں سنتا۔ آخر جب مسیلمہ نے دیکھا کہ حبیب (رضی اللہ عنہ) ہر مرتبہ اس کی (خانہ ساز) نبوت کو ٹکرا دیتے ہیں تو اس نے غضب ناک ہو کر ان کے جسم مبارک کا ایک ایک عضو قطع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ تمام اعضا الگ الگ کر دیے اور وہ اس کے ہاتھ سے شربت شہادت پی کر رگزین عالم جاوداں ہو گئے۔

جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی، محترمہ اُمّ عمارہ اپنے فرزند گرامی حضرت عبد اللہ کے ہمراہ شریک غزا ہوئیں۔ انہوں نے اس جان بازی سے اعداء کا مقابلہ کیا کہ جب وہاں سے مراجعت فرما ہوئیں تو ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے بارہ زخم تھے (سیرت ابن ہشام) لیکن انجام کار ان کے فرزند حضرت عبد اللہ نے مسیلمہ کذاب کو وحشی کی مدد سے جہنم واصل کر کے اپنے شہید بھائی کا انتقام لے لیا۔ انہوں نے تلوار کا وار کیا تھا اور وحشی نے اپنا حربہ چلایا تھا۔

(تجربہ اسماء الصغیرہ)

راقم الحروف نے سیدہ کذاب کے مبسوط حالات کتاب "ائمہ تبلیغ" میں حوالہ قرطاس کر دیے ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ | یثرب کے اہل ایمان قریش کی عناد پسندیوں کے پیش نظر رات کو نہایت اخفا اور رازداری کے ساتھ قیام گا۔ سے نکلے تھے اور رات کی تاریکی میں آٹکے

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے اپنے غیر مسلم ساتھیوں کی بے خبری میں واپس آ کر خواب ہو گئے تھے اور صبح کو ان ہی کے ساتھ بستر خواب سے اُٹھے تھے لیکن معلوم نہیں کہ یہ راز کیونکر فاش ہو گیا۔ علی الصباح مناد یثرب کو اطلاع ملی کہ رات کو یثرب کے بہت سے لوگوں نے تمہارے خلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی ہے "یہ سن کر وہ سخت برہم ہوئے اور تحقیق حال کے لیے اُس مقام پر پہنچے جہاں یثرب کا قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ خزانہ کے غیر مسلموں سے کہنے لگے اے گروہ خزانہ! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے خلاف رزم خواہ ہونے کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے۔"

یثرب کے بت پرستوں کو جو مسلمانوں کے ساتھ چلے آئے تھے اس بیعت کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ انہوں نے قسمیں کھانی شروع کیں اور غیر مسلموں کے سردار عبداللہ بن ابی اسفہان نے جو ہجرت نبوی کے بعد رئیس المنافقین کے لقب سے مشہور ہوا اس اطلاع کی بڑے زور سے تردید کی اور کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو مجھ سے کبھی غفی نہ رہ سکتا تھا (ابن سعد و ابن جریر طبری)۔

عماد قریش اس جواب پر مطمئن ہو کر واپس چلے گئے لیکن حبان کے کان میں جھنک پڑی کہ واقعی رات کو بیعت ہوئی تھی تو پھر وہ میں لگ گئے۔ آخر ان کو حق الیقین معلوم ہوا کہ وہ اطلاع بالکل درست تھی۔ اب وہ خزانہ کے تعاقب میں گئے۔ قافلہ تو نکل گیا تھا لیکن سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو جو کسی طرح منقطع ہو کر قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے، انہیں حاجز میں مل گئے منذر تو انکی گرفت سے نکل گئے مگر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور انہی کے کھادے کے تسموں سے ان کی ٹشکیں باندھ کر مارتے ہوئے اور سر کے بالوں سے جو بڑے بڑے تھے گھسیٹتے ہوئے مکہ لائے۔ اب جو کوئی آتا ان کو مارنا پٹینا اور بالوں سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیتا۔

جبیر بن مطعم اور حارث بن اُمیہ کا آکر چھوڑا نا | حضرت سعد بن حبان ہے کہ جب قریش

مجھے مار رہے تھے تو ایک خوش جمال مٹرخ و سپید آدمی مجھے اپنی طرف آتا دکھائی دیا میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا اور دل میں کہا کہ اگر مجھے کسی شخص سے حسن سلوک کی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا۔ لیکن جب وہ میرے قریب آیا تو اس نے اس زور سے میرے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ میرا منہ منہ پھیر گیا۔ اس وقت مجھے یقین ہوا کہ یہ سب کے سب شقی اور سیاہ باطن ہیں۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور میرے حال پر رحم کھا کر مجھ سے دریافت کیا کہ مکہ میں کسی سے تمہاری شناسائی ہے؟ میں نے کہا ہاں جیسر بن مطعم اور حارث بن اُمیۃ (بن عبد شمس بن عبد مناف) کو جانتا ہوں یہ دونوں تجارت کے لیے ہمارے شہر یثرب جایا کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے۔ وہ بولا تو پھر لوگوں سے کیوں نہیں کہتے کہ فلاں فلاں آدمی میرے ملاقاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ خود شہر میں آیا اور دونوں سے مل کر انہیں بتلایا کہ خرّج کا ایک آدمی بُری طرح پٹ رہا ہے اور تم دونوں کا نام لیتا ہے۔ انہوں نے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام سعد بن مجاہدہ ہے۔ وہ کہنے لگے کہ سعد بن مجاہدہ تو قبیلہ خرّج کے رئیس اعظم ہیں اور ان کے ہم پر احسان ہیں۔

غرض ان دونوں نے آکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ظالموں کے پیچھے عذاب سے چھوڑا یا۔ آگے جا کر اہل قافلہ کو پتہ چلا کہ سعد بن مجاہدہ یہ قافلہ میں موجود نہیں ہیں۔ قافلہ ٹھیر گیا اور چند آدمی ان کی تلاش میں مکہ معظمہ کی طرف لڑے۔ اتنے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی آتے دکھائی دیے۔ انہوں نے قریش کی ظلم رانی اور اپنی مظلومی کے حالات سنائے۔ سب کو اس حادثہ کا سخت قانع ہوا جس حسین و مقبول صورت شخص نے ان کے تھپڑ مارا تھا وہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ہنوز کفر کی دلدیوں میں راہ ہدایت گم کر رکھی تھی (محمد بن جریر طبری)۔

مسلمانوں نے ان سفایکوں کا کوئی بدلہ نہ لیا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے راہِ حق میں جو صدمہ اٹھایا اور مصیبت سہی اس کا اجر تو انہیں واہب کر دگار کی جناب میں ملے گا لیکن اشیقائے قریش کی حالت پر افسوس ہے کہ

انہوں نے ایک جرمِ نا آشنا غریب الوطن کو تنہا پا کر اس سے ایسا غیر انسانی سلوک کیا۔ اصل یہ ہے کہ یہ سیاہ دل اپنی شقاوت کا مظاہرہ کرنے سے کبھی نہیں چوکے تھے جب کبھی ان کو موقع ملتا مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے میں انہیں ذرا باک نہ تھا۔ اگر ان کا حریف مقابل بنی مرسل کی بجائے کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ قمعِ مکہ کے دن اس کے ہاتھوں سے اپنی سالہا سال کی پیسہ سفایکوں اور حفاکاریوں کا مزہ چکھ لیتے۔ دنیاوی حملہ آور حصولِ فتنے کے بعد مکہ کی اینٹ سے اینٹ

بجاء دیتا اور قرآنہ قریش کو دار پر کھینچ کر ان کے ایک ایک بچہ تک کو صفحہ ہستی سے نابود کر دیتا۔ لیکن خوش قسمتی سے قریش کو اپنا مد مقابل خدا کا سپار رسول ملا تھا جس نے فتح مکہ کے دن ان پر قابو پا کر غرور عام کا اعلان کر دیا۔

یشرب کے نو مسلموں کی مظلومی | ان ایام میں مہاجرین حبشہ میں سے کچھ حضرات مکہ واپس آ چکے تھے اور بلد الایمن کے اندر مسلمانوں کی تعداد میں

اضافہ ہو رہا تھا۔ یشرب میں اسلام رو بہ ترقی تھا اور رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمانان یشرب کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ قریش یہ دیکھ کر مار دُم بریدہ کی طرح بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ جتنا بس چلے پروان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زیادہ سے زیادہ اذیتیں دیں۔ چنانچہ اب انہوں نے مقامی مسلمانوں کی طرح انصار کو بھی پکڑنا اور مارنا شروع کر دیا۔ ان جسم نام آشناؤں نے قریش کے ہاتھ سے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ تیرہ سال کے زمانہ نبوت میں اہل حق و صدق کو جن مشکلات کا سامنا ہوا، ان میں یہ دو وقت بھی زیادہ مصیبت کے تھے۔ ایک وہ جبکہ حال نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی مظلومی سے طول ہو کر انہیں حبشہ کو ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ دوسرا اب جبکہ قریش نے بعض مسلمانوں کے حبشہ سے واپس آنے کے بعد اہل مدینہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے دیکھا اور اس وجہ سے انصار مدینہ کو ستایا اور مقامی مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ ظلم توڑنے شروع کیے۔ یہ آخری مصیبت تھی جو مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے قریش کے ہاتھوں سے اٹھانی پڑی (محمد بن جریر طبری)

فصل ۲۱۵۔ معجزہ شق لقمہ

عمایہ قریش کا مطالبہ کہ ہمیں بھی کوئی نشان صدق دکھایا جائے | عہد حاضر میں تو قریب قریب دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان بغیر من ج مکہ کا سفر کرتے ہیں لیکن ظہور اسلام سے پہلے کتبہ معلیٰ صرف اہل عرب کا مرجع تھا۔

ہجرت سے پہلے عرب کے جو قبائل مکہ معظمہ آتے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تبلیغ کے لیے تشریف لے جایا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ اُدھی رات کے وقت اسی غرض سے کسی قبیلہ کی طرف چلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ بھی آپ کے ساتھ

تھے۔ اتفاق سے چند رؤسائے قریش آپ کو راستہ میں مل گئے۔ وہ آپ کو قبائل کی طرف جاتے دیکھ کر کہنے لگے: "تم چکے چکے باہر کے لوگوں کو اپنا پیرو بناتے ہو لیکن ہم لوگوں کو اپنی سچائی کی کوئی نشانی دکھا کر اپنے ساتھ ملائے کی کیوں کوشش نہیں کرتے؟"

چاند کا دو ٹکڑے | آپ نے فرمایا تم لوگ تو میری بات سننا ہی گوارا نہیں کرتے۔ ایسی بات میں تمہیں میرے حق و صدق کا کیوں کر یقین ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوئی نشان صدق دکھاؤ تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ ابو جہل چاند کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: اچھا اگر تم سچے ہو تو ہمارے سامنے اس چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے سچا ہی یقین کرو گے، ابو جہل اور قریش کے دوسرے سردار بولے ہاں تمہیں سچا ہی مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ مٹا چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا کوہ حرا کے مشرق کی طرف اتر آیا اور دوسرا مغرب کی جانب ہویا۔ پہاڑ دونوں کے بیچ میں تھا۔ پھر دونوں حصے اوپر کی طرف چڑھے اور آپس میں مل گئے (بخاری، مسلم وغیرہما)

دور سے آنے والے مسافروں کی تصدیق | یہ دیکھ کر عمائد قریش قبول حق کی بجائے آپس میں کہنے لگے کہ واقعی "ابن ابی کبشہ" بڑا ساحر ہے۔ اس نے چاند پر اور ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ انہی میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اگر یہ شخص جادوگر ہے اور اس نے چاند پر اور تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے تو جادوگری تمام ملک کے لوگوں پر تو اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کرنا چاہیے کہ انہوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اس کے بعد جو مسافر مکہ معظمہ وارد ہوئے ان میں سے اکثر نے بیان کیا کہ ہم نے فلاں رات نصف شب کے وقت چاند کو دو ٹکڑے ہوتے اور زمین کی طرف اترتے اور پھر اوپر کو چڑھ کر مل جاتے دیکھا تھا (سبق فی الدلائل)

قرآن میں شوق القمر کا تذکرہ | معجزہ شوق القمر کا تذکرہ سورہ قمر کی پہلی آیت میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِثْرَبْتَ السَّاعَةَ وَ اَنْشَقَّ الْقَمَرُ وَ اِنْ يَوْمًا اَيَّةُ الْقَمَرِ قَرِيبٌ اَمَّيْ اَوْ رَقِيبٌ اَمَّيْ اَوْ رَقِيبٌ اَمَّيْ اَوْ رَقِيبٌ اَمَّيْ

قیامت قریب آگئی اور (پیغمبر کے معجزہ سے) چاند شوق ہو گیا (اور قریب

يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ
مُسْتَمِرٌّ

قیامت کی ایک نشانی ہے اور یہ
لوگ کہہ کر ہجرت دیکھتے ہیں تو دگر دانی کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

بعض الحاد پسند لوگ اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ قیامت کو چاند پھٹ جائے گا۔
لیکن اس صورت میں اول تو ماضی کو بغیر کسی قرینہ کے مستقبل کے معنی میں لینا پڑے گا۔ دوسرے
یہ کہ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس آیت کے بعد یہ مذکور نہ ہوتا کہ یہ کافر کوئی نشان دیکھتے ہیں
تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ قیام قیامت کے بعد اس کا
انکار ایک بے معنی چیز ہے اور قیامت برپا ہونے کے بعد اس کو سحر سحر کہنا بھی خلاف قیاس
ہے۔ اس کے علاوہ صحیح روایتیں بھی اس خیال کی پر زور تردید کر رہی ہیں۔

انشقاق قمر دو باتوں کا نشان تھا

انشقاق قمر دو باتوں کا نشان تھا۔ ایک تو حضور
خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی کا

اور دوسرا اس امکان کا کہ آسمان قیامت کے قریب پھٹ جائے گا کیونکہ منکرین قیامت
کے نزدیک قبروں سے جی اٹھنا اور آسمانوں کا پھٹنا دونوں امر محال تھے۔ سو حق تعالیٰ نے
سورہ قمر میں فرمایا کہ قیامت قریب آگئی اور چاند بھی پھٹ گیا جو نبوت محمدی کی دلیل اور
اس امکان کی علامت ہے کہ قیامت کے قریب آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ معجزہ قرآن کی طرح
احادیث نبویہ کی روایات متواترہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ زرقانی شارح مؤطانی شرح
مہاسب لدنیہ کی جلد اول صفحہ ۳۵۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔

لمحدوں کے اعتراضات

لمحدوں نے اس معجزہ پر دو اعتراض کیے ہیں۔ ایک یہ کہ
آفتاب، ماہتاب اور دوسرے اجرام علویہ میں خرق و الیام

(پھٹنا اور مل جانا) ممکن نہیں۔ مگر یہ اعتراض صحیح نہیں۔ حکما میں سے صرف مشائخ اس بات
کے قائل ہیں لیکن وہ اپنے دعوے کی تائید میں کبھی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ صدر الدین شیرازی
نے شرح ہدایت الحکمت معروف بہ صدایں دو مقام پر ثابت کیا ہے کہ چاند سورج اور ستارے
قابل فرق والیام ہیں اور حکماء فرنگ نے بھی جو فیثاغورث اثرائتی کی وضع پر ہیئت کو قائم کرتے
ہیں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ زمین کی طرح اجرام فلکیہ بھی قابل فرق والیام ہیں۔

الحاد پسندوں کا دوسرا اعتراض

الحاد پسندوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ وقوع

میں آتا تو بلاد دور دست کے لوگ بھی اسے دیکھتے اور ان کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ملتا۔
 اس کا جواب یہ ہے کہ جب اہل مکہ نے مسافت بعیدہ کے رہنے والوں سے اس کے متعلق
 دریافت کیا تو بتوں نے اس کا وقوع برائے العین تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ انشقاق قمر نصف شب کا
 واقعہ ہے۔ آدھی رات کے وقت عادتاً بہت کم لوگ بیدار ہوتے ہیں۔ مزید براں ظاہر ہے کہ دنیا
 کے اکثر مقامات میں اس وقت دن ہو گا جیسا کہ علم ہیئت سے ثابت ہے اور بہتری جگہوں
 میں چاند ابر میں چھپا ہو گا۔ ایسے مقامات کے لوگ اس تغیر حال پر کسی طرح مطلع نہیں ہو سکتے تھے۔
 اس سے قطع نظر سال کے کم از کم نصف مہینوں میں لوگ محض مکانوں میں سوتے ہیں اور ان کی
 نظر چاند پر نہیں ہوتی اور کسوف و خسوف کی طرح کسی کو پہلے سے چاند کے پھٹنے کا انتظار بھی نہ تھا
 جو اس کے لیے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے۔ پس اکثر اشخاص کا اس پر مطلع نہ ہونا اور اس کو اپنی
 تاریخوں میں درج نہ کرنا مستبعد اور موجب حیرت نہیں۔ (تاریخ حبیب اللہ)

یوشع کے لیے آفتاب کا ٹھیر جانا | بائبل میں یوشع علیہ السلام کے لیے آفتاب کا ٹھیر
 جانا مذکور ہے۔ یہ واقعہ دوسرے بلاد کے لوگوں کے

مشاہدہ میں نہیں آیا اور نہ کسی نے اپنی تاریخ میں درج کیا حالانکہ یہ واقعہ دن کا تھا۔ پس جس
 طرح دوسری قوموں کی تاریخوں میں اس واقعہ کا عدم اندراج اس واقعہ کو غلط نہیں ٹھیرا سکتا
 اسی طرح معجزہ شق القمر کے وقوع کی بھی جو نصف شب کے وقت تھا تعلق نہیں ہو سکتی۔

بائبل ہر تاریخ فضلی میں ہندوستان کے ایک راجہ کا اپنے محل پر سے چاند کا شق ہونا
 اور نجومیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہونا کہ یہ پیغمبر آخر الزمان کا ایک نشان صدق ہے
 اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایچی بھیجا اور اسلام قبول کرنا مذکور ہے اور کتاب
 سوانح الخرمین میں بھی یہ واقعہ مندرج ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہر دھار کا راجہ تھا (تاریخ حبیب اللہ)

عہد نبوت میں کسی منکر کو | غرض معجزہ شق القمر میں کسی ریب و شبہاء کو دخل نہیں۔
عجالی انکار نہ ہوتی | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ قمر جس میں اس معجزہ کا
 تذکرہ ہے اکثر تبلیغی مجلسوں میں پڑھا کرتے اور من معجزہ سے

اپنی صداقت پر استدلال کیا کرتے تھے اور بڑے بڑے دشمنان رسالت اس سہوہ کو ہمیشہ سنا کہتے
 تھے لیکن کسی منکر کو کبھی عجالی انکار نہ ہوتی اور جب کبھی کہا تو یہی کہا کہ عہد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاند
 پر اور ہماری آنکھوں پر جا دو کر دیا تھا۔ جو حضرات اس معجزہ کے عقلی دلائل اور اس کی تفصیل بحث

دیکھنے کے مشتاق ہوں وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب "الجواب الصریح لمن بادل دین المسیح" (جلد اول صفحات ۱۵۵-۱۵۸ اور جلد ۲ ص ۱۵۸) کی طرف رجوع کریں۔

فصل ۲۱۶۔ دارالامان مدینہ کو صحابہ کرام کی ہجرت فرمائی

اب مکہ مکرمہ میں دعوت حق کی مظلومی انتہاء کو پہنچ چکی تھی اور بئیک کی جگہ ہر طرف سے تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ یہ دیکھ کر حضور شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اپنے مظلوم پیروں کے لیے کوئی ایسا دامن تجویز کریں۔ مگر قبش کو ہجرت کرنے والے اصحاب کرام بھی ساہا سال سے غریب الوطن کی زندگی بسر کر رہے تھے تاہم وہاں انہیں ستانے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن جو پیروان حق مکہ میں تھے ان پر چاروں طرف سے مشرکوں کی یورش اور دشمنان دین کا زور تھا اور ہادی اناہام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت ان کی جان کے لالے پٹے رہتے تھے۔ اس لیے مؤخر الذکر صحابہؓ نے بھی اپنے آقا و مولیٰ کو ہی فداء سے ترک وطن کی اجازت طلب کی اور اپنے رہنا مندی بھی ظاہر فرمادی، لیکن ہنوز یہ مسئلہ حل طلب تھا کہ نیا دارالہجرت کون سا مقام ہو؟

ابن سعد ابن جریر، ابن ہشام وغیرہ مؤرخوں اور سیرت نگاروں میں سے کسی نے یہ عقیدہ حل نہیں کیا کہ پہلی دو ہجرتوں کے بعد قبش کو مزید ہاجروں کی روانگی کیوں مستحسن نہ خیال کی گئی؟ راقم الحروف کے زعم میں اس کے متعدد وجوہ تھے جن میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ دوسرے مقامات کے مسلمانوں کی طرف سے دعوتیں آئی ہوئی تھیں اور ان کی خواہش کی تعمیل تبلیغی نقطہ نظر سے حبشہ جانے سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یثرب کے مسلمانوں نے آپ سے اپنے جان ٹالو سمیت یثرب کو قدم فرما ہونے کی درخواست کی تھی۔ اسی طرح دوسرے نام ایک طاقتور قبیلہ بن کے ایک کنارے پر آباد تھا جس کے پاس ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اس قلعہ کے سردار حضرت نفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا قلعہ پیش کیا تھا اور حضور خیر الامام صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی تھی کہ حضور صبح اصحاب کرام وہاں قدم رنجہ فرما کر اطمینان سے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھیں۔ مگر آپ نے وہاں جانا منظور نہ فرمایا (صحیح مسلم) اسی طرح قبیلہ ہمدان کے سردار نے بھی آپ کی حفاظت و میانت پر آمادگی ظاہر کی تھی (مسند رب حاکم)

عالم رویا میں مقام ہجرت کا مشاہدہ

لیکن آپ فرمایا خداوند کی پیغمبر از خود کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ہر عمل مسئلہ میں حکیم الہی کا انتظار فرماتے تھے۔ اس بنا پر جب تلوایاں امن نے دارالہجرت کے متعلق استفسار کیا تو باوجودیکہ مسلمانانِ یثرب

کی طرف سے خاص طور پر مظلوم صحابہ کے لیے مدینہ آنے کی دعوت آپ کی تھی، آپ نے چند روز تک کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن بالآخر جس بات کا انتظار تھا، آپ کو عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کرایا گیا۔ چنانچہ آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ سے خدام اور جان نثاروں سمیت کسی ایسے مقام کو ہجرت کر رہے ہیں جو خوش سواد نخلستان ہے۔ اس سے آپ نے خیال فرمایا کہ اہل ایمان کا نیا دارالہجرت یہاں ہے یا ہجر ہوگا۔ لیکن درحقیقت یہ مدینہ کی بابرکت سرزمین تھی (صحیح بخاری)

آخر جب وحی الہی نے صراحتہ رہبری کی اور معلوم ہوا کہ وہ پر فضا باغ و بہار مقام یثرب کا مبارک خطہ ہے تو آپ نے فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کا دارالہجرت یثرب ہوگا پس جو کوئی جانا چاہے وہاں کا قصد کرے۔ اس اذن ہجرت کے بعد بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس حکم کے بموجب سب سے پہلے (۱) حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومیؓ اور ان کے بعد (۲) حضرت عامر بن ربیع غنویؓ بدریؓ جن کے ساتھ ان کی بیوی (۳) میل بنت ابی حنتر بھی تھیں، دار مدینہ ہوئے (۴) ابن سعد و ابن ہشام) ان کے بعد (۵) حضرت سعد بن ابی وقاص اور (۶) حضرت عمار بن یاسر اور (۷) حضرت بلال بن رباح بدری رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے۔ (صحیح بخاری)

دوسرے مہاجرین

ابن ہشام کے سوا شاید اہل سیر میں سے کسی نے ان مہاجرین اور مہاجرات کی فرست و معج نہیں کی جنہوں نے ہجرت نبوی سے پہلے مہاجراتِ اولین

ستم کدہ مکہ کو چھوڑ کر بیت الامن مدینہ کا راستہ لیا۔ گو ابن ہشام نے ساتھ سے زاید نفوس مقدسہ کی فرست دی ہے لیکن تشنہ تکمیل ہونے کے علاوہ اس میں ہمیں بعض جلیل القدر مہاجرین کے اسماء گرامی بھی دکھائی نہیں دیتے۔ اس لیے میں نے باقی ماندہ مہاجرین عظام کے اسماء گرامی سخت کدو کا دیش کے ساتھ مختلف ماخذوں سے فراہم کر کے اس مبارک فرست کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ کوئی نام قلم انداز نہیں ہوا جہاں تک خاک و راقم الحروف کی تلاش و تتبع کو دخل ہے، ان نفوس مطہرہ کی تعداد جنہوں نے ہجرت

نبوی سے پیشتر مکہ کو اوداع کہہ کر شرب کی مبارک سرزمین میں بود و باش اختیار کی تھی۔ ان میں سے چھ نام اوپر درج ہوئے۔ دوسرے حضرات کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں۔

متذکرہ صدر بزرگان ملت کے بعد (۷) حضرت عبداللہ بن جحش بن ربیع بن ابی بکر بن ربیع (۸) اور ان کی بیوی جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور ان کے بھائی (۹) حضرت ابو احمد روانہ ہوئے۔ عبداللہ اور ابو احمد رضی اللہ عنہما عامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیر بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ ان کے ساتھ ان کی تینوں بیویں (۱۰) محترمہ زینب بنت جحش جو آئندہ چل کر انہات المؤمنین کے پاک زمرہ میں داخل ہوئیں اور (۱۱) اُم حبیبہ یا اُم حبیب بنت جحش زوجہ حضرت عبدالرحمن بن عوف (۱۲) اور (۱۳) حضرت مصعب بن عمیرؓ کی بیوی محترمہ بنت جحش اور (۱۴) جناب عبداللہؓ کے فرزند محمد بن عبداللہ بن جحش بھی تھے۔ امام شمس الیٰ نے "الرواق الاول" میں لکھا ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویہ (۱۵) زینب بنت ابی سلمہ بن عبد الاسد مخزومیہ بھی انہی کے ساتھ تھیں۔ ان کے بعد شاید یہ مقدسین کرام دارالہجرت پہنچے۔ (۱۶) حضرت عکاشہ بن محض (۱۷) ان کے بھائی عمرو بن محض (۱۸) اُن کی بہن اُم قیس بنت محض (۱۹) حضرت شجاع بن ابی وہب بدری (۲۰) حضرت عقبہ بن وہب بدری (۲۱) حضرت اربد بن حمیرہ بدری (۲۲) حضرت بن نباتہ (۲۳) حضرت سعید بن رقیش اسدی (۲۴) حضرت یزید بن رقیش اسدی بدری (۲۵) حضرت عمرو بن نفیلہ اسدی بدری (۲۶) حضرت قیس بن جابر اسدی (۲۷) حضرت مالک بن عمرو اسدی (۲۸) حضرت صفوان بن عمرو اسدی (۲۹) حضرت ثقیف بن عمرو عدوانی بدری (۳۰) حضرت ربیعہ بن اکثم اسدی بدری (۳۱) حضرت زبیر بن عبیدہ اسدی (۳۲) حضرت تمام بن عبیدہ اسدی (۳۳) حضرت سحرہ بن عبیدہ اسدی (۳۴) حضرت جذامہ بنت جندل (۳۵) حضرت اُم حبیب بنت ثمامہ (۳۶) حضرت آمنہ بنت رقیش (۳۷) حضرت سحرہ بنت تیم رضی اللہ عنہم ان کے بعد اغلباً یہ بزرگہ ہستیاں قدوم فرما سے دارالامان ہوئیں (۳۸) حضرت عمر بن خطاب بدری (۳۹) ان کے فرزند گرامی حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۴۰) ان کے بھائی حضرت زید بن خطاب (۴۱) ان کی صاحبزادی محترمہ حفصہؓ جو بعد میں امہات المؤمنین کے مبارک گروہ میں شامل ہوئیں (۴۲) محترمہ حفصہؓ کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ سہمی بدری لیکن ان کے متعلق بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ براہ راست حبشہ سے مدینہ پہنچے تھے (۴۳) حضرت فاروق اعظمؓ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید بدری جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں (۴۴) اور حضرت

سید کی بیوی محترمہ فاطمہ بنت خطاب جو حضرت عمرؓ کی ہمیشہ تھیں۔ یہ بزرگوار بھی حضرت عمرؓ کے قافلہ کے ساتھ تھے (۴۴) حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی (۴۵) حضرت عمرو بن شراقہ عدوی بدری (۴۶) حضرت عبداللہ بن مراقہ عدوی بدری (۴۷) حضرت راقد بن عبداللہ ثقیفی بدری (۴۸) حضرت خولی بن ابی خولی بدری (۴۹) حضرت مالک بن ابی خولی جفی بدری (۵۰) حضرت یاس بن بکیر بدری (۵۱) حضرت عاقل بن بکیر لیشی بدری (۵۲) حضرت عامر بن بکیر لیشی بدری۔ (۵۳) حضرت خالد بن بکیر لیشی بدری رضی اللہ عنہم۔

غالباً ان کے بعد (۵۴) حضرت عمرو بن عبدالملک بدری (۵۵) حضرت زید بن حارثہ (۵۶) حضرت انس بن زید (۵۷) حضرت انسہ کی والدہ حضرت اُم ایمن (۵۸) حضرت ابوسرح آنسہ بدری (۵۹) حضرت ابوبکثہ سلیم بدری (۶۰) حضرت علیہ بن حارث بن مطلب بدری (۶۱) ان کے بھائی حضرت طفیل بن حارث بن مطلب بدری اور (۶۲) حضرت حُصَین بن حارث بن مطلب بدری (۶۳) حضرت سویط بن سعد بن حرمہ قرشی بدری (۶۴) حضرت طلحہ بن عقیل بدری جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی اہلی بنت عبدالملک کے فرزند تھے (۶۵) حضرت نجاب بن اوتہ تمیمی (۶۶) حضرت ابوسرو بن ابی رہم عامری ہمدانی (۶۷) حضرت شقار بنت عبداللہ عدویہ (۶۸) جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی والدہ فخرتہ حضرت فاطمہ بنت اسد (۶۹) حضرت فاطمہ بنت قیس (۷۰) حضرت مہصب بن عقیل (۷۱) امیر معاویہؓ کے کاموں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بدری (۷۲) ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہم۔

غالباً ان کے بعد ان بزرگانِ امت نے خدا سے برتر کی رضا جوئی کے لیے اپنے وطنِ نالوف سے مفارقت اختیار کی۔ (۷۳) حضرت عثمان ذوالنورین بن عفان اموی بدری (۷۴) ان کی زوجہ طاہرہ سیدہ رقیۃ سلام اللہ علیہا بنت حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم (۷۵) حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری بدری (۷۶) امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں (۷۷) حضرت عبداللہ بن مسعود ہندی (۷۸) اور ان کی بیوی محترمہ زینب بنت عبداللہ ابو معاویہ (۷۹) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری (۸۰) حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی (۸۱) حضرت شماس بن عثمان مخزومی بدری (۸۲) حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم (۸۳) حضرت عمرو بن عوف بدری جو عمرو بن شہیل کے مولا تھے۔ (۸۴) حضرت سہیل بن بیطار زہری بدری (۸۵) حضرت صفوان بن بیطار زہری (۸۶) حضرت عمرو بن ابی عمرو مزنی (۸۷) حضرت تمام بن

عدی قرشی بدری (۸۸) حضرت عمر بن حارث بھی بدری (۸۹) حضرت مسعود بن ریح بدری (۹۰) حضرت عثمان بن مظعون بھی (۹۱) اور ان کی بیوی محترمہ خولہ بنت حکیم (۹۲) حضرت عثمان کے بھائی حضرت قتادہ بن مظعون بدری (۹۳) حضرت عبداللہ بن مظعون بدری (۹۴) ان کے صاحبزادہ حضرت سائب بن عثمان بدری (۹۵) حضرت عیسیٰ بن ابی وقاص بدری (۹۶) حضرت ابوہریرہ اسلمی (۹۷) حضرت ابوہریرہ غنوی بدری (۹۸) حضرت یوسف بن یسار ازدی (۹۹) حضرت ابویحییٰ خباب بدلی (۱۰۰) حضرت وہب بن سعد بن ابی سرح عامری بدری (۱۰۱) حضرت عمرو بن ابی سرح قہری بدری (۱۰۲) حضرت عیاض بن زہیر قہری بدری (۱۰۳) حضرت عبداللہ بن خرمہ عامری بدری (۱۰۴) حضرت سعد بن مالک زہری بدری (۱۰۵) حضرت مسعود بن خولہ قرشی بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ذی ثروت تارکین وطن کا مفلس و نادار ہو جانا | ان مہاجرین کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَتَصَدَّقُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

اور ان حاجت مند مہاجروں کا حق ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے (جبراً و ظلماً) جدا کر دیے گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (اکے دین) کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ صادق (الایمان) ہیں۔ (۵۹: ۸)

ان مہاجرین کرام کو حق تعالیٰ کی لسان وحی نے فقراء اس لیے کہا کہ یہ لوگ مکہ سے انہی کپڑوں میں نکلے جو ہر ایک نے پہن رکھے تھے بلکہ عظیمہ میں ان میں سے اکثر حضرات متمول تھے لیکن تب مدینہ پہنچے تو مفلس و نادار ہو کر پہنچے۔

حضرت ابوبکرؓ کی | چونکہ مدینہ منورہ کے اندر بہت زیادہ مہاجروں کے لیے کافی گنجائش نہ سمجھی گئی اس لیے اوایل میں مہاجرین کرام کی زیادہ تعداد قبای میں اقامت بھرت میں التوا | گزری ہوئی جو مدینہ منورہ کی بیرونی آبادی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی

اللہ عنہ قبای کے ایک رئیس مفاعہ بن عبد اللہ زکری کے ہاں ٹھہرے تھے۔ قبای کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دوسروں کے ساتھ رزاقی کی تیاری کی تھی لیکن خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ شاید مجھے بھی جانے کی اجازت مل جائے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ

اکٹھے چلیں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر نہایت محظوظ ہوئے اور خوشی کے لہجے میں کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا واقعی اس کی امید ہو سکتی ہے کہ آپ کے بھی ترک وطن کی اجازت لی جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں بڑی امید ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی رفاقت کے لیے اپنا جانا ملتوی کر دیا (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ کا باواز بلند | حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوا تمام مہاجر چھپ چھپکے گھروں سے نکلے تھے اور ساتھ کچھ نہ لے جاسکے تھے حضرت عمرؓ نے چلتے وقت تلوار نیزہ اور تیر و کمان لے کر کعبہ معلیٰ کا

ٹنخ کیا۔ اس وقت تمام رؤساء قریش معن کعبہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آکر نہایت اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابلاہیم میں پوری دل جمعی اور تعدیل ارکان کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد باواز بلند فرمایا کہ اُن لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جنہوں نے پتھروں کے ٹکڑوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اے گروہ قریش! تم لوگوں کو معلوم ہو کہ میں مکہ سے جا رہا ہوں جس کسی کو اپنا بیٹا یتیم اور بیوی کو راند کرنا منظور ہو وہ میرے پیچھے آئے اور جانے سے روک لے۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ کچھ مزاحمت کرتا یا کسی بات کا جواب دیتا۔ حضرت عمرؓ دوسرے دن علی الصبح مع اہل وعیال روانہ ہو گئے (ملاحج)

اندوختہ عمری کے عوض | حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوا جس کسی نے ہجرت کرنی چاہی یا خفیہ جانے کا قصد کیا اور قریش کو پتہ چل گیا انہوں نے ضرور مزاحمت کی۔ جب قریش کو حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو قریش کی ایک جماعت نے پھپھا کیا۔ جب قریب پہنچے تو حضرت عثمانؓ اپنی سواری سے اتر پڑے اور ترکش سے تیر نکال کر کہنے لگے قریش کے لوگو! تم مجھے جانتے ہو کہ میں ایک مشہور تیر انداز ہوں۔ اگر تم میرے قریب آئے تو پہلے اپنے ترکش کے سارے تیر خالی کر دوں گا۔ پھر تلوار سے مقابلہ کر دوں گا۔ جب میں بالکل تھک جاؤں گا اس وقت مجھے پکڑ سکو گے۔ لیکن اتنے میں تمہاری بیسیوں لاشیں زمین پر نظر آئیں گی۔ اس لیے بترسے کہ واپس چلے جاؤ۔ ہاں اگر مال چاہتے ہو تو

مکہ میں جہاں میرا مال رکھا ہے، سب بتلائے دیتا ہوں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ غرض انہوں نے اپنا تمام سرمایہ انہیں بتا کر اس کے عوض میں متاع ایمان کا سودا خرید لیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ (ابن سعد ابن ہشام، باب النقول)

جب حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے محلہ قبا میں حضرت کلثوم بن ہرمل کے ہاں قیام فرما ہوئے تو ٹھہر گئے وہاں پہنچے اور انہما کی یا رسول اللہ! قریش مجھے تنہا دیکھ کر سب راہ ہوئے تھے۔ بالآخر تمام دولت و ثروت کے عوض میں اپنی جان لے کر حاضر ہوا ہوں۔ ارشاد ہوا ابو یحییٰ! تمہارا سودا بہت پر منفعت رہا (ابن ہشام، مستدرک حاکم) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ نَفْسَهُ
اِتَّبِعَا مَرْضَاتِ اللّٰهِ (۲: ۲۰۷)
اور لوگوں میں سے (کچھ نیک نفس بندے) ایسے بھی ہیں
اللہ تعالیٰ کی رضا جتنی میں اپنی جان تک صرف کر دیتے ہیں
(مستدرک حاکم)

ہجرت کے بعد شہر کے
ایک حصہ کی ویرانی
مہاجرین عظام کی روانگی کے بعد شہر مکہ کا ایک حصہ بالکل ویران ہو گیا، ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نانا عقبہ بن ربیعہ نے ان خالی مکاؤں کو دیکھ کر چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ہر ایک مکان کو گو وہ کتنی ہی مدت تک آباد اور خوش عیش رہا ہو آخر ایک دن غمگدہ بنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد عقبہ بہت کچھ افسوس کر کے کہنے لگا کہ یہ سب کارستانی ہمارے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جس نے ہم کو گون میں نا اعلانی ڈال دی اور ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا (ابن ہشام)

حضرت عباسؓ کے التواء
ہجرت میں مصلحت
حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کئی سال تک مکہ میں مقیم رہے۔ نہ تو ملائیمہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور نہ ہجرت کی شاید یہ تاخیر بھی مصلحت پر مبنی تھی۔ وہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے پنهانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں جو ضعف اسے اسلام گفر زار مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے، حضرت عباسؓ تنہا ان کے مامن و ملجأ تھے (اسد الغابہ)

چند دوسرے صحابہ کی
ہجرت میں ناگزیر تعویق
چند صحابہ کرامؓ کو بعض ناگزیر حالات کے ماتحت ترک وطن میں تعویق و تاخیر کرنی پڑی تھی۔ حضرت ہشام بن عاصؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت عمرؓ بن عاص رضی اللہ عنہ سے کئی سال پہلے مشرف بایمان ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دوسروں کے ساتھ ہجرت مدینہ کا قصد کیا تو

باپ اہل خاندان نے انہیں قید کر دیا۔ عرصہ تک محصور و مقید رہے۔ غزوہ خندق کے بعد جونہی ہجرت کا موقع ملا، اہل مدینہ ہوئے (مستدرک حاکم)

حضرت رفقاؤں مکرورہ بعض دشواریوں کے باعث مکہ نہ چھوڑ سکے۔ پیشوا سے امت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے کچھ عرصہ بعد جب کفر و اسلام میں باہم تصادم شروع ہوا تو یہ اور حضرت عقبہ بن غزوہ ان کے ایک قبیس دستہ فوج کے ساتھ ہو لیے جو ہکرہ بن ابی جہل کے زیر قیادت مدینہ کو جارہا تھا۔ راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے جس کے سرگروہ حضرت عبیدہ بن حارث تھے، ٹکرائو ہوئی۔ یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں سے مل گئے اور پھر ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے (اسد الغابہ)

حضرت نعیم بن عبد اللہ شامی حضرت فاروق اعظمؓ کے خاندان بنو عدی کے چشم و چراغ تھے۔ جب مسلمان جو حق جو حق مدینہ الرسول کے دارالامن میں پناہ گزیں ہونے لگے تو انہوں نے بھی دوسرے جان نثاران رسولؐ کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا۔ گروہ بنو عدی میں بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کے باعث اس قدر محبوب تھے کہ انہیں اپنے محسن کی منارقت کسی طرح گوارا نہ ہوئی، اس لیے تمام عمائد و اعیان قوم نے بل کر ان سے التجا کی کہ آپ ہم کو چھوڑ کر نہ جائیے۔ آپ اسلام پر قائم رہیے۔ کوئی عدو سے اسلام آپ سے تعرض نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے ابتداء میں ہجرت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ آخر سلسلہ ہجری میں اپنے چاہیوں اہل خاندان کے ساتھ ترک وطن کر کے مدینہ منورہ پہنچے (اسد الغابہ و اصحابہ)

حضرت مسیح بن اثاثہؓ بھی جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، ابتداء میں بعض مجبور یوں کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔ تاہم وہ غزوہ بدر سے پہلے اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو گئے۔ اسی طرح حضرت مرثد بن ابی مرثد بھی ابتداء میں نہ جاسکے تھے لیکن غزوہ بدر سے پہلے وہ بھی ہجرت کی دولت حظی سے بہرہ مند ہو گئے۔

فتح مکہ تک سلسلہ ہجرت کا قیام | علوم ہو کہ ہجرت کا سلسلہ برابر کئی سالی تک قائم رہا۔ ہجرت

اسلام ان مسلمانوں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکتا جو مدینہ الرسول کے علاوہ اطراف و اکناف ملک میں بدو و بائش رکھتے تھے۔ یہ حفاظت اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک مخالفت قوتیں پارہ پارہ نہ ہو جائیں اور مخالفوں کے سب سے بڑے مرکز و مستقر مکہ پر اہل اسلام کا عمل

داخل نہ ہو جائے۔ اس لیے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک کعبہ معلیٰ پر قیود کا غلبہ صوب نہ ہو گیا۔ آخر فتح مکہ کے دن حسب روایت بخاری امام الانبیاء حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَا جِهَادَ وَنِيَّةَ رَفْعِ كُرْسِيِّكَ بَعْدَ هِجْرَتِ بَاقِي نَبِيِّ رَهِي۔ اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے) اس اعلان کا باعث یہ تھا کہ اب مسلمانوں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے کسی خاص مامن کی حاجت نہیں رہی تھی۔ کیونکہ تسخیر مکہ کے بعد قریب قریب سارا جزیرۃ العرب مسلمانوں کے لیے دارالاعانت بن گیا تھا۔

فصل ۲۱۷ - حضرت اُم سلمہؓ کے مصائب ہجرت

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا اصل نام ہند ہے پہلے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ دونوں میاں بیوی اُن حضرات میں داخل ہیں جن کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے۔ دونوں نے پہلے حبشہ کو اور وہاں سے مکہ واپس آکر مدینہ الرسول کو ہجرت کی۔ مدینہ منورہ کی ہجرت میں حضرت اُم سلمہؓ کو جن ہونک مصائب سے سابقہ پڑا۔ خود ان کی زبان سے سنیے:-

فرماتی ہیں کہ ہجرت کے وقت ہمارے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ میرے شوہر ابوسلمہؓ نے مجھے اور میرے بیٹے سلمہؓ کو اس پر سوار کرایا اور اس کی ہمارے کمرے آگے آگے چلے۔ اتنے میں بنو مغیرہ کو جو میرے میکے کا خاندان ہے معلوم ہوا کہ ابوسلمہؓ ہماری بیٹی کو مدینہ لیے جاتا ہے تو غجالت سے پہنچے اور مجھے اور میرے فرزند کو ابوسلمہؓ کے قبضہ سے چھین کر مکہ واپس لے گئے۔

جب ابوسلمہؓ کے خاندان بنو عبدالاسد نے سنا کہ ابوسلمہؓ کو بیٹے کا ماں سے چھینا جانا اس کی بیوی سے عروم کر دیا گیا ہے تو میرے میکے کے لوگوں کے

پاس پہنچے اور میرے بیٹے سلمہؓ کو مجھ سے چھین کر بنو مغیرہ سے کھینے لگے کہ اگر تم لوگ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم بھی اپنے پوتے کو تمہاری لڑکی کے پاس نہ رہنے دیں گے۔

غرض ہم تینوں ایک دوسرے سے جدا کر دیے گئے اور میری یہ حالت تھی کہ غم کے مارے کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ اس اثناء میں ابوسلمہؓ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ میں عالم منظر اور میں روزمرہ علی الصبح گھر سے نکلتی اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر دن بھر رویا کرتی اور شام کو گھر واپس آ جاتی۔ اسی حالت میں ایک

سال کا زمانہ گزر گیا۔

میکہ والوں کی طرف سے مدینہ جانے کی اجازت
 آخر ایک دن میرے ایک عزیز کو میری حالت پر رحم آگیا اور خاندان کے بزرگوں کو جمع کر کے کہنے لگا تم نے ناکردہ گناہ کو اس کے بچے اور شوہر سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ میرے بزرگوں کو بھی ترس آگیا اور مجھے مدینہ جانے کی اجازت دے دی میں نے اپنے سسرال والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ میں مدینہ جا رہی ہوں۔ میرے بچہ کو میرے پاس بھیج دو۔ انہوں نے میری درخواست منظور کی۔ لیکن اب بڑی مشکل یہ تھی کہ ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔ آخر میں اپنے بزرگوں سے منت سماجت کرنے لگی کہ مجھے تنہا ہی بھیج دو۔ میں اللہ کے بھروسہ پر اکیلی ہی سفر کروں گی؟ انہوں نے منظور کر لیا۔ میں سلسلے کو لے کر اونٹ پر سوار ہوئی اور دیارِ رسول کا راستہ پایا جب موضع تنعیم میں پہنچی تو دواں کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ مل گئے۔ وہ میرا ارادہ معلوم کر کے پوچھنے لگے تمہارے ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا صرف میں اور میرا بچہ مجھے مدینہ پہنچانے کے لیے کوئی آدمی نہ لے سکا تو مجبوراً تنہا چل کھڑی ہوئی۔

حضرت عثمان بن طلحہ کی شریف النفسی
 حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ عثمانؓ نے میری پریشان حالی پر رحم کر کے میرے اونٹ کی ہمار پکڑ لی اور ہمیں مدینہ کو لے چلے عثمانؓ کی نیک نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب منزل آتی اور ہمیں ٹھہرنا ہوتا تو اونٹ کو بٹھا کر جھٹ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے اور میں پورے تشر اور اطمینان کے ساتھ اتر آتی اور جب چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو تیار کر لاتے اور جب میں باطمینان بیٹھ جاتی تو اونٹ کی ہمار پکڑ کر آگے چلنے لگتے۔ جب مدینہ طیبہ قریب آیا اور ہم بنو عمرو بن عوف کی آبادی سے گزرنے لگے تو عثمانؓ نے کہا کہ تمہارے شوہر اب سلسلہ اسی جگہ قبا میں ہیں میں اونٹ سے اتر کر آبادی میں داخل ہوئی اور خدا خدا کر کے ان سے ملاقات کی اور عثمانؓ نے مکہ واپس آئے۔ ام المومنین ام سلمہؓ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن طلحہؓ کے اس فیاضانہ و شریفانہ برتاؤ کی مدت عمر ثنا خواں رہیں (اسد الغابہ) یاد رہے کہ حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ثناء بنت عبد المطلب کے فرزند تھے اور محترمہ ام سلمہؓ آپ کی پھوپھی مائیکہ بنت عبد المطلب کی دختر فرخندہ اختر تھیں۔ حضرت عثمان بن طلحہؓ کے قبول اسلام کا واقعہ ان شار اللہ العزیز کتاب شمائل کبریٰ میں آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔

فصل ۲۱۸۔ ابو جہل کا اپنے مہاجر بھائی کو مدینہ منورہ سے واپس لانا

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی اکثریت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا چکی تھی اور جب حضرت عمر فاروقؓ نے ہجرت کا قصد فرمایا تھا تو حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوئے تھے۔ حضرت سلمہ بن ہشامؓ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عیاش رضی اللہ عنہ ابو جہل کے عم زاد بھائی تھے لیکن ماں دونوں کی ایک تھی۔

حضرت سلمہؓ کی گرفتاری | حضرت سلمہؓ کی ہجرت کا واقعہ یہ ہے کہ دونوں نے رات کو حضرت عمرؓ سے صلاح کی کہ علی الصبح ستر کے مقام پر اکٹھے ہو کر مدینہ کا قصد کریں۔ اس قرارداد کے بموجب حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہما تو مقام مہود پر پہنچ گئے لیکن حضرت سلمہ بن ہشامؓ کے عزم ہجرت کی اطلاع قریش کو ہو گئی اس لیے وہ گھر سے نکلتے ہی پکڑ کر قید کر دیے گئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ نے جناب سلمہ بن ہشامؓ کا بہت انتظار کیا۔ آخر ناامید ہو کر روانہ ہو گئے۔

جب ابو جہل کو حضرت عیاشؓ کی ہجرت کا علم ہوا تو وہ اپنے ایک غیر مسلم بھائی حرت بن ہشام کو ساتھ لے کر ان کے واپس لانے کے لیے مدینہ منورہ پہنچا۔ حضور خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بلال امین ہی میں تھے کیونکہ یہ ہجرت نبوی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ابو جہل اور حرت دہاں پہنچ کر حضرت عیاشؓ سے ملے اور کہنے لگے بھائی! ایک دفعہ ہمارے ساتھ کہ چلو اور اپنی ماں کو تسکین دے کر چلے آؤ۔ تمہاری والدہ تمہارے فراق میں بیمار پڑی ہیں اور انہوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاشؓ کو نہیں دیکھ لیں گی، نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ سر میں کنگھی کوں گی۔ عیاشؓ ابو جہل کے چکمر میں آ گئے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ عیاشؓ کو واپس لیے جاتے ہیں تو ان سے ملے اور فرمایا عیاشؓ! یہ سراسر فریب ہے۔ جب تک کی دھوپ تمہاری ماں کو تکلیف دے گی تو خود اٹھ کر سایہ میں چلی جاؤ گی اور ضرورت ہوگی تو کنگھی بھی کر لے گی۔ غرض میری رائے میں

تمہارا واپس جانا کسی طرح قرین مصلحت نہیں ہے۔

حضرت عیاشؓ پر ابو جہل کی طعنے سازوں کا جادو
لیکن عیاش رضی اللہ عنہ پر ابو جہل کی طعنے سازوں کا جادو
چل چکا تھا۔ کہنے لگے میں والدہ کی قسم پوری کر کے جلد واپس
آ جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا اگر تم کسی طرح نہیں
مانتے تو میری تیز رفتار اونٹنی سے جادو۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو بھٹ اس پر سوار ہو کر ان کی
گرفت سے بچ جانا۔ حضرت عیاشؓ نے جناب فاروق اعظمؓ کی اونٹنی لی اور اس پر سوار ہو کر
دونوں کے ساتھ چل پڑے۔

راستہ میں ایک جگہ ابو جہل حضرت عیاشؓ سے کہنے لگا بھائی! میرا اونٹ تو تمہارے
ناقہ باد پہیا کے ساتھ چلتے چلتے بے دم ہو گیا۔ بہتر ہے کہ مجھے بھی اپنے ساتھ بیٹھا لو۔ عیاشؓ
اس چال کو نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے ابو جہل کو اپنے ساتھ سوار کرنے کے لیے اپنی اونٹنی بٹھائی۔
یہ دونوں بھی اپنے اونٹوں سے اترے اور جب دیکھا کہ اب
آسانی سے قابو پاسکتے ہیں تو بڑی چابک دستی سے انہیں
جادو چا اور مشکیں کس کر کہ لے چلے اور جو کوئی راہ میں بلتا
اُس سے کہتے کہ جس طرح ہم اس امن کو گرفتار کر لائے ہیں تم لوگ بھی اپنے اپنے احمقوں کو پکڑ لاؤ۔
ابو جہل ان کے گھوڑوں مال کے پاس نہ لے گیا بلکہ اپنے حقیقی بھائی سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کے
ساتھ زندان بلا میں ڈال دیا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز کہ معظمہ ہی میں تشریف
فرماتے۔ چند روز کے بعد آپ بھی ہجرت فرماے مدینہ ہو گئے۔ آخر جنگ بدر کے بعد جب سیدنا
خالد بن ولیدؓ کے حقیقی بھائی حضرت ولید بن ولید مدینہ سے مکہ لائے گئے تو ان کو بھی قید کر کے
ان دونوں کے ساتھ امن کر دیا گیا لیکن کچھ مدت کے بعد حضرت ولیدؓ کو موقع مل گیا اور وہ قید
سے نکل کر مدینہ منورہ جا پہنچے۔ حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عیاشؓ اور سلمہؓ
کا حال دریافت فرمایا۔ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! ان دونوں پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں
ایک ہی بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیے گئے ہیں۔

فصل ۲۱۹۔ شفیق عالم کا ارشاد کہ کون بہا کی جو عیاش اور سکڑ کو قید سے چھوڑا لائے؟

ہجرت کے بعد ایک دن نبی علیہ السلام نے حضرات مہاجرین مکہ سے خطاب کر کے فرمایا تم میں
کون ایسا بہا ہے جو مکہ جائے اور عیاش اور سکڑ کو ظالموں کے پنجہ ظلم سے نکال لائے؟ سیّد
خالد بن ولیدؓ کے بھائی حضرت ولید بن عرقؓ پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ غلام اس خدمت
کے لیے حاضر ہے۔

حضرت ولیدؓ کی مکہ کو روانگی | آپ نے فرمایا بہتر ہے تم جاؤ۔ وہاں کا لوہا رسالت الہیہ

افخار اور رازداری کے ساتھ عیاش اور سکڑ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ مجھے رسول اللہؐ نے بھیجا
ہے دو دنوں میرے ساتھ نکل چلو۔ غرض آپ نے حضرت ولیدؓ کو رخصت کیا۔ ولیدؓ عرصہ برکت
میں قدم رکھ کر عازم مکہ ہوئے۔ گوجان تھیلی پر تھی لیکن اپنے آقا و مولیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ
و برکت پشتیبانی کر رہی تھی۔ ولیدؓ خفیہ کہ معطر پہنچ کر چپکے چپکے اس ٹوہ میں رہے کہ آج کل دو دنوں
بلاکش کس جگہ محبوس ہیں؟ اتفاق سے ایک عورت کو دیکھا کہ کھانا سر پر رکھے جا رہی ہے۔ پچھنے
گئے ہیں! تم کہاں جاتی ہو؟ بولی فلاں فلاں دو قیدی ہیں ان کو کھانا کھلانے جا رہی ہوں۔ یہ
بھی نظر بچا کر اس عورت کے پیچھے ہوئے اور وہ مکان دیکھ آئے جس میں دو دنوں قید تھے۔

دیوار سے چڑھ کر | اس مکان کی چھت نہ تھی۔ صرف چار دیواری تھی جس کا دروازہ
مغل رہتا تھا۔ جب رات کی سیاہ چادر فضا سے عالم پر محیط ہوتی
قیدیوں کی زنجیر کا ثنا | اور خلق خدا محو خواب ہو گئی تو حضرت ولیدؓ دیوار پر سے چڑھ کر مکان کے

اندرواقل ہوئے۔ دو دنوں بلاکشوں سے بل کر رسول اللہؐ کا پیغام پہنچایا اور لوہار کی ہدایت کے
بموجب دو دنوں کی آہنی زنجیر کے نیچے جو زیادہ موٹی نہیں تھی ایک بڑا پتھر رکھا اور زنجیر کی ایک
کڑی پر تلوار رکھی اور ایک اور پتھر لے کر پوری قوت سے تلوار پر مارا۔ اس سے زنجیر کٹ گئی۔ حضرت
ولیدؓ نے دو دنوں کو باہر لا کر انٹ پر سوار کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو غلام

بن دیا کہ جو ہنوز دولت ایمان سے بہرہ مند ہوئے تھے کچھ آدمیوں کے ساتھ تعاقب میں روانہ کیا
مگر ناکام رہے اور یہ تینوں عاشقان رسولؐ بخیر و خوبی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور حضرت دیدہ سے بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا (ابن سعد
ابن ہشام)

فصل ۲۲۰۔ مہاجرین عظام کے فضائل

انسان تھوڑی مدت تک مالی نقصانات اور جسمانی اذیتیں اور انواع و اقسام کے مصائب
آلام تو برداشت کر سکتا ہے بلکہ ایک مرتبہ جان پر کھیل کر حق فدویت بھی ادا کر سکتا ہے مگر یہ کام
بہت مشکل ہے کہ اپنی مختصر سی زندگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے اہل و عیال سے علیحدہ ہو جائے خوش
واقارب کہ چھوڑ دے۔ مال و منال سے دست بردار رہے اور اپنے تمام مال و ذات زندگی پر بیکی
اور غریب الوطنی کو ترجیح دے۔

وطن، اہل و عیال اور جائداد | حضرات مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بڑا کمال یہ تھا
کہ انہوں نے اپنے دنیوی سود و بہور سے بے نیاز اور غالی
الذہن ہو کر صرف خدا اور اس کے رسولؐ مقبول صلی اللہ علیہ
وسلم کی رضا جوئی کے لیے اپنے وطن، اہل و عیال اور جائداد و املاک ہر چیز کو شکر ادا کیا۔ یہ اتنا
بڑا ایثار اور جذبہ فدویت ہے کہ جس کی نظیر دوسرے مذاہب و ادیان کے تاریخی صفحات اور مذہبی
طہارہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

حضرات مہاجرین میں ایک بڑا وصف یہ ہے کہ اس مقدس جماعت میں بلا استثناء ہر ایک کا
دامن ایمان نفاق کے درغ سے پاک تھا۔ شیخ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ
اور دوسرے علماء کا قول ہے کہ مہاجروں میں کوئی بھی (معاذ اللہ) منافق نہیں تھا۔ نفاق صرف
انصار کے قبیلوں میں ظاہر ہوا جب مدینہ منورہ میں اسلام کو غلبہ و عروج نصیب ہوا اور وہاں کے
وہ لوگ مقتدر قبیلوں، نوآبادی اور خزانہ کے مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسی
محفوظ جگہ بنا دی گئی کہ جس کے ذریعے وہ اپنی حفاظت کر سکیں تو مضافات مدینہ کے اعراب
اور بعض اہل مدینہ بظاہر ملتقہ ایمان میں داخل ہو گئے۔ یہی لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ اسی بنا پر نفاق

کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے کئی سورتوں میں نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جن حضرات کو ایمان کی دولت جاوید سے حصہ ملا تھا وہ خالصتہً اللہ مشرف بایمان ہوئے تھے۔ انہیں اللہ اور اس کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل و عیال اور مال و دولت بلکہ جان عزیز سے بھی زیادہ محبوب تھے (منہاج السنہ الشیعہ ابن تیمیہ)

سورۃ نحل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی حق تعالیٰ نے مہاجرین کرام سے خدائی وعدہ اس میں فرمایا تھا:-

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنبِيَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۚ وَلَا جَزَاءَ لَآخِرَةٍ ۚ لَكُمُ الْكَافَّةُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (آیت ۴۱)

جن لوگوں نے ظلم سننے کے بعد اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنا وطن رخصت کر دیا، ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھی جگہ (امن و راحت) عطا کریں گے اور آخرت کا ثواب یقیناً اس سے بڑھ کر ہے۔ کاش وہ اس کی تفصیل کو جانتے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دنیا میں اچھی جگہ دینے کا وعدہ ہر قسم کی خیر و برکت کو شامل تھا۔ مہاجر مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ہر طرح سے آسودگی اور مرفقہ الحالی کی زندگی بسر کرنے لگے اور عزت و شوکت ہر ایک کے شامل حال رہی۔ جو بھی کسی نے کاروبار کیا اسی میں فروغ و ترقی نصیب ہوئی۔ مہاجرین میں سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو تو بالخصوص وہ عروج و اقبال نصیب ہوا کہ درویشانہ زندگی بسر کرنے کے باوجود چار دانگ عالم میں ان کے اوج اور عظمت کا ڈنگ بج گیا۔ پھر خلفائے راشدین میں حضرات شیخین (ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما) کی خلافت و حکومت سب سے زیادہ کامیاب اور مستطعم تھی۔ حضرات مہاجرین کو دنیوی کامرانی اور فردغ سے جو حصہ وافر ملا اس سے کہیں بڑھ کر وہ حسب وعدہ خداوندی دارِ آخرت میں بڑے بڑے مدارجِ علیی پر فائز ہوئے۔ پس جو حرمان نصیب افرادِ خلفائے ثلاثہ کو خصوصاً اور مہاجرین عظام کو عموماً (معاذ اللہ) مرتد اور منافق گمان کرتے ہیں وہ قرآن حکیم کے منکر اور خود فاقہ الایمان اور رائدہ درگاہ ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوا زَكَوٰتَکُمْ ۚ سَوَّیْتُ لَکُمُ الدِّیْنَ ۚ وَذُرُوا شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ ذٰلِکُمْ مَّا کُنْتُمْ بِمَعْلُوْمٍ ۚ (سورۃ توبہ ۳۴)

فرماتا ہے:-
لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ

(یعنی) کمال بخل اور حق داروں کے (محتاج مہاجروں کا حق) ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کیے

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَبِرَّ ضَوَائِنًا وَ
يَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۵﴾
الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّيَّارَ وَالْإِيمَانَ
مِن قَبْلِهِمْ يَحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ
إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي
صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا
أَوْتُوا وَ يُؤَثِّرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ السَّافِلُونَ ﴿۶﴾
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ
يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي
قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۷﴾

(۵۹: ۸ - ۱۰)

اور وہ خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے
ہیں اور خدا اور اس کے رسول (یعنی دین حق) کی مدد پرستند
میں بھی تو سچے مسلمان ہیں اور (حق میں) اُن کا دلی
حق ہے کہ مہاجرین نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ ان
سے پہلے دار ہجرت میں رہتے اور ایمان میں داخل ہو چکے تھے
جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت
کرتے ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ دیا جائے یہ اس پہنچنے
دل میں کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کھینچتے
ہوئے مہاجر بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو
کوئی اپنی طبیعت کے غل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے
ہی لوگ ظاہر پائیں گے اور جو لوگ ان کے بعد آئے
وہ دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار
ہمارے اور ہمارے اُن مہاجرین و انصار بھائیوں
کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں
اور ایسا کر کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی طرف سے
ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ پیدا ہوئے۔
اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت رکھنے والا
مہربان ہے۔

آٹھویں آیت میں رب ذوالجلل نے فرمایا ہے کہ مہاجر جو ظلمت اپنے گھروں سے نکالے
گئے سچے مسلمان اور صادق لوگ ہیں۔ نویں آیت میں مذکور ہے کہ انصار مہاجروں سے محبت
کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انصار کی جو فضیلت ہے وہ
مہاجروں کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے ہے۔ دسویں آیت میں ارشاد فرمایا کہ مہاجرین
و انصار کے بعد جو مسلمان قیامت تک پیدا ہوں گے اُن پر لازم ہے کہ وہ مہاجرین و انصار
کے لیے دعا گو رہیں۔ ان تینوں آیتوں کے مطالعہ سے یہ امر باریہ ثبوت کو پہنچا کہ حضرات مہاجرین
ہی خلاصہ امت ہیں باقی سب ان کے طفیل ہیں۔

ان آیات سے گمان نہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُمتِ مروجہ میں طبقوں پر منقسم ہے چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ خدا نے تین درجے قائم کیے ہیں۔ پہلا درجہ ماجروں کا۔ یہ درجہ ختم ہو چکا۔ اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا درجہ انصار کا، وہ بھی ختم ہو چکا اور اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ تیسرا درجہ ان مسلمانوں کا ہے جو ان دونوں کے بعد ہوں اور وہ حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ یہ درجہ باقی ہے۔ اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ اس درجہ میں داخل رہ کر ماجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے لیے دعائے مغفرت و ترقی و درجات کرتا رہے۔ پس ظاہر ہے کہ جو کوئی ان کا دعا گو نہیں وہ مسلمان کہلانے کے باوجود اسلام سے بالکل بیگانہ ہے۔

محبوب ذوالمشن کا اعتراف حقیقت
ایساں ایک امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کسی محبت نے کہا تھا
بھرم عشق تو می کشند غوغا ایست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ایست

عشاق ہمیشہ ہی کہتے رہے کہ مجھ پر جو مصیبتیں آئیں وہ محبوب کی وجہ سے آئیں اور ہمیشہ آرزو مند رہے کہ محبوب بھی اس بیان کی تصدیق کرے۔

ہزار عمر فدا سے دے کہ من از شوق
بخاک و خون طعم و گوئی از برائے من است

انگراخول نے کبھی اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا۔ لیکن رب السموات والارض عز اسما نے سورہ آل عمران کی ۱۹۵ ویں آیت میں جس کے الفاظ یہ ہیں فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ أُوذُوا فِي سَبِيلِنَا حَقُّوا حَقَّهُمْ فَاعْرِضْ عَنْهُمْ سَبِيلِنَا اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ماجر لوگ میری راہ میں ستائے گئے۔ یہ وہ لطف و انعام ہے کہ ابتدا سے آخریت تک سے اب تک کسی محبت نے اپنے محبوب کو اس سے سرفرازی نہیں بخشی تھی۔

فصل ۲۲۱۔ حضرت سید المرسلین کی ہجرت مقدسہ

ہجرت انبیاء کا عام اصول
رب السموات والارض کے برگزیدہ رسول دنیا میں مبعوث ہو کر جب دیکھتے کہ ان کی قوم پر گمراہی کی موت طاری ہے تو لوگوں

کو شیطانی تسلط افذیبی ردائیل سے بچانے کے لیے دعوت و ابلاغ کا حق ادا کرتے۔ خالق کے ساتھ مخلوق کے بندگانه تعلقات استوار کرنے کے لیے تمام امکانی ذرائع اختیار کرتے۔ لوگوں کے سامنے گلشن فردوس کی تصویر کھینچتے۔ جہنم کی ہولناکیوں سے خوف زدہ کرتے۔ ارتقار انسانیت کے گڑبٹا کر دنیا میں روحانی انقلاب برپا کرنے کی کوشش فرماتے۔

ان مساعی جلیلہ سے اثر پذیر ہو کر قلیل التعداد عالی فطرت افراد کو تو قبول حق کی توفیق ہوتی لیکن امت دعوت کی بہت بڑی اکثریت کو عداوت میں سرگرداں رہ کر مخالفت و عناد کا شیوہ اختیار کیے رہتی۔ یہ لوگ ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہتے کہ ان کا داعی و مناد خدا کا فرستادہ نہیں۔ بتائیں اس امید پر معجزات کا مطالبہ کرتے کہ خدا اعجاز نمائی میں ماس کی مدد نہیں فرمائے گا۔ انبیاء عظیم السلام ان کو باذن اللہ معجزے دکھاتے۔ لیکن چونکہ احقاق حق ان اختیار کے پیش نظر نہیں ہوتا تھا، اعجاز نمائی پر بھی کٹ جھکتی سے ہانڈ آتے جب معجزات بھی ان کے لیے دلیل راہ نہ بنتے اور دعوت توحید کا جواب بدستور زبان تیغ سے دیا جاتا تو ان نفوس قدسیہ کو حکم ہوتا کہ نافرمان امت کو اس کے حال زار پر چھوڑ کر ہجرت کر جائیں۔ آخر جب رسول کا بابرکت وجود ان کے درمیان سے اٹھ جاتا تو ان پر صاعقہ عذاب نازل ہوتا۔ یہ تھا ہجرت انبیاء کا عام اصول۔

ہجرت سنت انبیاء ہے | یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خدا کے کسی نبی کو اس کے وطن کی فحشاء سازگار نہ ہوئی اور اسے اپنے فرائض رسالت کی انجام دہی

کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر کسی دوسرے موزون مقام کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنانا پڑا۔ ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک جس قدر نبی گزرے ان کے ہم وطنوں نے ان کی توہین و تکذیب کی۔ لیکن وہ ہمیشہ ضبط و تحمل سے کام لیتے رہے تاخیر جب رب العالمین کا حکم آیا تو معاً گھر بار چھوڑ کر تن بقدریکل کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا وطن بابل تھا۔ وہ مدت مدید تک اپنے ہم وطنوں اور باپ کے فرمانروا نمرود کو توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن جب تیغ جفا کے سوا دعوت و تبلیغ کا کوئی جواب نہ ملا تو آپ کو بابل کے الفاظ میں حکم دیا گیا کہ "تو اپنے قراہیوں میں سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل اور کنعان کو چلا جا۔ میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو نیا دیکھ اور تیرا نام بڑا کر دوں گا۔ دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔"

چنانچہ آپ فرمان خداوندی کے ماتحت اپنے وطن کی چھوڑ کر کنعان چلے آئے۔

یوسف علیہ السلام کے تسلط اور حاکمانہ اقتدار کے بعد جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ اہل مصر اپنے پاسے دین کو چھوڑ کر قبول حق پر آمادہ ہیں تو اپنے وطن کنعان سے ہجرت کر کے مصر چلے آئے لیکن جب فرورز مانہ کے بعد اہل مصر نے یوسف علیہ السلام کے اُن احسانات کو طاق نسیان پر رکھ دیا جو انہوں نے ان کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کے لیے کیے تھے اور انہیں قطعاً نظر انداز کر کے بنو اسرائیل کو انواع و اقسام کی تکلیفات میں مبتلا کیا تو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے پیروں کو ساتھ لے کر اس غرض سے مصر کو الوداع کہا کہ کسی آزاد نفعاً میں رہ کر خدا سے واحد کی عبادت کر سکیں۔

اسی طرح جب یہود نے مسیح علیہ السلام کو جھٹلایا اور آپ کے قتل کی سازش کی تو آپ نے آسمان کی طرف صعود فرمانے سے پہلے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں دین کی بنا پر ان کے وطن سے نکالا جائے کیونکہ ان کے لیے آسمانوں کی حکومت ہے۔" اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا: خوش رہو۔ شاید ہو کہ آسمانی حکومت میں تمہیں بہت بڑا ثواب ملے گا کیونکہ وہ نبی بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح نکالے جا چکے ہیں۔

الغرض جب کہ معظمہ میں حق و صدق کی مظلومی حد سے بڑھ گئی تو خدا کے آخری نبی حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیش روؤں کی سنت کے مطابق حکم خداوندی کے ماتحت اپنے وطن ماکوف سے ہجرت کرنے کا قصد فرمایا جہاں کے باشندوں نے احکام خداوندی کو ازراہ نخوت پائے غرور سے ٹھکرا دیا تھا۔

اس وقت قریب قریب تمام پیروانِ امروہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نبوی میں وجہ توقف

تھے اور یہاں صرف وہ ضعیفہ رہ گئے تھے جن کو کسی نہ کسی مجبوری نے روک رکھا تھا۔ خود پیشوا امت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حکم خداوندی کے لیے سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے اور گو آپ اپنی مرضی مبارک سے کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے تاہم یہ امر بالکل یقینی تھا کہ آپ بھی جلد ہجرت کے لیے مامور ہوں گے، اسی بنا پر آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ہجرت میں قدرے توقف کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ آخر چند روز کے بعد جب اعیان قریش نے بالاتفاق آپ کے قتل و جہاں ستانی کا فیصلہ کیا تو آپ کو بھی منجانب اللہ ہجرت کا حکم آپہنچا۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

دارالندوہ میں قریش | جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا حلقہ اثر دن بدن وسیع ہو رہا ہے اور مسلمان طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور نہ صرف خود مکہ کے ہی لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کی ہے بلکہ عرب کے

دوسرے شہروں کے لوگ بھی اسلام اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ مکہ کے جن لوگوں نے ہجرت کی ہے انہوں نے مذہب پر دنیا و باغیہا کو قربان کر دیا ہے اور نہ صرف مہاجر ہی شرب جاکر اہلینان اور فارغ ابالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود بھی وہیں جا کر مسلمانوں کی قیادت کرنے والے ہیں تو صورت حالات پر غور کرنے کے لیے دارالندوہ میں جو تفتی بن کلاب کے مکان میں تھا ایک محفی اجتماع کا انتظام کیا۔ اس اجلاس کے شرکار میں قریش کے یہ افراد قابل ذکر ہیں: ابو صفیان بن حرب، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، ابو لہب بن عبد المطلب، امیہ بن خلف، بنیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، انصربن حارث، حکیم بن حزام، ابوالخزری بن ہشام، فہیم بن ہدی، جبیر بن مطعم، حادث بن عامر اور زمعہ بن اسود۔

جب اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو شرکاء مجلس میں سے ایک نے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بڑی جمیعت فراہم کر لی ہے۔ ان کے پیروں دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں اور مکہ کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں کے لوگ بھی اس دعوت پر بکثرت ہنیک کر رہے ہیں۔ اس ترقی و عروج کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ کسی دن غلبہ پا کر ہمارے دین و مذہب کو صفحہ ہستی سے محو کر دیں گے اور ازراہ انتقام ہمارا قلع قمع کرنے کی کوشش کریں گے اس لیے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ ہمیں کل کلاں کوئی روزہ نہ دیکھنا پڑے۔ یہ بالکل یقینی امر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی افزائش قوت ہمارے زوال و فنا کو مستلزم ہے۔

حضرت مخزوم کو قید | دوسرا بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فی الفور قید کر دو اور دس دن پر پھرے بنیاد اور ان سے وہی سلوک کر دو جو پہلے شاعروں و زعمیہ اور تابعہ کے ساتھ کیا گیا تھا کہ قید ہی میں ان کا دم نکل گیا تھا۔

تیسرے نے کہا یہ تدبیر ٹھیک نہیں کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب اطراف اکناف ملک سے جمع ہو کر تم پر ہلہ بول دیں گے اور کاٹتے چھانٹتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صاف چھوڑ لے جائیں گے۔

جلا وطنی کی تجویز | چوتھا کہنے لگا کہ اخراج اور جلا وطنی کی سزا ہی کافی ہے۔ محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم کے اخراج کے بعد ہمیں ہر طرح سے چین اور اطمینان حاصل ہو جائے گا اور جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وہ بھی آکر دوبارہ ہم میں مل جائیں گے۔ پانچواں بولا کہ یہ راستے تو پہلی سے بھی زیادہ ناقص ہے۔ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور شیرینی کلام کو نہیں دیکھتے کہ جس سے ایک دفعہ بات کر لیتے ہیں ان کو گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ اگر ان کو میان سے نکال دیا گیا تو وہ اپنی خوش کلامی کے زور سے قبائل کو مطلع کر کے انہیں تم پر چڑھا لائیں گے اور اپنے گھوڑوں کے ٹکڑوں سے تم کو ایسا پامال کریں گے کہ تمہارا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ تدبیر کوئی ایسی ہونی چاہیے جو ہر لحاظ سے کامیاب اور بے ضرر ہو۔

قتل و جاں ستانی کا منفقہ فیصلہ | اب ابو جہل بن ہشام نے حاضرین سے خطاب کیا کہ اسے عمائد قریش امیرے دماغ میں ایک ایسی چیز

پیدا ہوئی ہے کہ جو کسی کو نہ سوچھی ہوگی اور میری رائے میں اس سے بہتر کوئی تدبیر ممکن نہیں۔ سب نے کہا ابو الجحکم! ہلذا بیان کرو وہ کیا تجویز ہے؟ ابو جہل نے کہا کہ ہم تمام قبائل قریش میں ایک ایک جوان انتخاب کر کے مسلح کریں اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم (موجودہ اب ہوں تو رات کی تاریکی میں ان کے مکان کا محاصرہ کر لیں اور جب وہ اندھیرے میں نماز صبح کے لیے گھر سے نکلیں تو تمام جوان یکبارگی ٹوٹ پڑیں اور ان کا قتلہ پاک کر دیں۔ چونکہ اس خون میں تمام قبائل برابر کے شریک ہوں گے، بنو ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکیں گے اور لا محالہ خونہا پر راضی ہو جائیں گے اور ہم آسانی سے خونہا ادا کر کے اس تفتہ کا فیصلہ کر دیں گے۔ یہی ایک بے ضرر صورت ہے جس کی بدولت ہمیں تمام غرضوں سے نجات مل سکتی ہے۔ سب نے ابو جہل کی تحسین کی اور اس ناپاک تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا (ابن ہشام و ابن سعد)۔

فیصلہ قتل پر تقدیر | قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ اس غول بیابانی نے کس طرح دنیا کو اس ابر رحمت سے محروم کر دینا چاہا جو کائنات ارضی کی تشنگی سعادت کو سیراب کرنے کے لیے مکہ کے اہق سے نمودار ہوا تھا اور کس طرح اس غلیظ

عز بن ہشام معروف بہ ابو جہل کی کینیت اعلیٰ میں ابو الجحکم (حکمتوں کا باپ) متقی لیکن اس کی فطرت پسند اور جہالت کوشیوں کے پیش نظر بغیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام اس کو جیسا کہ مشہور ہے ابو جہل کی کینیت سے یاد کرنے لگے۔ چنانچہ مؤرخان ذکر کینیت ایسی مشہور ہوئی کہ آج اس کو اس کی اصل کینیت سے کوئی نہیں جانتا۔

علی الارض کے سلسلہ حیات کو منقطع کرنے کی سیفمانہ کوشش کی جس نے عالم انسانیت کو کفر و دشمنیت کے طوق سے نہات دلائی تھی۔ ایک طرف تو قتل کے منصوبے ہو رہے تھے اور دوسری طرف تضاد و قدر زرب رقم کرنے والا قلم انگشت بدنداں تھا

خاتمہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے

اس وقت تقدیر اذلی کھڑی ہنس رہی تھی کہ آج ازراہ حماقت جس ذات گرامی کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے، عقرب اس کو زمینوں اور آسمانوں میں وہ عظمت اور سر بلندی نصیب ہوگی کہ عرب رہتی دنیا تک اس کی ذات گرامی پر فخر کرے گا اور دنیا کی کوئی سعید روح ایسی نہ ہوگی جو قیامت تک اس کے بار احسانات سے سبک دوش ہو سکے اور اس کے وہ مفلوک الحالی اجتائے صداقت کیش جو عالم بے بسی میں وطن سے بے وطن ہوئے ہیں، وہ عرب و عجم کے مالک ہو کر اپنی قوم کو آسمان جاہ کا آفتاب بنا دیں گے۔ مجوزین قتل میں سے اکثر انہی مقتدر تارکان وطن کے حلف تیغ بنیں گے اور جو لوگ قتل و ہلاک سے بچ رہیں گے، نہ صرف وہ خود پیغمبر ہاشمی کی چاکری اور کفش برداری پر مدناز و افتخار کریں گے، بلکہ ان کی تمام اولاد و احفاد بھی اسلام کا جام ہدایت نوش کرے گی۔

سازش قتل کے بعض شرکار | اور اب بھی دیکھو کہ سازش قتل کے شرکار میں بنو ہاشم کا رکن اور پیغمبر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا بد نصیب چچا ابوسب

بھی داخل تھا۔ اس کے علاوہ اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادر زادہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو درہ میں خفیہ طور پر اپنی پھوپھی کے لیے غلے جایا کرتے تھے اور ابھی دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے اور حضرت جُبَیر بن مطعم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت میں لے کر آستان مبارک پہنچے گئے تھے اور بنو زہرہ شرف بایمان نہ ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حرب جو اپنے سارے خاندان سمیت چند سال کے بعد دابستان نبوت کے زمرہ میں داخل ہونے والے تھے اور زمعہ بن اسود جو معاہدہ قریش کے پھاڑنے میں پیش پیش تھا، ابھی شریک تھے۔

یشرب چلے جانے | جب اکابر قریش نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) موت کے گھاٹ اتار دینے کا فیصلہ کیا تو رفیقہ بنت میسرینہ نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں فوراً آپ کو اس کی اطلاع دی (ابن سعد)

اس سے پیشتر حضرت روح الامین علیہ السلام بھی آپ کو قریش کے فیعدہ قتل سے مطلع کر گئے یہ حکم خداوندی پہنچا چکے تھے کہ آپ آج ہی رات کے پچھلے حصے میں یثرب کا راستہ لیں۔
اس سفر میں رفاقت کے لیے کسی ایسے جان نثار کی ضرورت تھی جو آپ کا خاص دوست و ہمدوم اور محرم راز ہو۔ آپ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتا ہو اور اخلاص کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا شجاع و جاناہز ہو اور شجاعت و جاناہزی کے ساتھ نہایت عقیل اور مدبر بھی ہو۔ اس لیے اس سفر کی رفاقت کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

حضرت ابوبکرؓ کو فرمان
ہجرت سے مطلع فرمانا

آپ نے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عثمان معروف بہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو صحیح معنی میں آپ کے جان نثار و رفیق خاص اور راز دار تھے اس کی اطلاع دینے کا قصد فرمایا۔

چنانچہ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ دیکھو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر چادر ڈالے آرہے ہیں۔ اس وقت بڑی شدت کی گرمی پڑ رہی تھی آپ نے وہاں پہنچ کر حسب معمول اندر آنے کی اجازت چاہی اس وقت حضرت صدیقؓ ایک چوہ میں تخت پر بیٹھے تھے۔ تخت سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور کہا تشریف لائیے۔ (بخاری و ابن جریر طبری)

سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز دو مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت کبھی قدم نہ فرمایا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو یقین ہوا کہ کوئی ہم امر و پیش ہے۔ جب آپ مکان میں داخل ہوئے تو جناب صدیقؓ نے تعلیم بجا کر بڑے احترام کے ساتھ آپ کو تخت پر بٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو بشارت و کچھ مشورہ کرنا ہے۔ حضرت صدیقؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میرے گھر والوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ آپ بلا تامل ارشاد فرمائیے (بخاری و ابن ہشام)

فرط مسرت سے حضرت
ابوبکرؓ کی اشک باری

آپ نے فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے اور میں آج ہی رات یثرب جانے والا ہوں۔ حضرت صدیقؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا مجھے

بھی شرف ہمرہی حاصل ہو گا؟ ارشاد ہوا ہاں آپ میرے ساتھ چلیں گے (بخاری) یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت فرح میں اشک بار ہو گئے۔ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تک میں نے اس روز اپنے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو روتے نہیں دیکھا مجھے

معلوم نہیں تھا کہ کوئی شخص خوشی سے بھی رہتا ہے (ابن جریر طبری)

حضرت صدیق کے مکان پر سفر کی تیاری

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بڑی بہن جناب اسماء بنت جوہرہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت زبیر بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں والد محترم کے حکم سے دونوں حضرات کا سامان سفر درست کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ دسترخوان میں کچھ کھانا پیٹ دیا گیا۔ دسترخوان اور پانی کا ظرف باندھنے کے لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو کوئی چیز نہ ملی تو اپنے والد محترم سے کہنے لگیں کہ مجھے اپنے نطق کے سوا کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی جس سے ان کو باندھ سکوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نطق کے دو ٹکڑے کر ڈالو۔ ایک سے دسترخوان کو باندھ دو اور دوسرے سے پانی کا مشکیزہ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نطق کو طولا چیر کر اس کی دو پٹیاں گنڈیں۔ ایک سے تو مشکیزے کا دہانہ باندھا اور دوسرے سے دسترخوان جس میں کھانا تھا۔ اس دن سے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا لقب ذات انطاقین مشہور ہو گیا (بخاری وغیرہ) نطق عربی میں کمر بند کہتے ہیں۔ عذرا میں عورتیں اپنی ساری یا تہ بند پر ایک چوڑی سی پٹی کس کر باندھ دیا کرتی تھیں۔ اسی کو نطق کہتے تھے۔

حضرت علی کو امانتیں پہنچانے کے لیے پیچھے چھوڑنا

اب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امانتوں کے مسئلہ پر توجہ فرمائی۔ قریش آپ کے دشمن جان تھے تاہم آپ کی ذات گرامی پر اتنا اعتماد تھا کہ شہر میں جس کسی کے پاس کوئی قابل حفاظت چیز ہوتی وہ آپ کی مسئلہ دیانت و امانت کی بنا پر آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آل جناب کے پاس لوگوں کی بہت سی امانتیں موجود تھیں۔ چونکہ اس وقت بذات خود لوگوں کے پاس جا کر امانتیں پہنچانا محال تھا اس لیے آپ نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں اور ان سے فرمایا میں تو آج رات جا رہا ہوں۔ تم فی الحال لوگوں کی امانتیں پہنچانے کے لیے میںیں ٹھہر جاؤ۔ اس کام سے فراغت پا کر شربہ پہنچ جانا (بخاری و ابن سعد) اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کہ معتبر میں کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز سے واقف نہ تھا۔

آستان نبوت کا محاصرہ

عشاء کے بعد جبریل علیہ السلام نے آکر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ آج رات اپنے بستر پر جس پر معمولاً استراحت

فرماتے ہیں نہ سوئیں۔ اس وقت آپ گھر ہی میں تشریف فرما تھے۔ عازمین قتل حسب قرار داد عشاء کے بعد آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اس وقت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا غفوان شباب تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ دشمن آگئے ہیں تو آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری بہن حضرت چادر اوڑھ لو۔ تم کو دشمنوں کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ حضرت علیؑ چادر اوڑھ کر صحن دار میں بستر پر دراز ہو گئے۔

اب بنی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے۔ اس وقت ابو جہل اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے کہ اگر تم لوگ میری پیروی کرو تو عرب و عجم کے مالک ہو جاؤ اور مرنے کے بعد پھر زندہ کیے جاؤ گے اور تم کو اردن کے ایسے باغات دیے جائیں گے اور اگر تم میری بات نہ مانو گے تو ذبح کر دیے جاؤ گے اور مرنے کے بعد تم کو زندہ کر کے آتش جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ آپ نے گھر سے برآمد ہو کر فرمایا ہاں میں یہ کتابوں اور جو لوگ نذر آتش ہوں گے ان میں تو بھی داخل ہے۔

خدا سے قہر نے ان کی آنکھیں پٹ کر دی تھیں۔ انہوں نے آپ کو نہ دیکھا اور گمان کیا کہ شاید یہ آواز گھر کے اندر سے آئی ہے۔ آپ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر سورہ یس کی ابتدائی آیتیں پڑھتے ہوئے ان کے بیچ میں سے نکل گئے۔ ان آیتوں میں سے ایک یہ ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا
وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ
فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ • (۹: ۳۶)

اور ہم نے ان کے سامنے اور عقب سے ایک دیوار عایل کر دی کہ وہ کچھ نہیں دیکھ پاتے تھے۔

اتنے میں کسی شخص نے جو ان کی ٹولی میں داخل نہ تھا، آکر کہا کہ تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس نے کہا میں نے تو محمدؐ کو ابھی تمہارے پاس سے جاتے دیکھا ہے۔ انہوں نے اندر کی طرف جھانکا تو حضرت علیؑ کو دیکھا جو پیغمبر علیہ السلام کی چادر تانے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاید اس شخص کی بات کو مذاق پر محمول کیا اور آپس میں کہنے لگے کہ لازماً وہ محمدؐ ہے جو اپنی چادر اوڑھے سو رہا ہے لیکن دن چڑھے ان کو معلوم ہوا کہ جو بات ان سے کہی گئی تھی وہ سچ تھی (ابن جریر)

محاصرین کی جماعت ان افراد پر مشتمل تھی: ابو جہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، اسماء بن حاصر بن ابوب بن عبد المطلب، ابی بن خلف، اُمیہ بن خلف، نضر بن حارث،

ابن خیطہ، زمر بن اسود، طعیمہ بن عدی، بنیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور حکم بن ابوالعاص۔ یہ لوگ کواڑ کے سوراخوں میں سے حضرت علیؑ کو لٹے دیکھ کر بزعم خود بارہا پوری طرح اطمینان کر لیتے رہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر موجود ہیں (ابن سعد)

ان لوگوں کو گھر میں گھس کر حملہ آور ہونے میں بھی ہاک نہ ہوتا لیکن عرب میں سختی سے یہ رواج قائم تھا کہ کسی کے گھر میں بلا اذن و اجازت کسی حالت میں قدم نہیں رکھتے تھے اور اسے سخت مجرب سمجھتے تھے ورنہ انہیں باہر گھر کے دروازے پر انتظار کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں اور حضرت علیؑ مرتضیٰؑ کے سوا کوئی متنفس اس راز سے واقف نہ تھا کہ آج مکہ کی فضا کئی سال کے لیے تیز رسالت کی فیاضیوں سے محروم ہو جائے گی۔ آپؐ محاصرہ کی سخت ناکہ بندی میں سے نکل کر سیدھے حضرت صدیق اکبرؓ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی تیار اور سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس سے پیشتر اندھیری رات میں راستہ بتانے کے لیے عبداللہ بن ارتد نام ایک غیر مسلم کو اجرت پر مقرر کر لیا تھا۔ جناب صدیقؓ نے اس سفر کے لیے دو اونٹ بھی مٹا کر رکھے تھے جو چار مہینہ سے خوب کھا کھا کر فریبہ ہو رہے تھے اور چلنے سے پہلے دونوں اونٹ عبداللہ بن ارتد کے حوالے کر کے تاکید کر دی تھی کہ وقت معہود پر ہمارے پاس پہنچا دینا۔ آپؐ نے رات کا کچھ حصہ حضرت صدیقؓ کے مکان پر گزارا۔ اس کے بعد دونوں حضرات نے ایک کھڑکی میں سے جو حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی پشت میں تھی نکل کر کوہ ثور کا رخ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے روانگی کے وقت اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو ہدایت کی کہ شہر میں ہمارے متعلق قریش کے حلقوں میں جو جو چہ می گوئیاں ہوں رات کے وقت غار میں پہنچ کر بیان کر آیا کرنا اور اپنے چرواہے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دن بھر میری بکریوں کو چرائیں اور رات کو ہمارے پاس غار کے مونہ پرے جایا کریں (ابن جریر طبری)

اس روز ربیع الاول کی پہلی تاریخ اور پنجشنبہ کا دن تھا (وفاء الوفا)

حضرت صدیقؓ رز کا تمام سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا کچھ حصہ حضرت صدیقؓ ہی کے گھر میں بسر کیا۔ پچھلی رات کو دونوں حضرات جناب ابوبکرؓ کے مکان کی کھڑکی سے نکلے۔ چونکہ حافظہ حقیقی ناکھروا دیا اور تھا۔ معاذین کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس وقت جس قدر زبردتہ تھا وہ انہوں نے ساتھ لے لیا۔ اس کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے ہیں تو اس وقت ان کے پاس مال تجارت کے علاوہ چالیس ہزار درہم نقد تھے۔ اس جمع کے علاوہ منافع تجارت سے ملاخل کا بھی وسیع سلسلہ جاری رہا لیکن انہوں نے قبول اسلام کے بعد اتنا زر و مال فی سبیل اللہ خرچ کیا کہ جس روز حضرت فخر المصلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ارمین علیہ میں پہنچے ہیں تو اس وقت ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا کاروبار تجارت بڑا وسیع تھا لیکن اتفاق فی سبیل اللہ کا یہ عالم تھا کہ جس روز ان کا وصال ہوا ہے اس وقت ایک درہم بھی پس انداز نہیں کر گئے (اصحاب)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ عثمان بن خویط سے ضعیف العمر تھے اور بھارت سے محروم ہو چکے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ان کی روانگی کے بعد اپنی بڑی پوتی اسماء رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے بیٹی! میرا خیال ہے کہ ابو بکر تمہیں دوہری تکلیف میں ڈال گیا ہے۔ خود بھی چلا گیا اور سرمایہ بھی سب لے گیا ہے! باوجودیکہ حضرت ابو قحافہ کا یہ گمان بالکل صحیح تھا لیکن حضرت اسماءؓ ان کی تسکین خاطر کے لیے کہنے لگیں دادا جان! وہ ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اچھا مجھے دکھاؤ تو جناب اسماءؓ نے جھٹ ایک پتھر لے کر اس پر کپڑا پیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ رہتا تھا وہاں رکھ دیا۔ اور بھر دادا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئیں اور کہنے لگیں دیکھ لیجئے یہ سب نقد موجود ہے۔ ابو قحافہ اسے ٹٹوں کر کہنے لگے خیر! جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے تو ابو بکر کے جانے کا چنداں غم نہیں! حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے یہ کارروائی محض دادا صاحب کے اطمینان کے لیے کی تھی ورنہ والد بزرگوار تو سب کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لیے ساتھ لے گئے تھے (ابن جریر طبری، ابن ہشام، حاکم فی المستدرک)

روسائے قریش کی ذلت | جب آسمان رست کے دونوں مہر و ماہ شہر کی آبادی سے باہر نکلنے لگے تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ منیٰ اور خواری کی پیشین گوئی کی طرف رخ کر کے فرمایا اے مکہ! تو مجھے دو سے زمین کی آبادی میں سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ اگر تیرے فرزند مجھے مٹانے پر مجبور نہ کرتے تو میں یہاں سے کبھی علیحدہ نہ ہوتا (ابن ہشام، ابن جریر، ابن سعد) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَكَايْنِ مَنْ قَرَيْتُ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً
مَنْ قَرَيْتُكَ الْغَيَّ أَخْرَجَتْكَ
أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ

اور اے نبی! آپ کی اس بستی (مکہ) سے جس کے باشندے
نے آپ کو جلائے وطن کیا ہے، کتنی بستیوں قوت (اور
جمعیت) میں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا

(۴۷ : ۱۳)

اور ان کو قی عامی و ناصرہ علی سکا۔ (باب النقول)

اس آیت میں رب السموات والارض عز اسمہ نے فرمایا کہ عہد سابق میں خدا سے قنار قریش سے کہیں پر شکوہ اور صاحب شوکت قوموں کو ذلت و خواری کے گڑھے میں ڈال کر نابود کر چکا ہے۔ اگر یہ لوگ بھی مخالفت اور سرتابی سے باز نہ آئیں گے تو وہی ذلت و خواری ان کے سر پر بھی مسلط کی جائے گی۔ چونکہ اعیان قریش کسی طرح عناد و سرکشی سے باز نہ آئے اس لیے خدا سے قنار کے وعدہ کے موافق اس کے تھوڑے ہی دن بعد جنگ بدر میں تمام بت پرست منادیہ و متوہمت ذلت و خواری کے ساتھ چاہ ہلاک میں گرائے گئے اور ان کی لاشیں بے گور و کفن ایک گڑھے میں ڈالی گئیں اور دس سال کی مدت کے اندر فتح مکہ کے دن وہ بت بھی توڑے گئے جن کی حمایت و دیانت میں قریش نے اللہ کے برگزیدہ رسول کو جلائے وطن کیا تھا۔

محاصرین کی بدحواسی | محاصرین کی نا فرجام ٹولی رات بھر منتظر رہی کہ کب صبح ہو اور وہ اپنے عزیز ترین مقصد کو عملی جامہ پہنائے۔ لیکن صبح

اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جب علی الصبح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ حضرت علیؓ آپ کے بستر سے اٹھے تو محاصرین سخت بدحواس ہوئے اور جناب علی مرتضیٰؓ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تم ان سے کہا کرتے تھے کہ یہاں سے چلے جاؤ وہ کہیں چلے گئے ہیں۔ اکابر قریش عفتہ سے بے قابو ہو گئے۔ حضرت علیؓ کو بہت ڈانٹا اور مار پیٹا و مسجد حرام لے جا کر تھوڑی دیر تک محبوس رکھا اور پھر چھوڑ دیا (ابن جریر طبری)

حق تعالیٰ نے اس روز اپنے رسولؐ پر جو وحی نازل فرمائی اس میں یہ آیت بھی تھی:

اور اے ہمارے رسول! وہ وقت یاد کرو جب کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے تاکہ آپ کو گرفتار کر رکھیں یا مار ڈالیں یا خارج البلد کر دیں۔ کافر اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ تمام تدبیر کرنے والوں سے اعلیٰ و برتر ہے۔

وَإِذْ يَنْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
يُلَاقِيكَ أَوْ يَفْتُلُوكَ أَوْ
يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُودُونَ
لِيَنكُرُوا ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ
الْمَاكِرِينَ ۝

(۳۰ : ۸) (ابن جریر طبری)

اب قریش کے سربراہ آورہ رؤساء حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر پہنچے اور دروازہ کو تلاش و شک دی۔ اس وقت تک عورتوں کے لیے پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا حضرت

اسمارہ دروانہ سے پر آئیں۔ ابو جہل نے پوچھا لڑکی! تمہارا باپ کہاں ہے؟ کہنے لگیں کہ وہ کہیں گئے تو ضرور ہیں لیکن۔۔۔ جاتے وقت یہ بتا کر نہیں جایا کہ تھے کہ کہاں جاتے ہیں۔ ابو جہل نے غضب ناک ہو کر اس معصومہ کے چہرے پر بڑے زور سے تھپڑ کھینچ مارا تاہم ابن جریر طبری و کنز العمال بحوالہ ابن اسحق (اور دوسروں کی جان پر صبر کر کے ضبط کر گئیں۔

ابا بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں ہر طرف تلاش کیا جانے لگا اور جب معلوم ہوا کہ نہ آپ اپنے مکان پر ہیں اور نہ حضرت ابوبکرؓ یا عزیزوں میں سے کسی کے گھر پر تو اعدائے دین نے ہر طرف آپ کی تلاش شروع کی۔ مکہ کی بستی کا چہرہ چہرہ حسان مارا لیکن آپ کا کہیں سراغ نہ ملا۔ یہ گم شدگی اور اس قدر پراسرار گم شدگی دشمنوں کے لیے بے انتہا حسرت اور پریشانی کا موجب بن گئی حسرت اس پر تھی کہ آج جس فیصلہ کن انتہام کی تکمیل پیش نظر تھی۔ صورت پذیر نہ ہو سکی۔ جس آرزو اور ذوق و شوق سے غضب و انتقام کی پیاس بجھانی تھی وہ بجھانی نہ پاسکی اور حیرانی و پریشانی یہ تھی کہ اس مکان سے جس کا شب بھر محاصرہ رہا اور اس شدید نگرانی میں جس کارات کے ہر لمحہ میں اہتمام تھا آخر یہ جانے والا کب چلا گیا؟ کیونکر چلا گیا؟ اور کہاں چلا گیا؟

غارِ ثور پر ورود جب دونوں حضرات مکہ سے نکلے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ راہ میں کہیں تو آپ کے آگے آگے چلتے اور کہیں پیچھے ہو جاتے اور کہیں داہنی یا بائیں طرف چلنے لگتے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! جب دل میں یہ فحشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کوئی دشمن کہیں گاہ سے نہ نکل آئے تو اس کی مداخلت کے لیے آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور جب یہ کھٹکا پیدا ہوتا ہے کہ کوئی دشمن تعاقب میں نہ آ رہا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ اور داہنے بائیں بھی آپ کی حفاظت کے لیے ہوتا جاتا ہوں کہ مجھے حضور کی نسبت خوف لگا ہوا ہے۔

رات کی تاریکی میں پتھر ملی زمین پر چلنے اور ٹھوکریں کھانے سے دونوں حضرات کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاسے مبارک کانگوٹھا با مخصوص زیادہ زخمی ہوا جس سے بہت زیادہ خون بہنے لگا یہاں تک کہ پاؤں پر خون سے بھر گئی (ابن جریر) حضرت صدیق اپنے نونی و آقا کے پاسے مبارک کو بھروسہ دیکھ کر سخت افسردہ خاطر ہوئے اور بادیہ جو دیکھ خود بھی زخمی ہو رہے تھے لیکن ان کا جذبہ حقیقت اس حالت کو قطعاً گوارا نہ کر سکا کہ آپ کے پاسے مبارک مزید زخموں کی تکلیف گوارا کریں اس لیے آپ کو اپنے شانہ پر بٹھایا اور اسی طرح آپ کے

اپنے اوپر سوار کیے ہوئے جبلِ ثور تک پہنچے۔ پس زہے نصیب جناب ابوبکر صدیق کے کہ جن کے دوش پر شاہِ نبوت نے قدم رکھ کر قطعِ مسافت فرمایا۔ جبلِ ثور وہی پہاڑ تھا جس کے غار میں دونوں حضرات کو پہنچ کر سردست اپنے آپ کو مخفی کرنا تھا۔ (بیہقی فی الدلائل)

یہ غار جو مکہ معظمہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے

حضرت صدیق اکبر کا ڈسا جانا | اس وقت ہوام و حشرات کا مسکن بنا ہوا تھا اور گمان تھا ہے کہ اس سے پیشتر کوئی انسان اس میں بھی داخل نہ ہوا ہوگا جب دونوں جہان کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں داخل ہونے کا قصد فرمایا تو جناب صدیق اکبر نے آپ کو قسم دے کر بعد سوزِ دل گزارش کی یا رسول اللہ! پہلے مجھے غار میں داخل ہونے دیجئے تاکہ اگر حشرات وغیرہ کوئی موزی چیز وہاں موجود ہو تو اس کا ضرر و زیان مجھے پہنچے اور آپ اس کے گزند سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ آپ اندر جانے سے رُک گئے اور حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہو کر جھاڑو دینے لگے۔ جب اس کام سے فراغت پائی تو غار کی ایک طرف چند سُوراخ نظر آئے۔ انہوں نے اپنی تبا پھاڑ پھاڑ کر ان سُوراخوں کو بند کر دیا۔ لیکن ایک سُوراخ باقی رہ گیا جس کے بند کرنے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ ناچار اس پر اپنی ایڑی جما دی۔ اس کے بعد آنحضرت سے درخواست کی کہ اب آپ تشریف لے گئے۔ آپ غار میں داخل ہوئے اور حضرت صدیقؓ کی درخواست پر ان کی گود میں سر رکھ کر ہر راحت فرمانے لگے۔ سانپ نے سُوراخ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایڑی کو کاٹ کھایا اور آٹا ٹائیس اُٹھنے لگیں۔ لیکن شدتِ درد کے باوجود انتہائی ضبط کیا اور اس خیال سے اپنے جسم میں خدا بھی جنبش نہ آنے دی کہ بہادارِ حضورِ خواب سے چونک پڑیں۔ لیکن جب شدتِ کرب سے حضرت صدیقؓ کے آنسو سر و باریا رِصلی اللہ علیہ وسلم کے رخسارِ مبارک پر پڑے تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا کیا ہوا؟ عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے سانپ ڈس گیا۔ آپ نے اپنا عاب و ہن وہاں لگا دیا۔ معاذِ موقوف اور ٹیسیں برطرف ہوئیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے آخری ایامِ حیات میں ہی زہرِ جسم میں پھر سرایت کر گیا اور وہ اسی کے اثر سے (شہید ہو کر) رحلتِ گزینِ عالمِ آخرت ہوئے (مشکوٰۃ بحوالہ رزین)

حضرت ابوبکرؓ کی ایک سیر | فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری عمر بھر کی نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک رات اور ایک دن کے عملوں کی برابر ہو جاتیں۔ رات تو یہی شبِ ہجرت تھی جس

حضرت ابوبکرؓ کی ایک سیر

رات اور ایک سیر دن

کی تفصیل ابھی قلمبند ہوئی) اور دن کا عمل یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بہت سے قبائل عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کربہ استقامت بن کر تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ مجھے اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی تک جو عہد نبوی میں بھیجا کرتے تھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ بعض صحابہ دھڑلے سے اس بارہ میں اختلاف کیا اور کہا کہ یہ اسلام پر بڑا نازک وقت ہے اس لیے تالیفِ قلوب کے کام لینا مناسب ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بطل جلیل نے بھی نرمی کرنے کی صلاح دی لیکن جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کھائے عمر اتم جاہلیت میں تو بڑے شجاع تھے۔ کیا اب اسلام لاکر دھول چھو گئے ہو؟ اور فرمایا کہ وحی الہی منقطع ہو گئی اور دین کامل ہو چکا۔ کیا دین حق تکمیل کے بعد از سر نو فیری زندگی میں ناقص ہو جائے گا؟ (مغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جہاد کر کے سفینہ فتنی کو گرداب فنا سے بچایا) (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ رزین)

جب مکہ مکرمہ اور مقامات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعداء کا غارِ ثور پر پہنچنا کوئی سراغ نہ ملا تو دشمنانِ دین نے دو کام کیے۔ پہلا یہ اعلان کرتے کہ یہ چاروں طرف آدمی دوڑا دیے کہ جو کوئی خمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دے گا یا زندہ گرفتار کر لے گا اس کو دونوں کے عرصہ میں سو سوا اونٹ انعام دیا جائے گا۔ (مستدرک حاکم) دوسرا قیافہ شناسوں کو بلایا گیا۔ شہر میں قائف یعنی نشان ہلے قدم کو دیکھ کر آٹا کا کھوج لگانے والے متعدد ماہر موجود تھے۔ انہوں نے آپ کے نقش قدم کو بھانپ بھانپ کر رہبری شروع کی۔ اعدائے حق کا گروہ ان کے ہمراہ ہوا۔ یہ لوگ نشان ہلے قدم کی پیروی کرتے کرتے کہہ ثور کے دہانہ تک جا پہنچے۔ قیافہ شناسوں نے کہا کہ نشانہا سے قدم کے دوسے یہاں تک آنا ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں جن دو شخصوں کی تلاش ہے، انہیں یہیں کسی جگہ موجود ہونا چاہیئے۔ اعدائے دین پہاڑ پر چڑھ کر نشیب و فراز میں پھرنے اور پہاڑ کے چکر کاٹ کاٹ کر پتہ نہ لگا ہوں سے ہر طرف دیکھنے لگے۔ آخر پھرتے پھرتے پہاڑ کے اُس مقام پر آکھڑے ہوئے جہاں پہاڑ کا موہنہ بالکل سامنے ان کے قدموں کے نیچے تھا۔

حافظ حقیقی کی عون و نصرت کا یقین | ایسے نازک وقت میں تشویش و اضطراب کا اثر ایک فطری امر تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعداء کے

قدموں کو اپنے سروں کے برابر دیکھ کر اہتماس کی یا رسول اللہ! دشمن ہمارے سر پر آپس پھا۔ اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ گئی تو ہم کو دیکھ لے گا۔ لیکن خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس سے آپ کے اس استقلال، طمانینت قلب اور تعلق باللہ کا پتہ چلتا ہے جو خاصانِ بارگاہِ اُحدیت کے سوا دوسروں کو میسر نہیں۔ آپ نے دو عاقبتِ عظمیٰ کے پر اطمینان لمحہ میں فرمایا کہ آپ غم زدہ نہ ہوں۔ ایسی حالت میں ہم دو کو دشمن کا کیا غم ہو سکتا ہے جبکہ تیسرا ہمارے ساتھ خدا سے برتر بھی ہے اور اس کی عون و نصرت ہماری نگہبان ہے (بخاری و مسلم) آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ آپ غم زدہ نہ ہوں اور یہ نہ کہا کہ خوف نہ کھائیے کیونکہ رسول اللہ کے غم جان نے ان کو اپنی جان سے بالکل بے نیاز کر رکھا تھا۔

حضرت صدیق اکبر جب دیکھتے تھے کہ شاہ ہرود سزا ایک تیرہ
دھار غار میں پناہ گزیں ہے اور جس طرح ماہِ تاب کسی وقت ابر کے
پچھے چھپ جاتا ہے اسی طرح ماہِ نبوت غار میں مستور ہے۔ اور
جس ذاتِ گرامی کا عروج سدرۃ المنتہی سے بھی آگے بلکہ شاید لامکان تک ہوا تھا وہ آج ایک
تنگ و تاریک کنجِ عزت میں پڑا ہے تو یہ حالت ان کے دل کلفت منزل کو پارہ پارہ کر رہی تھی۔
انہوں نے بعد سوز اہتماس کی یا رسول اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو اس کا اثر میری ذات تک یا میرے
اہل و عیال تک محدود رہے گا لیکن اگر خدا خواست آپ پر کوئی آج آئی تو ساری امت تباہ ہو جائیگی
اور دنیا میں خدا کے قدموں کا نام ہیو! مشکل کوئی باقی رہ سکے گا۔ لیکن آپ نے انہیں ہر طرح سے تسلی
دی اور فرمایا اس قسم کا انجام مقدر نہیں ہے (الرومن الاثنت و غیرہ)

غار کے مونہ پر مڑی کا جالالتنا | دشمن اگر قوی ست نگہاں قوی تراست
جہاں ایک طرف اعدائے دین محبوب رب العالمین
پر قابو پانے کے لیے ہزاروں جتن کر رہے تھے، تو دوسری طرف حافضِ حقیقی کی قدرتِ تہرمان بھی
اپنی تدبیر سے قافل نہیں تھی۔ اعداء کی آمد سے پہلے جو نہی آسمان ہدایت کے دوڑوں میں دوڑا۔ غار
میں داخل ہوئے تھے، بحث مکرری نے آکر غار کے مونہ پر جالالتن دیا تھا۔ اس واقعہ کو امام احمد نے
حضرت ابن عباس سے باسنادِ حسن اہل دوسروں نے بھی روایت کیا ہے (فتح الباری) اسی طرح دوسری
روایتوں کے بموجب جنگی کھڑے کے ایک جوشے نے آکر غار کے مونہ کی اندرونی جانب گھونسلہ بنایا
اور انڈے دے کر ان کو سینا شروع کر دیا۔

جب اعلا غار کے سامنے بلندی پر کھڑے باہم گفتگو کر رہے تھے تو ایک قائف جس کا نام کرز بن علقمہ تھا ساتھیوں سے کہنے لگا قدموں کے نشان اس غار تک جاتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ نیچے اتر کر غار میں بھی دیکھ لیا جائے۔ لیکن اُمیہ بن خلف بولایاں ان کی موجودگی محال اور خارج از امکان ہے۔ اگر کوئی آدمی غار میں جاتا تو کڑی کاہلا ڈٹ گیا ہوتا اور جنگی کبوتر وحشی جانور ہے۔ غار میں نہ ٹھہرتا۔ انہی میں سے ایک شخص ہم نکھیں پھاڑ پھاڑ کر غار کو نہہ کی طرف دیکھنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! وہ شخص سامنے کھڑے ہو کر ہماری طرف بڑی تجسس نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ہمیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ فرشتوں نے اپنے پدوں سے ہمیں مخفی کر رکھا ہے (فتح الباری بروایت طبرانی)

بے نیل مرام مراجعت | الغرض معاندین رسالت ہے نیل مرام نشان شناسوں کو بوقوت بناتے ہوئے واپس چلے آئے۔ حافظ کر دگار نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ و میمانت کے لیے تاریخ کبوت اور بیضہ کبوتر سے وہ کام لیا جو سیکڑوں آہنی زردہوں اور لشکر جرار اور مقبوضہ قلعہ سے بھی نہ ملکتا۔ قصیدہ زردہ کے چند اشعار میں جن کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اسی طرف اشارہ ہے:-

”اور میں اُس خیر و کرم کی قسم کھاتا ہوں جس کو غار ثور نے ایسے حال میں جمع کر رکھا تھا کہ ادب کفر کی ہر آنکھ آپ کے دیکھنے سے اندھی تھی۔ پس آپ کہ سر پاد صدق تھے اور حضرت صدیقؓ غار میں موجود تھے لیکن تلاش کرنے والے کہہ رہے تھے کہ غار میں کوئی نہیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ کبوتر اشرف کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرد نہیں پھرتے اور کڑی نے آپ پر جال نہیں بنا۔ حافظ حقیقی کے حفظ و میمانت نے آپ کو ہری زردہ یا اوپر تلے دوزرہوں کے پینے اور بلند قلعوں میں پناہ گیر ہونے سے بے نیاز کر دیا تھا۔“

ار غار کی رفاقت کا ابدی تذکرہ | حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ رفاقت سفر کس درجہ متم

کہ اس ہجرت مقدسہ کے قریباً نو سال بعد جب منافقوں نے غزوہ تبوک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پہلوتی کی تو خدا سے ذوالجلال عز اسمہ نے ان الغافلہ میں رفاقت صدیقی کی یاد تازہ کردی کہ منافقوں پر عتاب فرمایا:-

لَا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ كَصَرَكَ اللَّهُ | اگر تم لوگ ہمارے نبی کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پروا کی بات

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيًا أَثْنَيْنِ إِذْ هَمَّا فِي
الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَحْزَنْ إِنَّا نَلْقَاهُ مِنْ
عِنْدِ اللَّهِ سَكِينَتُهُ
عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ
لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
الْكَاذِبِينَ كَفَرًا وَأَوَّلَ
كَلِمَةٍ اللَّهُ هُوَ الْعَلِيُّ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

(۹ : ۴۰)

تدبیر ہے۔

نہیں۔ اللہ ان کا مددگار ہے) اسی نے اپنے رسول کی مدد اس
وقت بھی کی تھی جب اہل مکہ نے ان کو ایسی بے سرو سامانی
کے عالم میں (جلا وطن کر دیا تھا کہ (صرف وہ آدمی اور وہاں
دو میں دوسرے (ہمارے نبی) تھے (یعنی اس سفر میں نبی کے
ساتھ صرف ایک رفیق تھا) اس وقت یہ دونوں غار میں تھے۔
جب ہمارے نبی اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ رہ (وہاں)
نہ کرو۔ بیشک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے ان
پر اپنی تسکین اتاری اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں سے
تقویت دی جس کو تم لوگ نہ دیکھ سکے تھے اور کافروں کی بات
کو بیٹا کر دیا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ غالب اور صاحب

اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ مناقب و مراتب ثابت ہوتے ہیں۔ اس
جگہ ان کی رفاقت و مصاحبت کا جو تذکرہ فرمایا گیا تو اس سے خدا سے بغیر و مانا کو یہ منظور تھا
کہ قرآن مجید میں حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے ساتھ آپ کے رفیق نما
کا ذکر خبر بھی علی رغم الاعداد قیامت تک تملات ہوتا رہے۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہل مکہ نے پیغمبر علیہ
السلام کو خارج ہونے پر مجبور کیا۔ اس سے ثابت
ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی نے فاسق البلد

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے محبت نبی
اور محبوب رسول ہونے کی یاد و تذکار

نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے مقتدا سے کریم کی خاطر از خود اپنے وطن کو غیر ہاد و کدہ کر اور عیش و راحت
سے دست بردار ہو کر گرفتار مصائب ہوئے تھے۔ اس سے بڑھ کر عناد و پیشہ لوگ ان کے اخلاص
اور محبت رسول کا اور کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ کلمہ لا تحزن اس حقیقت پر دال ہے کہ رسول اللہ
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کمال و بہر کی محبت اور الفت تھی اور آپ
کو ان کا حزن و ملال چشم زدن کے لیے بھی گوارا نہ تھا۔ اس لیے ان کو معاف تھی دینے لگے۔ کلام
پاک میں اس کلمہ کے اندر رنج سے رہت حکیم و خیر کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ جریدہ عالم پر
حضرت صدیق اکبر کا محبت و محبوب رسول ہونا قیامت تک ثابت رہے۔

دونوں کے لیے معیت
خداوندی کی استدعا

ظاہر ہے کہ جس طرح آل فرعون نے جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام کا پیچھا کیا تھا اسی طرح قریش مکہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں سرگرداں ہوئے اور جس طرح اصحاب موسیٰ فرعونوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھے تھے اسی طرح جناب صدیق اکبرؓ بھی قریش کے آدمیوں کو برب غار دیکھ کر مضطرب ہوئے۔ فرق یہ تھا کہ اصحاب موسیٰؑ کی گھبراہٹ اپنی ذات کے لیے تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کا اضطراب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ کلام پاک میں ہے: قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدَّ سَكَوْنًا (موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا ہم پکڑے گئے) اور جناب موسیٰ کلیم علیہ السلام نے جواب دیا كَلَّا إِنَّكَ لَنَاقٍ سَيِّئٍ (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے ساتھ میرا رب (معاون) ہے (وہ مجھے بچا لے گا) لیکن سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق کے اظہار قلق و اضطراب پر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ مَعَنا (اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) یعنی جناب کلیم علیہ السلام نے تو خدا سے ناصر و معین کی معیت صرف اپنی ذات کے لیے بیان فرمائی تھی لیکن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے جان نثار رفیق دونوں کے لیے طلب فرمائی۔ اس سے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلق باللہ اور حب رسولؐ کی کوئی اور شہادت درکار ہے؟

حضرت حسان یارؓ اس رفاقت کے بعد یار غار کی نثر دنیا میں رائج ہو گئی۔ جب کوئی شخص کسی کا نہایت محبوب دوست ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں غار کی مدح میں۔ کہ یہ اس کا یار غار ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ محبوب مدت

العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاعر خاص حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے میرے رفیق غار کی نسبت بھی کچھ کہا ہے؟ عرض پیرا ہوئے ہاں یا رسول اللہ! کہا ہے۔ فرمایا کہو کہ میں بھی سنوں۔ انہوں نے کہا ہے

وَتَأْنِي اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمَذِيفِ وَقَدْ
وَكَانَ حُبُّ رَسُولِ اللَّهِ قَدْ عَلِمَا
طَافَ الْعَدُوُّ بِهِ إِذَا صَاعَدَ الْجَبَلَا
مِنَ الْخَلَاقِ لَمْ يَعْدِلْ بِهِ أَحَدًا
بند غار میں رفاقت کرتے والے جو دو میں سے دوسرے تھے ایسے وقت میں جبکہ دشمن پہاڑ پر
چڑھ کر دیکھ بھال کر رہا تھا۔ لوگ جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہ کے دوست ہیں۔ (انبیاء کے بعد)
خلائق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں) (مستدرک حاکم)

غار کا سہ روزہ قیام اور | سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک غارِ حرا میں رہے اور
سوار کی اور بدرقہ کا انتظام | جب اندازہ لگایا کہ ذابح مکہ کی شورشِ جستجو ختم ہو چکی تو اپنے
آگے بڑھنے کا قصد فرمایا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے فرزند

عبداللہ رضی اللہ عنہ کو تاکید کر گئے تھے کہ قریش کے ارادوں اور مشوروں سے برابر مطلع کرتے رہیں۔ وہ دن
بھر لوگوں کے منصوبوں کا پتہ لگایا کرتے اور رات کو غار میں پہنچ کر تمام خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو با
سناتے اور رات غار ہی میں بسر کر کے طلوع فجر سے پہلے مکہ واپس آ جاتے حضرت اسماء
رضی اللہ عنہا بھی والد بزرگوار کے حکم کے مطابق کھانا پیتا کر کے رات کو چوری چھپے سخت تکلیف
اور انتہائی مشقت اٹھا کر لے جاتیں اور صبح صادق سے پہلے لوٹ آتیں۔ حضرت عامر بن نفیرہ
رضی اللہ عنہ سے جو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام اور چرواہے تھے، یہ خدمت
متعلق تھی کہ دن بھر مکہ معظمہ کی چراگاہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چراتے۔ شام کو غار کے
پاس لے جاتے اور بقدر ضرورت دودھ دودھ کر دونوں کو پلا آتے۔ اس طرح حضرت اسماء
اور ان کے بھائی کے نقش قدم بھی بکریوں کے کھروں سے محو ہو جاتے اور دشمنوں کو دوبارہ
غار تک جانے کی تحریک نہیں ہوتی تھی (صحیح بخاری، تفسیر درمنثور)

حضرت ابوبکر نے ہجرت کی خاطر چار مہینے سے دو اونٹنیاں خوب کھلا کر پتیا کر رکھی
تھیں اور روانگی سے پیشتر عبداللہ بن ارقم (یا ارقیط) یثربی نام ایک غیر مسلم کو رہبری اور
بدرقہ کے لیے اُجرت پر مقرر کر دیا تھا۔ گو یہ شخص عاص بن وائل سہمی جیسے عدو سے رسالت کا
حلیف اور بت پرست تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی وفاداری پر پورا بھروسہ تھا۔ دونوں اونٹنیاں
اس کی تحویل میں دے دی گئی تھیں اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ یہ دونوں جانور بوقتِ معمود غار
کے موند پر پہنچا دے گا۔ چنانچہ حسبِ الحکم تین راتیں گزرنے کے بعد اس نے دونوں اونٹنیاں
وہاں حاضر کر دیں۔ اتنے میں حضرت عامر بن نفیرہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ ساتھ جانے کے لیے آ گئے۔
روانگی سے پہلے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دو تین دن کا کھانا پیتا کر کے غار کے پاس پہنچ گئیں (بخاری
ابن جریر طبری)

غار سے روانگی | تین دن گزار کر دونوں حضرات غار سے نکلے۔ ایک ساندنی پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے صاحبِ خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے
دوسری پر عبداللہ بن ارقم (یا ارقیط) اور عامر بن نفیرہ رضی اللہ عنہ کو سوار کرایا۔ عبداللہ نے

سیدھا راستہ چھوڑ کر بالا بالا کتراتے ہوئے ساحل بحر کا راستہ اختیار کیا (مدارج وغیرہ)
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک پوری رات اور دن کا کچھ حصہ
برابر چلتے رہے یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ اس وقت راستہ بالکل خالی تھا اور ہمارے سوا کوئی
راہ رو دکھائی نہ دیتا تھا۔ ناگاہ ایک لہبا پتھر دکھائی دیا۔ وہاں ابھی دھوپ نہیں آئی تھی۔
ہم اسی پتھر کے قریب ٹھہر گئے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی استراحت کے لیے دونوں
ہاتھ سے جگہ صاف کی اور اپنی پوستیں بچھا کر حضور انور سے درخواست کی کہ آپ زرا آرام فرمائیں
میں پاسبانی کرتا ہوں۔ آپ سو گئے۔

استراحت اور شیر نوشی | حضرت ابوبکر کا بیان ہے کہ جب آپ صبح خواب ہو گئے تو میں
اٹھ کر آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاروں طرف دیکھ بھال کرنے
لگا۔ ناگاہ ایک چرواہا مل گیا۔ میں نے اس سے کہا کیا ہمارے لیے دودھ دہا سکتے ہو؟ اس نے
کہا ہاں اور ایک بکری کو پکڑ کر لکڑی کے پیالے میں دودھ دوا۔ میرے پاس ایک برتن تھا جو میں
آپ کے پانی پینے اور وضو کرنے کے لیے ساتھ لے آیا تھا۔ اس وقت آپ استراحت فرماتے۔
میں نے آپ کو جگہ نامناسب نہ سمجھا اور خود بھی سو گیا۔ جب ہم بیدار ہوئے تو میں نے دودھ میں
ٹھنڈا پانی ملا کر خدمت بابرکت میں پیش کیا۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا۔ آپ کی شیر نوشی سے
میرے دل کو وہ مسرت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں
ہوا؟ میں نے گزارش کی کہ ہاں اب وقت ہے کہ ہم کوچ کریں۔ ہم زوال کے بعد وہاں سے روانہ
ہوئے (بخاری و مسلم)

ایک شبہ کا حل | اس بیان پر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب میں چرواہے ریڑوں کے
مالک نہ تھے بلکہ غلام یا اجیر ہوتے تھے اور حضرت خیر الانام صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خبردار! کوئی شخص کسی جانور کا دودھ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر
نہ دے۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فرمائش کرنا اور پھر شارع علیہ السلام
کا اس دودھ کو نوش فرمانا کس اصول پر مبنی تھا؟

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بحث پر تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے
کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے چرواہے سے دریافت کیا تھا کہ کیا تم ہمارے لیے دودھ دہا سکتے ہو؟
اور چرواہے نے اس کا اثبات میں جواب دیا تھا۔ گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے یہ دریافت فرمایا

تھا کہ کیا مالک نے تمہیں ان لوگوں کے لیے دودھ دوہنے کی اجازت سے رکھی ہے جو تمہارے پاس مسافر نہ وارد ہوں؟ اس نے کہا ہاں میں اس کا مجاز ہوں۔ اس سے قطع نظر عرب میں مسافروں اور راہ بدول کو بوقت حاجت دودھ پلانے کا عام رواج تھا اور مالک اس مسافر تازی پر احتیاج بخل کی بجائے مسرت محسوس کرتے تھے۔ اس لیے ہر راعی اپنے مالک کی طرف سے ماذون تھا کہ ابن لیبیل کو دودھ دودھ دیا کرے (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

سُراقہؓ کو حصولِ انعام کی طمع اور ان کی زود پشیمانی

اوپر لکھا گیا تھا کہ جب اکابر قریش اپنی وجہتجو میں ہر طرح سے ناکام رہے تو انہوں نے سو سوادنٹ کے دو انعام اس شخص کے لیے مقرر کیے تھے جو سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق کار کو قتل کر دے یا زندہ گرفتار کر کے ان کے پاس پہنچا دے۔ اس سلسلہ میں قبیلہ بنو مدیج کے ایک مشہور شہسوار سُراقہؓ بن مالک کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان کو تلاش کر کے انعام مذکور حاصل کرے۔ سُراقہؓ اس وقت اپنے قبیلہ بنو مدیج کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آکر ان سے بیان کیا کہ میں نے ابھی ساحل بحر کی طرف کچھ سیاہی سی دیکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی تھے۔ سُراقہؓ کو اس بیان کی محنت کا یقین ہو گیا لیکن حصولِ انعام کی طمع میں تردید کر دی اور کہا یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ تم نے فلاں فلاں آدمیوں کو دیکھا ہو گا جی بھی ہمارے سامنے گئے ہیں۔

اب سُراقہؓ یہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گئے اور اپنی زندگی سے کہا کہ جنت گھوڑا تیار کر کے اور ترکش باندھ کر فلاں مقام پر لے چلو اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے۔ زندگی سے گھوڑا لیا اور اس کو اڑاتے ہوئے سیدنا نام صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جو تختہ سناٹا تھا ہوں سے چاروں طرف دیکھتے جا رہے تھے سُراقہؓ کو دیکھ لیا اور اتنا اس کی یارمول اللہ! ایک سوار ہمارے پیچھے آ پہنچا! آپ نے فرمایا کچھ فکر نہ کرو محافظہ حقیقی ہمارا مددگار ہے۔

گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا

جب سُراقہؓ گھوڑا دوڑا کر خواجہ فہر جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے تو گھوڑے نے ٹھوکر پی اور سُراقہؓ نے نیچے گر پڑے۔ اتنے میں آپ آگے میں دھنس جانا بخل گئے سُراقہؓ اٹھ کر دوبارہ سوار ہوئے اور گھوڑا اڑاتے ہوئے آٹاٹا آپ کے پاس جا پہنچے۔ آنجناب نے اونٹنی ٹھیکر سُراقہؓ کی طرف دیکھا اور دعا کی الٰہی! ہمیں اس کے شر سے بچا۔ مگر گھوڑے کے چاروں پاؤں پیٹ تک زمین میں دھنس گئے اور سُراقہؓ پشت زین

سے روئے زمین پر آ رہے۔ بہتیری کوشش کی کہ گھوڑا پاؤں باہر نکالے مگر قدرت نہ پائی۔ آخر ناامید ہو کر پکارے میں جانتا ہوں کہ آپ کی دعا سے میرا گھوڑا زمین میں دھنس گیا ہے۔ اب دعا کیجیے کہ زمین سے نکل آئے ہیں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھ سے آپ کو کوئی بُرائی نہ پہنچے گی۔ آپ نے دعا کی مگر گھوڑے کے پاؤں باہر نکل آئے۔ اب سُراقہ نے آنحضرتؐ کو آواز دی کہ میں سُراقہ بن حشم ہوں اور آپ سے کچھ گستاخا ہوتا ہوں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرمت میں خود واپس چلا جاؤں گا بلکہ ہر اس شخص کو بھی واپس کر دوں گا جو آپ کی تلاش میں آتا دکھائی دے گا۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے؟ سُراقہ عرض پیرا ہوئے کہ آپ کی ایک نشانی چاہتا ہوں جو بطور امان نامہ میرے پاس رہے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ ان کو لکھ دو۔ جناب ابوبکرؓ نے ہڈی یا ٹھیکری یا کاغذ کے پرزے پر لکھ کر ان کی طرف ڈال دیا۔ انہوں نے اس یادداشت کو اپنے توشہ وان میں رکھ لیا (سیرت ابن ہشام)

بخاری اور مسلم نے بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ درج کیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے براہین عازب صحابیؓ سے روایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا وجہ کے استفسار کے جواب میں فرمایا کہ سُراقہ بن مالک نے ہمیں آیا۔ میں نے التماس کی یا رسول اللہ! دشمن آپہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے سُراقہ پر دعا کی۔ سُراقہ کا گھوڑا پیٹ تک سحت زمین میں دھنس گیا۔ سُراقہ نے کہنا میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی دعا سے میرا گھوڑا دھنس گیا ہے۔ اب دعا کیجیے کہ باہر نکل آئے۔ میں اللہ کو گواہ ٹھیراتا ہوں کہ اعداد کی لب جستجو کو آپ کی طرف سے پھر دوں گا۔ آپ نے دعا کی تو سُراقہ نے اس معیبت سے نجات پائی۔

سُراقہ کی مراجعت | یہ کہ قریش آپ کی مخالفت کر کے خُسر ابن ابدی اور ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ کریں گے۔ اب سُراقہ نے نہایت مؤذبانہ گفتگو کرتے ہوئے گزارش کی کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر کر رکھا ہے اور وہ منصوبے بھی ظاہر کر دیے جو قریش نے آنحضرتؐ کے خلاف گائے رکھے تھے۔ اس کے بعد سُراقہ نے اپنا زاد و متاع ہدیہ آپ کی نذر کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ البتہ اتنی خواہش کی کہ وہ کسی کو آپ کی اطلاع نہ دیں۔

مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سُراقہ نے ایک تیر آپ کے سامنے کر کے کہا اے

بطور نشان لیتے جائیے۔ خاں مقام پر میرے غلام میرے اُونٹ چارہ ہے ہوں گے۔ ان میں سے جتنے غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو، اپنے ساتھ لیتے جائیے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ ہمیں کسی کی حاجت نہیں۔

اب سراقہ نے مراجعت کی اور راستہ میں ہر اُس شخص کو جو آپ کی تلاش میں جاتا تھا، واپس کر دیا اور کہا کہ تمہارے سرگرمیوں کی ضرورت نہیں۔ میں ہر طرف سے دیکھ بھال کر آیا ہوں (بخاری، مسلم وغیرہما) پس سراقہ پہلے تو آپ کی گرفتاری میں کوشاں تھے لیکن اب آپ کے پاس ہوں گے۔

ابو جہل کی طرف سے شکوہ و شکایت کہتے ہیں کہ کسی طرح ابو جہل کو اس کا پتہ چل گیا کہ سراقہ نے عہد (صلی اللہ علیہ وسلم) دوران کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بجائے دانستہ چھوڑ دیا اور ان کو موقع دے دیا تھا کہ اپنا سفر جاری رکھیں۔ اتفاق سے سراقہ چند روز کے بعد مکہ معظمہ گئے اور ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے شکوہ و شکایت کے دفتر کھول دیے۔ سراقہ نے جو ہنوز بت پرستی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے ان شکایتوں کا یہ منظوم جواب دیا:-

ابا حکیم واللات کو کُنت شاہدا
لامرجوادی اذ تَسِينُ قَوَائِمُهُ
يَحْبَبُ وَ كَمْ تَشْكُ بِأَنْ تَحْمَدَا
بَنِي وَ بَرَهَانٌ فَمَنْ ذَا بِيكَامُهُ
حَلِيكَ بِكَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ وَ انْكِفِي
أَمْرًا يَوْمًا سَتَبْدُو أَمْعَالُهُ

اے ابا حکیم! لات کی قسم! کاش تم میرے گھوڑے کا قہر دیکھتے کہ کس طرح اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں۔ تو تم تعجب کرتے اور تمہیں اس میں کوئی شک نہ تھا کہ عہد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اور دلیل ہدایت ہیں۔ پھر کون ہے جو ان کی حالت کو غنی دستور رکھے۔ تمہاری قوم پر لازم ہے کہ ان سے تعریف کرنا چھوڑے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے اوج و عروج کی ملائیں حقیر عالم آشکار ہونے لگیں گی۔

سراقہ کا شرف ایمانی جس سال کہ فتح ہوا اور آپ مِثْن اور طائف کے غزوات سے فارغ ہوئے تو حضرت سراقہؓ آپ سے جہرانہ میں ملے۔ اس وقت آپ کے گرد انصاری جان نثار کھڑے تھے۔ وہ انہیں رسول اللہ کی طرف جاتے دیکھ کر کہنے لگے اے یہاں! کہاں جاتے ہو؟ لیکن وہ اتفاقات کے بغیر بے تحاشا سرورِ اتمام علیہ العقیبہ والسلام کے پاس جا پہنچے۔ اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اسی نشانی کے ساتھ جو ہجرت کے وقت دی گئی تھی بلند کیا اور گزارش کی یا رسول اللہ! میں سراقہ بن جشم ہوں اور یہ آپ کی نشانی

ہے۔ پھر وہ مشرف باسلام ہوئے۔ سیرت ابن ہشام و مستدرک حاکم

جب وہ مشرف بایمان ہوئے تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سراقہ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ (شاہ ایران) کے کنگن پہنو گے؟ چنانچہ جب عہدِ صولت فاروقی میں دارالسلطنت مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کسریٰ کے ملبوسات امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے تو حضرت خلافت مآب رضی اللہ عنہ نے جناب سراقہ کو بلایا کہ کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور کنگن پہنا کر کسریٰ کی کمر میں باندھا (اصحابہ)

معلوم ہو کہ حضرت سراقہ بنی کے باپ کا نام مالک اور دادا کا نام حشم تھا۔ چونکہ باپ کی بجائے دادا کی طرف اہلیت کے منسوب کرنے کا بھی عرب میں عام رواج پایا جاتا تھا، اس بنا پر سیرت کی کتابوں میں ان کا نام سراقہ بن مالک اور سراقہ بن حشم دونوں طرح لکھا ہے۔

حضرت اسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہا نے غار سے روانگی کے وقت جو کھانا پہنچایا تھا وہ راہ میں ختم ہو گیا۔ مدینہ کے راستہ میں مالکہ بنت خالد خزاعیہ نام ایک عورت

دودھ نہ دینے والی بکری کے

تھنوں کا دودھ سے بھرتا

جو اتمِ معبد کی کنیت سے مشہور تھی اقامت گزیر تھی۔ یہ خاتون مسافروں کی خبر گیری اور خدمت و تواضع میں مشہور تھی۔ راہ گیر اس کے خمیر پر ٹھیکر کسٹا یا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو یقین تھا کہ وہاں کھانے کا کچھ انتظام ہو جائے گا۔ لیکن اتفاق سے وہاں پہنچ کر کوئی چیز نہ مل سکی۔ اور بھوکے سب کو بے چین کر رکھا تھا۔ خیمہ کی ایک طرف ڈبلی سی بکری بندھی تھی۔ حضور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمِ معبد سے فرمایا کہ اجازت دو تو اس بکری کا دودھ دوہ لیں۔ اتمِ معبد نے کہا کہ اگر یہ دودھ دیتی تو میں نے اب تک خود ہی آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کر دیا ہوتا۔ دودھ دینا تو درکنار یہ بیچاری اتنی لاغر ہے کہ چرنے کے لیے جگل بھی نہیں جاسکتی۔ آپ نے فرمایا جیسی بھی ہو تم دوہنے کی اجازت دو۔ اس نے کہا میری طرف سے اجازت ہے مگر یہ دودھ نہیں دے گی۔

حضرت رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر تھنوں کی ہاتھ لگایا۔ تھن فی الفور دودھ سے بھر گئے اور بکری ٹانگیں پھیلا کر گھڑی ہو گئی۔ آپ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ ایک بڑا مشکا دودھ سے بھرا گیا۔ پہلے آپ نے اتمِ معبد کو پلایا۔ اس نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد تمام حاضر وقت مسافروں کو پلایا۔ جب سب سیر ہو چکے تو آپ نے اور آپ کے تینوں ساتھیوں نے پیا۔ اس کے بعد حضور خضر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ دوبارہ دوہنا شروع کیا اور اس بکلی کو

دوبارہ دودھ سے بھر کر دیاں سے روانہ ہوئے۔

ابو معبد کا استعجاب | سر شام ابو معبد یعنی اس عورت کا شوہر خیمہ میں پہنچا تو دودھ دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا کہ یہ کہاں سے آیا، اُمّ معبد نے کہا کہ یہ ایک مہمان عزیز کی برکت ہے اور آنحضرتؐ کا حال بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا یہ تو وہی صاحب معلوم ہوتے ہیں جن کی قریش کو تلاش ہے۔ ”کچھ دنوں کے بعد دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور سعادت ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ (طبقات ابن سعد مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ واستیعاب کتاب الرجال ابن الجوزی وخواجہ ابیہقی والطبرانی والحاکم وصحیح)

ایک چرواہے کی سعادت ایمانی | اس سفر میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ اس کے دوسرے یا تیسرے روز تمام حضرات ایسی حالت میں جا رہے تھے کہ بھوک اور پیاس کی شدت تھی۔ اتنے میں ایک چرواہا ملا جو چند بکریاں چٹا رہا تھا حضرت ابو بکرؓ نے اس سے دودھ دیے کو کہا کہ بولا ان میں کوئی بکری ابھی دودھ دینے کے قابل نہیں اور پھر ایک بکری کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ یہ بکری آغاز سر میں گاہن ہوئی تھی لیکن تھوڑی ہی مدت میں اس کا حمل سا قہ ہو گیا ادب یہ بھی شیر دار نہیں رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں یہی لادو“ وہ اس کو لے آیا۔ آپ نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر دعا کی۔ معاذ دونوں تھن دودھ سے بھر گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ چرواہے کا برتن اٹھا لائے اور آپ نے دودھ دہنا شروع کیا اور سب سے پہلے کچھ دودھ حضرت ابو بکرؓ کو پلایا۔ پھر دودھ کر آپ نے چرواہے کو پلایا پھر دودھ اور حضرت عامر اور عبد اللہ بن ابی وقافہ کو پلایا۔ پھر جو تھی مرتبہ دودھ کر خود پیا۔

یہ کہ شتمہ قدرت دیکھ کر چرواہا کہنے لگا کیوں صاحب! آپ کون ہیں؟ میں نے مدت ہمارے ایسا باکمال بزرگ کبھی نہ دیکھا تھا۔ اگر آپ مجھ پر اپنی شخصیت ظاہر فرماویں تو میں آپ کی رازداری کروں گا اور میری ذات سے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ خدا کا رسول ہوں۔ چرواہے نے کہا کیا آپ ہی وہ بزرگوار ہیں جنہیں قریش صہبانی کے بیع لقب سے یاد کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں وہ میری ہی نسبت ایسا کہتے ہیں۔ چرواہا بولا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور اس بات کا بھی شاہد ہوں کہ آپ کو جو کلام منجانب اللہ ملا ہے وہ حق ہے۔ یہ اعجاز جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا نبی کے سوا کوئی نہیں دکھا سکتا اور میں آپ کا پیرو ہوں؟ آپ نے فرمایا سر درست تم میری متابعت کی طاقت نہیں رکھتے۔ اب جہتہ جب تم سنو کہ خدا سے عزیز

نے مجھے غلبہ بخشا تو پھر میرے پاس آنا و رواہ الحاکم (الذہبی صحیح)

مکہ معظمہ آنے اور شہر
فتح کرنے کی پیش گوئی

جب حضور سید کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام وہاں سے روانہ ہو کر
تحفہ کے مقام پر پہنچے تو مکہ معظمہ کے شوق اور وطن عزیز کی محبت
دل میں جوش زن ہوئی۔ اسی وقت جبریل آپ کی تسکین خاطر کے

لیے یہ آیت لے کر نازل ہوئے :-

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فَرَضًا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ
لَتَرَادَّهُ إِلَىٰ مَعَادِهِ (۸۵ : ۲۸)

وہ خدا جس نے آپ پر قرآن (پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا
ہے وہ آپ کو اسی وطن (مکہ) پر پہنچائے گا۔

اور مستقبل میں مکہ معظمہ آنے اور اس کے فتح کرنے کی بشارت ہے کہ آپ کو سرور کیا (باب النقول)
اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اب تو آپ کو کافروں کے ظلم اور زور سے وطن مالون چھوڑنا
پڑا ہے لیکن دن بھی آنے والا ہے کہ آپ اس شہر میں دوبارہ قدم فرماہوں گے۔ چنانچہ اہل
علم جانتے ہیں کہ یہ پیش گوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ آپ ہجرت کے بعد دو مرتبہ مکہ معظمہ
تشریف فرما ہوئے۔ ایک دفعہ عمرہ کرنے کے لیے اور دوسری مرتبہ تسخیر مکہ اور تبلیغ حرم
کی غرض سے۔

حضرات زبیر اور ہجرت مدینہ سے پہلے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو محترمہ اسماء

ذات النطاقین (بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے شوہر اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے چھو پھیرے بھائی تھے ملک شام گئے ہوئے

تھے جس اتفاق سے جب وہ مال تجارت لے کر آ رہے تھے تو راستہ میں آپ سے اور حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ تینوں حضرات کو باہم مل کر بہت خوشی ہوئی۔ حضرت زبیر نے
دونوں کی خدمت میں چند سفید کپڑے پیش کیے (بخاری)

انہی ایام میں حضرت طلحہؓ کو بھی اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے مراجعت کرتے وقت
آپ کا شرب ملاقات نصیب ہوا۔ انہوں نے بھی دونوں حضرات کی خدمت میں کچھ شامی ملبوسات
پیش کرنے کا فقر حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت طلحہؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! مسلمانانِ یثرب
سخت بے چینی کے ساتھ حضور کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے عجلت کے ساتھ مدینہ کی
راہ لی۔ حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما نے مکہ معظمہ پہنچ کر اپنے تجارتی مشاغل سے فراغت حاصل
کی۔ اس کے بعد جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو سکا عازم مدینہ ہوئے اور خانان ویران مہاجروں

سے جانے (ابن سعد)

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ جدائش نے آپ کو کس راستہ سے مدینہ پہنچایا۔ وہ آپ کو مکہ کے زبرین سے نکال کر عسفان کے اسفل میں ساحل یحیر کے مقابل لے گیا۔ وہاں سے بڑھ کر قدید گزر جانے کے بعد عام راستے کے قریب لے گیا۔ پھر خزار ہوتا ہوا ترہ کے درے پر سے گزرا۔ وہاں سے اس نے عتق اور رومہ کے راستوں کے درمیان مدحجہ والی راہ اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے عرج کا راستہ پکڑا اور رکوہ کی داہنی جانب غابر نام چٹہ پر سے گزر کر یثرب کے سامنے پہنچے۔ آپ کو مدینہ سے باہر بنو عمرو بن عوف کی آبادی میں پہنچا دیا (ابن جریر طبری) ابن ہشام نے راہ مدینہ کی منزلوں کے جو نام دیے ہیں، ان میں سے بعض اُسماء ناموں سے مختلف ہیں جو طبری نے حوالہ قرطاس کیے ہیں۔ بعض اہل تحقیق کا بیان ہے کہ ان منزلوں میں سے بیشتر مقامات آج کل معدوم ہیں اور بعضوں کے نام مرد زمانہ سے تبدیل ہو چکے ہیں۔

فصل ۲۲۲۔ قبائیں و روم

مکہ مندر سے حضرت نضر عالم علی اشد علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کی روانگی کی خبر مدینہ منورہ میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ یہاں ہر مسلمان سراپا انتظار بنا بیٹھا تھا۔ معصوم بچے فخر اور جوش میں کتے پھرتے تھے کہ آج رسول اللہ آتے ہیں آج نبیوں کے سردار کی آمد ہے۔ مسلمان ہر روز تشکے نکل نکل کر شہر سے باہر بفرمیں استقبال پہنچ جانے اور بندوں پر چڑھ چڑھ کر دوپہر تک آفتاب جمال احمدی کے طلوع کا انتظار کرتے۔ آخر جب دھوپ زیادہ تیز ہو جاتی تو حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ جب آپ قبائیں جو مدینہ منورہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر شہر کی بیرونی آبادی ہے پہنچے تو ایک یہودی نے جو کسی کام کے لیے شیلے پر چڑھا تھا آپ کو آتے دیکھا اور قرآنِ مالیت سے پہچان لیا کہ یہ وہی حضرات ہیں کہ جن کا کئی دن سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ یہودی نے انصار کے قبیلہ عمرو بن عوف کو جو قبائیں آباد تھا آواز دی کہ تمہارا کعبہ مقصود آپہنچا رہا ہے۔

ایک آن سرور غامالی رسد ایک آن گبرگ خداں می رسد

شاد باش اے چشم بجران بلا !

شوق کن اے ہیں گلزار عشق

درد دل افسردہ دہے می دم

دور شر اے فطرت شایم فراق

کزینے درو تو دریاں می رسد

کاں گل نواز گلستان می رسد

مردہ تن را شردہ جاں می رسد

کافقاپ وصل تاہاں می رسد

یہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ اور دو شنبہ کا دن تھا۔ آپ فار سے چل کر آٹھویں دن

قبا پہنچے تھے۔

ہجرت نبوی سے پیشتر قلیل القعدا یودی اور بت پرست گھرانوں کو چھوڑ کر شرب کی تمام آبادی حلقہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور وہاں کے نو مسلم ماہیانی کے شرف دید کے لیے بڑے بے چین تھے۔ قدوم نبوی کی خبر بجلی کی زد کی طرح آنا فانا شہر میں پھیل گئی اور مشتاقان جمال فی الفور اپنے اپنے ہتھیار لے کر قبا کی طرف اٹھ دوڑے۔ ہر عمر کے اہل ایمان اٹھ چلے آ رہے تھے۔ اس بھیڑ میں مسابقت کرنے والے وہ افراد تھے جنہوں نے حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس وقت آپ کھجور کے درخت کے سائے میں خاموش بیٹھے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے مشتاق زائرین کا ہجوم دیکھا تو جھٹ آگے بڑھ کر لوگوں کے راستہ میں کھڑے ہو گئے کہ مبادا سرور عالمؐ کے پاس جمع ہو کر آپ کا مزاج مبارک ملکر رکریں چونکہ حضرت ابوبکرؓ بھی نہایت وجیہ اور خوبصورت گورے چٹے بزرگ تھے۔ لوگ انہیں رسول پاک گمان کر کے ان کو سلام کرتے اور انہی سے ملاقات اور مصافحہ کرتے رہے۔

اس آثار میں شمس و عرصہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آگئی جناب صدیق اکبرؓ نے اٹھ کر اپنی چادر سے آپ پر سایہ کیا۔ اس وقت لوگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی تشخیص ہوئی (بخاری، فتح الباری، ابن ہشام، وفار الوفا) اتنے میں انصار کے وہ محترم ارکان بھی آئے شروع ہو گئے جنہوں نے کہ غلطی میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور جوش عقیدت و محبت میں شرف قدم بوسی حاصل کرنے لگے۔

قیام میں قیام | آپ قبا میں کلثوم بن ہدم کے مکان پر ٹھہرائے گئے جو انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کی شاخ بنو عبید کے ایک بہت بڑے و قمر بزرگ تھے بعض لوگوں

کا بیان ہے کہ آپ سعد بن خیتہؓ کے مکان پر ٹھہرے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ نے قیام تو کلثوم
 ہی کے مکان پر فرمایا تھا، البتہ لوگوں کی ملاقات کے لیے حضرت سعد بن خیتہؓ کی فرودگاہ پر تشریف
 لے آتے تھے۔ کیونکہ سعد بن خیتہؓ ان دنوں مجروح تھے اور ان کا مکان خالی پڑا تھا۔ اسی بنا پر بعض لوگوں
 کا گمان ہے کہ آپ نے سعد بن خیتہؓ کے مکان پر قیام فرمایا تھا جو ان کی تنہائی کی وجہ سے خانہ مجروح
 کہلاتا تھا (سیرت ابن ہشام) حضرت ابو بکرؓ اور عامر بن قیسؓ رضی اللہ عنہما بھی کلثوم ہی کے
 مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ تینوں حضرات رات کو وہیں آرام فرماتے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 دن کے اوقات اپنے اصحاب کے ساتھ حضرت سعد بن خیتہؓ کے ہاں گزارتے تھے (فتح الباری)
 چونکہ شرب میں گنجائش کم تھی، حضرات ہاجرین زیادہ تر قباہی میں جسے عوالی بھی کہتے
 ہیں ٹھہرائے گئے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مع رفقاء میں رفاعہ بن عبد المنذر کے
 مکان پر قیام فرماتے رہے (ابن جریر طبری)

حضرت سعد بن زرارہ کو پناہ اگر آقا سے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات سے
 کسی مومن کو مقرر نہ تھا، اتنا ہم قبیلہ خزرج کے بعض ارکان
 آپ کی ملاقات کے لیے اوس کے مکان پر آتے ہوئے پہنچاتے تھے۔ اکابر خزرج میں سے اور
 سب بزرگ تو طوعاً و نکرہاً بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے لیکن حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ
 آپ کو دکھائی نہ دیے۔ آخر آپ نے دریافت فرمایا کہ سعد بن زرارہ کہاں ہیں؟ سعد بن خیتہؓ
 اور مبشر بن عبد المنذر اور رفاعہ بن عبد المنذر اسی عرصہ پر آئے یا رسول اللہ! سعد بن زرارہ نے
 جنگ بعاث میں ہمارے ایک رئیس قبیلہ نبتل بن حارث اوسی کو قتل کر دیا تھا اس لیے وہ
 یہاں آنے سے خوف زدہ ہیں۔ لیکن حضرت سعد بن زرارہ بدھ کی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان
 مونہ سر پٹھے حضرت خیر الامام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور رات بھر وہیں رہ کر
 علی الصبح واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد آپ نے سعد بن خیتہؓ اور عبد المنذر کے بیٹوں رفاعہ اور مبشر سے
 فرمایا میری خواہش ہے کہ تم لوگ سعد بن زرارہ کو پناہ دو۔ جانثاروں کے لیے آپ کی خوشنودی خاطر
 سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی تھی۔ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! اگر آپ کی یہی مرضی ہو
 ہے تو ہمیں بسوچنا منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت سعد بن خیتہؓ فوراً سعد بن زرارہ کے مکان
 پر پہنچے اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے انہیں اپنے قبیلہ نو عمر بن عوف میں لے آئے۔ جب

اُس کے دوسرے عمائد کو معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہے تو سب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اب اسعد ہم سب کے جوار و پناہ میں ہیں چنانچہ حضرت اسعد بن زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بے خطر آنا جانا شروع کر دیا (وفار الوفا) اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائیں میں ایک مسجد تعمیر کرنے کا قصد فرمایا آپ نے اپنے میزبان حضرت کلثوم بن ہدم سے اس کا تذکرہ فرمایا۔ قبائیں کلثوم کا ایک قریب تھا۔ مرید اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجوروں کو خشک کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسے جاتے ہیں۔ جناب کلثوم نے اتمام کی یا رسول اللہ! میں اپنا مرید تعمیر مسجد کے لیے حاضر کرتا ہوں (وفار الوفا)

قبائیں مسجد کی

بنیاد تاسیس

چنانچہ آپ نے اپنے دست مبارک سے وہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ قبائیں مسجد ہے

جس کی شان میں سان وحی نے فرمایا ہے :-
 كَمْ سَجِدًا أُتِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ
 أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ
 فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝

(۱۰۸ : ۹)

وہ مسجد جس کی بنیاد شروع ہی میں تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لیے) کمرے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو زیادہ صفائی مرغوب ہے اور حق تعالیٰ خوب پھرے ہوئے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر میں دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کام کرتے تھے۔ وزنی پتھروں کے کٹاٹھے وقت جسم مبارک خیرہ ہو جاتا تھا۔ جان نثار منتیں کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ خدام یہ کام خود انجام دے لیں گے۔ آپ ان کی درخواست قبول فرما کر ہاتھ کا پتھر پھوڑ دیتے لیکن پھر کوئی دوسرا وزنی پتھر اٹھا لیتے (رداء الطبرانی فی الکبیر) یہی مدینہ کی سب سے پہلی مسجد ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی (فتح الباری)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ معمول رہا کہ آپ ہر شنبہ کے دن اندرونِ شہر سے سوار یا پیدل قبا تشریف لاتے اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے (بخاری و مسلم) اس سجد کے امام جناب ابو عذیقہ رضی اللہ عنہ کے قلام حضرت سالم تھے۔ معاصرین اولین جن میں حضرت ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی بلند شخصیتیں بھی شامل تھیں ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں

(بخاری)

حضرت علی مرتضیٰؓ کی آمد | حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روانگی کے بعد اہل مکہ کی امانتیں پہنچائیں۔ تین شبانہ روز مکہ میں ٹھہرے رہے اور اس کام سے فراغت پا کر عازم شرب ہوئے۔ آپ ابھی قبا ہی میں شرف افرود تھے کہ حضرت علیؓ وہاں پہنچ کر سعادت ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پیدل سفر کرنے کی وجہ سے ان کے پاؤں میں آبلے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ بھی جناب کثوم بن ہدم کے مکان پر جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت فرما تھے جا ٹھہرے (ابن جریر طبری)

حضرت اسماء ذات البیضاءؓ کا ورود | پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رخصت کرنے کے بعد جناب اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ خود بھی ہجرت فرما لے مدینہ ہو گئیں۔ جب وہ قبا پہنچیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی یہیں تشریف فرما تھے۔ قرینہ ہے کہ حضرت زبیرؓ نے مکہ پہنچنے کے بعد حضرت اسماءؓ کو بہت جلد مدینہ بھیج دیا تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ قبا ہی میں متولد ہوئے۔ اسماءؓ ان کو اکٹھا کر سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے کھجور جبا کر ان کے مونہ میں ڈال دی۔ پس سب سے پہلے جو چیز حضرت عبداللہؓ کے معدے میں گئی وہ آپ کا آپ دہن تھا۔ ماجرین مدینہ میں یہی سب سے پہلی ولادت تھی (بخاری)

قبائے روانگی | حضرت سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں قریباً دو ہفتہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو جمعہ کے دن اندرون شہر میں جانے کے قصد سے اپنی اونٹنی قصویٰ طلب فرمائی اور اس پر سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ردیف تھے۔ (صحیح بخاری)

جب آپ سوار ہوئے تو قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے عمائد و اعیان جمع ہو کر ناقہ کے آگے کھڑے ہو گئے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا آپ کا مزاج مبارک ہم سے اکتا گیا ہے یا ان غریب خاؤں سے کسی بہتر فرد کاہ میں قیام فرمانے کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا جس جگہ جارہا ہوں مجھے رہیں جانے کا حکم ہے اور اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ وہ مامور ہے۔ اس وقت اس پاس کے تمام مسلمان یہاں موجود ہوئے تھے اور سب سلاح بند تھے۔ جب آپ روانہ ہوئے تو لوگ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے سوار اور پیدل چلنے لگے۔ راستہ میں انصار کے جو قبیلے آئے

انہوں نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا اور آپ کا راستہ روک کر اپنے ہاں فروکش ہونے کی التجا کی اور ہر طرح سے نصرت و منعت کے وعدے کیے لیکن آپ نے تبسم فرماتے ہوئے سبک ہی کہا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو یہ مامور ہے (وفا مارا وفا باخبار دار المصطفیٰ)

اداسے نماز جمعہ | راہ میں بروز سالم کی آبادی میں جو مدینہ طیبہ کا ایک بیرونی محلہ تھا پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ یہیں ٹھہر گئے اور تمام صحابہ کے ساتھ بطن اوی میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔ یہ عامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ تھی (ابن جریر طبری) کیونکہ مکہ مکرمہ میں نہ تو نماز جمعہ ادا ہو سکتی تھی اور نہ خطبہ دینے کا موقع تھا۔ یہ فرض یہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلی مرتبہ ادا ہوا۔ آپ نے نماز سے پہلے انصار کے بیچ میں کھڑے ہو کر جو دو ونگداز خطبے دیے ان میں سے پہلا یہ تھا:- (ترجمہ و اقتباس)

جميع حمد و ستايش رب العالمين کے لیے موزون ہے میں اس کی حمد کرتا، اس سے مدد چاہتا اور اس سے توفیق ہدایت کا خواستگار ہوں۔ ہم خدا سے اپنے نفسوں کے شر اور اعمال کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں جس کو خدا ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ ہدایت نہ لائے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا سے دو الجلال کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے جسے رب العزت نے ایسے وقت میں ہدایت، نور اور پند و موعظہ کے ساتھ اپنے بندوں کے پاس بھیجا جبکہ مدت مدید سے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ مسدود تھا اور جہالت و گمراہی ہر طرف پھیل رہی تھی۔ یاد رکھو کہ جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی، اس نے حد سے تجاوز کیا اور غلط راستے پر بہت دور جا پڑا۔ بلاشبہ سب باتوں سے اچھی بات اور سب سے بتر کلام حق تعالیٰ کی کتاب ہے۔ وہ شخص فلاح پاگیا جس کو خدا نے ورطہ کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کیا اور اس کے دل کو قرآن سے زینت بخشی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بڑا شرف بخشا ہے اور اس کی تلاوت کو بہترین اعمال گردانتا ہے۔ تم خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو آخرت کے لیے نیک عمل کرنے اور تقویٰ و طہارت سے آراستہ رہنے کی ترغیب دے اور خشیت الہی کو ہر وقت پیش نظر رکھے خشیت الہی کا یہ مطلب ہے کہ تم صدق نیت سے احکام خداوندی کے ماتحت آخرت کے لیے نیک عمل کرو اور منہیات سے باز رہو جو شخص ظاہر و باطن میں غلام منیت کے ساتھ رفساے الہی کا جو یاں رہ کر عمل خیر کرے گا حق تعالیٰ

دار دنیا میں اور بعد از مرگ اس کی طرف نظر لطف و کرم سے دیکھے گا۔ لیکن جو کوئی ایسے اعمال کا ترکیب ہو جو خوشنودی باری تعالیٰ کے خلاف ہیں وہ فردا سے قیامت کو آرزو کرے گا کہ کاش میرے اور میرے ناٹھایستہ عملوں کے درمیان مسافت بعیدہ حائل ہوتی۔

میں آپ حضرات کو تمام دینی اور دنیوی امور میں ظاہراً و باطناً تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہی بہترین مشورہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دے سکتا ہے۔ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے، حق تعالیٰ اُس کو اُس کی فرد گزاشتوں کے اثر بد سے محفوظ رکھے گا اور اسے اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ تقویٰ خالق کردگار کی ناراضی و عقوبت سے بچاتا ہے۔ تقویٰ سے چہرے متور اور مرتبے بلند ہوتے ہیں۔

خالق کون و مکان نے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور تمہیں اپنا صراطِ مستقیم بتا دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حق پرست کون ہے اور باطل پسند کون؟ پس حق تعالیٰ کے دشمنوں اور بے فراوان سے دشمنی کرو اور اس کی راہ میں غلو میں دل سے جہاد کرو۔ ربّ ذوالجلل نے اپنے فضل و کرم سے تم کو سعادت ایمانی سے نوازا اور شرف اسلام کے لیے منتخب فرمایا ہے تاکہ اس کی محبت نبوت کے بعد جو چاہے برباد ہو اور جو حیات جاوید کا مستحق ہے اسے آبدی زندگی نصیب ہو۔ اور تمام قوتیں خدا سے بزرگ و برتر کے دست اختیار میں ہیں۔ (ابن جریر طبری "ابن ہشام)

دوسرا خطبہ | آپ نے دوسرے خطبے میں خدا سے قدوس کی ایسی حمد و ثنا کے بعد جو اس ذاتِ بے چوں کے شایانِ شان تھی فرمایا: اے لوگو! اپنی آئندہ زندگی کا کچھ فکر کرو اور اس کے انتظام میں مشغول ہو جاؤ۔ تم کو معلوم ہے کہ تم مرنے کے بعد زندہ ہو کر خدا سے حکمِ الحاکمین کے حضور میں حاضر کیے جاؤ گے۔ اس وقت بغیر کسی ترجمان کے ہمکلام ہو گا اور فرمایا اے شخص! کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا اور کیا اس نے تجھے میرے احکام نہیں پہنچائے اور کیا میں نے اپنا مال دے کر تجھے نہیں نوازا؟ اب تو میرے پاس کیا سرمایہ لے کر آیا ہے؟ پھر بندہ اپنی ماہی طرف نظر کرے گا تو اسے اپنے اعمال و کردار کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔ اسی طرح بائیں طرف نظر اٹھا کر دیکھے گا تو اُدھر بھی اسے اپنے وہ اعمال نظر آئیں گے جن کو آگے بھیج چکا ہو گا۔ اس کے بعد اپنے سامنے کی طرف نظر کرے گا تو اسے جہنم دکھائی دے گا۔ پس اے لوگو! جہنم سے بچو! اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر نچکا سکو اور جس کو اتنا بھی میسر نہ ہو تو وہ موت سے اچھی بات ہی نکال کر سائل کو رخصت کر دے کیونکہ اس کا ثواب بھی دس نیکیوں سے بڑے کر

سات سو نیکوں تک بلکہ اس سے بھی دو چند ملتا ہے۔ تم پر اودا اللہ کے رسول پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت نازل ہو۔

جب آپ نے نماز سے فراغت پائی تو قبا کی طرح بنو سالم کی آبادی میں بھی ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور وہاں سے روانہ ہوئے (ابن ہشام وغیرہ)

فصل ۲۲۳۔ مدینہ منورہ میں اخلہ اور عدیم النظیر خیر مقدم

بنو سالم کے محلہ سے چل کر حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ اس وقت بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق تھے۔ جب تشریف آوری کا غلغلا بلند ہوا تو شریف دید کے لیے شہر امنڈ آیا۔

عشق و محبت کا بحر زخار | ہر شخص عالم شادمانی میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ آئے ہیں۔ نبی اللہ آئے ہیں۔

راہ میں آنکھ بچھانے لگے ارباب نظر
مازنینان حرم بھی نکل آئیں باہر
زرہ و جوشن و چادر آئینہ و تیغ و سپر
غل ہوا مثل علی خیر اناس و بشر
آج ایک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
آج سے تو بھی ہوئی خاک حرم کی ہمسر

یاں مدینہ میں ہوا قل کہ رسول آئے ہیں
ماں کی آغوش میں بچے بھی محل جانے لگے
آلِ بتجار چلے شہر سے ہو کر طیار
وفعہ کو کبہ شاہِ رسل آپہنچا
طور پر حضرت موسیٰ کی صدا آتی تھی
ہاں مبارک کرے اسے خاک حرم نبوی

صلی یارب علی خیر نبی و رسول

صلی یارب علی افضل جن و بشر

آپ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں اس دن سے زیادہ خوشگوار بخت افزا اور نورانی دن کوئی نہیں دیکھا جس میں حضرت سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم قدم فرماے مدینہ ہوئے۔ اس روز شہر کے در و دیوار حضور انور کے نور طلعت سے روشن ہو گئے (دارمی)

خلق خدا کا بے پناہ اجڑوم | محلہ بنو سالم سے لے کر تین چار میل کی مسافت میں دو دو یہ

ہاں تشارین رسالت اور عاشقان محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفیں تھیں۔ ہر طرف غلّی خدا کے ٹھٹھے لگے تھے۔ دلوں کی گہرائیوں میں عشق و محبت کا بحر زخار موج زن تھا۔ لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ گویا سمندر میں طوفان بپا ہے اور بے قرار موجیں اچھل اچھل کر اوپر آنا چاہتی ہیں کہ اُس مہتاب کو چھو سکیں جس کے کماں نے ان میں یہ طغیانی پیدا کر دی ہے۔ حبشی فرح و سرور میں نیزہ بازی اور دوسرے کھیل کھیل رہے تھے جھپٹیں، بالائی منزلیں اور سقف و بام پر دیگان عفاف سے پٹے پڑے تھے۔ بچوں کو ہزار عید سے بڑھ کر خوشی تھی اور وہ بھر کیلے لباس پہن کر گھروں سے باہر بخونظارہ تھے۔ حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے جد ابجد عبد المطلب کے تمام تنہائی رشتہ دار یعنی بنو نجار خاص طور پر سرور و شادمان تھے۔ بنو نجار کے نوجوان اسلحہ سچ سچ کر سامنے آتے اور سلام عرض کرتے

چھوٹی بچیوں کا گیت گانا | ان کی چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا بجا کر گارہی تھیں۔

يَحْنُ جَوَاهِرُ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ | ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔
يَا حَبْنُ اَحْمَدًا مِنْ جَاهِرِ | محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے ہمسایہ ہیں۔
آپ نے ان لڑکیوں کے پاس سے گزرتے وقت ازراہ شفقت فرمایا۔ بچیو! کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟ بولیں ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا میں بھی تم کو عزیز رکھتا ہوں۔
اس وقت جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں بھی کوہ سماع اور گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر حمد الہی کے ترانے گارہی تھیں۔ اس مدیم النظم خیر مقدم پر بائبل کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں مذکور تھا کہ سلح کے پہننے والے ایک گیت گائیں گے (یسعیاہ باب ۴۲)

(درس ۱۱)

علامہ ابن قیم کا تردیدی بیان | بعض روایتوں میں ان اشعار کا گایا جانا بھی مذکور ہے

طَلَعَ الْبَدْرُ مَلَكًا
مِنْ ثِيَابِ التَّوْدَاعِ
وَجَبَّ الشُّكْرُ مَيْتًا
مَعَ دَعَى اللَّهِ دَاعٍ
ہم پر ثنیتاوداع کی طرف سے چاند نکل آیا ہے۔
جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ رَفِيْنَا | اسے ہم میں مبعوث ہونے والے! آپ ایسے امر کے ساتھ آئے
جِئْتِ بِالْاَهْلِ الْمَطَاعِ | ہیں جس کی متابعت فرمان ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ ان اشعار کے بارہ میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔
ان کا بیان ہے کہ یہ شعر اس وقت گائے گئے تھے جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے میں حالانکہ یہ شعر
غلطی ہے۔ مقام ثبیتہ الوداع ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر اور یہ اشعار اس
وقت گائے گئے جب آپ تبوک سے مظفر و منصور ہو کر مراجعت فرما ہوئے تھے۔
لیکن مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اگر دونوں طرف ایسا موقع اور یہی نام
ہو اور دونوں وقت یہ اشعار پڑھے گئے ہوں تو کیا استبعاد ہے؟

مسلمانان مدینہ میں کش مکش | اس وقت انصار کے تمام قبیلوں کے ارکان کی چشم ہاسے
توقع و انتظار آپ کے سر راہ لگی ہوئی تھیں۔ کو کتبہ نبوی کے

زول اجلال کا شرف حاصل کرنے کے لیے ان میں سخت کش مکش پائی جاتی تھی۔ ہر خاندان کا ہر شخص
متمنی تھا کہ یہ سعادت دارین اسی کے حصہ میں آئے۔ چنانچہ جب آپ بنو سالم کے محلہ میں نماز جمعہ
سے فراغت پا کر ناقہ پر سوار ہوئے تو عثمان بن مالک ابجاس بن عبادہ بن نضله اور بنو سالم کے چند
دوسرے معززین رضی اللہ عنہم نے حاضر ہو کر گزارش کی یا رسول اللہ! آپ ہمیں فروکش ہو جائیے
ہم ہر طرح سے خدمت گزاری اور حفاظت کے لیے حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اونٹنی کو چلنے
دو۔ جہاں حکم ہے وہیں جا ٹھیرے گی۔ اور اونٹنی روانہ ہوئی۔ جب بنو بیا عنہ کے محلہ میں پہنچے تو بنو
بیا عنہ کے سرگروہ زیاد بن لبید اور فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور قبیلہ کے بہت سے دوسرے لوگ
حاضر تھے۔ وہ ناقہ کا راستہ روک کر عرض کرنے لگے حضور! یہاں قدم نہ بچہ فرمائیے۔ ہم ہر طرح جان
مال سے حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو۔ جہاں اس کو حکم ہے خود ٹھیر جائے گی۔
لوگ ہٹ گئے یہاں تک کہ بنو سالم کے محلہ میں پہنچی۔ یہاں حضرت سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو
رضی اللہ عنہما اپنے لوگوں کے ساتھ حاضر تھے۔ وہ اپنے ہاں شرب اقامت بخشنے کیلئے منتیں کرنے لگے۔
آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو پہلوں کو دے آئے تھے اور اونٹنی چل پڑی۔

اونٹنی کا بیٹھ جانا | آنحضرتؐ بنو مالک بن عتبار کے محلہ میں پہنچ کر اس جگہ بیٹھ گئی جہاں آج مسجد
نبوی کا دروازہ ہے لیکن آپ اب بھی اس پر سے نہ اترے۔ اس وقت
آپ پر کچھ ایسی حالت طاری ہو گئی جو زول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اونٹنی اس جگہ سے جہاں

آکر بیٹھی تھی اٹھی اور تھوڑی دور چلی۔ اس وقت اس کی ہمار بالکل چھوٹی ہوئی تھی۔ اب وہ مٹری اور اسی جگہ پر جہاں پہلے آکر بیٹھی تھی واپس آئی اور بیٹھ گئی اور اپنے دونوں پچھلے پاؤں جمادیے۔ گویا اس آمدورفت میں اس نے بنائے مسجد نبوی کی تحدید کر دی۔ چنانچہ اس کے بعد اتنی ہی جگہ میں مسجد نبوی تعمیر ہوئی تھی۔ اب آپ اتر پڑے۔ یہاں سے حضرت خالد بن زید معروف بہ ابویوب انصاریؓ کا گھر سب سے قریب تھا۔ انہوں نے معاً آگے بڑھ کر آپ کا پرتھاک غیر مقدم کیا اور آپ کا سامان اتارا ابن جریر ابن ہشام و اخوہ مسلم مختصراً اور کہا ہے

بواق منظر چشم من استیاذہ رتست

قدم نما و فرود آ کہ خانہ خانہ رتست

ابویوبؓ کو اپنے قیام و ہمائی کی عزت بخشنا

اب انصار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھیرانے کے لیے آپس میں جھگڑنے لگے۔ ہر گھرانے کی یہی آرزو تھی کہ یہ سعادت دارین اس کے حصہ میں آئے۔ اس اثنا میں حضرت ابویوبؓ کا ٹھی اٹھا کر اپنے گھر میں لے جا چکے تھے۔ آپ نے رگوں کو جھگڑتے دیکھ کر فرمایا کہ آدمی وہیں ٹھیرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو (ابن جریر طبری) آپ نے صاف الفاظ میں یہ بھی فرمادیا کہ میں بنو نہجا کے ہاں آؤں گا۔ کیونکہ وہ آپ کے دادا عبد المطلب کے نہال تھے۔ آپ نے ان کے پاس قیام فرما کر ان کو عزت بخشی (صحیح مسلم) اور حضرت ابویوبؓ کی فرود گاہ وہ مبارک منزل تھی جو روز ازل سے اس شرف و امتیاز کے لیے چن لی گئی تھی۔

مبارک منزلی کاں خانہ راماسے چنیں باشد

ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشاسے چنیں باشد

بنو نہجا کی وجہ تسمیہ

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد بزرگوار خواجہ عبد المطلب کی والدہ سلسلی بنت عوف بنو مالک بن نہجا میں سے تھیں (فتح الباقی) اور بنو نہجا کا مورث اعلیٰ بنو تیمم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج تھا (وفاء الوفا) تیمم اللہ اس بنا پر نہجا کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے کسی شخص کو تیشے سے ہلاک کر دیا تھا (منتہی الالباب)

اس دن سے یشرب کا نام بدل کر مدینۃ الرسول (رسول اللہ کا شہر) ہو گیا جسے اختصار کے لیے مدینہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت عیسوی ۶۲۲ء تھا۔ حال وہی صلی اللہ علیہ وسلم کا بن شریف

ترپن سال کا تھا۔ ان ایام سے مسلمانانِ مدینہ انصار کے معزز لقب سے یاد کیے جانے لگے کیونکہ انہوں نے حضور خیر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے امداد کی اور آپ کی اور دوسرے مہاجرین کرام کی ممانداری کا بدرجہ اتم حق ادا کیا (ابن خلدون)

یشرب کی وجہ تسمیہ | مدینہ منورہ کا قدیم نام یشرب تھا جو یشرب بن قایل بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوا کیونکہ یشرب ہی سب سے پہلے

اس خطہ زمین میں آباد ہوا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر اس کا نام طیبہ رکھا اور رب العالمین نے اسے طابہ کے نام سے موسوم فرمایا (رواہ مسلم) عیسیٰ بن دینار کا قول ہے کہ جو کوئی مدینہ کی بجائے یشرب کہے اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور مسند امام احمد میں حضرت برادر بن عازب صحابیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مدینہ کو یشرب کہے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے۔ یہ طابہ ہے۔ یہ طابہ ہے (ذرقانی علی لکھا)

مدینہ منورہ کے دس نام | یاد رہے کہ مدینہ طابہ اور طیبہ کے علاوہ دارالہجرت کے اور بھی نام ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

بخاری میں مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ایک نام طابہ روایت کیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں طیبہ بھی مذکور ہے اور مسلم نے جابر بن سمرہ صحابیؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو طابہ کے نام سے موسوم فرمایا اور ابو عوانہ نے طاب اور طیب ناموں کی بھی تفریح کی ہے۔ یہ دونوں لغت ہم معنی ہیں اور ان کا اشتقاق طیب سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نام وہاں کی تربت یعنی مٹی کی طہارت کے باعث اور بعض کے نزدیک وہاں کے باشندوں کی خوشبو کی بنا پر مشتق ہیں اور بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ وہاں کی مٹی اور ہوا کی خوشبو اس تہنہ کی صحت کا بین ثبوت ہے کیوں کہ جو کوئی وہاں اقامت اختیار کرتا ہے، وہاں کی مٹی اور دیواروں میں ایسی روح پرور خوشبو اور راحت دل آویز محسوس کرنے لگتا ہے جس کا کسی دوسری جگہ وجود نہیں پایا جاتا۔

اس کے بعد حضرت علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان اسماء کے علاوہ جو اوپر زیب رقم ہوئے مدینہ کے اور بھی نام ہیں چنانچہ عمر بن شیبہؓ نے کتاب اخبار المدینہ میں زید بن اسلم سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ کے دس نام ہیں۔ مدینہ۔ طابہ۔ طیبہ۔ مطیبہ۔ مسکینہ۔ دار۔ جابر۔ مجبور۔ منیرہ۔ اور یشرب۔ محمد بن ابویہؓ کا قول ہے کہ میں اوائل سے دارالہجرت

کے یہ دس نام سنتا آ رہا ہوں: مدینہ - یثیبہ - طابہ - مطیبہ - مسکینہ - مدری - جابرہ - مجبورہ -
محببہ - محبوبہ (فتح الباری)

ہجرت نبوی کی اہمیت | یاد رہے کہ اسلام کی تمام فتح مندوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ منورہ کی تسخیر تھی جو میدان جنگ کی فتح سے کہیں بڑھ کر دلوں کی اقلیم اور دلوں کی آبادیوں پر ہوئی تھی۔ اس روحی تسخیر کی تکمیل اس وقت ہوئی جب کہ سید العز و انجم صلی اللہ علیہ وسلم قدوم فرما سے مدینہ منورہ ہوئے۔ ظہور اسلام کی تاریخ دو اہم اور اصولی زمانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا دور مکہ معظمہ کی مظاہرہ زندگی کا تھا اور دوسرا مدینہ منورہ کے قیام و اعمال کا۔ پہلا دور حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے شروع ہو کر ہجرت نبوی پر ختم ہوا۔ دوسرا ہجرت سے شروع ہو کر حجۃ الوداع پر تکمیل پذیر ہوا۔

چونکہ دوسرا دور اسلام کی غربت و بے کسی کے اختتام اور ظاہری طاقت و حشمت کے سر و سامان کے آغاز سے ہوا، اس بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب قومی زندگی کی تکمیل و بقا کے لیے قومی سنہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے لیے واقعہ ہجرت ہی کو اختیار کیا گیا۔ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے ان سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر رکھی گئی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کی ابتدا ہوئی ہے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قومی سنہ کا بے وقاعدہ ہجرت کو قرار دیا۔

اسلامی سنہ اختیار کرنے کے لیے چھ چیزیں صحابہ کرام کے پیش نظر تھیں (۱) داعی اسلام للہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت با سعادت (۲) وحی الہی کا نزول (۳) دعوت اسلام کا آغاز۔ (۴) غزوہ بدر کی تاریخی فتح (۵) مکہ مکرمہ کا فتح مندانہ داخلہ (۶) حجۃ الوداع کا تاریخی اجتماع۔ لیکن قومی سنہ قرار دینے کے لیے ان میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہ کیا گیا بلکہ صحابہ کرام کی حقیقت شناسی اور حکمت پر مبنی نے واقعہ ہجرت کو تمام دوسرے وقائع پر ترجیح دی۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ بدو اسلام کی منظوری اور بیچارگی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے وطن مالوف میں زندگی کے دن کا ٹٹنا ناممکن ہو گیا تھا اور آپ ناچار رات کی تاریکی میں اپنے وطن عزیز، گھر بار، خویش و اقارب اور اپنے تمام مالوفات سے دست بردار ہو کر صرف ایک یاہر فگسار کی رفاقت میں رہسپار دشت غربت ہوئے تھے۔

ہفت ماہہ مہانداری | حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم قریباً سات مہینہ تک حضرت ابو ایوب

انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش رہے۔ اس مدت میں کوئی رات ایسی نہ ہوتی تھی جب کہ مسلمانانِ مدینہ کی طرف سے تین چار آدمی آپ کے درِ اقدس پر حاضر تناولِ فرمانے کی درخواست کے ساتھ کھڑے نہ نظر آتے ہوں (ابن جریر طبری) جتنی مدت تک آپ حضرت ابویوبؓ کے مکان پر فروکش رہے، کھانا تازیا۔ تر حضرت سعد بن عبادہ سرورِ خزرج اور حضرت سعد بن معاذ سرگروہِ اوس رضی اللہ عنہما کے گھروں سے آتا رہا (جذب القلوب الی دیار المحبوب)

حضرت انسؓ بحیثیت خادم رسالت

ابو عاتم کا بیان ہے کہ انصاری کی عورتیں اور مرد ہدایا لاکر حضورؐ رسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی خاطر اور حصولِ تقرب کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ لیکن حضرت انسؓ کی والدہ اُمّ سلیمؓ چونکہ نادار

تھیں، انہیں اس بات پر تاسف تھا کہ آپ کے حضور میں کوئی چیز بطور ہدیہ و تحفہ لے جانے کے لیے کچھ موجود نہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے فرزند انسؓ کو خدمتِ گار کی حیثیت سے آپ کے پاس بھیج دینے کا قصد کیا۔ چنانچہ انسؓ کو اپنے شوہر حضرت ابوطحہؓ کے ساتھ آپ کے پاس بھیج دیا۔ ابوطحہؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ کے پاس کوئی خادم نہیں۔ انسؓ ایک زیرک و ہوشیار لڑکا ہے۔ اس کو حضورؐ کی خدمتِ گاری کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے انسؓ کو اپنی خدمتِ گاری کے لیے جو فی الحقیقت ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بہتر تھی قبول فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر کو سال کی تھی۔ اس کے بعد جب تک آفتاب رسالتِ کلدۃِ عالم پر فیضِ رگستر رہا، حضرت انسؓ آپ کی خدمتِ گاری کی سعادت سے بہرہ اندوز رہے (وفاء الوفاء)

مکان کی پختی منزل میں قیام

حضرت ابویوبؓ نے آپ کی خواہش کے مطابق اپنے مکان کا حصہ زیرین قالی کر دیا تھا اور خوبالا خانے میں

جا رہے تھے۔ ایک دن ابویوبؓ نے عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہمیں بالا خانہ کی سکونت سخت ناگوار ہے کیونکہ یہ امر کسی طرح زیبائیں کہ بیوی کے سردار کا قیام تو نیچے ہو اور ہم بالا خانے پر ہیں۔ اس لیے درخواست ہے کہ حضورؐ بالائی منزل پر تشریف لے چلیں اور ہم نیچے آجائیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے اس لیے پختی منزل ہی ہمارے لیے موزون ہے۔ ایک دن اتفاق سے بالا خانہ پر پانی کا بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابویوبؓ اور ان کے گھروالے اس خیال سے سخت مضطرب ہوئے کہ مبادا پانی پختی منزل میں جا کر آپ کی تکلیف کا باعث ہو۔ بیچاروں کے گھر میں ایک ہی محاف تھا۔ جھٹ

پانی کے اوپر پھیلا دیا تاکہ پانی اس میں جذب ہو جائے اور مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تکلیف نہ اٹھائیں (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۲۴۔ مدنی آب و ہوا کے خوشگوار ہونے کی دعا

آب و ہوا کے اعتبار سے شرب تمام عرب میں بدنام اور وباؤں کا گوارہ تھا۔ جب غلامہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قدوم فرماے شرب ہوئے تو اکثر مہاجرین کرام یہاں آکر بیمار پڑ گئے اور بیماری نے طوالت اختیار کی۔ اس بنا پر ان حضرات کو بار بار اپنا وطن مگر یاد آنے لگا (بخاری و مسلم)

ہاجروں پر بخار | ان نفوس قدسیہ میں سے جن کے بخار نے خوفناک شدت اختیار کی تھیں
حضرات قاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابو بکر، بلال اور عامر بن ثمرہ رضی
اللہ عنہم۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ تینوں حضرات
عالم بخوری میں اشعار پڑھتے تھے چند اشعار جو ام المومنین کو یاد رہ گئے اور انہوں نے غزہ بن
زبیر کو سنائے ان کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے سخت تکلیف کی حالت میں ایک شعر یہ پڑھا۔ ہر شخص ایسی حالت میں
اپنے اہل و عیال کے درمیان صبح کرتا ہے جبکہ موت اس کی جوتی کے تسموں سے بھی قریب تر
ہوتی ہے۔

اور حضرت بلالؓ کے دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے: کیا پھر بھی کبھی وہ دن آئے گا کہ میں
اُس مادی میں ایک رات بسر کروں جس میں راز خاواں جیل میرے پاس ہوں اور کیا وہ دن مجھے پھر
بھی کبھی دیکھنا نصیب ہو گا کہ میں جنت کے چشمہ پراتروں اور شامہ و طفیل مجھے دکھائی دیں۔
اور عامر بن ثمرہؓ نے یہ دو شعر کہے (ترجمہ) میں نے موت کا مزا اُس کے آنے سے پہلے
ہی چکھ لیا۔ بزدل کی موت اُس کے اوپسے آتی ہے۔ ہر شخص بقدر ہمت اسی طرح کوشش کرتا ہے
جس طرح میں اپنی جلد کو اپنے سینک سے بچاتا ہے۔ (فتوح البلدان بلاذری)

بخار کے جُحفہ منتقل ہونے کی دعا | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شدت علالت کی اطلاع
دی گئی آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا! ہمارے لیے

مدینہ بھی ویسا ہی محبوب بنادے جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے بلکہ مدینہ کی محبت اس سے بھی زیادہ ودیعت فرما۔ الہی! مدینہ کی آب و ہوا کو محبت بخش بنادے اور اس کے صانع اور مدین برکت دے اور بخار کو یہاں سے نکال کر محفہ کو منتقل کر دے (بخاری و مسلم)

یہ دعا صرف بحرف قبول ہوئی اور معاً موقع اجابت پر پہنچی۔ حضرات ہاجرین کو مدینہ منورہ سے جو محبت ہوئی وہ اپنے مرز و بوم تک سے بھی نہ تھی۔ وہی ابو بکر اور بلال اور عامر بن قثمیرہ رضی اللہ عنہم جو مدینہ منورہ آکر گھبرا اٹھے تھے اس کے اس درجہ والدہ و شیفہ ہوئے کہ پھر مکہ جانے کا کبھی نام نہ لیا۔

وباؤں کا نقل مکانی | اسی طرح دعا کے دوسرے حصہ کو بھی شریف قبول بخشا گیا چنانچہ مدینہ منورہ ہمیشہ کے لیے وباؤں اور بیماریوں سے پاک ہو گیا،

اور یہاں کی تمام وہائیں اور رنج و ریاہی محفہ کی چلی گئیں جو مدینہ منورہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر یہود کی ایک آبادی تھی۔ مدینہ سے وبا کا دفع ہوتا آپ کو خواب میں بھی دکھایا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیاہ فام عورت جس کے سر کے بال پراگندہ تھے مدینہ سے نکلی اور محفہ میں جا کر ٹھیکری ہے ہیں اس کی یہ تعبیر کی کہ مدینہ کی وبا محفہ کو منتقل ہو چکی ہے (بخاری)

فصل ۲۲۵ - حضرت صرمہ بن ابی انس انصاریؓ کی

سعادتِ ایمانی

قارئین کرام نے گزشتہ صفحات پر ذرقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کے حالات پڑھے ہوں گے جو کہ معظّمہ کے موقد اور مسلکِ ابراہیمی کے پیرو تھے۔ اسی قسم کے ایک موجد مدینہ منورہ کے قبیلہ بنو بخاری میں بھی تھے جن کا نام صرمہ بن انس (یا ابی انس) اور کنیت ابو قیس تھی۔ ان کے قدم غفرانِ شباب ہی سے جاوہ حق پر استوار تھے۔ انہوں نے اُس زمانہ میں بت پرستی ترک کر کے رہبانیت کا شیوہ اختیار کیا تھا جبکہ ان کی قوم جہالت کے بھر پور نمونے تھے۔ ان کی رہائی تھی۔ صلاح و تقویٰ کے لباس سے علی وجہ امکان آراستہ تھے۔ اہل حق کی طرح غفل

جنابت کرتے تھے۔ اور تقویٰ و طہارت کی انتہا یہ ہے کہ کسی ایسے گھر میں قدم نہ رکھتے تھے جس میں کوئی عائضہ یا بجنی موجود ہو۔ انہوں نے ایک مختصر سی مسجد تعمیر کرائی تھی۔ ہر وقت اسی میں مصروف عبادت رہتے اور کسی ایسے شخص کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتے جس پر غسل واجب ہو۔

انہوں نے ارادہ کیا کہ رائج الوقت آسمانی مذاہب میں سے جو

قبول مسیحیت سے اعراض

دین صحیح معنی میں سعادت و فلاح ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہو اس کا اتباع کریں۔ چنانچہ اس اثبات میں قبول مسیحیت کی ٹھان لی لیکن جب ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ موجودہ مسیحیت بالکل بت پرستی کی ہم رنگ ہے تو قبول مسیحیت کے خیال سے دست بردار ہو گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دین مسیح ایک سچا دین الہی تھا جس میں ملائق ماسوی اللہ سے آزادی دلانے اور فلاح اخروی کی پوری صلاحیت موجود تھی لیکن حقیقت میں وہ دین مسیح موقد حواریوں کے ساتھ ہی گور عدم میں مستور ہو چکا تھا اور جو عیسوی دین دولت روم میں پرورش پا کر رومن کیتھولک کہلایا، وہ شرک اور بت پرستی کی آغوش کا پلا ہوا تھا اور اگر عقاید کفریہ اور رسوم شرکیہ کا لحاظ کیا جائے تو آج کل کی پروٹسٹنٹ مسیحیت اور پرانے رومن کیتھولک چرچ میں کچھ زیادہ تفاوت نہیں ہے۔

جن ایام میں مرثان یثرب لے کر حید کی نعمہ سرانی شروع کی اور اس و غرض کے درہام تو حید الہی کے توانوں سے

حضرت فخر عالم کا جمال مبارک دیکھنے کی تمنا

گرجنے لگے ان دنوں حضرت فرمہ بنے بھی قبول اسلام کا عزم مصمم کر لیا لیکن چاہتے تھے کہ اپنی یثرب سے نبوت کا ہر عالم افروز طالع ہو تو اس وقت ملت اسلام میں داخل ہوں۔ مگر اس وقت ضعف پیری اور اضمحلال قوی نے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی طاقت نہ چھوڑی تھی تاہم ساتھی کوثر کی آتش محبت نے ہر وقت دل کو تلاطم امواج کی طرح ہر سیمہ کر رکھا تھا اس لیے دعا کرتے کہ کسی طرح سفر آخرت سے پہلے ایک دفعہ حضرت سید العرب و اہم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک سے آنکھیں روشن اور ٹھنڈی کر سکیں۔

آخر وہ ساعت سعید آپہنچی جبکہ رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک یثرب کو اپنے نور قدوم سے منور فرمایا اور فرمہ رضی اللہ عنہ جو مہ ایمانی سے سرشار ہو کر شکر لا متناہی کے سجدے بجا لائے۔

ہجرت کے بعد جب داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے یثرب کی

مرز میں امن و عافیت کا گوارہ ثابت ہوئی تو صرمہ بننے لگا۔

ثَوْنِي فِي قَرَارِيشٍ بَضْعَ هَشْوَةِ حُجَّةٍ | پیغمبر علیہ السلام نے قریش میں دس سال سے زیادہ مدت قیام فرمایا
يَذْكُرُ كَرُّكَ لَوْ يَلْقَى صَدِيقًا مَوَاتِيًّا | آپ یاد کر رہے تھے کہ کاش کوئی مخوار دوست ملے۔

یہ ایک طویل نظم کا پہلا شعر ہے۔ حاکم نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
یہ ابیات سیکھنے کے لیے صرمہ بننے کے پاس آتے جاتے رہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ
صرمہ بڑے حق گو اور راست گفتار تھے۔ بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ ذیل کے دو شعرا بھی ان کی
یادگار ہیں۔

يَقُولُ ابُو قَيْسٍ وَاصْبَحْ غَادِيًّا | اَلَا مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ وَصَايَتِي فَاَفْعَلُوا
اَوْ قَصِيْكُمْ بِالْبُرِّ وَالْخَيْرِ | وَ اِنْ كُنْتُمْ اَهْلُ الرِّيَاسَةِ فَاَعْدِلُوا
(ابو قیس صبح کو آکر کہتے ہیں کہ دیکھو جہاں تک تم کو میرے نصائح پر عمل کرنے کی استطاعت ہو، ان پر ضرور عمل کرو
میں نیکی بھلائی اور تقویٰ شعاری کی وصیت کرتا ہوں اور اگر تمہیں کہیں کی حکومت حاصل ہو تو فلیق مذک کے ساتھ
عدل و انصاف کے ساتھ پیش آؤ)

ابن اسحق کا بیان ہے کہ قرآن کی آیت وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَسْبَغَ لَكُمْ
الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ (رات کی)
کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے) ابو قیس صرمہ رضی اللہ عنہ
ہی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی لیکن علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں سخت
اختلاف ہے کہ یہ آیت کس صحابی کی نسبت وارد ہوئی تھی۔ اس آیت کا نقلی ترجمہ یہ ہے کہ تم اس
وقت تک کھاؤ پو جب تک کہ سفید دھوا کا سیاہ دھوا گے سے میٹرنہ ہو جائے۔ اس آیت کے نزول
کے بعد کسی صحابی نے اپنے پیر کے انگوٹھے میں ایک سفید ڈورا اور ایک سیاہ ڈورا باندھ لیا اور جب
تک دونوں میں اچھی طرح امتیاز نہ ہونے لگا اس وقت تک کھاتے پیتے رہے۔ اس وقت من
الْفَجْرِ کا لفظ نازل ہوا یعنی صبح صادق کے وقت تاریکی اور روشنی کی دو دھاریاں مراد ہیں صبح صادق
کی نمود کے ساتھ ہی کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے (باب النقول)

مرزبانی کا بیان ہے کہ ابو قیس صرمہ بننے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور وہ قبول اسلام کے
وقت بہت ضعیف العمر تھے چنانچہ انہوں نے خود کہا ہے

بَدَا لِي اَنِي عَشْتُ تِسْعِينَ حِجَّةً | وَعَشْرًا وَمَا بَعْدَهَا ثَمَانِيًا

فلم الفصا لما مضت وحددتها | بحسبها في الدهر اكاليسا
 (مجھ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ میں نوے سال جی چکا ہوں اور دس سال اور آٹھ سال۔ پس جب
 جلد سین گزر چکے تو پھر ان کو دوبارہ نہ پاسکا اور میں نے ان کو شمار کیا تو مدت العمر میں چند ہی تئیں
 محسوس ہوئیں (سیرت ابن ہشام ۱۰ ماہ ۱۰)

فصل ۲۲۶۔ یہود کے علم العلماء حضرت عبداللہ بن سلام

آغوش اسلام میں

توراة و انجیل میں رسول
 ہاشمی کی سیرت مبارکہ
 رب تبارک اپنے کلام عزیز میں فرماتا ہے: اَلنَّبِيُّ الْاَرَقُّ
 الَّذِي يَخْدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَ هُمْ فِي التَّوْرَةِ
 وَالْاِنْجِيلِ (وہ نبی اُقی جس کو علماء یہود و نصاریٰ اپنے
 یہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس آیت میں خدا سے قدوس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہود
 و نصاریٰ توراة و انجیل میں نبی امی کی نعت یا وصف لکھا پاتے ہیں بلکہ فرمایا کہ خود نبی رصل اللہ علیہ
 وسلم کو لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت قدسیہ
 توراة و انجیل اور دوسرے کتب سماوی میں اس بسط و تفصیل کے ساتھ مذکور و مرقوم تھی کہ گویا ان
 کتابوں میں خود ذات یا برکات اشرف کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی جلوہ گر تھی۔ پس ظاہر ہے
 کہ ان آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا آپ سے اسی طرح متعارف تھا جس طرح وہ شخص جس نے
 آپ کو برائی ایمن دیکھا ہو اور بدتوں آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوا ہو۔

تورات و انجیل میں
 صحابہ کرام کا ذکر خیر
 اور ان آسمانی معجزوں میں صرف آنجناب کی سیرت مبارکہ مذکور نہ تھی بلکہ
 آپ کے اصحاب خیار کی سیرت بھی قلم بند تھی چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

سَيَا هُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثْرِ
 السُّجُوْدِ الَّذِيْ مَكَتُمْ فِي التَّوْرَةِ
 وَمَكَتُمْ فِي الْاِنْجِيلِ
 ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر
 (یعنی نماز تہجد کی وجہ سے ان کے چہروں پر غاس نور ہو رہا
 ہے۔ ان کی یہی صفت تورات میں مذکور ہے اور انجیل میں۔

یہود و نصاریٰ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو کتب مساوی میں پڑھا کرتے تھے اور قذافیؒ عزیز و برتر نے آپ کی اسی سیرت کو جو کتب النبیہ میں مذکور تھی یہود و نصاریٰ پر حجت گردانا تھا

اجبار کی دیرینہ آرزو کہ کاش وہ خیر الرسل کا زمانہ پائیں | حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء واجبار بھی اسی سیرت مقدسہ کو پڑھ پڑھ کر آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش اس خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور آپ کے جلال مبارک سے دیدہ و دل روشن کریں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عرب کے اندر یہود کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مشرف اولیت علماء یہود میں انہی کو حاصل ہوا۔ قارئین کرام نے کسی سابق فصل میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے قریش کے قاصدوں سے کہا تھا کہ تم جا کر مدعی نبوت سے یہ سوالات کرو۔ اگر ان کے صحیح جواب دیے تو یقین کرنا کہ وہ نبی مرسل ہیں ورنہ نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان عبداللہ بن سلام کا مشرف بایمان ہونا بھی اسلام کی حقیقت اور حضرت بشیر و نذیر ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرسل یزدانی ہونے کی نہایت قطعی دلیل ہے۔

نا دیدہ محبت صادق | حضرت عبداللہ بن سلام کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب چند انصاری مدینہ پہلی مرتبہ مشرف باسلام ہونے کے بعد مکہ سے مراجعت فرماے پشرب ہوئے تو ان میں سے بعض نے عبداللہ بن سلام سے ذکر کیا کہ آپ جس نبی آخر الزمان کی بعثت کا ہمیشہ تذکرہ فرمایا کرتے تھے وہ مکہ کے اندر مبعوث ہو چکے ہیں اور ہم لوگوں نے بطیب خاطر ان کا قلاوۃ اطاعت زیب گلو کیا ہے۔ جناب عبداللہ بن سلام نے جو ان ایام میں حصین کے نام سے موسوم تھے علامتیں دریافت کیں تو آپ کو بتاوا ان علامات کے مطابق پایا جو تورات میں نبی آخر الزمان کی مذکور ہیں۔ جب تھوڑے دنوں کے بعد شاہ کونین و رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین پشرب کو اپنے قدوم مہمنت لزوم سے مشرف فرمایا تو اس وقت عبداللہ بن سلام اپنے باغ و بہستان میں میوے اتروار رہے تھے۔ ان کی پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی وہیں تھیں کسی نے باغ میں جا کر ان سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف فرمائی کا ذکر کیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام ان علامات کو پڑھ کر جو تورات میں نبی آخر الزمان کے متعلق

مذکور ہیں اور ان انصار سے جو مکہ معظمہ جا کر آپ کا حال مبارک دیکھ آئے تھے آپ کے ناویدہ محبت صادق اور عاشق زار بنے ہوئے تھے مع

آئے آئے گروش پیش از چشم عاشق می شود

رسول اللہ کے قدم فرما | انہوں نے اس مژدہ جانفزا کے سنتے ہی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ان کی پھوپھی کئے لگیں حسین! تمہیں تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہونے پر فوراً بغضا ط آنے کی اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) بھی قدم فرما ہوتے تو تمہیں اتنی مسرت نہ ہوتی۔ انہوں نے کہا پھوپھی جان! خدا کی قسم! یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اسی مسلک حق کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں جس کے موسیٰ علیہ السلام پیرو تھے۔

پھوپھی نے کہا برادر زادے! کیا واقعی یہ وہی بنی ہیں جن کے متعلق تو رات اور روز سب کتب سماویہ میں مذکور ہے کہ وہ تمام انبیاء کے اخیر میں مبعوث ہوں گے؟ انہوں نے کہا ہاں وہی ہیں۔ پھوپھی بولیں تب تو ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ وہ خود ہمارے شہر میں تشریف لائے ہیں۔ جناب عبداللہ نے بارگاہ نبوت کا قصد کیا۔ پھوپھی بھی ان کے پیچھے گئیں اور مشرف باسلام ہو کر لوٹیں اور اپنے گھر پہنچ کر سب کو قبول اسلام کی تلقین کی چنانچہ گھر کے چھوٹے بڑے سب افراد نے بخوشی سرکار رسالت کی فلامی اختیار کی (سیرۃ ابن ہشام)

انہو دیا و یقین کے | حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب سے آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا غلغلہ بلند ہوا تھا میں آپ پر غائبانہ ایمان لا چکا تھا لیکن اپنے بعد سعادت ایمانی ایمان کو یہود سے مخفی رکھا تھا۔ قدم نبوی کے بعد میں آستان مبارک میں حاضر ہوا اور آپ کے کلمات یقینات سن کر اور بھی حق الیقین ہو گیا کہ آپ ہی دنیا کے آخری نجات دہندہ ہیں۔ تاہم مزید اطمینان اور وثوق کامل کے لیے نشان صدق معلوم کرنے کا قصد کیا۔

حسب روایت امام بخاری رحمہ اللہ عن پیرا ہونے جناب! میں آپ سے ایسی تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو نبی مرسل کے سوا کوئی نہیں جانتا (۱) علامات قیامت میں پہلی علامت کون سی ہے؟ (۲) اہل جنت کو پہلی چیز کھانے کو کیا ملے گی؟ (۳) وہ کون سا سبب ہے جس کے باعث کبھی تو ہمہ ماں کا ہمشکل ہوتا ہے اور کبھی باپ کے مشابہ؟ معاً حضرت روح الامیں

نازل ہوئے اور آپ نے ان سے تینوں سوالوں کے جواب سن کر حضرت عبداللہؓ کو بتائے۔ پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ وہ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو ہنگامال کر مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور دوسرے استفسار کی نسبت کہنا کہ وہ مچھلی کا بکر ہے۔ یہ جوابات سن کر جناب عبداللہؓ پکار کھڑے آٹھ شہدائے آن لاہ اللہ لا اللہ وراکک رسول اللہ (میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) بخاری حضرت عبداللہؓ کی نسبت یہود سے استفسار

ان کا نام تبدیل کر کے عبداللہؓ رکھ دیا (فتح الباری) حضرت عبداللہؓ گوہر مقصود کی تفصیل کے بعد عرف پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہود بڑی مغتری اور ددوغ گو قوم ہے انہیں میرے قبول اسلام کا حال معلوم ہو گیا تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھیں گے۔ اس لیے حضور میرے مشرف بایمان ہونے کا حال شروع میں بیان نہ فرمائیے گا۔ اس کے بعد جب یہود کی ایک جماعت بارگاہِ معلیٰ میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارے درمیان حقیقین بن سلام کس پایہ کے آدمی ہیں؟ یہودی کہنے لگے حقیقین بن سلام ہم میں سب سے اچھے اور سب سے چھٹے کے فرزند گرامی ہیں۔ وہ ہمارے سرور اور سردار کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ ایمان لے آئیں تو کیا تم لوگ بھی مسلمان ہو جاؤ گے؟ کہنے لگے معاذ اللہ! ایسا ہونا بھی کبھی ممکن ہے؟ خدا انہیں تمہاری متابعت سے محفوظ رکھے۔

یہ سن کر حضرت عبداللہؓ جو ایک گوشہ میں پنہاں تھے ان کے سامنے آگئے اور فرمایا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ یہ دیکھ کر یہود و مجوس حیرت رہ گئے اور عالم تائیف میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن پھر عالم غیظ میں یہ چھینا شروع کر دیا کہ یہ ہم میں بدترین شخص ہے اور بدترین شخص کا بیٹا ہے اور حضرت عبداللہؓ کے خلاف بہت کچھ وزیدہ دہنی کرنے لگے جناب عبداللہؓ عرف پیرا ہوئے یا رسول اللہ! مجھے ان کی اسی فتراہ پرانے کا کٹکا تھا (بخاری)

قارئین کرام! آپ نے دیکھا ہو گا کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام جو یہود کے اندر فضل و کمال میں یکتا ہے عصر تھے کس طرح مسلمان ہوئے؟ انہوں نے اپنے علم و کادیت ذہن اور فراست کی کشتی پر سوار ہو کر آنا فنا حاصل مراد پر جا پہنچے۔ انہوں نے اپنے علم و کادیت ذہن اور فراست

خدا داد سے صحیح فائدہ اٹھا کر سعادتِ ایمانی کی اولیت کا شرف حاصل کیا۔ ارمن صابح میں ابرہہ کا معمولی سا چھینٹا پڑ جائے تو بھی سبزہ ہلدا اٹھتا ہے مگر حضرت عبداللہ تو علم و عمل میں پیغمبر ہی متنا تھے۔ حشرِ نبوت سے سیراب ہوتے ہی مقبولانِ بارگاہ کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور ان پر فیضانِ نبوت کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ جس کی تعریف میں زبانِ قلم قاصر ہے۔ یہاں اجاب کرام کی بصیرت افروزی کے لیے ایک خواب درج کیا جاتا ہے جو جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مشرفِ بایمان ہونے کے بعد دیکھا تھا۔

رسول اکرم کی تعبیر گوئی | تیس بن عباد تاہی کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک بزرگ وہاں آیا جس کے چہرہ پر طاعت و خشوع کے آثار نمایاں تھے۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص جنتی ہے۔ اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور مسجد سے باہر چلا۔ اس کے پیچھے ہویا اور گزارش کی جناب والا! جس وقت آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو لوگوں نے آپ کی نسبت کہا تھا کہ یہ شخص جنتی ہے۔ اس بزرگ نے کہا کسی شخص کو ایسی بات موندے نہ نکالنی چاہیے جو اسے جنتی طور پر معلوم نہ ہوتا ہم میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے اس خیال کا مبنی کیا ہے۔ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں خواب دیکھا تھا کہ میں ایک چمن زار میں ہوں جس کی فراخی اور سبزی بیان سے باہر ہے۔ چمن کے بیج میں لوہے کا ایک ستون ہے جس کا سراسر آسمان تک پہنچا ہوا ہے اور حصہ زیرین زیر زمین ہے اور ستون کے اوپر پکڑنے کا ایک غروہ (حلقہ یا کڑا) ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس ستون کے اوپر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا مجھ میں اس کی طاقت نہیں۔ اتنے میں ایک خادم آگیا۔ اس نے پیچھے کی طرف سے میرے کپڑے اٹھالیے اور میں نے اس کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ستون کے اوپر پہنچ گیا۔ اب میں نے کڑے کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس کو خوب زور سے پکڑ لو۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا وہ چمن زار ملت اسلام ہے اور ستون اسلام کے احکام و ارکان ہیں اور وہ غروہ (حلقہ) غرۃ الوثقی ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا (۲: ۲۵۴) پس تم تادم واپس اسلام پر قائم رہو گے۔ (بخاری و مسلم)

بھتیجیوں کو دعوتِ اسلام | ابن عیینہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے

مشرف بائین ہونے کے بعد اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور ماجہ کو اسلام کی دعوت دی۔ ان سے فرمایا تم جانتے ہو کہ حق تعالیٰ نے تو رات میں فرمایا ہے کہ میں اسمعیل کی اولاد میں ایک نبی جس کا نام نامی احمد ہوگا، مبعوث کروں گا جو کوئی اس پر ایمان لائے گا۔ ہدایت پائے گا اور جو اعراس کرے گا وہ ملعون ہوگا۔ یہ سن کر سلمہ نے تو دعوت حق کو بیک کہا لیکن ماجہ برابر حق سے بعد و مہاجرت پر اڑا رہا۔ اس کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی :-

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ
إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ (۲: ۱۳۰)

اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے انحراف کرے
مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو۔

(باب النقول)

فصل ۲۲۔ حضرت سلمان فارسی کی سعادندوزی اسلام

نام و نسب | حضرت سلمان فارسیؒ ان سعید روحوں میں سے ہیں جو قبائین شاہ رسات کے قدوم فرما ہونے کے بعد سب سے پہلے مشرف بائمان ہوئے تھے نبی تعلق اصفہان کے ایک مجوسی خاندان آب الملک سے تھا۔ مجوسی نام بابہ بن یوزخشان تھا۔ اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا۔ ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ انہوں نے اپنے قدوم مدینہ اور سعادت اسلام کے برہ اندوز ہونے کے حالات حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے یوں بیان فرمائے تھے۔

آتش پرستی پر | میں ضلع اصفہان کے ایک قریہ کا رہنے والا ہوں جس کا نام جی ہے۔ باپ آتش پرست تھا اور مجھے بھی آتش پرستی میں بڑا غلو تھا۔ والد نے آتش کدہ کی نگرانی میرے ہی متعلق کر رکھی تھی۔ رات دن آگ کی دیکھ

مسیحیت کو ترجیح

بھال میں مصروف رہتا تھا اور میرا شمار ان پجاریوں میں تھا جو کسی وقت آگ بجھنے نہیں دیتے۔ ہم جی کے زمیندار و مزارع تھے۔ میرے والد زراعت کی نگرانی خود کرتے تھے۔ ایک دن وہ مکان کی مرمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے خود کھیت پر نہ جاسکے اور مجھے اس کی دیکھ بھال کے لیے بھیج دیا۔ راستہ میں نصاریٰ کا ایک گرجا تھا۔ وہ اس وقت اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ میں ان کی آواز سن کر گرجے میں چلا گیا اور کھیتوں کا خیال چھوڑ کر ان کی عبادت کا طور طریق

دیکھنے لگا۔ مجھے اپنی آتش پرستی کی نسبت ان کا طریق عبادت پسند آیا۔ دل میں خیال آیا کہ ان لوگوں کا مذہب ہمارے کیش آتش پرستی سے بہتر ہے، ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

قبول مسیحیت | حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنی عبادت سے قانع ہوئے تو میں نے کہا میں تمہارا مذہب اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے مجھے بپتسمہ دیا اور میں مجریت کے آتش کدہ سے نکل کر "آسمانی بادشاہت" میں داخل ہو گیا۔ میں نے پادری صاحبوں سے کہا مجھے تحصیل علم کی آرزو ہے اس لیے ازراہ کرم یہ تو بتاؤ کہ اس مذہب کا مرکز و سرچشمہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ہمارا مذہب ہی مرکز ملک شام میں ہے۔ میں وہاں کا پتہ پوچھ کر گھر واپس آیا۔ والد نے پوچھا کھیتوں کو دیکھ آئے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ کچھ لوگ گرے میں عبادت کر رہے تھے۔ مجھے ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا وہ مذہب تو ہمارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں۔ میں نے کہا بخدا! وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں فائق ہے۔ اس جواب سے میرے والد کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مقید کر دیا۔

شام کا سفر | مگر میرے دل میں اتباع حق کی تڑپ تھی، اس لیے عیسائیوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جب شام کا قافلہ جانے والا ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ کاروان تجارت جانے لگا تو مجھے خبر کی گئی۔ میں کوشش کر کے بیڑیوں کی قیاسے نکل کر کاروان کے ساتھ ہو گیا اور شام کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر گرے میں گیا اور اسقف سے ملاقات کر کے التماس کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر فلم دین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے میری درخواست قبول کی اور اس کے ساتھ رہنے لگا۔

اسقف کی ہوس زرا ندوزی | یہ اسقف عالم باعمل نہیں تھا۔ اس کے پاس غبار و مساکین کے لیے صدقات جمع ہوتے تھے۔ یہ ان پر خرچ کرنے کے بجائے سب کچھ اپنی ہوس زرا ندوزی کی نذر کر دیتا تھا۔ اس لیے مجھے ذن بدن اس سے نفرت ہونے لگی۔ آخر اس کا پیمانہ حیات آپ فنا سے بھر پڑ ہو گیا۔ لوگ اس کی تجیز و تکفین کے لیے جمع ہوئے۔ میں نے کہا یہ پادری بڑا بد باطن تھا جس قدر صدقات آتے تھے ان میں سے ایک جتنہ بھی مساکین پر خرچ نہیں کرتا تھا۔ لوگ پوچھنے لگے تمہیں کیونکر معلوم ہے؟ میں نے کہا

سہ اسقف - خطیب - واقعہ نصاریٰ ۱۲

پہلو میں اس کا اند وختہ دکھاتا ہوں۔ میں نے لوگوں کو اس کے خزانے پر لاکھڑا کیا۔ لوگوں نے زمین کھودی تو سات ٹکے نکلے جو طلائی اشرفیوں اور تقرتی ہنگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ نصاریٰ نے اس کی لاش کو دفن کرنے کے بجائے دار پر لٹکا دیا اور اس پر خوب سنگ باری کی۔

موصول کا سفر | اس کے مرنے کے بعد ایک اور پادری اس کا جانشین ہوا۔ یہ شخص بڑا عابد و زاہد اور متقی تھا۔ شب و روز عبادت میں مصروف رہتا۔ میں اس سے بہت مانوس ہوا اور اس کی صحبت سے بہت کچھ فیض اٹھایا۔ لیکن دست اجل نے اس کے دروازے پر بھی جلد آدھک دی مجھے تلاش حق کی ٹرپ تھی۔ میں نے نزع کے وقت اس سے کہا کہ تمہارا تو آخری وقت ہے مجھے کچھ وصیت کر جاؤ اور بتاؤ میں تمہارے بعد کس کے پاس رہوں؟ اس نے کہا اے فرزند! نیک لوگ تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور جو موجود ہیں انہوں نے دین میں سخت رخنہ اندازیاں کر رکھی ہیں اور بدعات و مخترعات کے جال میں پھنسے ہیں۔ انہوں نے دین کے بہت سے اہول تو سرے سے پھوڑ ہی دیے ہیں۔ تاہم تم موصول جاؤ۔ وہاں میرا ایک نہایت متقی اور صحیح الایمان دوست رہتا ہے۔ وہ صحیح معنی میں دین حق کا پیرو ہے۔ تم جا کر اس کی صحبت سے فائدہ اٹھاؤ۔

موصول سے نصیبین | حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ قضا کر گیا تو میں نے موصول پہنچ کر اس سے ملاقات کی اور اپنی سرگزشت بیان کر کے التماس کی کہ آپ کے ہاں حق و صدق کا سرچشمہ بتا ہے اس لیے میں آپ کی خدمت میں رہ کر اپنی تشنگی سعادت بجھانا چاہتا ہوں۔ اس نے میری درخواست قبول کی اور میں اس کے پاس رہنے لگا۔ یہ پادری بھی بڑا پاکباز اور نیک کردار تھا۔ لیکن قضاے کردگار سے تھوڑے دن کے بعد وہ بھی طعمر اجل ہو گیا۔ میں نے اس کے دم واپس گزارش کی جناب والا! میں فلاں بزرگ کی وصیت کے بموجب آپ کے پاس آیا تھا۔ اب آپ بھی رخصت ہوتے ہیں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگا سلمان! خدا کی قسم! لوگوں نے دین کو بدل ڈالا۔ عقائد کفریہ دین کا جزو اعظم بن گئے ہیں۔ اس مسلک حق پر جس کا میں پیرو ہوں اس وقت ایک شخص کے سوا کسی کو نہیں پاتا۔ وہ شہر نصیبین میں ہے۔ تم وہاں جاؤ اور اس کی برکت انفاس سے استغاضہ کرو۔ چنانچہ میں نصیبین پہنچا اور اس سے ملاقات کی۔

عموریہ کا سفر | حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ نصیبین کے پادری نے مجھے اپنے پاس

ٹھیرایا اور میں وہاں روحانی تسکین کا سامان فراہم کرنے لگا۔ لیکن ابھی تھوڑے ہی دن اُس کی محبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ اس سے بھی میں نے اپنے مستقبل کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا تمہارا گوہر مقصود عموریہ میں ہے۔ میرے بعد وہاں چلے جانا چنانچہ اس کی رحلت کے بعد عموریہ پہنچا اور وہاں کے اُسقف سے مل کر مرحوم کا پیام پہنچایا اور اس کے پاس مقیم ہو کر روحانی غذا حاصل کرنے لگا۔ اسی کے ساتھ کچھ بکریاں بھی خریدیں جن کے دودھ سے جسمانی غذا کا سامان بھی ہو گیا۔

پیغمبر آخر الزمان کی بعثت کا مُشرکہ جانفزا حضرت سلمان بن کا بیان ہے کہ جب اُس پادری کا پیمانہ حیات بھی برباد ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ اتنے مراحل طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ اب آپ بھی زندگی کا سفر ختم کر کے آخرت کی راہ لیتے ہیں۔ اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے۔ اس نے کہا بیٹا! میں تمہارے لیے کیا سامان کروں؟ آج دنیا میں ہر طرف قلت ہی قلت ہے۔ کائنات میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں۔ البتہ اب اُن پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیشین گوئی کے مطابق ریگستان عرب میں مبعوث ہو کر دین بزرگیم کو زندہ کریں گے اور کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ہدیہ قبول کریں گے لیکن مقدمہ سے اعراض فرمائیں گے۔ اور دوسری نشانی یہ ہے کہ ان کے دونوں شانوں کے درمیان صربوت ہوگی۔ اگر اس شرف و سعادت سے بہرہ اندوز ہو سکو تو بے قسمت۔

عرب کا سفر اور یثرب میں ورود اب میں عرب پہنچنے کے لیے ہر وقت مضطرب اور بے قرار رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد قبیلہ بنو کلب کا قافلہ وہاں سے گزرا۔ میں نے ان سے کہا اگر تم مجھے عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ انہوں نے منتظر کیا اور میں قافلہ کے ساتھ ہوا۔ جب یہ قافلہ وادی القریٰ میں پہنچا تو قافلہ والوں نے بے کس و مفلوک الحال دیکھ کر مجھے ایک یہودی کے ہاتھ فلام کی حیثیت سے فروخت کر ڈالا۔ ناچار اس یہودی کے پاس رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد یثرب کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کا ایک شخص آیا اور مجھے اس سے خرید کر یثرب لے آیا۔ اس شہر کے دیکھتے ہی مجھے از خود یقین ہو گیا کہ کسے محبوب کا جنم گاہ یہی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کا تذکرہ اُسقف سے سنا تھا۔ میں

یثرب کے قبیلہ بنو قریظہ میں رہ کر دیدارِ جمالِ نبوی کی آرزو میں دن کاٹنے لگا۔

پیغمبرِ آخرِ الزمان

کی آمد کا غلغلہ

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا۔ اتنے میں میرے آقا کا عم زاد بھائی آیا اور کہنے لگا خدا بنو قلیہ کو غارت کرے۔ ان لوگوں نے قبائیں ایک شخص کے پاس ہجوم کر رکھا ہے جو مکہ سے وارد ہوا ہے اور کہہ رہے ہیں کہ یہی پیغمبرِ آخرِ الزمان ہے۔ یہ سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بدن کانپنے لگا اور مجھے خوف و امنگیں ہوا کہ درخت پر سے گر کر فرشِ زمین پر جا رہوں گا۔ میں ہزار مشکل و سختی سے نیچے اتر آیا اور آنے والے یودی سے بے تحاشا پوچھنے لگا کہ یہ تم نے کس شخص کی آمد بیان کی ہے؟ یہ سنتے ہی میرے آقا نے زور سے ایک طمانچہ میرے مونہ پر کھینچ مارا اور کہا بد بخت! تجھے ان قصوں سے کیا ستر دکار۔ جا اپنا کام کر۔ میں خاموش ہو گیا لیکن اس کے بعد مختلف ذرائع سے اطلاع مل گئی کہ نبوت کا آفتاب عالمِ تابِ قبا کے اُفق سے طلوع ہو چکا ہے۔

قبائیں سرورِ انبیاء

کا شرف دیدار

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس بہت دنوں سے ایک قبیل رقوم جمع تھی۔ چند روز کے بعد موقع ملا تو میں نے کھانے کی کوئی چیز خریدی اور قبائیں کو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندہ ہیں اور آپ کے ساتھ نادار و غریب الدیار اصحاب ہیں۔ میں نے آپ کو صدقہ و خیرات کا سب سے زیادہ مستحق خیال کیا اس لیے یہ صدقہ یہاں لایا ہوں۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آپ نے وہ چیز اپنے مفکرِ احوال اصحاب کے سامنے کر دی اور فرمایا تم لوگ کھاؤ اور خود نوش نہ فرمایا۔ میں نے دل میں کہا تو ایک علامت کا تو مشاہدہ ہو گیا کہ صدقہ قبول نہیں کرتے۔ پھر وہاں سے چلا آیا۔ تھوڑے دن کے بعد کھانے کی کوئی اور چیز لے کر حاضر خدمت ہوا اور گزارش کی کہ میں نے محسوس کیا کہ آپ صدقہ کی چیز تناول نہیں فرماتے اس لیے آپ کے پاس یہ ہدیہ لایا ہوں۔ آپ نے اس کو خود بھی نوش فرمایا اور صحابہ کو بھی شریک کیا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ دونوں نشانیاں پوری ہو گئیں۔ پھر میں چلا آیا۔

عہدِ نبوت دیکھ کر

مشرقِ باسلام ہونا

اس کے بعد ایک مرتبہ یثرب میں دیکھا کہ آقاؐ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پشت

مبارک کی طرف آیا تاکہ مُہرِ نبوت دیکھوں۔ آپ مجھے پیچھے کی طرف آتے دیکھ کر سمجھ گئے کہ مُہرِ نبوت دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ نے پیٹھ سے کپڑا ہٹا دیا۔ میں نے مُہرِ نبوت دیکھی۔ پھر باجیم پر غم جھٹک کر اس کو بوسہ دیا اور قریبِ مسرت سے رونے لگا کہ اتنے مرحلوں کے بعد شاید مقصود تک پہنچا۔ آپ نے فرمایا تم سامنے آؤ۔ میں سامنے حاضر ہوا اور اپنی ساری سرگزشت سنائی۔ پھر کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔

آزادی کے لیے شفیق عالم کی جدوجہد

حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ یہودی کی غلامی کا جو امیری گردن میں تھا۔ سلمانؓ ہونے کے باوجود غزوہ ہائے بدر و اُحد میں شریک نہ ہو سکا۔ ایک دن آپؐ نے فرمایا سلمان! تم اپنے آقا سے مکاتبت کرو۔

مکاتبت ایک شرط ہوتی تھی جو مالک اور مملوک کے درمیان طے پا جاتی تھی۔ جب وہ شرط پوری ہو جاتی تو غلام آزاد ہو جاتا۔ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے چالیس اوقیہ سونا ادا کرنے اور کھجور کے تین سو درخت لگا دینے کی شرط پر کتابت کر لی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگ حصولِ آزادی میں اپنے بھائی کی مدد کرو۔ صحابہؓ (انصار) میں سے جن کسی سے جتنے پودے ہو سکے لاکھ جمع کرنے شروع کیے۔ کوئی تیس لایا کوئی بیس کوئی دس کوئی پانچ یہاں تک کہ تین سو پورے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا سلمان! تم ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو۔ جب یلغار ہو جائیں تو مجھے خبر کرنا۔ میں چل کر اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔ میں نے ہا کر گڑھے کھودنے شروع کیے۔ آپؐ کے اصحاب بھی اس کام میں میرا ہاتھ بٹانے لگے۔ جب گڑھے یلغار ہو گئے تو میں نے آپؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ یہودی کی زمین میں تشریف لائے۔ ہم آپؐ کو پودے دیتے اور آپؐ لگاتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ نے تمام پودے لگا دیے۔

اس سے ہمارے تن آسان امرار اور پیرانِ طریقت کو سبق آموز ہونا چاہیے جو اپنے ہاتھ سے کام کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں چہ جائیکہ مریدوں اور دوسرے لوگوں کے لیے کوئی محنت و مشقت گوارا کریں۔ سردارِ دو جہان علیہ العقبہ والسلام زراعت اور باغبانی کا کام نہیں جانتے تھے اور نہ اتنا پر مشقت کام آپؐ کے شایانِ شان تھا تاہم آپؐ نے امت کے لیے ایک نمونہ قائم کر کے دکھا دیا کہ مومن کو اپنے اخوانِ مذہب اور برادرانِ ملت کی امداد میں کہاں تک عملی جدوجہد کرنی چاہیے۔

سونے کا عطیہ نبویؐ | سلمانؓ کہتے ہیں کہ درختوں کی طرف سے ملنے والا تیز چالیس اوقیہ

سونے کی ٹکر ہوئی۔ ابطی اوقیہ ساڑھے سات مثقال کا ہوتا ہے اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشے ہے۔ اس حساب سے چالیس اوقیہ سونا ایک سیر ساڑھے چھ چھٹانک ہوتا ہے (چند روز کے بعد شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی معدن سے ہیفیہ مرغ کے برابر سونا ہدیہ آیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا وہ فارسی مکاتب کہاں ہے؟ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ یہ سونے جاؤ اور اپنا مال کتابت ادا کر دو۔ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! اس سے کیا ہو گا۔ یہ تو چالیس اوقیہ سے بہت کم ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ لے جاؤ۔ خدا پورا کرے گا۔ میں لے گیا۔ یہودی نے وزن کرایا تو پورے چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں رہنے لگا۔ غزوہ خندق میں بحالت آزادی شریک ہوا اور اس کے بعد ہر غزوہ میں حضور کے ہمراہ رہا) (مسند امام احمد و سیرۃ ابن ہشام)

فصل ۲۲۸۔ ہاجرین کرام کے مکان کی فروخت

ہجرت نبوی کے بعد ان مسلمانوں کے سوا جو غیر مسلموں کی قید میں تھے اور ہجران مستضعفین کے جو کسی نہ کسی مجبوری کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جاسکے تھے، مکہ میں کوئی مسلمان باقی نہ رہ گیا تھا۔ بنو منظعون، بنو جحش، بنو بکیر اور بنو عدی بن کعب تو اہل و عیال سمیت ہجرت کر گئے تھے اور مکہ مکرمہ میں ان کے مکانات بالکل خالی مسلمان پڑے تھے۔ بنو جحش کی ہجرت کے بعد ابوسفیان بن حرب نے ان کا مکان ایک شخص عمرو بن علقمہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے جو حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی تھے بارگاہ نبوی میں صورت حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ خدا سے تقدیر تم کو اس کی بجائے جنت میں اس سے بہتر محل عطا کرے؟ عبداللہ نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں خوش ہوں (سیرت ابن ہشام)

ابوسفیان نے بڑھیم خود اس حق کی بنا پر یہ مکان فروخت کیا تھا کہ ان کی بیٹی قارۃ بنت ابی سفیان عبداللہ کے بھائی حضرت ابوالاحد عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ جب حضرت ابوالاحد کو اپنے مکان کی فروخت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ابوسفیان کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

داسرا بن عمک بعثها | تقضى بها عنك الغرامه
اذهب بها اذهب بها | طوقتها طوق الحمامه

(تم نے اپنے عم زاد کا مکان بیچ دیا۔ اس سے تم اپنا قرض ادا کرو گے۔ خیر بچا لیکن یاد رکھو کہ تم نے کبوتر کے طوق کی طرح ایک پائدار طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے)

حضرت ابواحمدؒ نے فرمایا کہ اس مکان کو اسی طرح تمہارے گلے کا طوق بنایا جائے گا جس طرح کبوتر کے گلے میں قدرتی طوق پڑا ہے۔ یہ قول اس حدیث سے ماخوذ ہے جو بخاری و مسلم نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی ہاشت بھر زمین بھی دبا لے قیامت کے دن وہ زمین سات طبق تک اس کے گلے کا طوق بنا کر ڈالی جائے گی طوق کبوتر سے اس لیے تشبیہ دی کہ کبوتر کے گلے کا طوق اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ (الروض الانع)

اس واقعہ کے کئی سال بعد جب مکہ معظمہ پر اسلام کا پرچم لہرایا تو حضرت ابواحمدؒ کو محسوس ہوا کہ اب مکان کی واپسی کا امکان بہت قوی ہے۔ انہوں نے حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض معروف کیا لیکن آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اصحاب میں سے بعض حضرات نے جوابی مکتہ کے متعلق آنحضرتؐ کے جذبات عفودور گزرے باخبر تھے ابواحمدؒ سے کہا کہ آپؐ ان چیزوں کی نسبت جن پر غیر مسلموں نے ہجرت کے پیام میں قبضہ کر لیا تھا اب کوئی گفتگو پسند نہیں فرماتے۔ یہ سن کر حضرت ابواحمدؒ بھی خاموش ہو گئے (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۲۹ - حضرت اسعد بن زرارہ کی رحلت

ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے محنت سراے دنیا سے موٹھ موڑ کر عالم باقی کی طرف رحلت فرمانے والے حضرت کلثوم بن ہدم تھے جن کے مکان پر آپؐ نے قبائیں نزول اجلال فرمایا تھا۔ یہ آپؐ کی تشریف آوری کے چند ہی روز بعد رحلت فرما ہوئے۔ اس بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تعمیر مسجد کے کام سے فراغت نہ پائی تھی کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بھی دنیا سے رفتی و گزشتنی کو الوداع کہہ دیا۔ چونکہ حضرت اسعد انصار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے خدمت گزار اور اسلام کے سب سے بڑے سرگرم معاون تھے، یہودیوں اور

منافقوں نے ان کی رحلت پر زبان طعن و راز کی۔ ہادی انا مصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور عرب کے منافق کہتے ہیں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مقرب بارگاہِ احدیت ہوتے تو ان کا اتنا سرگرم حامی نہ مرتابہ حالانکہ خدا سے بے نیاز کے یہاں نہ میری اپنے لیے کچھ چلتی ہے اور نہ کسی دوسرے کے حق میں پیش جاتی ہے۔ (تاریخ ابن جریر طبری)

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بنو نجاتر کے نقیب تھے۔ ان کی رحلت کے بعد بنو نجاتر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور التماس کی یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اسعد کی منزلت ہم میں کیا تھی۔ آپ ہم میں سے کسی کو ان کی جگہ مقرر فرما دیں تاکہ جو کام ان کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے ان کا جانشین وہی خدمات سرانجام دینے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہا درجہ کے دوراندیش اور معاملہ فہم تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے نانہالی رشتہ دار ہو۔ میں تم میں سے ہوں۔ اب میں تمہارا نقیب بن جاتاہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ ان میں سے کسی ایک کو اوروں پر ترجیح دے کر دوسروں کی دل شکنی کرے۔ اسی بنا پر آپ خود ان کے نقیب بن گئے اور بنو نجاتر اس بات کو لوگوں کے سامنے بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نقیب بنے۔

آپ نے بنو نجاتر کو نانہالی رشتہ دار اس لیے کہا کہ وہ آپ کے جدا جدا جناب بعد المطلب کے نانہال تھے۔ انہی ایام میں کہ معطلہ سے خبر آئی کہ دو دشمنانِ دین ولید بن مغیرہ اور عامر بن مائل سہمی طہمہ اجل ہو گئے۔ ان میں سے پہلا حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا فلاح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باپ تھا (ابن جریر طبری)

فصل ۲۳۔ نبی آخر الزمان کی بعثت کا مشرودہ سناؤ والے

یہودی عالم کی حرمان نصیبی

ایک ہدیری صحابی حضرت سلیم بن سلامہ بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جن ایام میں میں قریب ابلوغ تھا ایک مرتبہ اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک یہودی عالم نے اگر حشر و نشر، حساب و میزان اور جنت و دوزخ کا ذکر چھیڑ دیا اور کہنے لگا کہ

دورخ ان لوگوں کا ٹکاتا ہے جو مشرک ہیں اور بت پرستی کرتے ہیں اور اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور رب العالمین کے حضور میں پیش ہوں گے۔ میرے قیدہ کے آدمی اس یہودی سے کہنے لگے کیا واقعی تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ لوگ مرنے کے بعد ازیر زندہ کیے جائیں گے اور اپنے نیک یا بد اعمال کا بدلہ پائیں گے؟ یہودی عالم نے کہا واقعی میرا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ صحیح ہے۔ انہوں نے پوچھا قیامت کی نشانیاں کیا ہیں؟ اس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ان شہروں کی طرف حضرت خاتم الانبیاء پیدا ہوئے پوچھا گیا کہ ان کا کب تک ظہور ہوگا؟ یہودی عالم نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر اس روکے کی عمر نے وفا کی تو یہ اس نبی کو دیکھے گا۔

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھ پر عالم محویت طاری ہو گیا اور اس واقعہ کو ابھی تھوڑے ہی سال گزرے تھے کہ حضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ جو نبی ہم لوگوں نے آپ کی بعثت کی خبر سنی ہم معاً ایمان لائے۔ وہ یہودی عالم ہنوز زندہ تھا لیکن بغض و حسد کی وجہ سے سعادت ایمان سے محروم رہا۔ ہم نے اس سے کہا کہ تم ہی تو ہمیں نبی آخرا زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبریں سنایا کرتے تھے اور اب تم ہی سعادت ایمانی سے محروم رہے جاتے ہو۔ وہ بولایا وہ نبی نہیں کہ جس کا میں ذکر کیا کرتا تھا۔ آخر وہ حیران غیب حالت کفر ہی میں دنیا سے گزر گیا (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۳۱۔ چاہِ رومہ کی خریداری اور مسجد نبوی کی تعمیر

حضرت عثمانؓ کا جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک مدینہ کو اپنے قدم پر میمنت سے رشک جناں بنایا تو اس وقت یہاں میٹھے پانی کا صرف چاہِ رومہ خریدنا ایک کنواں تھا جسے بیر رومہ کہتے تھے اور وہ بھی ایک یہودی کے قبضہ میں تھا۔ اس کو میں کا پانی متعفن ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو اس کو میں کو صاف کرانے؟ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہونے یا رسول اللہ! میں صاف کرا دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو صاف کرا دیا۔ لیکن صفائی کے بعد اس کے یہودی مالک نے مسلمانوں کو پانی لینے سے روک دیا۔

جب مسلمانوں کو پانی کی زیادہ تکلیف ہوئی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار صحابہ کو جمع کر کے پوچھا تم میں سے کسی کو اتنی استطاعت ہے کہ چاہ روم خرید کر عامۃ المسلمین کے لیے وقف کر دے اور اس کے عوض میں جنت حاصل کرے، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے گزارش کی یا رسول اللہ! بندہ ایسا کرنے کو حاضر ہے چنانچہ انہوں نے یہ کنواں یہودی کی موتہ مانگی قیمت یعنی پچیس ہزار درہم میں خرید کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔
(ترمذی، نسائی، دارقطنی)

مسجد کے لیے حضرت
صدیق اکبر کا اتفاق

ہجرت کے تھوڑے دنوں بعد حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد تعمیر کرنے کا عزم فرمایا۔ اس سے پیشتر یہ معمول تھا کہ جس جگہ وقت آتا وہیں نماز پڑھ لیتے۔ آخر آپ نے وحی الہی کے ایما پر اس مقام کے سامنے مسجد تعمیر کرنے کا قصد فرمایا جہاں آپ کا ناقہ آکر بیٹھا تھا۔ یہ ایک افتادہ زمین تھی جس کے مالک آپ کے جد امجد عبدالمطلب کے نہال قبیلہ بنو نجار کے دو یتیم لڑکے شہل اور سہیل تھے۔ یہ دونوں لڑکے حضرت معاذ بن عفرات کی پرورش میں تھے۔ جب آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ جگہ کس کی ہے تو حضرت معاذ بن عفرات نے عرض کی یا رسول اللہ! عمرو کے دو یتیم لڑکے شہل اور سہیل اس کے مالک ہیں۔ میں ان کو اور ان کی ماں کو اس کا معاوضہ دے کر راضی کر لوں گا۔ آپ نے خود ان لڑکوں کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم یہ زمین فروخت کرو تو ہم یہاں عبادت گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ وہ بلا لے یا رسول اللہ! ہم حق تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی قیمت نہیں چاہتے۔ آپ نے بلا قیمت لینے سے انکار کیا اور فرمایا اپنی ماں سے مشورہ کر کے اس کی قیمت بتاؤ۔ ان کی والدہ نے قیمت لینے سے انکار کیا۔ آخر آپ نے اصحاب الرائے کے مشورہ سے ان کو با صراحت تمام دس مثقال (پونے چار تولے) سونا دینا تجویز فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاس سے یہ رقم ادا فرمائی (مدارج وغیرہ)

صحابہ کرام کے ہاتھوں مسجد کی تعمیر

اس کے بعد زمین ہموار کی گئی اور آپ نے اپنے جان نثاروں سے فرمایا کہ تعمیر کے لیے انہیں پانچوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے معارف شاد کی تعمیل کی مسجد نبوی کی تعمیر معماروں کے ہاتھوں سے نہیں ہوتی بلکہ مہاجرین و انصار میں سے ہر اعلیٰ آدمی اس کام میں مصروف رہ کر ہر انداز سعادۃ ہوا۔ خود سید کوئین صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسروں کی طرح برابر گارا اور انہیں اٹھا اٹھا

کر لاسے تھے۔ جان نثار منتیں کرتے تھے کہ حضور یہ مشقت گوارا نہ فرمائیں۔ خدام اس کام کی تکمیل کے لیے کافی ہیں لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ ایک موقع ایک انصاری بزرگ نے شعر پڑھا۔

لَا تَنْقُضْ عَهْدَنَا وَالتَّبَيُّ يَعْمَلُ | اگر ہم ہمیشہ جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کام کرتے رہیں
لَكَ اِنْ سَكَا الْعَمَلُ الْمُضِلُّ | تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہوگی۔

خلفائے ثلاثہ کی | جب بنیاد رکھی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ جا کر ایک پتھر اٹھالائے اور اسے بنیاد میں رکھ دیا۔ پھر حضرت عمر فاروق ؓ ایک پتھر لائے اور رکھ دیا۔ پھر حضرت عثمان ؓ نے ایک پتھر لاکر بنیاد میں نصب کر دیا۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے بعد میرے ولایت امر ہوں گے۔ رواہ نعیم بن حماد و قال الذہبی صحیح الاسناد مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳

ولایت والی کی جمع ہے۔ اس حدیث میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت عکرمت کی پیش گوئی فرمائی۔ چنانچہ دوسری سیکڑوں پیش گوئیوں کی طرح آپ کی یہ اطلاع بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔

جب عمارت شروع ہوئی تو آپ تعمیر کرتے اور صحابہ کرام ؓ پتھر گارا وغیرہ سامان تعمیر آپ کو دیتے جاتے۔ آپ تعمیر کے وقت فرماتے جاتے تھے۔ آخرت کے عیش و آرام کے سوا کوئی عیش نہیں۔ الہی انصار اور مہاجروں کو بخش دے (ابن ماجہ)

مسجد کی چھت شاخ خرماسے بنائی گئی اور ستون چوب خرماسے تیار کیا گیا۔ ان ایام میں آپ بیت المقدس کا رخ کر کے بجانب شمال نماز ادا فرماتے تھے۔ پندرہ سولہ مہینہ کے بعد جب تھوہل قبلہ کا حکم الہی صادر ہوا تو اس مقام کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل جنوب کی طرف نئی مسجد تعمیر فرمائی اور یہ مکان صفحہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اصحاب بے خانناں اسی میں دن کو آرام کرتے اور رات کو مصروف عبادت ہوتے تھے۔ اس وقت مسجد کی بلندی سات گز تھی۔ طول مشرق سے مغرب تک ترسٹھ گز اور عرض قبلہ سے شمال تک چودہ گز تھا۔ اس میں کسی قسم کا مختلف و مجمل نہ تھا یہاں تک کہ ستون بھی چوب خرماسے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنی تھی اور جب پانی برستا تو مٹی گرتی تھی۔ اس مسجد کے تین دروازے تھے (ترمذی، نسائی، دارقطنی، طبرانی، ابن ہشام)

حجروں کی تعمیر

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے مسجد کے ساتھ دو حجرے بھی تعمیر کرائے تھے۔ ایک اُمّ المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا اُمّ المؤمنین

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے جن سے مکہ معظمہ ہی میں عقد ہو چکا تھا۔ پھر جب اور اُمّات المؤمنین سلک ازدواج میں منسلک ہوتی گئیں تو ان کے لیے جدید حجرے تعمیر ہوتے گئے یہاں تک کہ حجروں کی تعداد نو تک پہنچ گئی۔ جب تک مسجد اور حجرے زیر تعمیر رہے آپ حضرت ابویوب انصاریؓ کے مکان میں فروکش رہے۔ جب یہ تعمیر مکمل ہو گئی تو آنحضرتؐ وہاں سے ان حجروں میں منتقل ہو آئے (ابن ہشام)

حجروں کی عمارتی حیثیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام سعادت میں قومی سیاسی اور تبلیغی ضروریات کے ماتحت اُمّات المؤمنین

کی تعداد نو تک پہنچ گئی تھی۔ یہ محدّرات عالیہ مسجد نبوی کے پاس الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں کوئی حجرہ تین ساڑھے تین گز سے زیادہ وسیع نہ تھا۔ ان کی بلندی قد آدم سے کسی قدر زیادہ تھی۔ جب کبھی ہاتھ اوپر کواٹھتا تو ان کی پستی کی وجہ سے چھت کو جا لگتا تھا۔ حجروں کے ساتھ نہ کوئی صحن تھا نہ دالان اور نہ کوئی اور ملحقات کمرہ۔ بعض حجروں کی دیواریں مٹی کی تھیں اور اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شرکات پڑ سے ہوتے تھے جن کی وجہ سے دھوپ اندر آتی تھی۔ بعض حجروں میں دیواروں کی جگہ صرف شاخ خرما کی ٹیٹیاں بنی ہوئی تھیں جن پر کمبل کی ہوئی تھی۔ تمام حجرے کھجور کی ٹہنیوں اور پتیوں سے مسقف تھے۔ بارش کی دوسے بچنے کے لیے بال کے کل حجروں کے ارد گرد پھیلتے پڑتے تھے۔ حجروں کے دروازوں پر پردہ یا ایک ایک پٹ کا کواڑ تھا۔ حضور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت باری باری ان حجروں میں بسر فرماتے۔ دن کے وقت مسجد میں تشریف رکھتے اور مسجد ہی ان حجروں کی مردانہ نشست گاہ تھی۔ (ادب المفرد بخاری وغیرہ)

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ

حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ازدواج مطہرات میں سے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا کو سب زیادہ چاہتے تھے۔ جناب صدیقہؓ شادی کے بعد رخصت ہو کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جس مسکن مبارک میں آئی تھیں وہ مسجد کی شرقی جانب کا ایک حجرہ تھا۔ اس کا دروازہ اس طرح کھلتا تھا کہ مسجد اس کے صحن کی حیثیت رکھتی تھی اور یہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم

اسی دروازے سے ہو کر مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ بسا اوقات مسجد ہی میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے تھے (صحیح بخاری) یہ کواٹھ بھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے لیے دروازہ پر ایک کمل پڑا رہتا تھا (ابوداؤد)۔

امہات المؤمنین کے حجروں کا اثاثہ عام مسکینوں کا ساتھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی کُل کائنات ایک چارپائی، ایک بستر، ایک چٹائی، ایک تیکہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی اور دو شکے تھے۔ ایک مٹی کا گھڑا اور ایک مٹی کا پیالہ تھا۔ شکوں میں سے ایک میں بوقت حاجت کھجوریں اور دوسرے میں جو کا آٹا رکھا جاتا تھا۔ گو اس بیت اطہر سے تیرہدایت طلوع ہو کر تمام کائنات ارضی پر فورا فگنی کر رہا تھا تاہم رات کی تاریکی دور کرنے کے لیے اس میں دیا تک نہیں جلتا تھا (بخاری)۔

معیشت نبوی | جس طرح اس مسکن مبارک میں چراغ کی روشنی نہیں تھی اسی طرح اس میں کھانا پکانے کے لیے آگ سلگنے کا بھی بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ چنانچہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہم ایک چاند دیکھتے۔ پھر دوسرا دیکھتے۔ پھر تیسرا دیکھتے۔ اتنی مدت تک میغیر خدا علی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ام المؤمنین کے بھانجے عروہ بن زبیر نے جو اس حدیث کے راوی ہیں ان سے پوچھا کہ خالہ! پھر آپ اتنی مدت تک کھاتی کیا تھیں؟ فرمایا چند کھجوریں کھا کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ البتہ چند انصار ہمارے ہمسایہ تھے۔ وہ آنحضرت کے لیے دو دو بھجوتے تو آپ وہ دو دھہم (ازواج مطہرات) کو پلا دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب آپ دنیا میں تشریف فرما رہے، آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے متواتر دو دن تک جو کی روٹی بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی (بخاری و مسلم) اگر آپ چاہتے تو دنیا بھر کی نعمتیں دم بھریں میا ہو سکتی تھیں لیکن آپ نے ہمیشہ فقر و فاقہ کو ہمدم بنائے رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو شدت گرسنگی سے کروٹیں بدلتے اور پیٹ اُٹتے دیکھا۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس تازہ کھانا آیا۔ آپ نے کھا کر ماہیپ کریم کا شکر ادا کیا اور فرمایا اتنے دن سے میرے شکم میں تازہ کھانا نہیں گیا تھا (ابن ماجہ)۔

ام المؤمنین عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ مدت اہمردوں وقت کبھی شکم میر نہ ہوئے۔ (ترمذی) حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ مٹا لباس پہنتے اور جو کی روٹی کھاتے۔ یہ روٹی ایسے

موتے آٹے کی ہوتی کہ اس کا لقمہ پانی کے گھونٹ کے بغیر حلق سے نہیں اترتا تھا (ابن ماجہ) اکثر ایسا ہوتا کہ آپ صبح کے وقت ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور پچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ وہ عرض کرتیں کچھ نہیں آپ فرماتے اچھا میں نے (نفل) روزہ رکھ لیا (مسند امام احمد)

اُم المؤمنین عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ کے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا کوئی ایسا فاقہ کپڑا نہ تھا جو تہ کر کے رکھا جاسکتا (ابن ماجہ) آپ کی سب سے باری زوہرہؓ محترمہ حضرت عائشہؓ بھی گھر کے سارے کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ خود آٹا گوندھتی تھیں۔ خود روٹی پکاتی تھیں اور آپ کے کپڑے دھوتی تھیں (صحیح بخاری)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ نے اپنی زدہ جو کے بدلے رہن رکھی اور میں جو کی روٹی اور گھٹیا چربی خرید کر خدمت اقدس میں لے گیا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے صبح شام دونوں وقت کے لیے ایک صاع جو سے زیادہ اناج نہیں ہے ان ایام میں آپ کی ناز و اناج طاہرات تھیں (بخاری) اور اُم المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت تھوڑے جو کے سوا جو طاق میں رکھے تھے میرے گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو کسی ذی مدح کے کھانے کے کام آسکتی (بخاری) وفات کے وقت آپ کی زدہ تین صاع جو پر گروتھی (بخاری) یہ وہ زمانہ تھا کہ مدینہ منورہ میں سیم و زر کا سیلاب آیا ہوا تھا۔

ابو بکرؓ کا بیان ہے کہ اُم المؤمنین عائشہؓ منی اللہ عنہا نے میرے سامنے ایک تہ بند اور ایک پرانا کتل نکالا جس میں پیوند لگا ہوا تھا اور فرمایا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات انہی دو کپڑوں میں ہوئی تھی (صحیح مسلم)

بعض مستشرقین نے یہ پ متعین ہیں کہ آنحضرت ہجرت سے پہلے تو واقعی پیغمبر تھے لیکن مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ حالانکہ ”معیشت نبوی“ کے زیر عنوان جو حالات و واقعات اور قلمبند ہوئے ان سب کا تعلق آپ کی مدنی زندگی ہی سے تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب کے زیر نگین ہو جانے پر بھی آپ حسب سابق مسکینوں کی سی زندگی گزارتے اور تنہات سے کنارہ کش رہتے۔

فصل ۲۳۲۔ مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر

معلوم ہوتا ہے کہ تھوہیل قبلہ کے بعد مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ مسجد کی ہمسایگی میں ایک

عیال دار محتاج شخص رہتا تھا۔ اس کے قبضہ میں بہت سی زمین پڑی تھی جسے وہ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ آنحضرتؐ کا قصد ہوا کہ اس زمین کو خرید کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ ایک دن آپؐ نے اپنے جان نثاروں سے فرمایا کہ مسجد نمازیوں کے لیے تنگ ہے۔ کوئی ہے جو اس زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کرے اور اس کے عوض میں میرے ساتھ جنت کا سودا کرے؟ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اس زمین کو دس ہزار درہم میں خرید کر آپؐ کی ملک میں دے دیا۔ اب مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی۔ سنگ بنیاد آپؐ نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے ایٹھیں رکھیں (ترمذی، نسائی، دارقطنی، ابن ہشام)

عہد فاروقی کی توسیع | مسجد نبوی عہد رسالت کے بعد مزید توسیعات و تغیرات کے بعد موجودہ حالت پہنچی ہے۔ عہد نبوت کے بعد سب سے پہلی توسیع شامہ پھری میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مولیت فاروقی نے دنیا کے ایام دیہاتی کی تقویم بالکل بدل دی تھی اور اسلامی اقتدار اقلیم جہان میں لو اسے جہانگیری بلند کرنا تھا۔ اس وجہ سے نہ صرف خود مدینہ الرسول میں مسلمانوں کی آبادی بہت ترقی کر گئی تھی بلکہ باہر سے آنے والے مسلمان ناکروں کی بھی ہر وقت اور ہر جگہ بھیڑ لگی رہتی تھی۔ چونکہ اس وقت تک ہر قافلہ کو حید موم و مسلوٰۃ کا سختی سے پابند تھا، اس لیے مسجد نبوی باوجود غیر معمولی فراخی کے نمازیوں پر سخت تنگ ہو گئی۔

خانہ عباس کے الحاق کی ضرورت | پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مکرم حضرت عباسؓ اس امیر المومنین نے ان سے فرمایا کہ مسجد میں مزید نمازیوں کی گنجائش نہیں رہی جس کی وجہ سے نمازیوں کو بڑی تکلیف ہے اس لیے توسیع ناگزیر ہے۔ ایک طرف اُمّات المومنین کے حجرے ہیں۔ ان کے ملحق کرنے کی تو میری مجال نہیں۔ اب لے لے کے آپ کا مکان رہ جاتا ہے۔ یا تو اسے فروخت کر دیجئے۔ میں اس کی قیمت بیت المال سے ادا کر دیتا ہوں۔ ورنہ مدینہ میں جہاں آپ چاہیں وہاں اس کے معاوضہ میں مکان دلا دیتا ہوں۔ قیسری صورت یہ ہے کہ آپ اس کو مسلمانوں پر صدق کر دیجئے۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا میں ان تینوں میں سے کوئی تجویز قبول نہیں کر سکتا کیونکہ

۔۔۔ جس دوسری دعا بتلا میں بیس اور پچیس ہزار درہم بھی مذکور ہیں ۱۳

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ خاص میرے لیے علیحدہ کر دی تھی۔" امیر المومنین نے فرمایا کہ آپ کو تینوں میں سے کوئی نہ کوئی صورت ضرور قبول کرنی ہوگی۔ لیکن حضرت عباسؓ نے مکرر انکار کیا اور کہا میں کوئی بات نہیں مان سکتا۔ آخر دونوں صاحبوں نے رفعِ خامت کے لیے حضرت ابی بن کعب کو جو دینِ سیح چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے حکم مقرر کیا۔ خانہ عباسی کے مطالبہ سے

فاروق اعظمؓ کی دست برداری

ابی بن کعب نے امیر المومنین کو حضرت عمر فاروقؓ کی ایک حدیث سنائی کہ خدا سے علیل نے داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ایک مسجد تعمیر کرو جس میں لوگ میری عبادت کریں۔ حضرت داؤد خلیفہ اللہ نے بیت المقدس کی بنا ڈالی اور کام شروع ہو گیا۔ بنائے عمارت کا خط ایک اسرائیلی کے زاویہ میں آتا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اس گھر کو مسجد میں شامل کرنے کے لیے فروخت کر دو۔ لیکن اس نے انکار کیا۔ بڑی سے بڑی جو قیمت بھی اس کے سامنے پیش کی گئی اس نے منظور نہ کی۔ آخر داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ خیال موج زن ہوا کہ اس کی مرضی کے خلاف ہی اس کا گھر مسجد میں شامل کر لیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ میں نے بتائے خانہ کا اس لیے حکم دیا تھا کہ وہاں میری عبادت کی جائے لیکن تم لوگوں کے گھر غصب کرنے لگے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ تمہیں اس تعمیر ہی کی ممانعت کی جاتی ہے۔" داؤد علیہ السلام نے التماس کی فدایا۔ امیری اولاد میں سے کسی کو اس خدمت پر مامور فرما کہ اس بنا کی تکمیل کرے چنانچہ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے بحکم الہی بیت المقدس کو تعمیر فرمایا۔ جب حضرت ابی بن کعب نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت خلافت مآب نے اس مطالبہ سے دست برداری اختیار کی اور حضرت عباسؓ سے کہا اب میں آپ سے کبھی اس کی خواہش نہ کروں گا۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ نے امیر المومنین سے کہا کہ اب میں اس گھر کو مسلمانوں پر تصدق کرتا ہوں۔ جب یہ مکان مسجد میں شامل ہو گیا تو اب مسجد شمالاً جنوباً ایک سو چالیس ذراع (ستر گز) اور شرقاً غرباً ایک سو بیس ذراع (ساتھ گز) ہو گئی۔ (کنز العمال) حاکم نے بھی مستدرک میں اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ منقراً روایت کیا ہے اور ابی بن کعب کے بجائے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے۔

عہد عثمانی کی توسیع | امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے ایام خلافت (۳۵ھ) میں مسجد کی مزید توسیع فرمائی۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابوسعید خدریؓ

سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کھڑکی کے سوا جو ابوبکرؓ کے گھر کی دیوار میں ہے، مسجد میں آنے والی کوئی کھڑکی باقی نہ چھوڑی جائے۔ "بعض صحابہ کرامؓ کے مکان مسجد نبوی کے صحن سے ملے ہوئے تھے اور ان کے دروازے یا کھڑکیاں مسجد میں کھلتی تھیں۔ آپؐ اپنے وصال سے پیشتر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کرادیے۔ اس حدیث میں خلافت صدیقی کی طرف صریح اشارہ تھا۔

عمر بن شہبہ نے کتاب اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا وہ گھر جس کا دروازہ مسجد نبوی میں آنے جانے کے لیے کھلا رکھنے کی رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی رحلت سے پہلے کسی نے منت سماجت کر کے یہ مکان ان سے خرید لیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت خندہؓ نے اس کو نئے مالک سے چار ہزار درہم میں لے لیا۔ یہ مکان کئی سال سے اُمّ المؤمنین کی ملکیت میں تھا۔ آخر جب عبدالعظمیٰ میں توسیع مسجد کی ضرورت ہوئی تو ان سے مکان فروخت کر دینے کی درخواست کی گئی۔ اُمّ المؤمنینؓ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کے علیحدہ کر دینے سے مجھے مسجد میں آنے جانے کی سخت تکلیف ہو جائے گی۔ ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کو اس سے زیادہ فراخ مکان دیتے ہیں اور مسجد میں آنے جانے کے لیے ویسا ہی راستہ بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ وہ اس پیشکش پر راضی ہو گئیں اور یہ مکان مسجد میں شامل کر لیا گیا (فتح الباری)۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسجد نبوی میں بہت کچھ امانہ فرمایا۔ اس کی دیواریں گچ اور منقوش پتھروں کی بنائیں اور چھت پر ساگون کی لکڑی لگوائی (بخاری) اس کے ستون بھی پتھر کے بنائے۔ اب مسجد طولا ایک سو ساٹھ گز اور عرضا ڈیڑھ سو گز ہو گئی (تاریخ الخلفاء)۔

حجروں کا مسجد میں شامل کیا جانا | عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد نبوی میں جو تھی توسیع بنو امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خلافت میں ہوئی۔ اس سے پہلے اٹھاون سال سے عمارت عثمانی میں کوئی تغیر و تبدیل نہ ہوئی تھی۔ ان ایام میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ولید کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ ولید نے مشعرہ میں ان کے نام حکم بھیجا کہ مسجد نبوی کے اندر جس قدر مکانات ہوں ان کو خرید کر مسجد کی توسیع کریں اور حجرات ازواج انبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے وارثوں سے خرید کر مسجد میں داخل کر دیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز قدس اللہ سرہ العزیز نے امتثالاً للامر مجروحوں کو خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جس روز وید کا حکم مدینہ منورہ پہنچا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے سے منہدم کیے گئے مشر میں کُرام مچا ہوا تھا اور کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس یادگار کے مٹنے پر اشک بار نہ ہو۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ جو ایک جلیل القدر تابعی گز سے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ کاش! سرور انام علیہ التمجید والسلام کے مجروحوں کو بچا لے رہتے دیا جاتا تاکہ مسلمان دیکھا کرتے کہ ہشتادہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دانتا میں اپنی دس سال کی آخری زندگی کس زاہدانہ رنگ میں بسر فرمائی تھی (جذب القلوب وغیرہ)

فصل ۳۳۳۔ اہل بیت اطہار کا قدوم مدینہ

چونکہ اب مدینہ طیبہ پہنچ کر ذرا اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تھی اس لیے حضور آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و عیال کے لانے کے لیے اپنے متبنی حضرت زید بن حارثہ اور اپنے آزاد غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا اور ان کو دواؤں اور مختلف ضروریات کے لیے پانسو درم حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر دیے۔

حضرت ابوبکرؓ کا اپنے جناب صدیق اکبرؓ نے بھی ان کے ساتھ عبد اللہ بن اریقظ کو دو تین اونٹ دے کر روانہ کر دیا اور اپنے صاحبزادہ عبد اللہ کو پیغام بھیجا کہ اپنی ماں اور بہن کو لے کر مدینہ پہنچ جاؤ۔ جب یہ لوگ

مکہ سے چلنے لگے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں بقصد ہجرت ساتھ ہو لیے۔ قریش نے ان سے کوئی مزاحمت نہ کی۔

جب یہ مختصر سا قافلہ مدینہ الرسول پہنچا تو حضور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی اور اس کے لمحہ حجرے تعمیر کر رہے تھے۔ حضور کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور دونوں چھوٹی صاحبزادیاں جناب ام کلثوم اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آکر انہی مجروحوں میں فروکش ہوئیں۔ اور عبد اللہ بن ابی بکرؓ کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کی والدہ محترمہ اُمّ رومان رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال نے بتو حارث بن خزرج کے محلہ میں حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے مکان میں قیام کیا (بخاری، ابوداؤد، ابن سعد)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی شخصیت | اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک تزویج

میں مسلک ہو چکی تھیں۔ ہجرت کے بعد سات آٹھ مہینہ تک اپنے والدین کے پاس رہیں جب انہوں نے عرصہ بلوغ میں قدم رکھا تو حضرت صدیق اکبرؓ عرق پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر مرضی مبارک ہو تو عائشہؓ کو رخصت کرا لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ فہرہ ہونے کی وجہ سے معذور ہوں۔ گزارش کی کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ حضور ہی کا ہے۔ چنانچہ بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی قریباً سو روپے (اور ابن سعد کی روایت کے بموجب پانسو درم قریباً سو سو روپیہ) کی رقم حضرت صدیقؓ نے لاکر حاضر کر دی۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کا حراں کے پاس بھجوا دیا اس واقعہ سے مسلمانان پاکستان و ہندوستان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو مدت المعروفین مراد کرنے کا نام نہیں لیتے اور اپنے سر پر اس قرع کا بار گراں لے کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

انصاری بیگات دہن کو لینے حضرت صدیق اکبرؓ کے دولت کدہ پر آئیں۔ حضرت اُمّ رومانؓ نے صاحبزادی کو آواز دی۔ وہ اس وقت مکان کے دوسرے حصہ میں سیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ والدہ محترمہ نے مونہ دھلا کر بال درست کر دیے اور پھر اس کمرے میں لائیں جہاں انصاری خواتین ان کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ تھوڑی دیر میں حضور خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے رفیع بخاری باب تزویج عائشہؓ (صحیح مسلم کتاب النکاح) انصاری بیگات حضرت عائشہؓ کو کاشانہ نبوی میں جو مسجد نبوی کا ایک حجرہ تھا پہنچا گئیں۔ دعوتِ ولیمہ کے لیے کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ دودھ کا ایک پیالہ حضرت سعد بن جوادہ انصاریؓ کے گھر سے آیا تھا وہی حاضرین میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا گیا (مدارج النبوت جلد ۲ ص ۸۹)

حضرت ابوبکر صدیقؓ | یہاں مہنایہ بتا دینا مناسب نہ ہو گا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں سائیک فتکہ بنت عبد العزیٰ جو بعد اللہ اور اسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہما کی ماں تھی۔ حضرت

ابوبکر صدیقؓ نے مشرت باسلام نہ ہونے کی بنا پر اس کو طلاق دے دی۔ دوسری حضرت اُمّ رومان بنت عامر رضی اللہ عنہا جو حضرت عبدالرحمن اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی والدہ محترمہ تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد مشرت ایمان سے سرفراز ہوئیں۔ زبان اسلام میں دو خاتونیں جتنی صدیق اکبر کے نکاح میں آئیں۔ ایک حضرت اسماء بنت عقیس مادر محمد بن ابی بکر صدیق اور دوسری

حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ جو حضرت صدیقؓ کی رحلت کے وقت حاملہ تھیں اور بعد میں ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

حضرت اسماء بنت عُمیس اوائل میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں۔ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ کئی سال وہاں رہنے کے بعد جب مہاجرین حبشہ مدینہ منورہ آئے تو یہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ الرسولؐ پہنچیں۔ حضرت جعفرؓ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی۔ آخر جب حضرت جعفر طیارؓ نے جنگ موتہ میں جرہ شہادت نوش فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسماء بنت عُمیس سے نکاح کر لیا جن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کے بعد جناب علی مرتضیٰؓ نے محترمہ اسماء بنت عُمیس سے عقد تزویج فرمایا۔ اسی بنا پر محمد بن ابی بکر نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو م اللہ وجہہ کے اسوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ قرآن کی سورہ احقاف میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک امتیازی تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے :- (ترجمہ)

کی ایک اور خصوصیت

یہاں تک کہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچا تو خدا سے دعا کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اس بات کی توفیق دے کہ تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو احسانات کیے ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا رہوں۔ اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو راضی ہو اور میری اولاد میں نیک بھتی پیدا کر (کہ میرے لیے موجب مسرت و راحت ہو) میں (تمام حاجات میں) تیری طرف رجوع لاتا ہوں اور تیرے فرمانبردار بندوں میں ہوں۔ (۴۶: ۱۵)

مردی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئی تھی۔ ان کے سوا مہاجرین و انصاریں کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو خود اور ان کے والدین مشرف بایمان ہوئے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی دعا قبول فرمائی۔ انہوں نے نومومن جو غلامی کی معیبت میں مبتلا تھے آزاد کرائے جن میں بلال اور عامر بن قیسؓ بھی داخل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کسی ایسے کار خیر کی کبھی خواہش نہ کی جو رب ذوالجلل نے پورا نہ کر دیا ہو۔ انہوں نے اپنی اولاد کی اصلاح کے لیے بھی دعا کی تھی۔ عجیب الدعوات عز اسمہ نے ان کی اس دعا کو بھی شرف قبول بخشا چنانچہ ان کی اولاد میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو مشرف بایمان نہ ہوا۔

ہو پس خدا سے قدر نے ان کے لیے اُن کا اپنا اور ان کے والدین کا اور ساری اولاد کا ایمان جمع کر دیا۔ ان کے والدین نے اور ان کے صاحبزادہ عبدالرحمن نے اور ان کے پوتے ابو عتیق محمد بن عبدالرحمن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کے شرف دید سے مشرف ہوئے اور رب کے سب ایمان لائے۔ یہ فضیلت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کے سوا کسی دوسرے کو میسر نہ ہوئی (روح المعانی)

اَقْبَاتُ الْمُؤْمِنِينَ فِي حَضْرَتِ صَلَاقِهِ كَا درجہ تفوق و امتیاز
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ دولت، حسن و جمال،

حسب و نسب اور دینداری۔ لیکن تم لوگ ان اوصاف چہارگانہ میں دینداری کی تلاش کیا کرو۔ (مسلم و ابوداؤد) اسی اصول کے ماتحت وہی زوجہ مطہرہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ منظور نظر تھیں جو سب سے زیادہ متقی و متدین تھیں۔ اور جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ سرانجام ہوتی تھی۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت الہی، احتیاط احکام اور فہم مسائل میں تمام انداج طاہرات سے ممتاز تھیں اس لیے آپ ان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ البتہ اوائل دعوت میں جبکہ مسلمان مکہ معظمہ میں ہزار ہا مشکلات کے حصار میں گھرے ہوئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات سے دین حنیف کو اس سے بھی زیادہ تقویت ہوئی جو بعد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ظہور میں آئی۔ آپ ان کو ان کے ضعیف العمر ہونے کے باوجود بہت چاہتے تھے اور ان کی رحلت کے بعد جب کبھی آپ مدینہ منورہ میں نہایت محبت بھرے الفاظ میں ان کا ذکر فرمایا کرتے تو حضرت عائشہؓ کو ان پر رشک آجایا کرتا تھا۔ (دیکھو کتاب حدیث فضائل خدیجہؓ)

انداج مطہرات میں سب سے حسین بی بی اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب حضرت عائشہؓ نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو گھبرا اٹھیں اور یقین کر لیا کہ اب میرا رتبہ کم ہو جائیگا لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ قار و منزلت کا باعث حسن و جمال نہیں بلکہ علم و فضل دینی خدمات، تقویٰ اور تعلق باللہ تھا۔ حضرت صدیقہؓ میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی خاطر حاصل کرنے میں ہر وقت سامعی رہتی تھیں اور آنحضرت کو کبیدہ خاطر دیکھ کر گھبرا جاتی تھیں (مسند امام احمد)

فصل ۲۳۴۔ بے خان مان مساکین ملت کے قیام و

طعام کا انتظام

صُفّہ اور اصحاب صُفّہ | جب مرکز نبوت مکہ سے دارالامین مدینہ کو منتقل ہوا تو حق و صدق کی شیفتگی اطراف و اکناف ملک کی سیکڑوں پاک ہستیوں کو دارالہجرت کی طرف کھینچ لائی۔ ان مہاجرین عظام میں بہت سے ایسے پاکان حق تھے جن کو عجز و شکستگی بے لوائی و خاکساری کے سوا متاع دنیا میں سے کچھ بھی میسر نہ تھا۔ جب ان تارکان وطن کی تعداد بڑھنے لگی تو شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے مامن و مستقر کی ضرورت پیش آئی، جہاں یہ طالبان حق سکون و اطمینان کے دن کاٹ سکیں۔

بعض روایتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ جب مسجد اقصیٰ کے بجائے کعبۃ اللہ اہل ایمان کا قبلہ قرار پایا تو مسجد نبوی کو قبلہ بُرخ اور فراخ بنانے کے لیے ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی اور آپ نے مسجد سابق کو اسی مسقف حالت میں ان غریب الدیار مساکین ملت کا مستقر و قیام گاہ قرار دیا۔ اس پرانی مسجد کو صُفّہ اور ان بے خانان پناہ گزینوں کو اصحاب صُفّہ کہنے لگے کیونکہ صُفّہ مسقف والاں یا ساتھان کو کہتے ہیں۔

اصحاب صُفّہ کے اسمائے گرامی | جہاں تک استقرار کو دخل ہے ۷۳ اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کتابوں میں ملتے ہیں۔ میں یہاں ان میں سے ۵۹ مشاہیر کے نام نامی درج کرتا ہوں۔ دوسرے نام اسماء الرجال کی کتاب میں نزل کے اس لیے قلم انداز کر دیے گئے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ دوسی۔ ان کے اسم گرامی کے متعلق بہت سے اقوال ہیں جن کو تاریخ و مشق میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں سب سے بڑھ کر کثیر الحدیث تھے۔ ۵۳۷۴ حدیثیں ان کی وساطت سے امت کو ملی ہیں (۲) حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم (۳) حضرت ثابت بن قحاک خزرجی (۴) حضرت ابوسعید ثابت بن ودیعہ دوسی (۵) حضرت اوس بن اوس ثقفی (۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی بلال بن مالک انصاری (۷) ابو بشر بشیر بن معبد

اسلمی (۸) ابو بزرہ وفضلہ بن بُئید اسلمی (۱۱) ابو ثعلبہ انصاری (۱۰) حارثہ بن خثیمہ شجعی (۱۱) جمال و قیل
جیل بن شراقہ غفاری و قیل ضمیری (۱۲) جذیفہ بن اُسید غفاری (۱۳) حبیب بن زید بن عاصم انصاری
مازنی (۱۴) حنظلہ بن ابی عامر اوسی خثیل الملائکہ (۱۵) حکم بن عمرو ثمالی (۱۶) حرملہ بن ایاس عنبری
(۱۷) خالد بن زید بن حارثہ انصاری (۱۸) حبیب بن اُساف انصاری (۱۹) وکین بن سعید خثعمی
و قیل مزنی (۲۰) ربیعہ بن کعب اسلمی (۲۱) ابو ریحانہ مولیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم (مولیٰ اس
غلام کو کہتے ہیں جسے مالک نے آزاد کر دیا ہو) (۲۲) سفینہ مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۲۳)
ابو سعید خدری (۲۴) سعد بن مالک انصاری خزرجی (۲۵) سالم بن بُئید شجعی (۲۶) سالم بن عُمیر
بن ثابت انصاری (۲۷) سائب بن خلاد بن سوید انصاری خزرجی (۲۸) شقران مولیٰ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم (۲۹) شداد بن اسید اسلمی (۳۰) صفوان بن بیضار فہری (۳۱) طلحہ بن عمرو نفیری۔
(۳۲) عبد اللہ بن اسود سدوسی (۳۳) عبد اللہ بن عمرو بن حرام خزرجی اسلمی (۳۴) عبد اللہ بن حبشی
خثعمی (۳۵) عبد اللہ بن انیس بن اسعد ثبئی ثم انصاری (۳۶) عبد اللہ بن بدر ثبئی (۳۷) عبد اللہ
بن خالد غفاری (۳۸) عمرو بن عوف انصاری بدری (۳۹) عمرو بن طلحہ بن زید اسلمی انصاری۔
(۴۰) عمرو بن ثعلبہ بن وہب ابو حکیمہ انصاری (۴۱) عویم بن ساعدہ بدری (۴۲) بُئید مولیٰ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۴۳) عکاشہ بن محضن اسدی (۴۴) ابو نجیح عریاض بن ساریہ اسلمی (۴۵) جواد
بن قریص بیتی (۴۶) عیاض بن ہمار مجاشعی (۴۷) ابو بُئید مولیٰ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۴۸) ابو محمد
فضالہ بن عبید بن ناقد انصاری اوسی (۴۹) ابو فراس ربیعہ بن کعب اسلمی (۵۰) قرہ بن ایاس بن
ہلال مزنی (۵۱) ابو کبشہ مولیٰ حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (۵۲) معاویہ بن حکم اسلمی (۵۳)
مسعود بن ربیع بن عمرو قاری بدری (۵۴) مسلم بن اثاثہ بن عبد بن مُطَلِّب قرشی (۵۵) ابو موسیٰ
مزنی مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۵۶) ہلال مولیٰ مغیرہ بن شعبہ (۵۷) داثلہ بن اسقع کنانی
لیثی (۵۸) دابصہ بن معبد اسدی (۵۹) یسار راہی مولیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعداد | ان مفلوک احوال عاشقان حق کی تعداد اکثر حالات میں اسی سے متجاوز رہتی تھی لیکن کبھی
یہ تعداد بڑھ کر چار سو تک پہنچ جاتی تھی اور کبھی موت، تزدوج یا کسی دوسری وجہ سے
اسی سے بھی کم رہ جاتی تھی۔ یہ حضرات اُنیاف اللہ (اللہ کے مہمان) یا اُنیاف الاسلام (اسلام
کے مہمان) کے لقب سے مشہور تھے جس نو وارد مسلمان کا مدینہ منورہ میں کوئی شناسا نہ ہوتا تو
اہل مَنفہ ہی کے پاس آکر ٹھہرتا تھا۔ مکہ کے نادار مہاجر اور مسلمانان مدینہ میں سے غیر مستطیع ریل

بھی انہی میں شامل ہو جاتے تھے۔

انقطاع الی اللہ کا مسلک | اہل صفہ پھٹے پرانے کپڑوں اور فقیرانہ وضع و صورت میں درویشوں کی ایک شکستہ حال جماعت تھی جو ہمیشہ اپنے

دور یا سے فقر پر قانع و منقطع رہی۔ دنیا سے فانی کی دلفریبیاں ان کی جمعیت خاطر کو کبھی پراگندہ نہ کر سکیں۔ انہیں عبادت الہی اور تحصیل علم کے سوا دنیا کی کسی چیز سے لگاؤ نہ تھا۔ یہ حضرات محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع اور ایشیائے شرقی و غربی اور انقطاع الی اللہ کی مجسم تصویر تھے۔

تحصیل علم اور عبادت الہی سے شغف | اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ موقع حاصل تھا کہ اپنا پورا وقت بارگاہ نبوی میں

گزار کر آپ کی تعلیم و تلقین، فیوض و برکات سے کما حقہ بہرہ مند ہوں۔ ان مردان حق کو مسلسل فاقے برداشت کر لینا سہل تھا لیکن جوار رسول کو چھوڑ کر تلاش معاش کے لیے نکل کھڑا ہونا ناگوار تھا۔ بھوک کی سخت سے سخت تکلیف گوارا تھی لیکن ان پاک نفس بزرگانِ ملت کے لیے یہ محرومی قطعاً ناقابل برداشت تھی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی تحصیل علم اور ارشادات نبوی کی فراہمی و انضباط میں تساہل یا ذکر الہی سے تغافل کریں۔

یہ لوگ ہر وقت راہ حق میں سر بکف تھے۔ تشریع جہاد کے بعد اکثر غازیوں کے ہمراہ جہاد میں جاتے تھے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے مبلغوں کی ضرورت ہوتی تو ہادی اناہم صلی اللہ علیہ وسلم انہی شیفگانِ حق کو بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہ میں سے ستر بزرگوں نے جو قاری کہلاتے تھے، بیرغونہ کے حادثہ قاجحہ میں جرعہ شہادت نوش فرمایا۔ یہ سانحہ حضرت ابو ہریرہؓ کے مشرف بایمان ہونے سے پیشتر وقوع پذیر ہوا تھا۔

صبر و استقامت کا بلند مقام | ان حضرات کا مقام عزیمت و عزائم بہت بلند تھا۔ استغنا اور صبر و استقامت میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط

تھے۔ باوجودیکہ کبھی کبھی کئی دن فاقہ میں گزر جاتے اور کچھ میسر نہ آتا، تاہم بادشاہوں کی سی بے نیازی اور خوش حالی ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر حضرات کو دیکھا جن کے پاس ازار یا گلیم کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ انہوں نے اس ازار یا گلیم کو اپنی گردنوں سے باندھ رکھا تھا۔ بعضوں کو یہ چادریں نصف ساق

تک اور دونوں کو ٹخنوں تک پہنچتی تھیں۔ جب یہ حضرات سجدہ میں جاتے تو اپنی چادروں کو سمیٹ لیتے تھے تاکہ ستر کی جگہ نہ کھلے (بخاری)

پیشوا سے اُمت کی طرف سے مالی اعانت

اصحاب صفہ میں سے ہر ایک کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کتان کا کپڑا جسے خف کہتے ہیں پہننے کو اور روزانہ نصف مد کھجوریں کھانے کو ملا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ

علیہ وسلم نے دن کی ایک نماز پڑھائی جب آپ نے سلام پھیرا تو اہل صفہ داہتی اور بائیں طرف سے اٹھ کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کھجوروں نے ہمارے شکم جلا دیے اور خف بھی پھٹنے کو آیا۔ یہ سن کر آپ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ان بدسلوکیوں کا ذکر کیا جو آپ کی قوم قریش نے آپ سے اور آپ کے جان نثاروں سے روا رکھی تھیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مجھ پر اور میرے رفیق کار (بلال رضی اللہ عنہ) پر قریباً دو ہفتے ایسے گزرے جن میں ہمارے پاس پیلو کے سوا کوئی چیز کھانے کو نہ تھی۔ انجام کار ہم نے وطن سے ہجرت کی اور اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس پہنچے جنہوں نے ہمیں اپنی آنکھوں میں جگہ دی اور ہر طرح سے سکھ پہنچایا۔ انصار کی بڑی غذا کھجور ہے سو یہ لوگ اسی سے ہماری بھی خبر گیری کرتے ہیں۔ اگر مجھے روٹی اور گوشت میسر ہوتا تو میں اسی سے تمہارا پیٹ بھرتا لیکن سر دست میسر نہیں۔ تاہم وہ زمانہ بھی جلد آیا چاہتا ہے جب تم لوگ اسودگی اور مرقہ الحالی کی زندگی بسر کرو گے۔ اہل صفہ نے التماس کی یا رسول اللہ! ہمارے لیے موجودہ زمانہ اچھا ہے یا اسودگی کا دور اچھا ہوگا؟ فرمایا کہ موجودہ زمانہ ہی خیر و برکت کا عہد ہے جس میں تم باہم انس و محبت سے رہتے ہو (مسند احمد و مستدرک حاکم)

اصحاب صفہ کے کھانے کا آخری انتظام

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کھجوروں پر گزارہ کرنے کا انتظام محض ابتدائی اور عارضی تھا۔ اس کے بعد آپ کا معمول ہو گیا کہ ان کو سرشام بلائے اور کھانا کھانے کے لیے ان صحابہ کے ساتھ بھیج دیتے جو اہاب ثروت اور مرقہ الحال تھے۔ بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو فرمایا کرتے تھے۔ قیس بن طغفہؓ تمام ایک صحابی کا جو اصحاب صفہ میں تھے بیان ہے کہ ایک مرتبہ آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو بلا بھیجا اور ام المومنین صدیقہؓ کے مسکن میں کھلایا پلایا۔ اس کے بعد فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو ہمیں سو جاؤ ورنہ مسجد میں جا کر سوؤ۔ ہم نے کہا ہم مسجد ہی میں جاتے ہیں (ابن ماجہ)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جس گھر میں وہ آدمی کا کھانا پکتا ہو وہ اصحاب صفہ میں سے تین آدمی کو اور جن کے ہاں چار کا کھانا پکتا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمیوں کو ساتھ لے جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین کو ساتھ لیا لیکن آپ دس آدمیوں کو ہمراہ لے گئے (صحیح مسلم) ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک پیالہ کہیں سے بھیجا گیا تھا۔ یہ اس قدر وزنی تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی دیگ کے برابر ہوگا۔ جب دو پہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب صفہ اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جب زیادہ جمع ہوتا تو آپ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نکل آئے (ابوداؤد)

اصحاب صفہ مسلمانوں کے عام مہمان تھے لیکن اگر کسی کا کوئی مستکفل نہ ہوتا تو آپ خود اس کے کفیل ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی اصحاب صفہ میں داخل تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شدت گرمی کی حالت میں شارع عام پر بیٹھ گیا۔ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ آپ گھر پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص نے ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ اسلام کے مہمان ہیں اور آپ کا معمول تھا کہ جب کہیں سے صدقہ آتا تو آپ اصحاب صفہ کو بلا بھیجتے اور صدقہ کی ہر چیز ان کے حوالے کر دیتے اور اگر آپ کے پاس ہدیہ آتا تو ان کو بھی بلا بھیجتے اور خود بھی اس میں شریک ہو جاتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جب آپ نے اصحاب صفہ کو (جن کی تعداد انہی سے بھی زائد تھی) ایک پیالہ دودھ پر طلب فرمایا تو مجھے سخت حیرت ہوئی کہ یہ تو تنہا مجھ کو بھی کافی نہ تھا۔ آپ اتنے لوگوں میں سے کس کس کو پلائیں گے؟ تاہم امتثالاً لا امر سب کو بلا لایا۔ جب سب لوگ بیٹھ چکے تو آپ نے فرمایا اسے ابابہؓ سے اسی طرح باری باری سب نے لیا۔ جب تمام آدمی میرے ہونچے تو میں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب ایک آدمی شکم سیر ہو کر پیالہ مجھے واپس دیتا تو میں دوسرے شخص کے ہاتھ میں دے دیتا۔ اسی طرح باری باری سب نے لیا۔ جب تمام آدمی میرے ہونچے تو میں نے پیالہ اسی طرح دودھ سے لبریز آپ کے سامنے لا حاضر کیا۔ آپ نے ہاتھ میں لے کر فرمایا ابابہؓ! اب تم بیٹھ جاؤ اور پیٹ بھر کر پی لو۔ میں نے جتنی اشتہا تھی پیا۔ آپ نے فلاں

اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ آپ نے کر فرمایا اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ اور پیو میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! مجھے اسی خدا سے برتر کی قسم! جس نے آپ کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا اب تو میرے شکم میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پس خود آپ نے پیالہ بے کر رب العالمین کی حمد و ثنا کی اور دودھ نوش فرمایا (ترمذی و مستدرک حاکم)

رئیس خزانہ کی فیض گستری | ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب صفہ کی معاش کا

مدار زیادہ تر حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ رئیس خزانہ کی قیامی پر تھا۔ چنانچہ جب شام ہوتی تو دوسرے صحابہ تو اہل صفہ میں سے ایک ایک دودھ کو لے جاتے لیکن وہ عموماً انہی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے (اصحابہ)

حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی اصحاب صفہ کے ساتھ نہایت قیامتاً سلوک کرتے تھے۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابوالمساکین کا لقب دیا تھا۔

دوسرے صحابہ خصوصاً انصاری بھی اصحاب صفہ کی امداد کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ انصاریان کے لیے کھجور کے خوشے لاتے اور مسجد نبوی میں ٹکا دیتے تھے (ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

جنگل سے لکڑیاں کاٹ لانا | یاد رہے کہ اصحاب صفہ عموماً قاری کے لقب سے مشہور تھے اور میرا خیال ہے کہ ان ایام میں قاری غالباً علم

کو کہتے تھے۔ اغلب ہے کہ ان کی امداد کا وہ سلسلہ جو اوپر مذکور ہوا کچھ مدت کے بعد منقطع ہو گیا ہو گا کیونکہ اصحاب صفہ مجاہدین ملت کی ایک اولوا العزم جماعت تھی کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا ان کی شان سے بہت بعید تھا۔ انہوں نے کچھ مدت کے بعد اپنے لیے خود وجہ معاش پیدا کر لی ہوگی۔ چنانچہ صحیح بخاری (غزوہ بدر معونہ) میں ہے کہ یہ حضرات جنگل جا کر لکڑیاں لایا کرتے تھے۔

تھیلی جس سے ۳۰ سال تک | دوسرے اصحاب صفہ کی طرح حضرت ابو بکرؓ بھی

کوئی معین و مستقل ذریعہ معاش نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ وقت لائیوت اور دوسری ضروریات زندگی کی طرف

سے بالکل خالی الذہن اور لالہائی ہو کر داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی سننے کے لیے شب و روز بارگاہ نبوت میں بیٹھے رہتے تھے اس لیے بسا اوقات فاقے پر فاقے گزرتے تھے

اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ شکم سیر کھانے کو لگیا ہو۔

لیکن ایک دفعہ انہیں اپنی فاقہ کشی دور کرنے کی عجیب ترکیب سوجھی۔ اُستان نبوت میں کچھ کھجوریں لے گئے اور التماس کی یا رسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کر دیجئے۔ آپ نے ان کھجوروں کو لے کر اکٹھا کیا اور برکت کی دعا کر کے ان سے فرمایا کہ ان کو لے جا کر اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب ضرورت ہو کر سے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو۔ لیکن اس کو نہ کبھی اُٹھا اور نہ بھاڑا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کھجوروں کو ایک تھیلی میں رکھ لیا اور جب خواہش ہوتی اس میں سے نکال کر خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ انہوں نے اس میں سے بیسیوں من کھجوریں برآمد کر کے فاقہ کش مسکینوں میں تقسیم کیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس تھیلی کو متاعِ گرانمایہ کی طرح ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آخر پیشوا سے اُمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سال کے قریباً چھبیس سال بعد یعنی اُس روز جبکہ ۳۵ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ رہنما بن عالم جادواں ہوئے سورۃ اتفاق سے وہ تھیلی اُلٹ گئی۔ کھجوریں گر کر تھیلی خالی ہو گئی۔ اس روز سے کھجوروں کی برآمد بھی (قریباً تیس سال کے بعد) موقوف ہو گئی (ترمذی)

فصل ۲۳۵۔ سواد بن قاربؓ کا قبولِ اسلام

خواب میں بعثت نبویؐ کی بشارت | جن ایام میں کو کبہ نبویؐ مکہ سے مدینہ کو منتقل ہوا حضرت سواد بن قاربؓ کو خواب میں بعثت نبویؐ کی بشارت ملی تھی۔ رویائے صادقہ دل میں اُتر گیا۔ معاً مکہ معظمہ کا راستہ لیا۔ شہر سے کچھ فاصلے پر ان کو اطلاع ملی کہ تم جس گھر مقصود کی تلاش میں عازم مکہ ہو وہ تو اس وقت یثرب میں منور افق ہے۔ یہ سن کر حبش عثمان عزیمت مدینہ منورہ کی طرف پھیر دی۔ مدینۃ الرسولؐ پہنچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت خلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ ایک جگہ اونٹ بٹھا کر مسجد میں پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ جان نثار صحابہؓ اپنے آقا کے گرد و پیش اس طرح بیٹھے ہیں جس طرح چاند کے ارد گرد ستارے۔ دور ہی جگہ ملی۔ وہیں بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! کچھ عرصہ مسکین کی بھی گزارش سنی جائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے

قریب آکر عرق دعا کرو۔ چنانچہ قریب آئے۔ آپ نے بہت کچھ نوازش فرمائی۔ سواد نے اپنے خواب کی پوری سرگزشت سنائی اور اسی وقت خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ ان کے اسلام سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے (مستدرک حاکم)

سواد عرب کے مشہور کاہن تھے | اس غیر معمولی مسرت و ابتلاج کا باعث یہ تھا کہ سواد بن قارب عرب کے ایک مشہور کاہن تھے اور عہد جاہلیت میں عرب کے اندر کاہنوں کو بڑی اہمیت و برتری حاصل تھی اس لیے عامۃ الناس پر ان کے قبول اسلام

کا بہت خوشگوار اثر پڑتا تھا۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کا خواب بڑے ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سوادؓ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا اب بھی آپ کو کمانت میں کچھ دخل ہے؟ چونکہ اسلام نے کمانت کو مذموم قرار دیا ہے اور جناب سوادؓ اپنے زنگ کمانت کو صیقل ایمان سے بالکل صاف کر چکے تھے اس بنا پر انہیں عہد کفر کی یاد دہانی ناگوار ہوئی اور ناک بھوں چڑھا کر بولے امیر المومنین یا مجھے اس قعر پارینہ سے معذور رکھیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا سواد! تمہاری بڑی اور ناراضی بے محل ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس کفر و طغیان میں ہم آلودہ تھے وہ تمہاری کمانت سے بھی مکر وہ تر تھا۔

خواب کے واقعہ سے حضرت عمرؓ کی دل چسپی | اس کے بعد جناب فاروقؓ عظم نے فرمایا کہ چونکہ تمہارا واقعہ خواب نہایت دلچسپ ہے اس لیے مجھے خود تمہاری زبان کے سننے کا اشتیاق ہے۔ حضرت سوادؓ نے خلافت مآب کی خواہش پر پورا واقعہ کہہ سنایا (اسد الغابہ)

فصل ۲۳۶۔ مہاجرین انصار میں اخوت و یگانگت کا قیام

جونہی سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما ہونے کی اطلاع شہرت پزیر ہوئی اطراف و اکناف ملک کے مسلمانوں نے دارالہجرت مدینہ کا رخ کیا تھا۔ پس مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے والے حضرات صرف قرشی اہل ایمان نہ تھے جو مکہ معظمہ سے آئے تھے بلکہ بے شمار دوسرے حضرات بھی تھے بلکہ موالذکر مہاجروں کی تعداد مکی تارکان و وطن سے کہیں زیادہ تھی۔

بعض غیر مکی مہاجروں کا عارضی استیلاء چونکہ مہاجروں کی تعداد بہت کثیر تھی اور انصار مدینہ کی طرف سے جو عموماً غریب یا متوسط الحال زراعت پیشہ طبقہ کے لوگ تھے تمام لوگوں کی خبرگیری کا اہتمام و انصرام دفعہ مشکل تھا اس بنا پر بہت سے غیر مکی مہاجروں کو جواہل مکہ کے بعد وارد مدینہ ہو رہے تھے ابتدا میں کسی قدر ابتلا کا سامنا ہوا اور کھانے پینے کی تکلیف ہونے لگی چنانچہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم میں سے ایک خاتون چقدر کی جڑ میں جمع کرتی رہتی۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو ان جڑوں کو صاف کر کے ہانڈی میں ڈالتی اور مٹی بھر جو کا آٹا ڈال کر پکاتی۔ ہم نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اس خاتون کے پاس پہنچتے اور سلام کرتے۔ وہ اس کھانے کو ہمارے آگے کر دیتی۔ ہم تھوڑا کھا لیتے اور چقدر کی جڑوں کو گوشت کے قائم مقام سمجھتے۔ اور فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ ہم اسی کھانے کی امید میں جمعہ کے منتظر رہتے (صحیح بخاری)

ہماتان عزیز بھائی بن گئے یہ حالت دیکھ کر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانان مدینہ سے جو انصار کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں فرمایا کہ جس کے گھر میں دو آدمی کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو ہمارے پاس سے لے جایا کرے اور جس کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ پانچویں چھٹے کو لے جا کر کھانا کھلائے۔

(بخاری و مسلم) چنانچہ انصار رضوان اللہ علیہم نے کمال خندہ پیشانی اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن یہ ابتدائی انتظام تھا۔ اس کے بعد آپ نے قرعہ کے ذریعہ سے مہاجرین کو انصار کے گھروں پر تقسیم کر کے ہر مہاجر کو کسی انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اس رشتہ اخوت کا انعقاد مسجد نبوی میں ہوا تھا۔ اس بھائی چارہ کے قیام سے پہلے حضرات مہاجرین مسلمانان مدینہ کے مہمان تھے لیکن اب بھائی بن گئے اور یہ اخوت و یگانگت حجت اسلام کی ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہوئی کہ ہاں جتنے بھائیوں میں بھی ایسی محبت و شفقت کی نہیں ہوتی جس درجہ ان اخوان مذہب میں انس و ارتباط کی روح پیدا ہوئی۔

حضرت سعد بن زبیع کی طرف سے حیرت انگیز پیش کش

عقد موافقات کے بعد مدنی ناصربین وقت اپنے اپنے مہاجر بھائیوں کو مسجد سے سیدھا اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال و متاع جائداد اور زمین آدمی اپنے اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دی جنہوں نے اس پیش کش کو قبول کیا۔ حضرت سعد بن زبیع بھی اپنے بھائی جناب عبدالرحمن بن عوف کو ان کا اٹھ پکڑ کر اپنے گھر لائے اور اپنے تمام مملو کات دکھا کر کہا میں اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد میں سے نصف حصہ آپ کو بانٹ دیتا ہوں اس کے بعد یہ حیرت انگیز نذرانہ محبت بھی پیش کیا کہ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جو کسی بیوی آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں۔ آپ عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کریں۔ گو حضرت عبدالرحمن بن عوف اس وقت سخت نادار و مفلوک الحال تھے تاہم دل غنی تھا۔ بوسے خدا تمہارے اہل و عیال اور مال و دولت میں برکت دے۔ ہر چیز تمہیں مبارک رہے۔ مجھے ان میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کاروبار تجارت کے لیے مجھے بازار تک پہنچا دو (اصحاب)

انصر نے اپنے مہاجر بھائیوں سے جس پر خلوص محبت و شفقت کی اور ایثار و مولات کا عمل ثبوت دیا دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انہی خدمات جلیلہ کی بنا پر حضور خواجہ عالم علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی علامت انصار سے محبت رکھنا اور نفاق کی نشانی انصار سے دشمنی رکھنا ہے (بخاری و مسلم)

حضرت حارثہ انصاریؓ کا اپنے مکانات پیش کرنا

اس نصرت و یاری کے علاوہ جو بھائی بننے کے بعد انصار کلام کی طرف سے

مہاجر اخوانِ بکلت کو محال ہی بیسیوں قسم کی اوزامدادیں بھی تھیں جو حضرات انصارِ رمنی اللہ عنہم کی طرف سے قومی و قلمی ضروریات کے وقت بارگاہِ نبوت میں پیش کی جاتی رہیں۔ مثلاً حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رمنی اللہ عنہ نے قدمائے مہاجرین یا ان مفلوک الحال مہاجروں کے لیے جو اولین تارکارِ وطن کے بعد واردِ مدینہ طیبہ ہوئے، اپنے کئی مکانِ خلاصہ کائنات و تہذیب و جاہِ صلی اللہ علیہ وسلم کے نذر کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک مکان وہ تھا جو سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی کے بعد حضرت حارثہ بن نعمان نے ان کے لیے خالی کر دیا تھا (ابن سعد)

مہاجرین و انصار | مہاجرین و انصار میں جو بھائی چارہ کرایا گیا اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دوسرے کا وارث بھی ٹھہرا دیا | میں باہمی توارث | کیونکہ اوایل میں مہاجروں کو مالی ضرورتیں تھیں۔ لیکن جب اسلام کو

فتوحات کی کامرانی نصیب ہوئی اور مہاجرین کرام انصار کی مالی انداز سے مستغنی ہو گئے تو حق تعالیٰ نے سورۃ انفال کی آخری آیت میں یہ فرما کر کہ ”رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں“ مہاجرین و انصار کا باہمی توارث منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد حسب سابق صرف خریش و اقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہو گیا۔

عقدِ مَوَاخَاة کا مقصد | کنسلی نے عقدِ مَوَاخَاة کا مقصد یہ بتایا ہے کہ مہاجروں کی وحشت غربت جاتی رہے اور اپنے اہل اور وطن کی مفارقت کے بعد وہ

انصار سے مانوس ہو جائیں اور فریقین ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنیں (فتح الباری) لیکن اس ضرورت سے کہیں بڑھ کر دراصل تربیت یافتہ مہاجرین کی صحبت و رفاقت میں انصار کی تربیت و اصلاح کا مقصد پیش نظر تھا تاکہ وہ کم سے کم مدت میں تعلیمات نبوی سے بہرہ اندوز ہو کر دین حق کے نبض شناس اور شائع علیہ السلام کے مزاج شناس بن جائیں اور اس تعلیم کے بعد ان کا کردار صحیح معنی میں اسلامی زندگی کا آئینہ دار رہے۔

بعض اخوانِ مذہب | عقدِ مَوَاخَاة کے وقت دوسرے مہاجر تو بالعموم متاہل تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور بچپن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے چلے آئے تھے۔ اس وقت ان کی تسکین و دل جمعی بھی

وقت کی ایک ضرورت تھی اس لیے آپ نے مہاجروں اور ان کے انصاری بھائیوں کے نام لینے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ علی اور میں دونوں بھائی ہیں۔ اس کے

بعد اپنے عم محترم اسد اللہ حضرت حمزہ رحمہ میں اور اپنے متبقی زید بن عاصی رضی اللہ عنہ میں اخوت قائم کی حالانکہ یہ دونوں مہاجر تھے۔ اسی طرح معاذ بن جبل انصاریؓ کو حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کا بھائی بنایا حالانکہ وہ کئی سال سے حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے جن جن دوسرے حضرات کے بھائی ہونے کا اظہار فرمایا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

ان کے انصاری بھائی

حضرت خارجہ بن زید خزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت عتبہ بن مالک خزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذ بن نعمان اشجلی رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن زید خزرجی رضی اللہ عنہ

حضرت سلامہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ

حضرت اوس بن ثابت بن مُنذر رضی اللہ عنہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت جہاد بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ

حضرت مذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

حضرت مُنذر بن عمرو رضی اللہ عنہ

حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابودرداء حمیر بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابورویحہ جہاد اللہ بن جہاد بن خثعمی رضی اللہ عنہ

دوسرے حضرات مہاجرین بھی انصار کے بھائی بنائے گئے تھے مگر ہمیں اسی قدر ناموں کا پتہ چل سکا ہے (سیرت ابن ہشام)

یہاں یہ ظاہر کر دینا ہے کہ ابن ہشام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی کا نام خارجہ بن زید اور ابن خالد بن زید رضی اللہ عنہ

اختلاف

لکھا ہے مگر درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ خارجہ کے باپ کا نام زید اور واداک کی کنیت ابو زبیر تھی (اصناف) ابن ہشام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انصاری بھائی کا نام عتبہ بن مالک اور ابن خلدون نے عثمان بن مالک بتایا ہے لیکن صحیح وہی ہے جو ابن ہشام نے قلمبند کیا ہے۔ عثمان بن مالک کسی انصاری یا غیر انصاری صحابی کا نام نہ تھا۔

فصل ۲۳۷۔ مدینہ منورہ میں منافقوں کی فتنہ پرور

جماعت کا ظہور

جب داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرزوبوم مکہ معظمہ کو خیر باد کہہ کر اقامت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے تو اس وقت وہاں تین مذہبی جماعتیں پائی جاتی تھیں۔ مسلمان، یہود اور بت پرست ان میں سے مؤخر الذکر بہت قلیل التعداد تھے کیونکہ بت پرست اوس اور خزرج پر مشتمل تھے اور ان دونوں قبیلوں کی بہت بڑی اکثریت مشرف باسلام ہو چکی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کی اقامت گزینی کے بعد مدینہ منورہ میں ایک نئی جماعت کی تشکیل ہوئی جن کو منافق کہا جاتا ہے۔

فرقہ منافقین کا بانی قبیلہ خزرج کا رئیس عظیم عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ ہجرت سے پہلے مدینہ کا سب سے بڑا سردار یہی عبداللہ بن ابی تھا۔ دونوں قبیلے اوس اور خزرج اس کے

عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنانے کی تجویز

مطیع تھے۔ گو اوس اور خزرج دیرینہ عداوتوں کے باعث باہم سخت مختلف تھے تاہم اس کے تحت نشین کرنے پر دونوں نے اتفاق کر لیا تھا۔ اہل مدینہ نے ابن ابی کے لیے ایک مربع تلج ہنر بنا دیا تھا جس پر موتی اور رنگ برنگ کی خوبصورت کوڑیاں لگائی تھیں تاکہ اس کو اپنا بادشاہ بنائیں۔ اس اثناء میں اسلام ظاہر ہوا اور اوس و خزرج اسلام کی طرف رجوع ہو گئے چونکہ اب عبداللہ بن ابی کی بادشاہت کا منصوبہ طاق نیسان پر رکھا رہ گیا اور کوئی شخص اس کا پرسان حال نہ رہا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تشریف لانا اور ساری قوم کا اس سے برگشتہ ہو کر اسلام اختیار کرنا بہت شاق گزرا اور یہ دیکھ کر کہ انہی کی وجہ سے میری سلطنت کے قیام میں خلل پڑا آپ کا

دشمن ہو گیا۔

اعدا سے دین کا بظاہر اسلام میں داخلہ

عبداللہ بن ابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کی ٹھان لی اور اس کا جذبہ عناد و بدن زور بکڑھا گیا۔ لیکن جب آپ کو شہر میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا اور عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ ساری قوم اسلامی رنگ میں رنگی گئی ہے تو علانیہ اسلام کی مخالفت کا حوصلہ نہ ہوا۔ اس لیے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ ظاہر میں اسلام قبول کر لے۔ چنانچہ اب بظاہر مسلمان ہو کر اسلامی اور داعی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اندر ہی اندر جذبہ نفرت پھیلانے لگا۔ اس نے شہر کی بت پرست اقلیت کو بہت جلد اسلام دشمنی میں اپنا ہمنا بنایا اور ان کو بتایا کہ قیون مصلحت یہی ہے کہ تم لوگ بھی میری طرح ظاہر میں مسلمان ہو کر باطن اسلام کی (معاذ اللہ) بیخ کنی کرو۔ چنانچہ وہ سب بھی بظاہر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

مسلمانوں کی طرح اسلامی احکام بجالانا

ارباب نفاق مسلمانوں کی طرح اسلامی احکام و فرائض بجالاتے تھے۔ ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ غزوات میں بھی بظاہر اسلام کی تائید میں شریک ہوتے تھے اس لیے بادی النظر میں مسلمانوں سے تمیز نہ ہوتے تھے البتہ اپنی معاندانہ کارستانیوں سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ مارہائے آستین یہود سے بھی زیادہ خطرناک تھے کیونکہ یہود کی دشمنی علی الاعلان ہوتی تھی جس کا تدارک آسان تھا لیکن یہ اعداے دین اندر ہی اندر فتنہ کی آگ مشتعل کرتے رہتے تھے۔ اوائل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے خلا ملار کھنے کے باعث ان کی شخصیتوں سے واقف نہ تھے چنانچہ رب قدیر اپنے کلام پاک (سورۃ توبہ آیت ۱۰۱) میں فرماتا ہے کہ حوالی مدینہ کے بعض یہودی اور اہل مدینہ میں سے بعض لوگ منافق ہیں۔ اے نبی! آپ ان کو نہیں پہچانتے۔ ہم انہیں خوب جانتے ہیں۔ لیکن بعد میں آپ کو ان سے مطلع کر دیا گیا۔

منافقوں کے تہس نہس کرنے پر رضا مند نہ ہونے کے وجوہ

باوجودیکہ حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی طرف بڑی بڑی ایذائیں پہنچتی رہتی تھیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان کے تہس نہس کر دیے جانے پر ٹھہر رہتے تھے لیکن آپ اس خیال سے ان کے قلع قمع پر رضا مند نہیں ہوتے تھے کہ غیر مسلم ملعون کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے پیروں ہی کو قتل کرتے ہیں۔ ان سے تعرض حال نہ ہونے کی

دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر آپ کسی منافق یا ذمی کو کسی ظاہری سبب اور خطا کے بغیر محض باطنی خباثت نفس اور عداوت دین کی بنا پر کوئی سزا دیتے تو اسلامی قانون میں ایک نظیر قائم ہو جاتی اور آئندہ چل کر ہوا پرست حکام کو اغراض نفسانی کی تکمیل کا حیلہ مل جاتا اور وہ شارع علیہ السلام کے فعل سے استدلال کر کے جس کو چاہتے نفاق کا الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیتے اور اسلام میں کسی قسم کا محدود ذمہ قابل اعتماد نہ رہتا۔

منافقوں سے آنحضرت | باوجودیکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کی اطلاع دیا کے بعد ہر منافق کو جاننے پہچاننے لگے تھے تاہم آپ اپنے خلیق عظیم کے اقتضا سے ان کے ساتھ بھی وہی مریانہ سلوک کا مرتبہ نہ سلوک

ردا رکھتے تھے جو جان نثاروں کے حال پر معطوف تھا جس طرح آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درخواست کو شرف قبول بخشتے اسی طرح ارباب نفاق و خیال کی عرضداشتوں کو بھی سمجھ قبول سے سنتے تھے۔ ان مشاعرہ کتاب شمائل کبریٰ کے مطالعہ سے جو راقم الحروف کی ایک زیر تالیف کتاب ہے آپ کو معلوم ہو گا کہ غزوہ تبوک سے مراجعت کے وقت کس طرح پندرہ منافقوں کی ایک ٹولی نے صلاح کی تھی کہ رات کے وقت عقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں اور سواری سے اٹھا کر گھاٹی کے نیچے پھینک دیں اور انصیب اعداء آپ کا کام تمام کر دیں لیکن حافظ حقیقی نے آپ کو ان کے گزند سے محفوظ رکھا۔

یہاں ان اہل نفاق کے نام درج کیے جاتے ہیں جو اوس، خزرج اور یہود مدینہ منورہ کے تینوں قبیلوں میں پائے جاتے تھے۔

قبیلہ اوس کے منافق | قبیلہ اوس میں مندرجہ ذیل ۱۹ منافق تھے:

(۱) زوی بن حث (۲) جلاس بن سوید بن صامت (۳) اور اس کا بھائی حث بن سوید بن صامت۔ یاد رہے کہ جلاس اور حث اسی سوید بن صامت کے بیٹے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جس کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن پیشتر اس سے کہ حضرت عمرؓ اس پر قابو پاتے وہ مکہ معظمہ کو بھاگ گیا تھا (۴) بھاد بن عثمان بن عامر (۵) نبتل بن حث (۶) ابو جیبہ بن ازعر (۷) عباد بن حنیف جو حضرت ہشام بن حنیف صولبی رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا (۸) بخرج (بن نامعلوم) (۹) عمرو بن غزام (۱۰) عبد اللہ بن نبتل (۱۱) جاریہ بن عامر بن عطا (۱۲) زید بن جاریہ بن عامر (۱۳) مع بن جاریہ

(۱۴) دویہ بن ثابت (۱۵) خدام بن خالد (۱۶) بشر بن زید (۱۷) رافع بن زید (۱۸) مرثد بن قیس (۱۹) اوس بن قیس

قبیلہ خزرج کے منافق یہ تھے :

منافقین خزرج

(۱) حاطب بن اُمیہ بن رافع جو حضرت زید بن حاطب صحابی رضی اللہ عنہ کا باپ تھا (۲) ابو طعمہ بشیر بن ابیرق (۳) قزمان (بن نامعلوم) (۴) منہاک بن ثابت (۵) معتب بن قشیر (۶) رافع بن زید (۷) بشر بن نامعلوم (۸) رافع بن دویہ (۹) زید بن عمرو (۱۰) عمرو بن قیس (۱۱) قیس بن عمرو بن سہل (۱۲) جلد بن قیس (۱۳) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول جو تمام منافقوں کا بچا و ماویٰ تھا (۱۴) دویہ بن نامعلوم جو بنو عوف ہیں سے تھا (۱۵) مالک بن ابی قحفل (۱۶) سوید بن نامعلوم (۱۷) داحس (بن نامعلوم) مؤخر الذکر دونوں منافق رئیس المنافقین کے دست راست اور رفیق کار تھے۔

یہودی منافق | یہودیوں سے جو لوگ بظاہر ملتہد اسلام میں داخل ہوئے اور باطن یہودی تھے ان کے نام یہ ہیں : (۱) سعد بن حنیف (۲) زید بن نصیب۔ یہ زید

بن نصیب وہی منافق ہے جو حضرت عمرؓ سے بازار بنو قینقار میں لڑا تھا اور جب ایک مرتبہ سرور نامہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعویٰ تو یہ ہے کہ میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں لیکن انہیں اتنا تک معلوم نہیں کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو زید بن نصیب کے قول کی اطلاع دے کر بتایا کہ اونٹنی فلاں مقام پر ہے۔ یہ اطلاع پا کر حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا واللہ! میں اسی قدر جانتا ہوں جس قدر کہ حق تعالیٰ مجھے جتلا دیتا ہے اور اس علیم وخبیر نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس وقت میری اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی مہار ایک درخت کی شاخ سے الجھ گئی تھی اس وجہ سے وہ وہیں رکی پڑی ہے۔ صحابہؓ فی الفور وہاں پہنچے اور اونٹنی لے آئے۔ (۳) نعمان بن اوتی بن عمرو (۴) عثمان بن اوتی (۵) رافع بن حرمیلہ۔ یہ وہی رافع ہے جس کی موت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج ایک بڑا منافق مرا ہے (۶) رفاعہ بن زید بن ثابت (۷) سلسلہ بن ہمام (۸) کنانہ بن موریہ (۹) حوث بن عمرو (سیرت ابن ہشام)

اوپر کی فہرست میں جن ۴۵ منافقوں کے نام درج ہیں یہ وہ حواریان نصیب ہیں جو اخیر دم تک اپنے شیوہ نفاق پر قائم رہے ورنہ منافقوں کی اصل تعداد اوایل میں کسی قدر زیادہ تھی۔

اہل نفاق میں سے بعض افراد مختلف اوقات میں تائب ہو کر صدق دل سے مسلمان بھی ہو جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ جلاس بن سوید منافق بھی (جس کا نام اوس کی فرست میں شمارہ دوم پر درج ہوا) تائب ہو کر سچا اور پکا مسلمان ہو گیا تھا۔

مسجد نبوی سے اخراج
کافرمان نبوی

جس طرح ایسی شکر کی زندگی کا نصب العین اغوا کو شنی ہے، اسی طرح منافقوں کی زندگی کا مقصد دجیل اسلام اور پیروان اسلام کی مخالفت تھا۔ صحابہ کرام نے ان کی شرانگیزیوں سے تنگ آکر بارہا بارگاہِ نبوت میں شکایت کی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شتوائی نہ کی اور ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا۔ البتہ ایک مرتبہ آپ نے ایک ٹولی کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر اسلام کا مذاق اڑاتے اور اہل اسلام کے خلاف دریدہ دہشی کرتے اپنے کانوں سے سن لیا تو چند انصاری جان نثاروں کو حکم دیا کہ ان منافقوں کو مسجد سے نکال دو۔ یہ سب سے پہلی تنبیہ اور سب سے آخری واروگیر تھی جو اہل نفاق کے خلاف عمل میں آئی۔

تفصیل واقعہ
ابن ہشام نے اس واقعہ کی یہ تفصیل لکھی ہے :-

سبرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنتے ہی حضرت ابو ایوب انصاری، تجارتی رخصتی اللہ عنہ عمرو بن قیس تجارتی منافق کی طرف بڑھے اور اس کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر لے آئے اور پھر دھکا دے کر مسجد کے ساتھ نکال دیا۔ وہ اس رسوائی کے وقت کہہ رہا تھا اے ابو ایوب! مجھ سے بلا وجہ یہ سلوک کرتے ہو؟ پھر حضرت ابو ایوب نے رافع بن ودیعہ منافق کو جادو چا جو عمرو بن قیس منافق کی طرح ان کے اپنے خاندان کا آدمی تھا اور اس کو ایک گھونسا رسید کر کے چادر میں پیٹ لیا اور اس کی اچھی طرح مٹ کر کے فرمایا منافق غیبت! یہاں سے دور ہو جا۔ غرض اس کو بھی مسجد سے نکال باہر کیا۔

حضرت عمارہ بن حزم صحابیؓ آنحضرتؐ کا حکم پاتے ہی زید بن عمرو منافق کی طرف بڑھے۔ یہ بڑا دراز ریش تھا۔ حضرت عمارہ نے اس کو ڈاڑھی سے پکڑ لیا اور اسے خوب جھٹکے دیے یہاں تک کہ مسجد سے خارج کر دیا اور نکالتے وقت اس کے سینے پر زور سے دو ہتھ مارا جس کے مدد سے یہ منافق چاروں شانے چپٹ گر پڑا اور بولا عمارہ! تم نے میرے بڑی چوٹ لگائی حضرت عمارہ نے کہا دوزخ ہو منافق! خدا نے جو عذاب تیرے لیے تیار کر رکھا ہے اس کا تجھے اس سے بہت زیادہ مدد پہنچا دے گا۔ خبردار جو آئندہ مسجد کے قریب آیا۔

حضرت ابو محمد ثعلبی نے (جو بدری صحابی تھے) فرمان نبوی کے ماتحت قیس بن سہل منافق کا رخ کیا اور ٹیڈٹوا دبا کر اس کو دھکے دیتے ہوئے مسجد سے نکال دیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن حرث غدیری رضی اللہ عنہ حرث بن عمرو منافق پر ٹوٹ پڑے۔ اس منافق کے سر پر بڑے بڑے لمبے بال تھے۔ جناب عبداللہ نے اس کو بالوں سے پکڑ کر دھڑکھسیٹا اور خوب ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔ یہ منافق کہہ رہا تھا عبداللہ! تم بڑی سختی کرتے ہو۔ عبداللہ نے کہا دشمن خدا! دور ہو تو منافق اور سخت ناپاک ہے۔ خبردار جو پھر کبھی مسجد میں قدم رکھا۔

اسی طرح انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک انصاری سلمان اپنے قریبی رشتہ دار زوی بن حرث منافق کے سر پر جا پہنچے اور اس کو سخت ذلیل اور رسوا کر کے مسجد سے خارج کر دیا اور کہا تو شیطان کا باز سچہ ہے تمہیں اس کی قطعاً اجازت نہیں کہ پھر کبھی مسجد کے قریب پہنچے۔

اب موقع کی مناسبت سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی دریدہ دہنی اور اس کے نتیجہ میں اس کی رسوائی کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے کی دریدہ دہنی ظاہر ہو گا کہ پیر و ان مسوۃ محمدی نے کس طرح اپنے جان و مال، اہل و عیال خویش و اقارب اور خاندان کی اُلفتوں کو اپنے ہادی و مقتدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی پر قربان کر دیا تھا۔

غزوہ مریض سے مراجعت کرتے وقت سنان مجنی انصاری اور جہاہ غفاری ماجری میں کسی بات پر باہم تکرار ہو گئی۔ فقراے ماجرین میں سے کسی نے جہاہ کی حمایت میں سنان کے ایک طمانچہ مار دیا۔ منافق تو ایسے مواقع کے منتظر و متلاشی ہی رہتے تھے، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے جس کے باطن میں ہر وقت حسد و عناد کی انگلیٹھیاں بھڑک رہی تھیں، ماجروں کی شان میں ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالنے شروع کر دیے اور بولا ہاں ہم طمانچے کھانے ہی کے لیے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور جلے دل کے پھپھو لے پھوڑتے ہوئے کہنے لگا کہ ماجروں کی مدد بالکل بند کر دو تنگ آکر خود بخود مدینہ سے چلے جائیں گے اور میں واپس پہنچ کر ان ذلیل لوگوں کو شہر بدر کر دوں گا۔

حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں اور ان کو سخت ناگوار گزریں۔ باوجودیکہ رئیس المنافقین ان کا ہم قبیلہ اور رئیس خزانہ تھا

حضرت عمر کا رئیس المنافقین کے قتل کی اجازت مانگنا

انہوں نے جا کر اپنے چچا سے شکایت کی۔ ان کے چچا کی غیرت ایمانی نے اس واقعہ کو رسول خدا تک پہنچایا۔ آپ نے حضرت زید بن ارقمؓ اور رئیس المنافقین کو بلا کر دریافت فرمایا۔ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آیا اور کہا مجھے اسی خدا کی قسم جس نے آپ پر کلام حق نازل کیا ہے میں نے کچھ نہیں کہا۔ زید بن ارقمؓ نے محض افترا پردازی کی ہے۔ اس پر تمام انصار نے حضرت زیدؓ کو ملامت کی کہ تم نے رسول اللہ سے غلط بیانی کی۔ ان کے چچا بھی انصار کے ہمنوا ہو گئے کہ مفت میں آنحضرتؐ کا مزاج مبارک مکدر کیا۔ حضرت زیدؓ بہت مغموم ہوئے اور واپس آ کر بیٹھ گئے۔

حالی وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ منافقون کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کی تصدیق اور منافقوں کی تکذیب و تفسیح ہے۔ آپ نے حضرت زیدؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا زید! حق تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمائی ہے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ابن ابی منافق کی گردن مار دوں؟ لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا۔
کی حرارت ایمانی رئیس المنافقین مال اندیش اور صائب الرائے ہونے کے باوجود اپنے جذبات رقابت کا شکار ہو کر شرف ایمانی سے محروم رہا۔ لیکن اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی (رضی اللہ عنہ) پر جو ہجرت سے قبل سعادت ایمانی سے مستعد ہو چکے تھے باپ کی شقاوت اور قساوت کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ وہ اپنے باپ کی بدالیت پسندی پر سخت ملول تھے۔

سورہ منافقون کے نزول کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر التماس کی یا رسول اللہ! میرے باپ نے حضرات مہاجرین کو ذلیل کہا ہے۔ خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے اور مہاجر معزز ہیں۔ اس کے بعد عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ مدینہ تشریف لے چلئے۔ اور اہل مدینہ کو معلوم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمان بردار نہیں تاہم اگر حضورؐ کی خواہش ہو کہ اسے قتل کر دیا جائے تو مجھے اس کا حکم دیئے ہیں ابھی جا کر اس کا سر لے آؤں؟ آپ نے فرمایا میری ہر گز یہ خواہش نہیں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب ہی کو قتل کر دیتے ہیں (اسد الغابہ)

حضرت عبداللہ کا باپ کو داخلہ شہر سے روکنا جب شکر مدینہ منورہ پہنچا تو

حضرت عبداللہ (بن عبداللہ بن ابی) تھواریسے اپنے باپ کی آمد کے انتظار میں مدینہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ جب رئیس المنافقین وہاں پہنچا تو حضرت عبداللہ باپ سے کہنے لگے تمہارا یہ قول ہے کہ مدینہ جا کر جو معزز ہو گا وہ ذیل کو نکال دے گا۔ سو تم اقرار کرو کہ میں ذیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب عزیز ہیں اور میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ تم رسول اللہ کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ رئیس المنافقین چلا یا اسے خراج کے لوگو! دیکھو میرا رکنا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے۔ اے میری قوم! میری مدد کرو۔ میرا بیٹا میرا مزاجم حال ہے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ لوگوں نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ اپنے باپ کے حق میں اتنا تشدد نہ کرو۔ انہوں نے کہا واللہ باللہ! میں رسول اللہ کی اجازت کے بغیر اسے شہر میں قدم نہ رکھنے دوں گا۔

پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے تھے۔ آپ کو اس قضیت کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ جا کر عبداللہ سے کہہ دو کہ باپ کو جانے دیں اور فرمایا خدا کی قسم! یہ (رئیس المنافقین) جب تک

ہم میں موجود ہیں ہم ان سے مشفقانہ برتاؤ ہی کرتے رہیں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملا تو جناب عبداللہ نے کہنے لگے اب جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت آچکی ہے یہ مدینہ میں داخل ہو سکتا ہے (ابن سعد)

اس وسیع و عمیق ایمان، اس دل نشین پیغمبرانہ تعلیم اور اس دقیق و حکیمانہ تربیت کا وجود جس کا عمل ثبوت حضرت عبداللہ نے دیا، شاید دنیا کے کسی ملک، کسی قوم اور دنیا کی کسی تاریخ میں نہ مل سکے گا۔

فصل ۲۳۸۔ یہود سے معاہدہ صلح

دنیا کے صلح و عہد عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح نظر لوگوں میں صلح و عاشقی کی روح پیدا کرنا اور خلق خدا کو امن و سکون کی زندگی سے متعمق کرنا تھا۔ چونکہ اس وقت یثرب کے یہود کو مذہبی، سیاسی، معاشی ہر لحاظ سے بہت کچھ اہمیت حاصل تھی اور وہ اپنی قوت و اقتدار کے باعث یثرب اور اس کے مضافات پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے اس بنا پر یہود کے اتحاد و عمل کے بغیر امن

سکون کا مقصد عظیم کسی طرح پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر آپ نے اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ مسلمانوں میں اور یہودیوں میں معاہدہ صلح ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے یہودی حلقوں میں اس کی تحریک کی اور یہ تحریک بار آور ہوئی۔ یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاہدہ ہوا اس کی اہم دفعات یہ تھیں۔

(۱) یہ تمام معاہدہ گروہ (یعنی مسلمانان مدینہ اور جو لوگ اگر ان سے ملحق ہوئے ہیں اور مہاجرین جو قریش میں سے ہیں، اور یہود کے مختلف قبائل) دوسرے غیر معاہدہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک قوم شمار ہوں گے۔

(۲) مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں گے اور یہود کو اپنے دین کے اتباع کی کامل آزادی ہوگی۔ مذہب کے سوا باقی سب امور میں مسلمان اور یہودی ایک جماعت تصور ہوں گے۔

(۳) اگر کوئی مسلمان کسی یہودی کو قتل کرے گا تو مسلمان اس کی طرف سے خوں بہاؤ کریں اور اگر کوئی یہودی کسی مسلمان کی جان لے گا تو مسلمان اپنے آدمی کا خون بہاؤ حاصل کریں گے۔

(۴) مسلمانوں میں سے جو کوئی ظلم یا زیادتی یا گناہ کرے گا تو حسب مسلمان اس کو پکڑ کر سزا دیں گے خواہ وہ ظالم و بدکاران میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) جو کوئی کسی مسلمان کو گراہوں کے سامنے قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس صورت کے کہ مقتول کے وارث معاف کر دیں یا خوں بہا لینے پر رضامند ہو جائیں۔

(۶) خدا کا ذمہ ایک ہے۔ ادنیٰ مسلمان کسی غیر مسلم کو پناہ دے سکتا ہے۔ پس مسلمانوں کی صلح ایک ہے یعنی اگر لڑائی میں ایک مسلمان غیر مسلموں سے صلح کرے گا تو یہ صلح سب مسلمانوں پر لازم ہوگی۔

(۷) جب کسی بیرونی دشمن سے مسلمانوں کی جنگ ہوگی تو معاہدہ یہودی بھی مسلمانوں کے دوست بدوش حملہ آوروں سے جنگ آزما ہوں گے اور مسلمانوں کی طرح وہ بھی لڑائی میں اپنا مال خرچ کریں گے۔

(۸) اس عہد نامہ کے شرکاء میں سے جس کسی کو جنگ درپیش ہو دوسرے سب اس کی مدد کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی غیر خواہی کریں گے۔

(۹) کوئی معاہدہ یودی قریش میں سے کسی کی جان و مال کو پناہ نہ دے گا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے کسی آدمی کی حمایت نہ کرے گا۔ اسی طرح قریش کے مددگاروں کو بھی پناہ نہ دی جائے گی۔

(۱۰) عہد نامہ کے شرکار میں سے ہر ایک کو اس لشکر کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کرنا لازم ہے جو مدینہ پر چڑھ آئے اور جب حملہ آور لشکر سے صلح ہو جائے تو وہ صلح سب شرکار کی طرف سے منظور ہوگی۔

(۱۱) یہ عہد نامہ کسی ظالم یا گنہگار کی حمایت نہیں کرتا۔

(۱۲) یودیوں سے جو کوئی دین اسلام کی پیروی اختیار کرے گا اس کے حقوق دوسرے مسلمانوں کے حقوق کے مساوی ہو جائیں گے اور اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہوگا۔

(۱۳) کوئی شخص اپنے حلیف کے بدلہ میں گنہگار نہ ٹھہرایا جائے گا اور شہر مدینہ کا اندرونی حصہ شرکار کے عہد کے لیے حرام ہے یعنی وہ اس میں کسی قسم کا قتل و فساد برپا نہ کریں گے۔

(۱۴) سب مسلمان اس عہد نامہ پر متفق ہیں اور انہوں نے اس کی پابندی کا اقرار کیا ہے۔ مسلمانوں کو پابندی عہد میں اعلیٰ مقام پر قائم رہنا اور ارفع ترین مکارم اخلاق کا ثبوت دینا اسلامی فرض ہے۔

(۱۵) اس معاہدہ کے شرکار میں جو تفسیہ اور نزاع و اختلاف رونما ہوگا وہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا جائے گا (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۳۹۔ ہجرت کے بعد قریش کی جدید فتنہ انگیزی

مدینہ منورہ میں پناہ گزین ہونے کے چند سال بعد بھی مصائب و آلام نے حضور سیدالاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بلادالامین میں مسلمانوں کو صرف اپنی قوم قریش کی چیرہ دستیوں کا سامنا تھا، یہاں دارالہجرت میں یہود اور منافق دو حریف طاقتیں چشم نمائی کرنے لگی تھیں۔ منافقوں کی دشمنی کا بستی و منشأ پہلے حوالہ قرطاس ہو چکا ہے۔ یہودی بھی معاہدہ صلح کرنے کے باوجود ہر وقت آمادہ پرغاش تھے کیونکہ وہ صدیوں سے نبوت

کو آل یعقوب کا موروثی حق یقین کرتے آرہے تھے۔ اب جو انہوں نے دیکھا کہ نبوت ذریت اسمعیل میں منتقل ہو گئی تو حسد و رقابت کے مارے انگاروں پر لوٹنے لگے۔

گو یہودی اور منافق کینہ توزی کے ہتھیاروں سے ہر وقت مسلح تھے اور

حاکمانہ اقتدار

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر جان ثاروں کے خلاف جوڑ توڑ کرنے سے انہیں کسی وقت فرصت نہ تھی تاہم ان کی کوئی ناپاک کوشش بروئے کار نہ آئی تھی بلکہ آپ کو تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ منورہ کے اندر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا اور تمام رگ فصل خصومات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرنے لگے یہاں تک کہ یہود جیسے دشمنان دین بھی اہل کتاب ہونے کے باوجود اپنے نزاعات کا فیصلہ آپ ہی سے کراتے تھے۔

یاد رہے کہ اسلام کے دو نئے دشمنوں میں سے یہودی تو

رئیس المنافقین کے نام

من حیث القوم علانیہ برسر مخالفت تھے، لیکن منافق جنہوں نے ازراہ فریب مومنوں کا سا لباس پہن رکھا تھا

عماید قریش کی چٹھی

نہایت خطرناک مارا آستین تھے جب عماید قریش کو منافقوں کی عناد پسندیوں کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ چونکہ مہاجرین کرام کو پناہ دینے والے اوس اور خزرج تھے اس لیے قریش نے محسوس کیا کہ ان دو قبیلوں کے منافقوں کو اکسا دینے سے بہت کچھ مطلب برادری ہو سکتی ہے چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ تم نے ہمارے مفروروں کو پناہ دی ہے بہتر ہے کہ یا تو ان کو موت کے گھاٹ اتار دو یا کم از کم خارج البلد کر دو ورنہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ پوری جمعیت کے ساتھ تم پر چڑھ آئیں گے اور تم سب کو میا میٹ کر کے تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔

منافق تو پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کے خلاف قتل و راکش تھے۔ قریش کی اس انگیخت پر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہونے کا عزم کیا۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ رئیس المنافقین کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ قریش تم سے ایک ایسی چال چلے ہیں کہ جس سے تم اہل مدینہ آپس ہی میں کٹ مرو۔ اگر تم قریش کی دھمکی میں آ گئے تو تمہیں اس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچے گا جتنا کہ انکار کر دینے کی صورت میں ممکن ہے کیونکہ اگر تم انصار مدینہ سے لڑو گے تو خود اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرو گے اور اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں سے

مقابلہ ہو گا۔ آپ کی یہ تقریر ابن ابی کے دل نشین ہو گئی اور تمام متافق جو علانیہ عظیم پیکار بلند کرنے والے تھے منتشر ہو گئے (ابوداؤد)

چند روز کے بعد حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ رئیس اوس کے خلاف جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ اُمیہ بن خلف سے ان کی پرانی دوستی تھی۔

اس تعلق سے حضرت سعد نے اُمیہ ہی کے مکان پر قیام کیا۔ ایک دن سعد اُمیہ کو ساتھ لے کر طواف کعبہ کو گئے۔ ابرہہ نے ان کو دیکھ لیا۔ اُمیہ سے پوچھنے لگا یہ تمہارے ساتھ کون شخص ہے؟ اس نے کہا میرے دوست سعد بن معاذ ہیں۔ کفار قریش بت پرستی چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں کو صابی یا بے دین کہا کرتے تھے۔ ابرہہ بولا ایک عابی کو اپنے ہاں پناہ دے کر کعبہ معلیٰ میں لے آؤ۔ میں اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا اور حضرت سعد نے اُمیہ سے کہنے لگا کہ اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو کسی طرح بچ کر شرب نہ جاسکتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا شام کا تجارتی راستہ بند کر دیں گے (بخاری)

حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مدینہ کے بعد قریش اس بات کی پیاریوں میں ہر وقت مصروف تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے (حاکم بدین) اسلام کو بالکل مٹا دیں اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا چرخی

مٹ کر دیں۔ اور چونکہ انصار نے آپ کو پناہ دی تھی اس بنا پر نہ صرف اہل مکہ بلکہ تمام قبائل عرب جو اسلام کے دشمن تھے قاطبہ ان سے رٹنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رات کو ہتھیار باندھ کر سو یا کھاتے تھے (مستدرک حاکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ جاگ کر راتیں بسر کرتے تھے (نسائی)

اتم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ قدم مدینہ کے بعد حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ رات بھر اعداء کی تاخت کا خطرہ لگا رہا۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا کاش! آج رات کوئی نیکو کار بیاں آکر پہرہ دیتا۔ اتنے میں تیر کمان اور شمشیر کی جھنکار سنائی دینے لگی۔ اعدا ایک آدمی سامنے سے نمودار ہوا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعد بن ابی وقاص۔ فرمایا سعد! تم اس وقت کیسے آئے؟ عرض پیرا ہونے یا رسول اللہ! میں نے حضور کے حق میں خطرہ محسوس کیا تھا اس لیے نگہبانی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے حضرت سعد کے حق میں

دعاے خیر کی اور استراحت فرمانے لگے (بخاری و مسلم)

ابو ایوب انصاریؓ کے

حق میں دعا سے حفظ

اسی طرح ایک خطرہ کے موقع پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ رات بھر چوکیداری کرتے رہے۔ آپ نے ان کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی۔ ابو ایوب! خدا تمہاری اسی طرح حفاظت و

نگرانی کرے جس طرح تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔ "قیثمہ عبدالرحمن بن عبداللہ شمشعی معروف بہ سہیلی المتوفی ۳۵۰ھ نے کتاب الروض الانف" شرح سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ یہ سرود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دعا کا اثر ہے کہ انصاریؓ ان کی قبر کی ہر طرح سے حفاظت کر رہے ہیں۔ "یاد رہے کہ علامہ سہیلیؒ کی اس تحریر کے وقت قسطنطنیہ انصاریؓ کے زیر نگین تھا۔ لیکن اس کے پرنے تین سو سال بعد یعنی ۵۵۰ھ (مطابق ۱۱۵۳ء) میں ترکوں کے مورث اعلیٰ سلطان محمد ثانی نے اس شہر کو مسخر کر کے اسلامی عمارتوں میں داخل کیا۔

۵۵۰ھ میں رومیوں

کے خلاف پہلی مہم

معلوم ہو کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ رضی اللہ عنہ نے ۵۵۰ھ میں یزید بن معاویہ کے زیر قیادت رومیوں کے خلاف غزا کیا تھا۔ حضرت ابو ایوب وہیں انتقال فرما گئے اور انہوں نے

دنیا سے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہتے ہوئے یزید کو وصیت کی کہ مجھے روم کے کسی ایسے شہر میں دفن کرنا جو بلاد اسلامی سے قریب تر ہو۔ "مسلمان ان کی نعش اظہر کو اٹھائے ہے جارہے تھے کہ کسی موزون جگہ پر سپرد خاک کیوں۔ انصاریؓ کے بعض اعلیٰ حکام نے دریافت کیا کہ یہ کس کا جنازہ ہے یزید نے کہا کہ یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ رومی طاہر یزید کے کہنے لگے تم کیسے سادہ لوح شخص ہو؟ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ تمہارے پیغمبرؐ مرنے کی دیر ہے کہ ہم اس قبر کی ہڈیاں اکھاڑ کر اور جلا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور قبر کو بے نشان کر دیں گے۔ "یزید بدنے کہا تم لوگ علفی وعدہ کرو کہ اس قبر کی حفاظت کی جائے گی ورنہ یاد رکھیے کہ جزیرہ عرب میں عیسائیوں کی جتنی قبریں ہیں ہم ان کو اکھاڑ کر بے نشان کر دیں گے۔"

یہ سن کر اعیان روم نے علفی وعدہ کیا کہ وہ قبر کا احترام ملحوظ رکھیں گے اور اس کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے گی (الروض الانف جلد ۲ ص ۲۴۶) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا مرقہ مقدس آج تک دارالسلطنت استنبول میں زیارت گاہ خلائق بنا ہوا ہے۔

حفظ و حیانت نبویؐ کا خدائی وعدہ | حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مدفن مبارک کا تذکرہ

ایک صنفی چیز تھی۔ اصل بحث یہ تھا کہ حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے خوف سے رات کو اپنی حفاظت کراتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اربعہ باری باری آپ کے آرام کے وقت پر اٹھتے تھے۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی **وَاللّٰهُ يُعِصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** (حافظ حقیقی) آپ کو اعدائے محفوظ رکھے گا۔ ۶۸۱۵) تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔ میرا محافظتِ عالمین ہے (باب النقول)

فصل ۲۴۰۔ دو یہودی عالموں کا عذر رنگ

جب سے آفتاب رسالت نے مدینہ منورہ کے اُفق سے طلوع کیا تھا، مشتاقانِ جہاں احمدی کا بڑا جھگڑا رہتا تھا اور ہر طرف غفلت غفلت تھا کہ رسول اللہ تشریف لائے ہیں۔ خصوصاً علماء یہود کو جو کتبِ سماوی میں آپ کی ثنا و منقبت پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے شرفِ ایمانی کے بعد جہاں جہاں آرا کی دید کا بڑا شوق تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تمام اجارِ غصہ ایمان سے سرفراز ہو کر اپنی قوم کے لیے نیک مثال قائم کرتے لیکن افسوس ہے کہ ان کے بہت کم علماء کو قبولِ حق کی توفیقِ الٰہی ہوئی۔

دو یہودی عالم
بارگاہِ نبوی میں
آپ کے قدم فرماے مدینہ ہونے کے کچھ دنوں بعد ایک یہودی عالم دوسرے سے کہنے لگا کہ چلو اس نبی کو چل کر دیکھیں اور کوئی بات دریافت کریں۔ دوسرا بولا نبی نہ کہو کیونکہ اگر وہ سن میں گئے کہ کسی یہودی عالم نے ان کو نبی کہا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ غرض دونوں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ تو آیاتِ نبیات (کھلے کھلے نبیادی احکام) کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ۔ چوری مت کرو۔ حرام کاری سے باز رہو۔ ناحق کسی کی جان نہ لو۔ کوئی بتان تراش کر کسی بھرم یا آتشنا کو حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔ سحر مت کرو۔ سود نہ کھاؤ۔ پارِ ساجدوں پر تھمت نہ لگاؤ۔ دشمنانِ دین کے مقابلہ میں میدانِ جنگ سے نہ بھاگو۔ یہ احکام تو عام ہیں۔ لیکن اسے گروہِ یہود! تمہارے لیے ایک خاص حکم یہ بھی ہے کہ بہت (ہفتہ) کے دن کوئی بدعنوانی نہ کرو۔

یہودی عالموں کا آنحضرتؐ کے ہاتھ پیر چھو منا | یہ جواب سن کر دونوں یہودی عالم

حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پیر چمنے لگے اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ نبرا کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تو اب کون سا امر قبول اسلام سے مانع ہے؟ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا لیکن چونکہ قبول حق کی سعادت سے بہرہ نہ پایا تھا قدرے سکوت کے بعد یہ قدرنگ پیش کر دیا کہ یہود کے زعم میں داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ہمیشہ انہی کی اولاد میں نبی ہوتے رہیں اور آپ داؤد نبی کی اولاد نہیں ہیں۔ اب اگر ہم آپ کی متابعت کریں تو یہود ہم کو زندہ نہ چھوڑیں گے (ترمذی)

لیکن ان کا یہ کہنا کہ داؤد خلیفۃ اللہ نے اپنی اولاد میں نبوت رہنے کی دعا کی تھی سراپا دروغ ہے۔ البتہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اس بارہ میں جو دعا کی تھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کا یقینی مصداق ہیں۔

فصل ۲۴۱۔ سرورِ عالم کے خلقِ عظیم سے متاثر ہو کر یہودی

عالم کا قبولِ اسلام

زید بن سعنے بھی یہود کے ایک ممتاز و سربرآوردہ عالم تھے جنہوں نے اپنی قوم کے جذبات اور احساسات کا لحاظ کیے بغیر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپ پر صدق دل سے ایمان لائے۔

زید بن سعنے کا اپنا بیان ہے کہ دو کے سوا نبوت کی علامتوں علاماتِ صدق کا مشاہدہ میں سے کوئی بھی ایسی نہ رہ گئی تھی جس کا میں نے حضرت

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں مشاہدہ نہ کر لیا ہو۔ جن دو نشانوں کے تجربہ کی ابھی ذہن نہ آتی تھی ان میں سے ایک یہ تھی کہ نبی آخر الزمان کا علم ان کے غصہ پر غالب ہو گا۔ دوسری آپ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت اور اکھڑ پن کا برتاؤ کریگا آپ اُسی قدر زیادہ ضبط و تحمل کا ثبوت دیں گے۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آپ کے پاس آمد و رفت جاری رکھی۔

فقط زندہ تو مسلمانوں کے لیے چھ چھٹانک سونا قرض لینا ایک مرتبہ آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے

حضرت علیؑ آپ کے ساتھ تھے۔ اس اثنا میں کسی دیہاتی نے آکر اتھاس کی یا رسول اللہ میری قوم مشرف باسلام ہو چکی ہے اور میں نے ان کو اسلام کی تعلیم دیتے وقت کہا تھا کہ اگر مسلمان ہو جاؤ گے تو فلاح اخروی کے علاوہ دنیا میں بھی خوش حالی رہو گے اور اب حالت یہ ہے کہ سخت قحط پڑا ہے اور چونکہ نو مسلم ہیں ان کے دلوں میں ایمان ابھی اچھی طرح راسخ نہیں ہوا اس بنا پر مجھے ڈر ہے کہ وہ اسلام سے منحرف نہ ہو جائیں۔ اگر مرثیٰ مبارک ہو تو آپ ان کی طرف کچھ امداد کا ہاتھ بڑھائیں۔ چونکہ آپ کا بھر کرم یوں بھی ہر وقت موج زن رہتا تھا آپ نے حضرت علیؑ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اتھاس کی یا رسول اللہ! اس وقت تو کچھ موجود نہیں۔“

زید بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے کہا محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ایسا کر سکو کہ فداں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں مجھے وقت معین پر دے دو تو میں ان کی قیمت پیشگی دے دیتا ہوں۔ وقت معین پر آپ سے کھجوریں لے لوں گا۔“ آپ نے فرمایا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں۔“ میں نے اس کو قبول کر لیا اور اتنی مثال (چھ چھٹا تک) سونا لاکر پیش کر دیا۔ آپ نے یہ سونا اس دیہاتی کو دے کر فرمایا کہ اس سے ان کی ضروریات پوری کر لیکن انصاف اور دیانت کو ہر حالت میں ملحوظ رکھنا۔“

زید بن سعد کہتے ہیں کہ جب وعدہ سے چند روز پیشتر میں نے دیکھا کہ آپ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی تھے کسی کی نماز جنازہ سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ میں آیا اور آپ کے پیرہن مبارک اور چادر کے پلوں کو پکڑ کر نہایت کج خلقی اور ترش زوئی سے کہا کہ محمدؐ! تو میرا قرض نہ کیوں ادا نہیں کرتا؟ خدا کی قسم! عبدالطلب کا خاندان بڑا ہی نادہند ہے۔“

یہ اکھڑ پین دیکھ کر اصحاب کرامؓ کا خون کھیلنے لگا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ تو غصہ سے بے قابو ہو گئے اور عالم غیظ میں کہنے لگے اے خدا کے دشمن! یہ کیا بکتا ہے؟ واللہ! اگر مجھے حضورؐ کی ناراضی کا کھٹکا نہ

ہوتا تو ابھی تیری گردن اڑا دیتا۔“ لیکن آپ نہایت سکون و وقار سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ نے تبسم کے لہجہ میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہیں تو یہ چاہیئے تھا کہ مجھے ادا سے قرض کی تلقین کرتے اور ان کو مطالبہ کرنے میں نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے۔ اب ان کو اپنے ساتھ

لے جاؤ اور ان کا حق ادا کر دو۔ اور آہستہ سے یہ بھی فرمایا کہ تم نے جو ان سے سخت کلامی کی ہے
 اس کے عوم میں میں صاع (قریباً دو من) کھجوریں ان کے مطالبہ سے زیادہ دو۔

اداسے قرقر کے علاوہ | زید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے ساتھ لے گئے اور میرا مطالبہ
 پورا کرنے کے بعد میں صاع کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے
 ۲۰ صاع کھجوریں کا عطیہ | کہا یہ میں صاع کھجوریں کیسی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ

حنور والے یہی حکم دیا تھا۔ میں نے کہا عمر! تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے
 کہا کہ میں ہی زید بن سعہ ہوں۔ انہوں نے کہا وہی زید بن سعہ جو یہود کے بہت بڑے عالم
 ہیں؟ میں نے کہا ہاں وہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اتنے بڑے آدمی جو کہ تم نے ایسی کج خلقی اور
 بد اطواری کا ثبوت دیا؟

دو نشانیوں کی جانچ | میں نے کہا کہ واقعی میں نے بد تہذیبی اور ناشائستگی کا ثبوت
 دیا تھا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نبی آخر الزمان کی علامتیں

آپ کی ذات گرامی میں منطبق کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دوسری تمام علامتیں تو بدرجہ اتم موجود
 پائیں البتہ دو نشانیاں ایسی رہ گئی تھیں جن کا جانچنا مجھے منظور تھا پہلی یہ کہ ان کا علم غصہ پر غالب
 ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان سے جتنی زیادہ بدسلوکی کی جائے گی ان کے علم و رفق کا جو ہر اسی قدر زیادہ
 چمکے گا۔ سواب میں نے ان دو علامتوں کا بھی امتحان کر لیا ہے۔ اس لیے تم کو اپنے اسلام کا
 گواہ ٹھہراتا ہوں اور میرا نصف مال امت محمدیہ کے سود و بیہود کے لیے صدقہ ہے۔ یہ کہہ کر
 زید بن بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور سعادت ایمانی سے بہرہ مند ہو کر دنیا و آخرت کی سرخروئی
 حاصل کی (رواہ الحاکم فی المستدرک) زید بن سعہ عکے مشرف باسلام ہونے کا واقعہ طبرانی، ابن جبار
 اور ابوالشیخ نے بھی روایت کیا ہے (اصابہ و فتح الباری)

فصل ۲۴۲۔ اسلام کی تائید میں یہودی عالم کی

جان سپاری

مخزن نام ایک یہودی عالم نے غزوہ اُحُد کے دن اپنی فدویت اور جان شاری کا جو

عمل ثبوت دیا اور اپنے اخوان مذہب کو جو صلاح دی وہ آپ زریعے لکھے جانے کے قابل ہے۔
مخریق بڑے مالدار تھے۔ تورات اور دوسرے کتب سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات
وخصائص پڑھ کر دل میں آپ کی تصدیق کر کے ایمان لائے تھے لیکن علی الاما اعلان مشرف باسلام
نہ ہوئے تھے۔

مرگ شہادت جس دن اُحد کی لڑائی شروع ہوئی دو شنبہ کا روز تھا۔ حضرت مخریق رضی اللہ
عنه نے یہودیوں سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے
ہمسایہ ہیں اور اعدائے ان پر زرعہ کیا ہے اس لیے تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو۔ یہود کہنے لگے
آج تو ہفتہ کا دن ہے۔ مخریق نے کہا تمہیں ہفتہ کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ لیکن انہوں نے
کچھ توجہ نہ کی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خود ہتھیار لیے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک
کارزار ہو کر اعدائے اسلام کو خوب قتل کیا۔ آخر خود بھی جرحہ شہادت پی کر روضہ رضوان میں
چلے گئے۔

جایداد کی وصیت حضرت مخریق رضی اللہ عنه نے چلتے وقت یہود سے کہہ دیا تھا کہ میں
پیغمبر خدا کی تائید میں جان سپاری کے لیے جاتا ہوں۔ اگر میں فی سبیل اللہ
مارا جاؤں تو میرا تمام مال واسباب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔ اس وصیت کے بموجب یہ جائداد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملک متصرفتی چنانچہ مدینہ منورہ میں آپ کے عام مصارف
اسی سے چلتے تھے (سیرت ابن ہشام)

یہ اوائل کا واقعہ ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد آپ نے یہ جائداد مساکین ملت کے لیے
فی سبیل اللہ وقف کر دی تھی۔ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی م لکھتے ہیں کہ مخریق رضی اللہ عنه نے
اپنے سات باغ نبی الرحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کیے تھے۔ آپ نے ساتوں باغ فی
سبیل اللہ وقف کر دیے۔ وہاں سے جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ غریب و مساکین میں بانٹ دیا
جاتا تھا (اصابہ)

حضرت مخریق مہر کو رجال کی بعض کتابوں میں مخریق لکھا ہے۔ یہودان بنی نضیر میں سے تھے۔
واقعی کا بیان ہے کہ بہت بڑے عالم تھے۔ رحمہ اللہ

بعض اور یہودیوں کی سعادت ایمانی جن علماء یہود کے فائز اسلام میں داخل
ہوئے کا تذکرہ اوپر قلمبند ہوا ان کے علاوہ

بعض دوسرے یہودی بھی مشرف بایمان ہوئے۔ چنانچہ یہی نے روایت کی کہ ایک یہودی نے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سورۃ یوسف سنی تو وہ چند یہودیوں کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف ایمان سے سرفراز ہوا لیکن احتمال ہے کہ یہ لوگ اجارہ تھے (فتح الباری)

فصل ۲۴۳۔ ایک یہودی عالم اور یہودی سرشار کی تصدیق نبوت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی طرح چند اور یہودی عالم بھی نعمت تصدیق سے مشرف ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کی نسبت طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے کنیسہ میں تشریف لے گئے۔ میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا اے یہود کے گروہ! تم اپنے میں سے ایسے بارگاہ اشیاء میں مجھے بتاؤ جو اس امر کی تصدیق کریں کہ رب قدر کے سوا کوئی ہستی قابل پرستش نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں! اگر تم میں سے بارگاہ آدمی اس بات کے قائل ہو جائیں گے تو خدا سے رؤف ان تمام یہودیوں سے جو آسمان کے نیچے بستے ہیں اپنا قہر غضب اٹھائے گا! یہ سن کر ان کے مونہوں پر قفل سکوت لگ گئے۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر واپس آنے لگے تو ایک شخص نے آپ کے پیچھے سے آکر کہا اے محمد! حقیقت حال یہی ہے جو آپ کہتے ہیں اور میں آپ کے دعوائے نبوت کی پوری طرح تصدیق کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے یہود کی جماعت! مجھے بتاؤ کہ اس وقت تم میں سے کون بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اپنی جماعت میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جو تم سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم ہو اور نہ تمہارے باپ دادا سے بڑھ کر کوئی عالم اور فقیہ تھا۔ اس نے کہا میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کا تذکرہ تورات میں پڑھا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا تم جھوٹ بکتے ہو (باب المنقول)

اسی طرح ابن سعد نے کتاب شرف المصطفیٰ میں سعید بن جبیر کے طریق سے روایت

کی ہے کہ یہود کا ایک سردار میمون بن یامین بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور آپ سے گفتگو کر کے تصدیق بالقلب کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد مکرر رسالت میں عرض پیرا ہوا کہ آپ میری قوم کے پاس اپنا کوئی نمائندہ بھیجیے اور اپنے نمائندہ کو حکم دیجئے کہ وہ میری قوم کے مقابلہ میں مجھے حکم ٹھیرائے۔ اُمید ہے کہ وہ لوگ بھی میرا ساتھ دیں گے۔ آپ نے کسی صحابی کو ان کے ساتھ بھیجا اور ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کی لیکن انہوں نے سختی سے انکار کیا۔ پھر آپ نے کہا کہ اپنے میں سے کسی فمیدہ آدمی کو انتخاب کر لو جو میرے اور تمہارے درمیان ثالث قرار پائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم میمون بن یامین کو حکم ٹھیراتے ہیں۔ میمون نے کہا میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن یہ دے دئے میمون کی تصدیق و تائید نہ کی (فتح الباری)

فصل ۲۲۲ حضرت اسحق علیہ السلام کی نبوت تسلیم کرنے میں پیغمبر عربی کی دلیل صدق

ایمان کی ایک لازمی بشرط

رب السموات والارض نے اپنے کلام پاک میں جس طرح قرآن کے منہاجتہ ہونے کا اعتقاد ضروری اور لازمی ایمان قرار دیا ہے، اسی طرح پہلی آسمانی کتابوں کے منزل من انزلہ جوئے کا یقین بھی جزو ایمان فرمایا ہے اور جس طرح سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرنا اسلام و ایمان کی لازمی شرط ہے، اسی طرح مومن انبیاء سے سلف کی نبوت اور ان کی عصمت کا ملہ پر یقین رکھنے کا بھی مامور ہے۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی آسمانی کتاب انجیل کو نہیں مانتے۔ یہودی اور عیسائی دونوں حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا فرستادہ اور قرآن کو منزل من اللہ تسلیم نہیں کرتے لیکن ہم مسلمان محمد اللہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی تورات کو اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی انجیل کو اور دوسرے تمام انبیاء اور ان کی کتابوں اور صحیفوں کو برحق یقین کرتے ہیں۔

انبیاء سے سلف کی تقدیس

پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی انبیاء سے سابق کا ذکر فرماتے اکثر ان نفوس قدسیہ کی شہادت اور انما فی

و روحانی عظمت پر زور دیتے اور اس طرح بائیس کے عائد کردہ اتہامات کے مقابلہ میں ان کی تائید و نصرت کا فرض ادا فرماتے۔ یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے کے باوجود محض لفظی معنی کے لحاظ سے انبیاء کی نبوت کے قائل ہیں۔ ان کے زعم میں نبی وہ ہے جو جو تیشوں، کاہنوں، اور رمالوں کی طرح غیب کی خبریں بتائے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ کسی نبی کی تعلیمات کیا تھیں۔ اس کے اخلاق و عادات کیسے تھے۔ اُس کی روحانی تعلیمات کی کیا شان تھی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی اور ان کی عظمت شان کے اظہار میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔

اسلامی انصاف و رواداری | حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی توحید خالص پر یہود و نصاریٰ سب ہی متفق تھے، گو عملاً ان کی روش چھوڑ رکھی تھی بلکہ

عیسائی تو صریح شرک باللہ میں مبتلا ہو چکے تھے۔ قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الْاٰخِر (۲: ۱۳۶) میں فرمایا گیا ہے کہ کہہ دو ہم تو اللہ پر اور اُس کے کلام پر جو اتارا گیا اور جو ابراہیم، اسمعیل، اسحق، یعقوب پر نازل کیا گیا، سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی بزرگ ہستی سے نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمعیلی، اسرائیلی ہر شریعت الہی سے بس انقیاد و اعتقاد ہی کا ہے۔ یہود اسمعیل علیہ السلام سے بعض رکھتے تھے، اس لیے اسلامی دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے قرآن میں ان کا نام لانا ضروری تھا اور اسحق علیہ السلام کا اسم گرامی جو قرآن نے ہارہایا تو یہ اسلام کے شیوہ انصاف اور بے تعصبی کا ایک روشن آئینہ ہے۔ اگر قرآن کسی بشر کا کلام ہوتا یا حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ نہ ہوتے تو اہل کتاب کی شدید اور مسلسل اشتعال انگیزیوں کے جواب میں بمقتضائے بشریت اسحق علیہ السلام کا نام بالکل قلم انداز کر دیا جاتا۔

فصل ۲۴۵۔ اسرائیلیوں کے سیاسی اور مذہبی

عروج کی تاریخی اہمیت

یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ اس بنا پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اسرائیلی یا بنو اسرائیل کہلاتی ہے۔ جن ایام میں دنیا کی قومیں بت پرستی، دیوتا پرستی،

کو اکب پرستی، عناصر پرستی اور دوسری ادہام پرستیوں کے گرواب میں غوطے کھا رہی تھیں، اس زمانہ میں نسل اسرائیل ہی من حیث القوم معقودہ ہستی پر توحید و رسالت کی علم بردار تھی اور انبیاء و رسل اور ان کی تعلیمات حقہ کا چرچا صرف آل اسرائیل میں پایا جاتا تھا۔ بعض دوسرے ملکوں میں بڑے بڑے فلسفی، ہندو سہوان، ماہرین ریاضی اور ریاضت کش پیدا ہوئے لیکن بنو اسرائیل کے سوا ان کی کسی معاصر قوم کو توحید و رسالت کا عقیدہ میسر نہ آیا۔ عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت میں چولی وامن کا ساتھ رہا ہے۔ رسالت کی وہی قوم معتقد ہوگی جس کا ایمان عقیدہ توحید پر راسخ ہوگا۔ پس خدا سے واحد کی ذات اور اس کے صفات کو کسی من گھڑت شکل میں تسلیم کرنے والی کوئی قوم لاکھ اپنے آپ کو موقد سمجھے لیکن جب تک وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات پر ایمان نہ لائے، موقد نہیں۔

انبیاء و رسل اقوام عالم میں سب سے زیادہ اسرائیلیوں میں مبعوث ہوئے۔ ان میں بڑے بڑے جمادات گزار اور زاہد و متران بھی گزرے ہیں۔ اور حکمران و سلاطین بھی بکثرت ہوئے ہیں۔ گوان کا سیاسی عروج صدیوں تک ثریا سے ہمدوش رہا لیکن اس نسل کی افضلیت سارے عالم میں فی الحقیقت مسلک توحید و رسالت ہی پر مبنی تھی ورنہ دنیا کی بعض دوسری قومیں جاہ و حشمت میں ان سے کسی طرح کم نہیں رہیں۔

غیر اسرائیلی یہودی | یاد رہے کہ اسرائیلی نسل کا نام ہے اور یہودی دین کا نام بنو اسرائیل مذہبی حیثیت سے یہودی تھے۔ عرب میں بعض ایسے قبیلے بھی پائے جاتے تھے جو نہ اسرائیلی تھے اور نہ پیدائشی یہودی بلکہ عربی نژاد یا اسمعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے اور انہوں نے یہود کے اثر و محبت سے متاثر ہو کر یہودی مسلک اختیار کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ دائرہ یہودیت میں داخل ہو گئے تھے۔ قرآن مجید میں ایہود کے بجائے جو جا بجا الذین ہادڈا (وہ لوگ جو یہودی ہو گئے) کے الفاظ آئے ہیں تو ان سے آل یعقوب مراد نہیں بلکہ غیر اسرائیلی یہودی مراد ہیں۔ بنو اسرائیل کے سیاسی عروج کا خاتمہ تو ظہور اسلام سے صدیوں پہلے بخت نقر کے ہاتھوں سے مکمل ہو چکا تھا اور حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی معاصرین کی حیثیت محض ایک مذہبی فرقہ کی رہ گئی تھی۔ پس کلام پاک میں بنی اسرائیل کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے اس سے آل یعقوب کی تاریخی حیثیت مراد ہے۔

پیغمبر عربی کے

بنو اسرائیل آوارہ وشت ادبار ہو کر عراق، مصر وغیرہ ممالک میں پھیل گئے تھے۔ ان کے بعض قبیلوں نے حجاز و اطراف حجاز خصوصاً یثرب

یہودی معاصرین

اور حوالی یثرب میں بھی توطن اختیار کر لیا تھا۔ گو تورات اب تک

محرف و نسخ شدہ رہ گئی تھی لیکن ہر حال ان لوگوں کے درمیان موجود تھی۔ یہ لوگ سلسلہ وحی و نبوت اور عقیدہ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ اس وقت ان کے سوا دنیا کی کوئی قوم علوم انبیاء و معارف انبیاء کی حامل نہ تھی۔ سفلی عملیات اور سحر و کمانت میں بھی انہیں پوری دستگاہ حاصل تھی۔ ان خصائص کے ساتھ تجارت پیشہ، متمول اور ساہوکار بھی تھے۔ اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر انہوں نے یثرب اور اس کے قرب و جوار میں بھی خاصی اہمیت حاصل کر رکھی تھی۔ بعد رسالت میں حجاز کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں پر مشتمل تھی۔ انعام پرست ایک طرف تو یہود کے علم فضل کے قائل اور ان کی دینی حیثیت سے مرعوب تھے اور دوسری طرف عموماً ان کے مقروض بھی رہا کرتے تھے اور عیاں کہ عام قاعدہ ہے کہ بت و در ماندہ اقوام منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے مرعوب ہو جاتی ہیں، بت پرست اوس و خضر ج بھی ہر طرح ان کی عظمت سے مرعوب و متاثر اور دینی و دنیوی حجاج میں ان کے دست نگر تھے۔

یہودی معاصرین کا استیصال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی ہم عصر جو مدینہ منورہ اور

اس کے قرب و جوار میں آباد تھے تین قبیلوں پر مشتمل

تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ جب ان لوگوں نے تورات کی پیش گوئیوں کو پس پشت ڈال کر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مسترد کر دیا بلکہ سعادت ایمانی کے بجائے آپ کی مخالفت کو اپنا شعار بنایا تو پھر با ایں ہمہ امتیاز و ترفع چند ہی سال میں سب سب بارغ عالم سے بالکل مستاصل اور بے نشان کر دیے گئے۔

فصل ۲۴۶۔ یہود کو کفران نعمت اور ناپسپاسی کی سزا

بخت نصر کی یلغار

واہب العطاء یا جل سلطانہ نے اسرائیلیوں پر دینی اور دنیوی

حیثیتوں سے بڑی نوازشیں فرمائی تھیں۔ اس نوبت کبریٰ اور

انعام خاص کی شکر گزاری ان پر واجب تھی لیکن انہوں نے ہمیشہ کفران، ناپسپاسی، تمرد و

اعراض و انکار کا شیوہ اختیار کیے رکھا۔ آخر ان کی شامت اعمال رنگ لائے بغیر نہ رہی۔ ایسے نائنے طرح طرح کے مصائب و نوازل میں مبتلا کر کے ان کو پیس کے رکھ دیا۔ اس سلسلہ میں بخت نصر شاہ بابل ان پر چڑھ آیا۔ یہ لوگ اس کے لطف و کرم کا دامن پکڑ کر امن و پناہ کے طالب ہوئے لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی اور آتے ہی قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ قریباً ایک لاکھ اسرائیلی قتل اور اسی قدر اسیر ہوئے جو بابل بجا کر غلاموں کی حیثیت سے رعایا میں تقسیم کیے گئے (ابن اثیر وغیرہ)۔

انبیاء کا قتل | یہود کو چاہیے تھا کہ اب ہی سنبھل جاتے اور ترمذ و سرکشی کا شیوہ چھوڑ دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے بہت جلد پھر وہی عصیان و طغیان کا راستہ اختیار کر لیا۔ اور حد یہ ہے کہ یہ لوگ مقرر من الطاعۃ انبیاء علیہم السلام کے قتل تک کے جرائم سے بھی نہ چو کے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرات یوشع، شموئیل، شمعون، داؤد، سلیمان، ایوب، ایسحاق، ارمیا، عزیر، حزقیل، یسع، یونس، ایاس، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہم انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین مبعوث ہوئے تھے۔ یہود نے ان مقدسین میں سے چار حضرات کو جرۃ شہادت پلا دیا۔ یسحاق نبی کا قتل، ارمیا نبی کا قتل، زکریا نبی کا قتل، یحییٰ نبی کا قتل اور عیسیٰ مسیحؑ کا اقدام قتل (بلکہ بزعم خود قتل ہی) یہودیوں کا خاص کارنامہ ہے۔

خاتم الانبیاء کی جان لینے کی کوشش | جب تک حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما رہے ہیں ان حرمان نصیبوں نے ان کو کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ان کی پارسا و عفت تاب مادر محترمہ پر کہ ملائکہ رحمن جن کے حرم عصمت

میں نماز پڑھتے تھے، بہتان لگایا۔ لیکن ان کی مذہبی کتابوں میں یہ پیشین گوئی تھی کہ جب پیغمبر آخر ازمان مبعوث ہوں گے تو ان کی اطاعت کرنے اور ان کے دین میں داخل ہونے سے اپنی گزشتہ عظمت کو بھال کر سکیں گے لیکن طالع گم گشتگی کا کمال ملاحظہ ہو کہ ان لوگوں نے اطاعت و انقیاد کے بجائے حضور برآقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سلسلہ رحمت ایک مرتبہ زہر دے کر اور دوسری دفعہ آپ پر پتھر کی چٹان گرا سنے کی کوشش کر کے ۱۱ تیسری مرتبہ آپ پر جادو کر کے منقطع کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے آپ سے نہ صرف ہدعیدیاں اور غداریاں کیں بلکہ کئی سال تک برابر شب و روز آپ کی جان ستانی کی کوششوں میں منہمک رہے۔

یہود کو مالک الملک کا انتباہ | اور حالت یہ تھی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو

گھر سے نکلے تھے تو یہود کی طرف سے جان کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ حضرت طلحہ بن برادر رضی اللہ عنہ نام ایک صحابی نے اپنی بیماری میں وصیت کی تھی کہ اگر میں رات کے وقت مروتوں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہ کرنا کیونکہ یہود کی طرف سے فتنہ کا خوف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے حضور پر کوئی حادثہ گزر جائے (اصابہ ترجمہ طلحہ بن برادر)۔

باوجودیکہ مسلمانانِ مدینہ سے معاہدہ کر رکھا تھا، تاہم یہود اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف علانیہ فتنہ انگیزوں اور درپردہ سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ جب ان کی ستیز و کاریاں حد سے بڑھیں تو مالک الملک عوامینہ نے سورہ آل عمران کی یہ آیتیں نازل فرمائیں (ترجمہ):

اگر اہل کتاب (یہود من حیث القوم) ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ مگر ان میں سے تھوڑے ایمان لائے اور اکثر نافرمان خارج از ایمان ہیں۔ مسلمانو! وہ معمولی ایذا رسانی (دشنام دی وغیرہ) کے سوا تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو ان کو تم سے ہزیمت کھا کر پیٹھ پھیرتے ہی بن پڑے گی۔ پھر ان کو کہیں سے مدد بھی نہیں ملے گی۔ جہاں دیکھو ان پر ذلت سوار ہے مگر خدا اور لوگوں کے عہد و ذمہ کے ذریعہ سے کبھی کبھی اس ذلت سے بچ جائیں تو دوسری بات ہے۔ یہ لوگ خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری و احتیاج ان پر چھا دی گئی ہے (۱۱۰-۱۱۲)۔

اسی طرح خدا سے عظیم نے قرآن پاک (۸۵: ۲) میں یہود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ یہ حرکتیں کریں اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہو اور قیامت کو جہنم کے اشد العذاب کی طرف لوٹا دیے جائیں۔

عہد رسالت کے | یہودی قوم پرستہ پاشت سے جو وقت و رسوائی مستط تھی عہد رسالت کے یہودی نہ تو اس سے عبرت پزیر ہوئے اور نہ ان آیتوں سے سبق آموز ہوئے جو ان کے انتباہ کے لیے دنیا کے آخری رسول پر نازل ہو رہی تھیں۔ چنانچہ وہ اس کا غیازہ بھگت کر رہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں یہود کے تین بڑے قبیلے سکونت پزیر تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ تینوں نہ صرف علم و ہنر، ثروت و وجاہت اور جاہ و دولت میں ممتاز تھے بلکہ بڑے بڑے مضبوط قلعوں کے بھی مالک تھے۔ لیکن چند ہی سال کے اندر بالکل بیا بیٹ ہو گئے اور حجاز مقدس

ہیں جنہوں نے یثرب میں نزول اجلال فرمایا ہے۔ اس لیے ان کی پیروی کرنے میں میری تائید کرو۔ لیکن اس کے بھائی جی بنی بنی نے جو قبیلہ کا سب سے بڑا سردار اور ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بد نصیب باپ تھا اور اسی کی بات زیادہ مانی جاتی تھی راہ مخالفت اختیار کی۔ اس لیے ابویاسر کی کوئی پیش نہ گئی اور تمام لوگ جی کے ہمنوا ہو گئے (فتح الباری)

اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا
باپ اور چچا بارگاہ نبوت میں

نوسلم قبائل اوس و خزرج کی ظلمت فسادت کو اندر
رشد و ہدایت سے مبتدل ہوتے دیکھ کر یہودی رگ
حسد ہر وقت جنبش میں تھی اور وہ انواع و اقسام کی
مفسدہ پروازیوں سے اپنی عداوت کا برملا اظہار کر رہے تھے جس طرح قریش کے اندر ابو جہل
عقبہ اور ابولہب خبیث عداوت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اسی طرح یہودی جماعتوں میں
اُم المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ جی بنی بنی نے خطبہ اپنی کینہ جو یوں میں سرآمد
معاصرین تھا۔

اُم المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے باپ اور چچا کی عزیز ترین اولاد
تھی۔ جن ایام میں سالار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما سے مدینہ ہوئے، میرا باپ اپنے
بھائی کو ساتھ لے کر آپ کو دیکھنے کے لیے مدینہ آیا اور دونوں بھائی صبح سے غروب تک آپ
کے پاس رہے۔ جب واپس گئے تو میں نے دیکھا کہ میرا باپ سخت رنج و اندوہ اور پریشانی
کے عالم میں گھر پہنچا ہے۔ میں معمول کے موافق اس کے پاس گئی۔ وہ ثقل غم سے اس قدر زریبار
تھا کہ میری طرف التفات نہ کیا۔ تھوڑی دیر میں چچا نے والد سے کہا کہ میری رائے میں تو یہ صاحب
دہی پیغمبر آخر الزمان معلوم ہوتے ہیں جن کا تذکرہ ہم تو رات میں پڑھا کرتے ہیں۔ والد نے جواب دیا
ہاں واللہ یہ شخص وہی ہے۔

غیر ختم کینہ پروری
کا ناپاک عہد
چچا پوچھنے لگا اچھا تمہارے دل میں ان کی محبت کا جذبہ موج زن ہے
یا نفرت و عداوت کا؟ والد نے کہا عداوت کا۔ اور پھر قسم کھا کر کہا کہ
جب تک جسم میں جان ہے اس کی عداوت و تحریب میں کوئی دقیقہ
فروگناشت نہ کروں گا (سیرت ابن ہشام) مگر اس بد نصیب نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا
تھا کہ ع

دشمن اگر قوی است نگہاں قوی تر است

اور یہ حکیم علی الاطلاق کی حکمت نوازی کا کچھ عجیب کاروبار ہے کہ معاذ بن نبوت حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین رکھنے کے باوجود نکال ابدی میں گرفتار رہے اور شیوہ عناد سے کسی طرح باز نہ آئے۔ ہجرت سے پہلے ابو جہل وغیرہ اشقیاء قریش کا بھی یہی حال تھا کہ دل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے لبریز اور آپ کی صداقت کے معترف تھے لیکن حسد و کینہ کی تیرگی قبول ایمان کی اجازت نہیں دیتی تھی اور اگر حرمان نفسی ہی شامل حال تھی تو کم از کم اپنا رسائی اور کینہ جتنی سے ہی باز رہتے مگر ان سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ یحییٰ بن اخطب اور اس کے قبیلہ بنو نضیر نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی جو سازشیں اور کوششیں کیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

فصل ۲۳۸۔ یہود کا زعم و ادعا کہ دنیا میں ہمارے سوا

اللہ کا کوئی ولی نہیں

یہود صحابہ رسول کے سامنے اپنے تعلق باللہ کی لاف زنی کرتے اور کہتے تھے کہ ساری کائنات میں اللہ کے دوست اور ولی صرف یہود ہیں۔ ہم ہی رب العالمین کے پیارے اور لائق ہیں۔ ہمارے سوا جنت کا کوئی وارث نہیں۔“

حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید میں فرمایا کہ اگر تم واقعی اولیاء اللہ ہو تو ایک مرتبہ زبان سے مرنے کی خواہش کا اظہار کرو کیونکہ بعد از مرگ ہی تم اُس بارگاہ عالی میں باریاب ہو سکتے ہو اور دوست کا دوست سے ملنے کی آرزو کرنا ایک طبعی امر ہے۔ مگر اسی کے ساتھ مجھ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی پیش گوئی فرمادی کہ یہ لوگ ہرگز مرنے کی آرزو نہ کریں گے کیونکہ انھیں خود بھی اپنی کذب بیانی اور دودغ بانی کا یقین ہے۔ اور اگر بالقرین یہ لوگ تمنا سے مرگ کے شوقی ایک لفظ بھی زبان پر لائے تو اسی وقت ننگ ہلاک کے مونہ میں چلے جائیں گے (سنہاسی عن ابن عباسؓ)

حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں قرآن کی یہ آیتیں نازل فرمائیں (ترجمہ):

اے پیغمبر! ان سے کہو کہ اگر خدا کے ہاں عاقبت کا گھر خاص تمہارے ہی لیے ہے

دوسروں کے لیے نہیں اور تم اس دعوے میں سچے ہو تو مرنے کی آرزو کرو (تاکہ جلد بہشت میں جا داخل ہو) مگر یہ لوگ اپنے اعمال (زشت) کی وجہ سے جن کو ان کے ہاتھ (زاد) آخرت بنا کر آگے بھیج چکے ہیں کبھی موت کی آرزو نہیں کر سکتے (۹۴: ۲ - ۹۵)

اور سورہ جمعہ کی چھٹی اور ساتویں آیت میں فرمایا (ترجمہ) :-

اے پیغمبر! ان یہودیوں سے کہو کہ اگر تم کو اس بات کا گھمنڈ ہو کہ دوسرے تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ مگر یہ لوگ ان اعمال (بد) کے ڈر سے جن کے یہ مرتکب ہو چکے ہیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں۔“

یعنی اگر تم واقعی جنتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو؟ تم کو تو مرنے کی آرزو کرنی چاہیے تاکہ دنیا کے غم و اندوہ سے چھوٹ کر نعیم جنت سے بہرہ مند ہو سکو لیکن یہ سب تمہارا زبانی ہی جمع خرچ ہے۔ تم لوگ تو بت پرستوں سے بھی زیادہ دنیوی زندگی کے حریص ہو۔ اگر اہل شرک طول عمر کی حرص کریں تو بجا بھی ہے کیونکہ وہ قیامت کے قائل نہیں۔ ان کے زعم میں تو سب کچھ دنیا ہی دنیا ہے۔ جو دم جیتیں قیمت ہے لیکن تمہارا قیامت برپا ہونے اور رب العالمین سے طاقی ہونے کا اقرار کرنا اور پھر زندہ رہنے کی حرص کرنا بتلارہا ہے کہ تم اپنے کفر اور ان بد اعمالیوں کی پاداش سے خوف زدہ ہو جس کی سزا مرتے ہی تم کو ملنے والی ہے۔ لیکن شورہ پستی اور سرکشی سے ایمان بھی نہیں لاتے۔ خیر اگر ہزار برس بھی زندہ رہ کر مر دو گے تو بھی سزا سے نہ بچ سکو گے (ربلاہین)

یہود آرزو سے مرگ کے اسلامی مطالبہ کے بعد دو گونہ مشکل میں گرفتار ہو گئے کہ اگر مطالبہ کے موافق تمنا سے مرگ کرتے ہیں تو انہیں بھی اپنے دل میں یقین تھا کہ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نپے رسول ہیں۔ آپ کی بات ٹل نہیں سکتی۔ اور اگر موت مانگیں گے تو ہلاکت یقینی ہے۔ غرض جب اس مطالبہ کو بار بار دہرایا گیا تو ان کے موخہ پر فخر سکوت لگ گئی اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حالانکہ اگر وہ سچے ہوتے اور حرات سے کام لیتے تو اس پیشین گوئی کا ابطال خود ان کے بس میں تھا۔

فصل ۲۲۹۔ یہودی قوم کے اعراض و انکار کے اسباب

گوچند عالی فطرت یہود نے جن کا تذکرہ صفحات گزشتہ پر سپرد قلم ہوا، دین حنیف کی پیروی اختیار کر کے اپنی حقیقت شناسی کا ثبوت دیا تاہم یہود من حیث القوم اسلام سے متبرہن و برگشتہ ہی رہے۔ اس مبغوض قوم نے نہ صرف یہ کہ اتباع حق سے اعراض کر کے اپنی دنیوی و آخروی بربادی کا سامان کیا بلکہ اپنی عادت مستمرہ کے بموجب انبیاء کی جانتائی تھی، آپ کا نقیض وجود ہی معجزہ ہستی سے محو کرنے کی ناپاک کوششوں میں مصروف رہے۔ یہود کی پہلی معضوبیت کی بنیاد رسالت عیسیٰ سے انکار اور ان کے قتل کی جہد و جدتھی اور دوسری معضوبیت کی بنیاد رسالت محمدی سے اعراض اور آپ کے قتل کی مسلسل کوششیں تھیں۔ یہود کے اعراض و انکار کے متعدد وجوہ تھے۔

بنو اسماعیل میں نبوت
اہل عرب سے جو حضرت خلیلؑ کے فرزند جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے ان کو پر خاش تھی اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی بادشاہت

اور دین کی پیغمبری کا جو وعدہ خدا نے نسل ابراہیمؑ کے لیے فرمایا تھا خلیلؑ کے چھوٹے فرزند حضرت اسحق علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا۔ صدیوں تک الطائف النبی اور عنایات خداوندی کے مورد خاص بنے رہے اور اسی نسل کے اندر انبیاء علیہم السلام کے مسلسل پیدا ہونے کی بنا پر یہود کو اور بھی حق یقین ہو گیا تھا کہ نبوت آل اسحق کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ اسی بنا پر یہود کا گمان تھا کہ خاتم الانبیاء کی نبوت منتظرہ کا فضل عظیم بھی قوم یہودی کو حاصل ہوگا۔ لیکن جب انہوں نے حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور عربی قوم میں دیکھا تو حسد اور بغاوت پر اتر آئے اور نسلی اور فاندانی مصیبت کی بنا پر تصدیق نبوت سے انکار کر دیا۔

یہودی تفوق یہود کے عناد و اعراض کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام سے پہلے انہیں اوس

برتری کا خاتمہ و خندہ جہ پر جو قبول اسلام کے بعد انصار کے معزز لقب سے مشہور ہوئے ملی مذہبی اور اقتصادی حیثیت سے برتری حاصل تھی اور وہ ان کے

سیاسی صنعت اور اجتماعی افتراق پر اگندگی سے بڑے بڑے فائدے حاصل کرتے رہتے

تھے لیکن جب اسلام نے انصار کی قومی تفریق کو مٹا کر ان کی شیرازہ بندی کی اور مہاجرین نے بھی اس قومی ترکیب کا ایک اہم جزو بن کر اس اجتماعی حیثیت کو تقویت پہنچائی تو یہودیوں کے تفوق کا خاتمہ ہو گیا اس لیے وہ اسلام کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے ہر ممکن اہمل کو شمش شروع کر دی اور آئندہ چل کر ملائیم رزم پیکار کے لیے سازشوں کے جال پھیلا دیے۔

حد و کینہ کی تیسری وجہ | حد و کینہ کی تیسری وجہ یہ تھی کہ یہود کے علماء و رؤسا کو عوام سے بڑی آمدنی تھی۔ ہر ایک کے مداخل میں ان کے روزینے

مقرر تھے۔ انہیں اپنی قوم کے ہر قسم کے مال مولیٰ، زراعت اور زر نقد سے حصہ ملتا تھا۔ جب مدینہ الرسول اور اس کے طغات میں ہر طرف نور اسلام پھیلنے لگا تو یہ ڈرے کہ اگر ہم نے ان پیشین گوئیوں کی تصدیق کی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تورات میں درج ہیں اور آپ کا اتباع کیا تو یہ سب مالی منافع ہاتھ سے جاتے رہیں گے اور موجودہ جاہی لطف اندوزیاں خوابے خیال ہو جائیں گی۔ اس لیے علماء یہود نے دین پر دنیا کو ترجیح دے کر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نفی کر دی اور تورات میں جہاں جہاں آپ کی تعریف لکھی تھی وہاں جہارتوں کو بدل کر آپ کا اسم گرامی محو کر دیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تورات میں جس پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا تذکرہ ہے اس کی کوئی نشانی قریشی مدعی نبوت میں نہیں پائی جاتی۔ خاتم الانبیاء تو کبھی مستقبل بعید میں ظہور فرمائیں گے (باب النقول و تفسیر منطری) اس وقت سورہ بقرہ کی ۷۷ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے "جو لوگ ان ارشادات کو جو خدا نے اپنی کتاب (تورات) میں نازل کیے تھے چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے میں بقدر قلیل (دنوی) معاوضہ حاصل کرتے ہیں یہ لوگ اپنے شکموں میں محض انگارے بھرتے ہیں۔ خدا قیامت کے دن ان سے بات بھی تو نہیں کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے" (باب النقول)

تکرر و اعراض کا | صنمیر اور دیانت کے لحاظ سے تو علماء یہود اس بات پر جازم تھے اور سزا خاص خاص لوگوں کے سامنے اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں علامات تو بتما ما ہمارے ہاں کی ہیں لیکن جب خود اقبال کا سوال پیدا ہوتا تھا تو ہولے نفس

عابل ہو جاتی تھی اور یہ خیال سوداں روح ہونے لگا کہ قبول اسلام کی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اودان کے شرائع کی پابندی لازم ہوگی۔ الغرض یہود کا کفر و انکار نہ کرو نظر کے کسی دھوکے یا معاملے کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس کے تمام تر وجوہ حدود و رقابت، نفسانی خواہشات، نسلی اور خاندانی عصبیت پر مبنی تھے۔

فصل ۲۵۔ حضرت صدیق اکبر کے ہاتھوں ایک گستاخ یہودی کی سرکوبی

ہر زبان کا معمولی سے معمولی کلام بھی اپنے اندر بلاغت کے مجازات رکھتا ہے۔ کلام الہی کے بھی مجازات ہیں جو اس کی دل آویزی اور اثر انگیزی کا زیور ہیں۔ لیکن سطحی خیال کے لوگ ان مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں یا سجاہل عارفانہ سے اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ قرآن پاک میں بہت جگہ آیا ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دو تو وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر نہیں دے گا۔ قرض حسنہ عرف میں بے سود قرض کو کہتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کو قرض دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے محتاج بندوں کو دو تا کہ قیامت کے دن اس کا ثواب اللہ کی بارگاہ سے ہزاروں لاکھوں گنا ہو کر ملے۔ اس افزائش اجر کا بیان ایک حدیث نبوی میں یوں ہے کہ ایک کھجور اللہ کی راہ میں دی جائے تو خدا سے دو دو اس کو اتنا بڑھا تا ہے کہ وہ کوہ اُحد سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اعمال خیر کے آگے بڑھتے رہنے کو مچانا اس لیے قرض سے تعبیر کیا کہ جس طرح قرض کا عوض لازماً دینا پڑتا ہے اسی طرح ہمارے اتفاق فی سبیل اللہ کا اجر بھی ہم کو ضرور ملے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ حق جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں بعد مدینہ منورہ میں بھی اس میں سرگرم عمل تھے ایک مرتبہ بغرض تبلیغ بیت المدارس تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ بہت سے یہودی مخاض نام ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو ان کا بڑا عالم تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاض نام جانتے ہوئے کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے برگزیدہ رسول ہیں۔ آپ وہی خاتم الانبیاء ہیں جن کی بعثت کا تذکرہ

تورات و انجیل میں ہے۔ اگر تم اپنی عاقبت کی فلاح چاہتے ہو تو آپ پر ایمان لے آؤ۔ مخاض نے کہا کہ ہم خدا کے محتاج نہیں بلکہ خدا ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس سے بے پروا ہیں اور وہ ہم سے بے پروا نہیں۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمارے مالوں میں سے قرض کیوں مانگتا جیسا کہ تمہارے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقولہ ہے کہ خدا کو قرض دو۔“

حضرت صدیق نے اسے سمجھایا کہ رب العالمین نے جو مومنوں کو قرضِ حسنہ پیش کرنے کی ترغیب دی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان اعمالِ حسنہ آگے بھیج بھیج کر ذخیرہ کرتے رہیں تاکہ دارِ آخرت میں واجبِ کردگار انہیں سیکڑوں ہزاروں گنا زیادہ اجر دے۔ لیکن مخاض بد لگائی سے باز نہ آیا اور بار بار یہی رٹ لگانے لگا کہ مسلمانوں کا خدا واقعی مفلس و قلاش ہے جو ہم دولت مندوں سے قرض مانگتا ہے کیونکہ فقیر بے نوا اور نادار کے سوا کوئی کسی سے قرض نہیں مانگا کرتا۔ اس دشمنِ خدا نے نہ صرف یہ کہ کلامِ پاک میں معنوی تحریف کی بلکہ مالک الملک عز اسمہ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی کا بھی بار بار مرتکب ہوا، حضرت ابوبکرؓ کی غیرتِ ایمانی بھلا اس گستاخی کو کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ غصہ سے بے تاب ہو کر اس کے سر پر ایک کاری ضرب لگا دی اور فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ نابکار کی گردن مار دیتا۔ مخاض لہو مان ہو گیا لیکن اسے یا کسی دوسرے یہودی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ افضل الامۃ پر ہاتھ اٹھاتا۔

اب مخاض بارگاہِ نبوی میں فریاد لے کر آیا اور پیشوا سے امتِ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا دیکھیے آپ کے دوست نے میرا کیا حال کیا ہے۔ بے دریغ حملہ کر کے سر پھوڑ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ نے اسے کیوں مارا ہے؟ انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! اس دشمنِ خدا نے بڑی زباں درازی کی۔ یہ بار بار کہتا تھا کہ مسلمانوں کا خدا مفلس و قلاش ہے اور ہم غنی ہیں۔ اگر خدا محتاج نہ ہوتا تو ہم مالداروں سے قرض نہ مانگتا۔ مجھے اس کی دریدہ دہنی پر غصہ آگیا اس لیے اس کو بہت تھوڑی سی سزا دی ورنہ یہ تو اس قابل تھا کہ اس کی گردن مار دی جاتی۔“

لیکن مخاض صاف مکر گیا اور کہنے لگا میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کہی۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے بیان کی تصدیق میں سورہ آل عمران کی ۱۸۱ ویں آیت نازل فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے: جو لوگ اللہ کو محتاج اور اپنے تئیں مالدار کہتے ہیں، اللہ نے ان کا قول سنا یہ لوگ

جو ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے چلے آئے ہیں، اس کے ساتھ ہم ان کے اس بیان کو بھی (ان کے نامہ اعمال میں) لکھے لیتے ہیں۔ ان کے ایسے کرداروں کا جواب (قیامت کے دن) بس یہ ہوگا کہ عذاب دوزخ کے مزے پڑے چکھا کرو۔ یہ انہی اعمال کا بدلہ ہے جن کو تم نے اپنے ہاتھوں زاد آخرت بنا کر بھیجا ہے ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر کسی طرح کا علم روا نہیں رکھتا (سیرت ابن ہشام وازالۃ الخفاء)

فصل ۲۵۱۔ دو یہودی مجرموں کا سنگسار

مدینہ منورہ کے ایک شادی شدہ یہودی اود ایک محضنہ یہود نے فاسقانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ دونوں مجرم متمول گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہودی شریعت میں محضنہ زانی کی سزا سنگسار تھی لیکن یہودیوں میں پہلے تو یہ معمول تھا کہ اگر زنا کار عزت دار ہوتا تو دونوں کے مونہ کا لے کر کے اٹا گدھے پر سوار کرتے اور پھر کوڑے مار کر چھوڑ دیتے۔ اور اگر مجرم ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا تو رجم کی سزا دیتے۔ لیکن اب کچھ زمانہ سے رجم کی سزا بالکل ہی برطرف کر دی تھی۔

علمائے یہود کا اجتماع | علمائے یہود اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے بیت المدارس میں جمع ہوئے اور یہ سوال زیر بحث آیا کہ مجرموں کو کیا سزا دی جائے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دارالہجرت میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہو رہا تھا اور غیر مذاہب کے لوگ بھی اپنے جھگڑے قضیتے فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے تھے۔ علمائے یہود معزز گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باعث زنا کاروں سے رعایت کرنی چاہتے تھے لیکن چونکہ مدینۃ الرسول کے سیاسی اور مذہبی حالات یکسر بدل چکے تھے، انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رسول کی موجودگی میں کسی ایسے فیصلہ کی جرأت نہ ہوتی جس کی سند ان کے پاس کوئی نہ ہو۔ آخر یہ طے ہوا کہ مقدمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس بغیر ہن انصاف بھیج دیا جائے۔ چنانچہ دونوں مجرموں کو آپ کے پاس بھیج دیا۔

مرتکبین حرام کا مقدمہ | لیکن چالاکی یہ کہ یہودی علماء و عمائد میں سے مقدمہ فیصلہ کرانے کے لیے خود کوئی نہ آیا بلکہ اپنے متوسلین کی وساطت سے آپ کا عدالت نبوی میں فیصلہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے آدمیوں سے

کہہ دیا کہ اگر ہمارے معمول کے موافق فیصلہ کریں تو قبول کرنا اور نہ کوئی جیلہ کر کے مجرموں کو واپس لے آنا۔ اصل میں یہود نے حکم تورات کے خلاف ایک من گھڑت تعزیر مقرر کر رکھی تھی اس لیے چاہتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے معمول کے موافق یا اس سے کچھ ملتا جلتا فیصلہ صادر کر دیں تو ایک سندان کے ہاتھ میں آجائے۔ علماء یہود جانتے تھے کہ آپ کو تورات کا علم نہیں اس لیے انہیں اس بات کی طرف سے کئی اطمینان تھا کہ آپ رجم کی سزا ہرگز تجویز نہیں کریں گے۔

نبی اکرمؐ یہود کے مدرسہ میں | جب مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا اور آپ کو اس کی نوعیت معلوم ہوئی تو آپ اس کی سماعت ملتوی کر کے بنفس نفیس چند صحابہ کی معیت میں یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس کو گفتگو کرنے کے لیے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے کہا عبداللہ بن صوریہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ آپ نے اس کو یہودیوں سے الگ کر کے فرمایا بعوض اس حق کے کہ رب دودو ذنہ بنی اسرائیل کو نوازا اور من و سلویٰ کھائے کو دیا اور بادل سے ان پر سایہ کیا سچ کہو کہ تمہارے نزدیک میں رسول اللہ ہوں یا نہیں؟

ابن صوریہ کا اعتراف | ابن صوریہ نے کہا ہاں واللہ میں جانتا ہوں اور میری طرح تمام یہود آپ کی نبوت کو پہچانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ کی صفت اور تعریف تورات میں صاف صاف مذکور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم نے اس حقیقت کا اعتراف کیا تو پھر خود تمہیں قبول اسلام سے کیا چیز مانع ہے؟ اس نے کہا مجھے اپنی قوم کی مخالفت گوارا نہیں تاہم امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ آپ کی متابعت اختیار کریں گے، اس وقت میں بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابن صوریہ! میں تمہیں خدا سے عزیز کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ بتاؤ کہ تورات میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کا حکم ہے یا نہیں؟ اس نے کہا اے ابانقاسم بیشک یہی حکم ہے۔

تورات سے حد | آپ وہاں سے واپس تشریف لائے اور تورات کے حوالہ سے مروجہ رجم کا استشہاد | یہ فیصلہ شاق گزارا امدان کے علماء کہنے لگے کہ سنگساری کے حکم میں

تورات کا حوالہ دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ تورات میں رجم کا حکم کہیں نہیں ہے۔ آخر تورات منکوائی گئی اور اس کا وہ مقام کھو لا گیا جہاں رجم کا حکم تھا تو ایک سیودی عالم اُن سطور کو ہاتھ سے چھپانے لگا جہاں سزائے رجم کا حکم تھا۔ جب اس کا ہاتھ اٹھایا گیا تو نیچے سے وہ آیات نکل آئیں اور ان کی جوڑی پکڑی گئی۔ آپ نے عبد اللہ بن موریاء کو قسم دے کر پوچھا تو وہ بولا بیشک یہی حکم ہے لیکن جب لوگوں میں زنا کی کثرت ہوئی اور ہم لوگوں میں دنیا داری کا مادہ زیادہ ہو گیا تو ہم معزز لوگوں سے دنیوی طمع کے باعث سنگساری موقوف کرنے لگے اور مومنہ کا لاکر کے شہر میں پھرنے اور متاؤد سے مار کر چھوڑ دینے کا معمول ہوا۔

اقرانہ کے بعد انکار | الغرض آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جا کر دونوں مجرموں کو سنگسار کر دو۔ چنانچہ وہ ایک مسجد کے باہر جو محلہ بنو ختم میں تعمیر ہوئی تھی لیجا سنگسار کر دیے گئے۔ ہر چند کہ یہودیوں کو مسلمانوں کی یہ مبادرت سخت ناگوار ہوئی لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارتا یا اجزائے عذیب میں مزاحم ہوتا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن موریاء بھی ازراہ حسد آپ کی نبوت کا منکر ہو گیا۔ اس وقت رب جلیل نے سورہ مائدہ کی تین آیات (۴۳ تا ۴۵) نازل فرمائیں جن کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجْزِيكَ الْكَافِرِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ** (سیرت ابن ہشام، باب النقول، تبلیس ابلیس ابن جوزی)

فصل ۲۵۲۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا کی شادی

اختلاف اقوال | حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضور خیر الانام سلوات علیہ کی چار ماہ جنزادیوں میں حبس چھوٹی تھیں۔ اس بارہ میں ماویٰ مختلف اہیان ہیں کہ ان کی شادی کب ہوئی؟ عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت ص کے درود مدینہ کے پانچ مہینہ بعد رجب میں ہوا تھا۔ اس وقت مان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی (ابن سعد) دوسری روایت میں سترہ کے مہ ماہ صفر کی چند راتیں باقی تھیں جبکہ سیدہ زہرا سے بتول رضی اللہ عنہا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مسلک زوجیت میں منسلک ہوئیں (محمد بن جریر طبری) تیسری روایت کے بموجب سیدۃ النساء کی شادی ہجرت کے دوسرے سال ماہ رمضان میں ہوئی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۲ سال کی تھی (تاریخ

(انہیں)

تاریخ انہیں میں شادی کے وقت سیدہ کا سن مبارک پندرہ سال اور ساڑھے چھ مہینے بتایا ہے لیکن صحیح وہی اٹھارہ سال ہے جو بروایت ابن سعد اور معروض تسوید میں آیا کیونکہ صحیح روایت کے بموجب حضرت زہراءؓ کی ولادت مکہ معظمہ میں بعثت سے پانچ سال پیشتر ان ایام میں ہوئی تھی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور نزول وحی کا آغاز بقول صحیح ہجرت سے تیرہ سال قبل ہوا تھا۔

بارگاہ نبوی میں درخواست | اس تقریب سعید کی تفصیل یہ ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ کو صلاح دی گئی کہ فاطمہ زہراءؓ کی خواستگاری کے

لیے بنات خود استان نبوت میں حاضر ہو کر درخواست کرو تو تمہاری درخواست ہرگز مسترد نہ ہوگی۔ حضرت علیؓ نے جا کر عرض معروض کرنے کا قصد کیا لیکن اپنی ناداری کا خیال رہ رہ کر سدراہ بن جاتا۔ انجام کار انہوں نے اپنی قرابت کے پیش نظر عرض مدعا کا عزم مصمم کر لیا۔ آخر حاضر خدمت ہوئے لیکن انتہا درجہ کے رحیم و شفیق ہونے کے باوجود شسوار عرصہ نبوت کا رب اس درجہ تھا کہ حضرت علیؓ کو یا راسے گفتار نہ ہوا۔ یہ اپنے مطلب کو دل میں لیے ہوئے بیٹھے رہے۔ اس اثناء میں بار ہا دل میں عرض مدعا کی تحریک ہوتی مگر چشم ادب ہر مرتبہ آپ کی عظمت شان کی طرف اشارہ کرتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے خود ہی فرمایا علی! کوئی کام ہے؟ حضرت مرتضیٰؓ کو اب بھی یا راسے گفتار نہ ہوا بلکہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ تب تو آپ قرینہ حالیہ سے ان کا مقصد پہچان گئے اور بہت شفقت سے فرمایا کیا فاطمہ کی خواستگاری کے قصد سے آئے ہو؟ عرض پیرا ہوئے ہاں یا رسول اللہ! اسی عرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے لیکن تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کچھ ہے؟ التماس کی کہ کچھ نہیں۔ فرمایا وہ حطی زہرہ کیا ہوتی جو میں نے قلاں موقع پر تمہیں دی تھی؟ عرض پیرا ہوئے کہ وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ فرمایا اسی کو فروخت کر کے مردے دو۔ یہ زہرہ عبد القیس کے ایک بطن کی طرف منسوب تھی جسے حطہ بن محارب کہتے تھے۔ یہ لوگ زہرہ سازی ہی کا کام کرتے تھے۔ یہ بڑی عریض اور ثقیل زہرہ تھی جس پر تلواریں ٹوٹ جاتی تھیں (طبقات ابن سعد و تاریخ انہیں)

سیدہ زہرہ سے اجازت طلبی | اس گفتگو کے بعد حضرت علیؓ واپس آئے پیغمبر خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے منہدہ فاطمہؓ سے فرمایا کہ علیؓ تمہارا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپؐ کا مدعا سمجھ کر کچھ جناب نہ دیا اور خاموش رہیں (ابن سعد وغیرہ) یہ خاموشی رضامندی کی دلیل تھی۔ اسی بنا پر فقہائے دین رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ جب ولی بالغہ لڑکی کا نکاح کرنا چاہے تو اس سے اس کی اجازت لے لے اور حسب ارشاد نبویؐ کنواری کا سکوت ہی بمنزلہ اذن کے ہوتا ہے۔

حضرت ذوالنورینؑ
کی قیاضی

اب جناب علی مرتضیٰؑ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے پاس گئے اور اپنے پیام کی منظوری کا ذکر فرما کر زہرہ کا سودا کیا۔ وہ تبریک و تهنیت کے بعد اس کے لیے چار سو اسی درم دینے پر رضامند ہوئے۔ حضرت ذوالنورینؓ نے قیمت ادا کرنے کے بعد زہرہ بھی واپس کر دی۔ علی مرتضیٰؑ زہرہ اور درہمیں کو لیے ہوئے آستان نبوت میں حاضر ہوئے۔ جب پیشواے امت کو حضرت عثمانؓ کی اس کرم گستری کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان کو بڑی دعائیں دیں (تاریخ الخلفاء) جناب مرتضیٰؑ نے چار سو اسی درم کی رقم بطور مهر حضور انورؐ کے حوالے کر دی۔ آپؐ نے ان میں سے کچھ درم حضرت بلالؓ کو دیے کہ فاطمہؓ کے لیے عطریات خریدیں اور باقی درم اپنے خادم زیدؓ حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ ام سلیمہؓ کے حوالے کیے کہ ضروریات شادی پر خرچ کریں اور خانگی ضروریات اور اثاثہ البیت خریدیں (مارج)

خطبہ نکاح
نکاح کے وقت آپؐ نے انسؓ سے فرمایا کہ مہاجروں میں سے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور زبیر بن عوامؓ (رضی اللہ عنہم) کو اور انصار کی ایک جماعت کو بلا لاؤ۔ جب سب حضرات مسجد میں جمع ہو گئے تو آپؐ نے یہ خطبہ پڑھا: الحمد لله الحمد لله بنعمته المعبود بقدرته المطاع بسبطانه المرہوب من عذابه المرغوب اليه فيما عنده الناخذ اموراً في سماء وارضه الذي خلق الخلق بقدرته وميزهم بحكمته واحكمهم بعزته واعزهم بدینہ واکرمهم بنبیہ محمدؐ ثم ان الله تعالى جعل المصاهرة نسباً لاحقاً وامراً مفترضاً وشيئاً بها الارحام والنزما الانا مرفقال عز وجل وهو الذي خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً وكان ربك قديراً فامروا الله يجرى الي قضاائه وقضاءه يجرى الي قدره قدره يجرى الي اجله فكل قضاؤه لكل قدر اجل ولكل اجل كتاب يمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده

اُمّ الکتاب

اس کے بعد فرمایا کہ میں فاطمہ کو علی کی زوجیت میں دیتا ہوں اور میں نے چار سو **دین مہر** | مثقال چاندی پر علی سے اس کا نکاح کر دیا ہے۔ علی! کیا تم رضا مند ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا میں راضی ہوں۔ آپؑ نے فرمایا جمع اللہ شہلکمما واسعد جدکمما وبأمرک علیکمما وَاُخْرِجْ مِنْکُمَا ذَمْرِیَّةً طَیْبَةً (اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے، تمہاری کوششوں کو سعید بنائے، تم پر برکت کرے اور تم سے پاک اولاد پیدا کرے) (تاریخ الخلفاء)۔

چنانچہ آپ کی اس دعا کا یہ اثر تھا کہ جو پاکیزہ اولاد اس مقدس جوڑے سے پیدا ہوئی، اس کی نظیر نہ تو عہد نبوی میں موجود تھی اور نہ کبھی اس کے بعد چشم زمانہ کو دیکھنی نصیب ہوئی اور ظاہر ہے کہ شرف ذات، طہارت طینت اور پاکیزگی جو ہر کے اعتبار سے حضرت حسن اور حضرت حسین (سلام اللہ علیہما) کو جو شرف و امتیاز حاصل ہے وہ امت میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔

معلوم ہو کہ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اور درم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ پاکستان کا رائج الوقت روپیہ خالص چاندی کا نہیں۔ اگر چاندی کا ہوتا تو فی روپیہ بارہ ماشہ کے حساب سے چار سو مثقال چاندی ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب بنتی تھی اور چار سو اسی درم جو حضرت علیؑ کو جناب ذوالنورینؑ سے ملے تھے ان کی رقم ایک سو چالیس روپے بنتی ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کا مہربنی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ حبشہ نے از خود چار دینار طلائی ادا کر دیا تھا۔ ان کے سوا تمام ائمہات المؤمنین اور بنات طاہرات کا مہر ساڑھے بارہ بارہ اوقیہ تھا جس کے پانسو درم بنتے ہیں۔ پانچ سو درہم ہمارے سکے سے ڈیڑھ سو روپیہ سے کم رقم بنتی ہے۔

ایجاب وقبول کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین میں ایک طبق چھوڑا جسے تقسیم کیے۔ اسی بنا پر فقہاء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ عقد نکاح کی صیانت میں شکر اور باوام بائنا مستحب ہے (مدارج)۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ عقد کے بعد سید کو دن مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (ائمہات المؤمنین) کو حکم دیا کہ فاطمہؓ کے لیے جہیز طیار کریں اور

ان کو علیؑ کے پاس پہنچادیں۔ فاطمہؑ کے لیے ایک علیحدہ حجرہ تجویز کیا گیا۔ پھر میدان بطحار کے کنارے سے نرم مٹی منگوا کر ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُس حجرے میں بھپائی اور فرش تیار کیا۔ پھر ہم نے خرابی کی چھال اپنے ہاتھ سے قوم کر دو تکیے تیار کیے اور حجرہ کے ایک کونے میں کپڑے اور مشک لٹکانے کے لیے ایک لکڑی گاڑ دی۔ پھر فاطمہؑ کو اس میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد ہم نے دعوتِ ولیمہ پر لوگوں کو کھجوریں اور انگور کھلایا۔ پس ہم نے فاطمہؑ کی شادی سے بستر کوئی شادی نہیں دیکھی (ابن ماجہ) کیونکہ مسرت انگیز شادی وہی ہے جو بے تکلفی اور راحت و اطمینان کے ساتھ انجام پائے اور جتنا تکلف و اسراف اور تنگ و دو زیادہ ہو، وہ شادی نہیں ہوتی بلکہ انجام کے لحاظ سے بربادی ہوتی ہے۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے جینوں میں ایک چکلی، ایک منقط کملی اور ایک مشک بھی دی تھی (مسند احمد) حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ آپؐ نے اپنی صاحبزادی کو یہ تین چیزیں جینز میں دیں: ایک مشک، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کی ایک چادر (نسائی)۔

فخر عالم کا بیٹی کے پاس
تشریف لے جانا

رخصت کرنے کے تقوڑی دیر بعد حضرت شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی کے پاس تشریف لے گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کا اذن مانگا۔ جب اجازت

ملی تو اندر گئے۔ پھر ایک برتن میں پانی منگوا یا۔ دو وزن ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؑ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؑ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ آپؐ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے (ابن سعد) آپؐ نے پانی چھڑکتے ہوئے فرمایا اٹھی! میں ان دونوں کو اور ان کی اولاد کو شیطان رحیم کی دستبرد سے تیری پناہ میں دیتا ہوں (حسن حسین بحوالہ ابن حبان)

حضرت علیؑ کی ناداری
حضرت علیؑ مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (فاطمہؑ) دامن کی حیثیت سے میرے پاس بھیجی گئیں تو اس رات بکری کی ایک کھال کے سوا ہمارے پاس کوئی اور بستر نہ تھا (ابن ماجہ) ایک رادی نے حضرت علیؑ کی بے مائیگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ جب آمام

کرنے کے لیے بیٹے تو اڈھنے کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ جب دونوں اپنے پیروں کو ڈھانکنا چاہتے تو سر کھل جاتے اور اگر سروں کو ڈھانکنا چاہتے تو پیر کھل جاتے تھے (ابن سعد) ایک مرتبہ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ شتم شتر کا بہت موٹا کپڑا پہنے بیٹھی ہیں۔ آپ نے فرمایا فاطمہ! اگر آج تو دنیا کی مشقت اور تنگی پر مبر کرے تو فردا سے قیامت کو نعیم بہشت سے بہرہ اندوز ہوگی (مدارج)

ایک مرتبہ سیدہ کی طبیعت علیل تھی۔ آپ عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا بیٹی! کیسی ہو؟ التماس کی مجھے تکلیف سے لیکن اس تکلیف پر مزید اضافہ یہ ہے کہ گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹی! کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم خواتین عالم کی سردار بنو؟ انہوں نے گزارش کی کہ مریم بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں اور تم اپنے زمانہ کی اور میں نے تمہاری شادی بھی دینا اور دین کے سردار سے کی ہے (استیغاب) حضرت علیؓ کی تنگی معاش بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی تھی کہ انہوں نے آبپاشی کے واسطے کنوئیں سے پانی بھرا ہے اور فی ڈول ایک کھجور کے حساب سے اجرت لی ہے اور انہی کھجوروں پر خود اور بی بی اور والدہ نے بسر اوقات کیا ہے (بخاری)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ دو وزن صابن دے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) جو ہنوز کم سن بچے تھے) رو رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ یہ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ بھوک سے روتے ہیں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ حضرت علیؓ نے باہر نکلے۔ سبب الاسباب عزا سمیٹ کر نصرت بخشی کا کرشمہ دیکھتے کہ انہوں نے جاتے ہی بازار میں ایک دینار پڑا ہوا پایا۔ اسے اٹھا کر گھر آئے اور سیدہ سے دینار ملنے کا حال بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ جا کر آٹا خرید لاؤ۔ حضرت علیؓ نے جا کر یہودی دکاندار سے آٹا خریدا۔ یہودی جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن اعتقاد رکھتا تھا کہنے لگا کیوں صاحب! آپ ایسی بزرگ کے داماد ہیں جو مدعی نبوت ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ دکاندار نے کہا لیجئے اپنا دینار اور آٹا بھی لے جائیے۔ حضرت علیؓ نے ہنسنے قیمت دینے پر اصرار کیا لیکن یہودی نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے آٹا لے کر گھر آئے اور جناب سیدہؓ سے یہودی کے قیمت نہ لینے کا ذکر کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا اب قصاب کے پاس جا کر ایک درم کا گوشت لائیے۔ جناب علیؓ قصاب

کے پاس گئے اور دینار کو ایک درم کے عوض میں رہن رکھ کر گوشت لائے بتدہ بننے کھانا
 طیار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا میں نے
 کھانا طیار کیا ہے لیکن پہلے اس کی کیفیت سن لیجئے۔ اگر یہ حلال ہے تو ہم بھی کھائیں اور آپ
 بھی تناول فرمائیں اور دینار ملتے اور آٹا اور گوشت آنے کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ
 اللہ کا نام لے کر کھا لو۔ جب سب کھا رہے تھے تو کسی لڑکے کی آواز آئی جو پکار رہا تھا کہ میرا
 دینار گر پڑا ہے جس کی نے اٹھایا ہو میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر اس سے ملتی ہوں کہ
 مجھے واپس دے۔ آپ نے لڑکے کو بلایا اور پوچھا تمہارا دینار کہاں گم ہوا ہے؟ بولا بانار
 میں فلاں جگہ پر۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم قصاب کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر
 کہو کہ وہ دینار واپس دے دے اور درم میں ادا کر دوں گا۔ قصاب نے دینار دے دیا اور
 وہ لڑکے کے حوالے کر دیا گیا (ابوداؤد)

بتدہ فاطمہؓ سے محبت | حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم کی برابر کسی کو اپنی اولاد سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔
 جب کبھی آپ سفر کو جاتے تو حضرت فاطمہؓ سے مل کے جاتے اور جب سفر سے واپس
 آتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ سے آکر ملتے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ
 جب فاطمہؓ رسول اللہؐ کے پاس آتیں تو آپؐ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور
 شفقت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی نشست سے بٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے اور
 جب آپؐ فاطمہؓ کے گھر جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں اور محبت سے آپؐ کا سر مبارک چومیں
 اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں (ابوداؤد) لیکن حضرت زہراءؓ اس غیر معمولی محبت سے کبھی کوئی دنیوی
 اور مادی نفع نہ حاصل کر سکیں۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔

خادم کے بجائے پڑھنے کا ورد | افلاس و ناداری نے سیدۃ نساء العالمین کی یہ حالت کر رکھی تھی کہ
 چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے اور پانی کی
 مشک اٹھاتے اٹھاتے سیدہ مبارک میں درد ہو گیا تھا اور جھاٹو

دیتے اور برتن مانجھتے کپڑے خاک آلود ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ سرور دو جہان صلی اللہ علیہ
 وسلم کے پاس کسی لڑائی سے قیدی آئے۔ حضرت علیؓ جناب زہراءؓ سے کہنے لگے کہ آج
 رسول خداؐ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ کاش تم اپنے والد محترم کے پاس جا کر ایک خادم مانگتیں۔

حضرت سیدہ گئیں لیکن یہ دیکھ کر کہ آپ کے پاس چند آدمی بیٹھے باتیں کر رہے ہیں واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن پھر گئیں۔ آپ نے پوچھا بیٹی! کیا کام ہے؟ وہ توجہ نہیں ہو رہی البتہ حضرت علیؓ جو اس وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے بولے یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے ہیں اور پانی کی بیشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد رہنے لگا ہے۔ اور دن بھر محنت مشقت کرتے کرتے رات کو بالکل نڈھال ہو جاتی ہیں۔ اب آپ کے پاس قیدی آئے ہیں۔ میں نے ان کو علاج دی تھی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک خادم کے لیے درخواست کریں تاکہ اس محنت و مشقت سے بچ جائیں۔ آپ نے سیدہ سے خطاب کر کے فرمایا فاطمہ! خدا سے ڈر اور اپنے پروردگار کا حکم بجالا۔ اپنے گھر کے کام خود کر لیا کر۔ اس کے بعد فرمایا کہ تکان دور کرنے کے لیے رات کو سوتے وقت **سُبْحَانَ اللَّهِ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلَّهِ ۳۳ مرتبہ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۳۳ مرتبہ** پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے خادمہ سے بہتر ہوگا۔ غرض آپ نے اپنے نعتِ جگر کی درخواست مسترد فرمادی۔ حضرت سیدہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! مجھے اللہ اور اس کے رسول کا حکم بسر و چشم منظور ہے (ابوداؤد)

حضرات! یہ وہ وقت تھا جبکہ فتوحات کی کثرت تھی اور مدینہ الرسول میں مال و دولت کے خزانے لٹ رہے تھے۔ اس مال و زر میں ہر مسلمان حصہ دار تھا۔ اور اگر کسی کا کچھ حصہ نہیں تھا تو وہ سیدۂ عالم حضرت فاطمہ زہراؓ جگر گوشہ رسولؐ کی ذات گرامی تھی۔

اشکباری کی وجہ خطیب نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسول خداؐ نے فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے جلالہ نکاح میں دیا تو وہ رونے لگیں۔ آپ نے دریافت فرمایا بیٹی! رونے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھے ایسے شخص کے پتے ہاندھا ہے جو بالکل تہی دست ہے اور اس کے پاس دنیا کی اصلاح کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے ایسے شخص کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دیا ہے جو دنیا میں بھی ٹیکو کا رہے اور آخرت میں بھی صالحوں میں سے ہے (مدارج)

چونکہ مدارج النبوت میں خطیب کے راویوں کے نام مذکور نہیں اس لیے یہ روایت جرح و تعدیل کے معیار پر پرکھی نہیں جاسکتی تاہم درایت یہ بیان قطعاً ناقابل و ثوق ہے۔ حضرت علیؓ کی ذات گرامی اور ان کی بے زری سیدۂ عالم سے معنی ملیں تھی جو خاتونِ جنتؓ کو

شادی کے بعد حضرت علیؑ کی تہی دستی کا حال معلوم کر کے اشکبار ہونا پڑا کیونکہ دونوں نے ایک گھر میں پرورش پائی تھی اور بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ عقد زواج کے بعد لڑکی کی رخصتی کا وقت بہت نازک ہے۔ اسے اپنے خویش و اقارب کی جدائی کا جن میں وہ آج تک رہی تھی قلق ہوتا ہے اور وہ ہجر و بعد کے جذبات میں ڈوب کے زار و قطار روتی ہے۔ حضرت سیدہؓ بھی سخیال مفارقت اشکبار تھیں۔ آپؑ نے اپنے محبت جگر کو آبدیدہ دیکھ کر فرمایا بیٹی! یہ رونا کیسا؟ میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی ہے جو علم و عمل میں افضل اور شرف اسلام میں سب سے مقدم ہے (اسلامی غائب)

حضرت علیؑ کا تاہم سوال یہ ہے کہ انتہا درجہ کے نادار ہونے کے باوجود آپؑ نے حضرت علیؑ کو اپنی فرزندگی میں کیوں قبول کیا؟ ہمیں اس سوال کا جواب ایک حدیث نبویؐ میں ملتا ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ

شادی کے لیے چار چیزیں پیش نظر رکھتے ہیں: (۱) مال و دولت (۲) حسب و نسب (۳) حسن و جمال (۴) دین داری (یعنی تقویٰ و پرہیزگاری) لیکن تم دینداری کی صفت کو تمام صفتوں پر مقدم رکھو (بخاری و مسلم) جوانی کی امنگ حسین و خوش جمال بیوی کی طلب گار ہوتی ہے لیکن آپؐ نے فرمایا کہ عورت کے حسن کو دیکھ کر اس سے نکاح نہ کرو کیا عجیب ہے کہ حسن ہی اس کی تباہی کا موجب ہو اور کسی عورت سے اس کے مالدار ہونے کی بنا پر بھی عقد نہ کرو۔ عجیب نہیں کہ اس کا مال ہی اس کو فتنہ میں ڈال دے۔ البتہ نکاح میں عورت کے دین کا لحاظ رکھا کرو۔ کالی کلونی کان چھدی پر میزگار لونڈی گوری چٹی آزاد غیر متقی حسید سے بہتر ہے (ابن ماجہ)

الغرض آپؐ نے جو حضرت علیؑ کو ان کی انتہائی ناداری کے باوجود اپنے شرف و امانی سے نوازا تو اس کی وجہ ان کی دینداری تھی جو بڑا وہ کمال پہنچی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت علیؑ آپؐ کے محسن و مروتی چچا ابوطالب کی یادگار تھے۔ آپؐ کے سوا حضرت علیؑ کا کوئی مروتی و سرپرست بھی موجود نہ تھا انہوں نے حقیقی اولاد کی طرح آپؐ ہی کے کنارت شفقت میں تربیت پائی تھی اس لیے ان کی ناداری قطعاً ناقابل لحاظ تھی۔

نقل مکانی شروع میں حضرت علیؑ اور خاتون جنت مسجد نبویؐ کے ایک حجرے میں ٹھہرائے گئے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں کسی اور مکان میں جگہ دی گئی۔ چونکہ یہ مکان

آستان نبوت سے زیادہ فاصلہ پر تھا اور تنگ ہونے کی وجہ سے گزرا بھی بڑی مشکل سے ہوتا تھا اس لیے مخدوم اتام علی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت سیدہ بنتی سے فرمایا میری یہ خواہش ہے کہ تمہیں اپنے قریب بلاوں۔ حضرت عارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک مکان مسجد نبوی کے قریب میں واقع تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا عرض پیرا ہوئیں یا رسول اللہ! عارثہ رضی اللہ عنہ سے ایک مکان ہمیں بھی دلوادیں۔ حضرت عارثہ اُس سے پیشتر اپنے متعدد مکان مہاجرین کرام کے لیے آپ کے دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹی! ان سے کہاں تک لینے جائیں۔ اب تو ان سے کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ دارالہجرت کے ناصربین بخت نے اپنا سب کچھ اسلام و ایمان پر قربان کر دیا تھا۔ جب حضرت عارثہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو دوڑے آئے اور اتنا س کی یا رسول اللہ! میں نے سنا کہ کہ حضور رالاحا جزادی کو کسی قریبی مکان میں مستقل کرنا چاہتے ہیں۔ میرا ایک مکان مسجد کے قریب میں موجود ہے۔ آپ بلا تامل جناب فاطمہؑ کو بلا لیجئے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب حضور کی کا ہے اور عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! خداے واحد کی قسم! میرا جو مکان آپ لیتے ہیں مجھے اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہے۔ آپ نے انہیں دعا دی اور انہوں نے جلدی سے مکان خالی کر دیا اور جناب بتول رضی اللہ عنہا اس میں چلی آئیں (ابن سعد)

خاتون جنت کی اولاد اطہار

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے حضرت علیؑ کی چھ اولادیں ہوئیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ لڑکے حسن، حسین اور محسن رضی اللہ عنہم تھے اور لڑکیاں اُمّ کلثوم، زینب اور رقیہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ محسن اور رقیہ صغیر سی میں گزر گئے۔ حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد اطہار عرف عام میں عترت یا اہل بیت کے لقب سے مشہور ہے۔ چونکہ شیعہ لوگ فرقہ اہل سنت و جماعت پر منکر بن اہل بیت ہونے کا طعن رکھتے ہیں اس لیے میں یہاں اپنی طرف سے صفائی کے طور پر اس مسئلہ کو کسی قدر منہج کر دینا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ مور و طعن اور قابل ملامت حقیقت میں کون فرقہ ہے۔

عترت لغت میں خوشیوں، نزدیکیوں اور فرزندوں کو کہتے ہیں۔ خود حامل اہل بیت کی
وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث تعلین میں عترت کو اہل بیت سے تعبیر فرمایا۔
سہ گانہ تقسیم اہل بیت تین ہیں: اہل بیت نسب، اہل بیت مکنی اور اہل بیت ولادت۔

گو قرآن پاک میں اُمتات المؤمنین کے سوا کسی کے حق میں اہلیت کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا اور لغت عرب میں بھی یہ لفظ بیویوں ہی کے لیے مستعمل ہے تاہم احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرف بایمان ہونے والے تمام ہاشمی اور آپ کی اولاد اطہار بھی بمعامل بیت میں داخل ہیں۔

اہل بیت نسب | اہل بیت نسب وہ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔ ان میں حضور سرور اہام صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کی تمام وہ اولاد داخل ہے جو سعاد ایمانی سے مستعد ہوئی۔ یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت علی بن ابی طالب اور ان تینوں کی بہن محترمہ اُمّ ہانی بنت ابی طالب اور حضرت عباس کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت فضل بن عباس اور قثم بن عباس اور عمارت بن عبدالمطلب کے بیٹے حضرت نوفل بن عمارت، ربیعہ بن عمارت، ابوسفیان بن عمارت، عبدالمطلب بن ربیعہ بن عمارت رضی اللہ عنہم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں فاطمہ بنت حمزہ اور عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی رڑکیاں اُمّ حکم اور مناعہ رضی اللہ عنہما اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مومنہ پھوپھیاں حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، اردی بنت عبدالمطلب اور عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہن جو تینوں علی المرتضیٰ حضرت زبیر، حضرت طلیب اور عبد اللہ بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہم کی مائیں تھیں۔ اور ابولسب کے دونوں مسلمان بیٹے عقبہ بن ابی لہب اور معتب بن ابی لہب رضی اللہ عنہما اور ان دونوں کی ہمشیر ذرہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہما اور آگے چل کر ان سب کی اولاد اطہار اہل بیت نسب تھے۔

شیعہ ان میں سے دو ایک کو چھوڑ کر باقی سب کے خلافت شہرناک دریدہ دہنی کرتے ہیں۔

حضرت عباسؓ کے بعض فضائل | حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے علم محترم تھے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا "مجھے اُس خدا سے برتر کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان اُس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ حضرات سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے لیے محبت نہ کرے۔ اس کے بعد فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی کیونکہ چچا

اس کے باپ ہی کی مانند ہوتا ہے (ترمذی) اسی طرح آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:
 الْعَبَّاسُ صِدِّیقٌ وَكَافِرٌ مِّنْهُ (عباسؓ مجھ سے ہیں اور میں عباسؓ سے ہوں) رواہ الترمذی۔
 اس ارشاد میں اتحاد، یگانگی اور محبت سے کنایہ ہے۔ آپ نے یہی الفاظ حضرت علیؓ سے بھی
 فرمائے تھے۔

ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم سے فرمایا کہ چچا جان! آپ کل دو شنبہ کے دن صبح کے وقت میرے پاس تشریف لانا اور اپنے فرزندوں کو بھی اپنے ساتھ لانا تاکہ میں آپ لوگوں کے لیے ایسی دعا کروں جو آپ کو اور آپ کی اولاد کو نفع دے۔ حضرت عباسؓ نے دوسرے دن علی الصبح اپنے فرزندوں کو ہمراہ لے کر آستان نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی پوشش انہیں پہنا دی۔ اس کے بعد ان الفاظ میں دعا کی۔ اے اللہ! عباسؓ کی اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما۔ مغفرت ظاہری و باطنی۔ ایسی مغفرت جو کسی گناہ کو پیچھے نہ رہنے دے۔ اے اللہ! عباسؓ کو اور ان کی اولاد کو اپنی حفاظت میں لے لے اور خلافت و بادشاہت کو مدت مدید تک ان کی اولاد میں رکھ۔ رواہ الترمذی و زرین

محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں کہ جس روز سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا کہ تمہاری اولاد میں خلافت آئے گی، ان ایام سے بنو عباس خلافت امیدوار چلے آتے تھے۔ آخر جب خلافت بنی اُمیہ کا چراغ گل ہوا تو ۳۰ ربيع الاول ۳۲ھ کو عباسیوں کے پہلے خلیفہ سفاح عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے ہاتھ پر کوفہ میں بیعت خلافت کی گئی۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور جس نے بغداد آباد کیا سریر خلافت پر بیٹھا۔ ان ایام سے لے کر ۶۵۶ھ تک حضرت عباسؓ کی اولاد بغداد میں اور اس کے بعد مدیوں تک مصر میں تاج و تخت کی مالک رہی۔

حضرت علیؓ کے فدائے بھائی جعفر طیار اور عقیل رضی اللہ
سیدنا عقیلؓ سے محبت | عنہما مشرف بایمان ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ جناب
 جعفر طیارؓ سے دس سال اور حضرت جعفرؓ جناب عقیلؓ سے دس سال چھوٹے تھے۔
 حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب عقیلؓ سے بہت محبت تھی۔ آپ ان سے
 فرمایا کرتے تھے مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے۔ ایک تو قرابت کی وجہ سے۔
 دوسرے اس سبب سے کہ میرے چچا ابو طالب تم کو محبوب رکھتے تھے (محبوب الکمال ص ۲۶۰)

حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ پرست و شتم

شیعوں نے رسول خدا اور حضرت علیؓ کے علم بزرگوار حضرت عباسؓ اور علیؓ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کے خلاف جس گندہ دہنی کا ثبوت دیا ہے اس کی ایک بانگی ملاحظہ ہو شیعوں کے علامہ طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج میں حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:-

ذَہَبَ مَنْ كُنْتُ اَعْتَصِدُ بِهِمْ
عَلَى دِينِ اللَّهِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي وَبَقِيَّتِ
بَيْنَ حَقَرِيْنِ قَرِيْبَتِي الْهَدَىٰ بِجَاهِلِيَّةٍ
عَقِيْلٍ وَعَبَّاسٍ -

میرے اہل بیت کے وہ لوگ جاتے رہے جن کی قوت
کا خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا اور اب میں عقیل اور
عباس جیسے دو ذلیل و خوار شخصوں کے درمیان رہ
گیا ہوں جو زمانہ جاہلیت کے قریب ہیں۔

شیعوں نے اسی توہین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایک مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی نے
تو کتاب حیات القلوب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف مغلفات کی ایسی الجیسی غلط
اچھالی ہے جو بازاری تفنگروں کا خاص حصہ ہے اور دنیا کا کوئی شریف انسان خواہ وہ کسی مذہب
ملت کا پیرو کیوں نہ ہو اس کا سنا بھی کبھی گوارا نہ کرے گا۔

اہل بیتؓ سکنتی | مصلح عالم علی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دینی، ملی اور تبلیغی ضروریات کے ما تحت جن مخدرات عالیہ کو مختلف اوقات میں شرف زوجیت بخشا،

ان کو ازواج مطہرات یا اہل بیتؓ سکنتی کہتے ہیں۔ ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: (۱) اُم المومنین
حضرت خدیجہ بنت خویلدہؓ۔ ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا (۲) اُم المومنین
حضرت سہودہ بنت زمعہؓ۔ نبی علیہ السلام نے ان سے مکہ معظمہ میں تزوج فرمایا۔ سلسلہ
میں رحلت فرمایا ہوئیں۔ (۳) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت امیر المومنین حضرت
ابوبکر صدیقؓ۔ مکہ معظمہ میں نکاح ہوا۔ شہدہ میں انتقال فرمایا۔ (۴) اُم المومنین حضرت
صفیہؓ بنت حضرت فاروق اعظمؓ۔ آپ نے ان سے ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال
عقد کیا۔ شہدہ میں رحلت فرمایا ہوئیں۔ (۵) اُم المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ بن حارث
معروف بہ اُم المساکین۔ شہدہ کے اخیر میں عقد ہوا اور شہدہ میں وفات پائی۔ انھیں دو تین
مینہ سے زیادہ سرود کائنات کا شرف زوجیت نصیب نہ ہو سکا۔ (۶) اُم المومنین حضرت
اُم سلمہؓ بنت ابی امیہ مخزومی۔ شہدہ یا شہدہ میں نکاح ہوا۔ شہدہ یا شہدہ میں انتقال

فرمایا۔ (۷) اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش۔ ۵۳ھ میں حریم نبوت میں داخل ہوئیں، ۵۴ھ میں دنیا کو الوداع کہا۔ (۸) اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان (خواہرا میر معاویہؓ) ۵۴ھ میں بمقام حبشہ عقد ہوا۔ ۵۵ھ میں جان عزیز جہان آفرین کے سپرد کی (۹) اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث۔ ۵۶ھ میں عقد ہوا۔ ۵۶ھ میں سرانے قانی کو الوداع کہا۔ (۱۰) اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث۔ ۵۷ھ میں شرف زوجیت سے سرفراز ہوئیں اور ۵۸ھ میں خراب آباد عالم صوری سے رخصت ہوئیں۔ (۱۱) اُمّ المؤمنین حضرت نفیثہ بنت حنی۔ ۵۸ھ میں عقد ہوا اور ۵۹ھ میں رحلت فرمائی۔ (۱۲) اُمّ المؤمنین ریحانہ بنت زید۔ ۵۹ھ میں نکاح ہوا اور حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حجۃ الوداع سے مراجعت کے وقت رفیق اعلیٰ سے جا ملیں۔

ازواج طاہرات کی قومیتیں | ازواج طاہرات مختلف قوموں میں سے تھیں۔ ان میں یہ چھ قریشیہ تھیں (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲)

حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر (۳) حضرت خفصہ بنت فاروق اعظم (۴) حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان (۵) حضرت اُمّ سلمہ بنت ابی امیہ (۶) حضرت سودہ بنت زمعہ۔ چار عربیہ غیر قریشیہ تھیں (۱) حضرت زینب بنت جحش (۲) حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ (۳) حضرت زینب بنت خزیمہ اُمّ المساکین (۴) حضرت جویریہ بنت حارث خزاعیہ اور ایک یعنی اُمّ المؤمنین حضرت نفیثہ بنت حنی بن اخطب یہود کے قبیلہ بنو نضیر میں سے تھیں رضی اللہ عنہن۔

ان کے علاوہ حضرت سیدہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک بہت بڑے قبیلہ سے رشتہ فودت قائم کرنے کے لیے اس قبیلہ کی ایک خاتون اسماء بنت ملکت سلمیہ کے لیے پیام نکاح بھیجا تھا۔ جب خاتون مذکور نے سنا کہ ان کے لیے اللہ کے رسولؐ نے خواستگاری فرمائی ہے تو وہ اس درجہ مسرور ہوئیں کہ ان کا دل اس غیر معمولی خوشی و مسرت کا متمل نہ ہو سکا۔ آخر شادی مرگ کی نذر ہو کر آغوشِ لوح میں پہنچ گئیں۔ غفر اللہ لہا۔

اُمّت کی ماؤں کو گایاں | رب العالمین عزّ اسمہ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے :-

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ

| نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں پر ان کی ماؤں سے

أَنْفُسِهِمْ وَأَشْرَاجَهُمْ أَهْلُهُمْ

(۶:۳۳)

بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر (علیہ السلام) کی
بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ مومنوں پر اوقات المومنین رضوان اللہ علیہم کا احترام اپنی جسمانی ماؤں سے
کہیں زیادہ واجب ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ شیعہ لوگ جلال خداوندی اور عاقبت کی
رسوائی سے بے خوف ہو کر حضرت خدیجہؓ کے سوا باقی تمام ماؤں کی توہین کرتے ہیں خصوصاً
محبوبہ رسول اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر توست و شتم کی وہ غلاظت
اچھالتے ہیں کہ جن پر یہودی اور نصرانی دشمنان دین بھی شرابجائیں۔

مناقب سیدہ عائشہؓ | اور حضرت صدیقہؓ کی ثنا و منقبت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی زبان مبارک سے سنئے۔ آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت

بہت لوگ کامل ہوئے لیکن (اُمم سابقہ کے) طبقہ اثاث میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ
فرعون کے سوا کوئی عورت درجہ اعلیٰ و فضیلت کو نہ پہنچ سکی اور (اس امت میں) عائشہؓ
کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید دوسرے کھانوں پر فضیلت رکھتا ہے (بخاری
و مسلم) ایک مرتبہ حضرت اُم سلمہؓ نے سیدہ عائشہؓ کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
ایک بات کہی۔ آپ نے فرمایا عائشہؓ کے متعلق مجھے آزار نہ دو کیونکہ مجھے عائشہؓ کے سوا کسی
یہودی کے جامہ خواب میں وحی نہیں آتی۔ حضرت اُم سلمہؓ نے کہنے لگیں یا رسول اللہ! میں اللہ
کی جناب میں حضور کی دل آزاری سے توبہ کرتی ہوں (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ ہادی اناام صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا یہ جبریل ہیں۔
تمہیں سلام کہتے ہیں۔ اُم المومنینؓ نے فرمایا و علیہ السلام و رحمۃ اللہ (بخاری و مسلم) مروی ہے
کہ عقد نکاح سے پہلے جبریل امینؑ نے پیغمبر علیہ السلام کو (خواب میں) حضرت عائشہؓ کی صورت ایک ہنر
ریشی کپڑے پر بنی ہوئی لاکر دکھائی اور بتایا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی حرم محترم ہیں (ترمذی) یہ حدیث
بھی حضرت صدیقہؓ کے جنتی ہونے کی قطعی شہادت ہے۔ ایک مرتبہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ
وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا
عائشہؓ۔ پھر عرض کیا گیا کہ مردوں میں آپ سب سے زیادہ کسے چاہتے ہیں؟ فرمایا عائشہ
کے باپ کو (بخاری و ترمذی)

دنیا میں مرد علماء کی تو کسی زمانہ میں کی نہیں رہی لیکن عورت ذات ہو کر اُم المومنین

حضرت عائشہ رضیٰ کا علم و فضل اس کمال کو پہنچا ہوا تھا کہ بڑے بڑے فضلاء دہر کا بھی مرجع بنی ہوئی تھیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضیٰ کا بیان ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ کو جب کبھی کوئی علمی اشکال پیش آتا تو ہم اُمّ المؤمنین عائشہ رضیٰ کی طرف رجوع کرتے اور ان کے پاس اس کا ضرور حل پاتے۔ موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ میں نے مدت العمر حضرت عائشہ رضیٰ سے اخص کسی کو نہیں پایا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضیٰ کے سامنے اُمّ المؤمنین عائشہ رضیٰ کا صحیفہ الفاظ میں ذکر کیا۔ حضرت عمار اس سے کہنے لگے مردود! دور ہو۔ کیا تو حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے؟ حضرت عمار رضیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جناب عائشہ رضیٰ دنیا اور آخرت میں رسول الثقلین کی زوجہ مبارکہ ہیں (ترمذی)

رب العالمین کی طرف سے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ جب منافقوں نے پیشوائے امت اور اہل ایمان کی دل آزاری کے لیے اُمّ المؤمنین پر بتان تراشی کی تو خدا سے برتر نے قرآن پاک کی سورہ نور نازل فرما کر پورے تین رکوعوں یا ۲۶ آیتوں میں ان کی برارت فرمائی اور صرف یہی نہیں کہ علام الغیوب نے حقیقت حال ظاہر فرما کر اُمّ المؤمنین کا وقار اہل السموات والارض کی نظروں میں کئی حصے بڑھا دیا بلکہ مغفرت اور جنت میں رزق کو ہم عطا کرنے کا بھی وعدہ فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا مقام شرف اور کتنا رفیع درجہ کرامت ہے۔ پھر اس علو شرف و اکرام پر اُمّ المؤمنین کا کسر نفس و فرط تواضع ملاحظہ ہو کہ جب سورہ نور کی تذکرہ عدد آیتیں نازل ہوئیں تو ارشاد فرمایا کہ میں اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے معاملہ میں خدا سے قدوس ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت ہمیشہ قیامت تک ہوتی رہے گی۔ میرا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ رب حکیم اپنے رسول مقبول کو خواب کے ذریعہ سے حقیقت نفس الامر سے مطلع فرمادے گا۔ اس علو مرتبت پر حقار نفس کی شاید کوئی نظیر تاریخ عالم میں نہ مل سکے گی۔

اہل بیت و ملاوت | مع الروایات کے بموجب حضور سید الثقلین علیہ التحیۃ والسلام کے تین فرزند قاسم، عبد اللہ اور ابراہیم تھے سب بڑے قاسم تھے جو قبل از نبوت متولد ہوئے اور سترہ مہینے اس عرصہ گاہ فانی میں رہ کر عالم بقا کو چلے گئے۔ انہی کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ عبد اللہ ظہور اسلام کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا

ہوئے۔ ان کا لقب طاہر و طیب تھا۔ خورد سالی میں انتقال فرما گئے۔ ابراہیم مدینہ طیبہ میں شہدہ یا شہدہ میں عرصہ شہرہ میں آئے۔ وہ بھی کسی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ صاحبزادیاں چار تھیں: زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ سلام اللہ علیہن۔ سب کے بڑے قاسم تھے۔ ان سے چھوٹی سیدہ زینب تھیں۔ زینب کے بعد رقیہ متولد ہوئیں۔ پھر اُمّ کلثوم، پھر فاطمہ زہرا اور فاطمہ زہرا کے بعد عبداللہ سلوات اللہ علیہم۔ بعض نے جناب عبداللہ کو سیدہ اُمّ کلثوم سے بڑا بتایا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ ساری ذریعہ طاہرہ اُمّ المؤمنین خدیجہ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئی۔ حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم قدس میں سب کے آخری فرزند سید ابراہیم متولد ہوئے جن کی والدہ آپ کی لونڈی محترمہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

بنات طاہرات کے | سب سے بڑی شاہزادی سیدہ زینب اپنی خالہ ہالہ بنت خدیجہ کے فرزند حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔ ان کے ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی اُمّانہ پیدا ہوئے۔ علی قریب البلوغ ہو کر انتقال کر گئے۔ وہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ سیدہ فاطمہ زہراؑ کی رحلت کے بعد ان کی وصیت کے بموجب حضرت علیؑ نے جناب اُمّانہ سے نکاح کیا۔ ان سے ایک بیٹا عہد وسط پیدا ہوا لیکن زندہ نہ رہا۔ حضرت علیؑ کے بعد جناب اُمّانہ حضرت مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشمؑ کے نکاح میں آئیں۔ ان سے سبھی نام ایک بیٹا متولد ہوا۔ وہ بھی زندہ نہ رہا۔ بالجمہ کوئی اولاد و احفاد سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے دنیا میں موجود نہیں ہے۔ سیدہ زینبؑ نے شہدہ ہجری میں انتقال فرمایا۔ ان کی دو منجھلی بہنیں سیدہ رقیہ اور سیدہ اُمّ کلثومؑ ہنیکے بعد دگرے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے جلالہ نکاح میں آئیں۔ سیدہ رقیہؑ سے ایک لڑکا عبداللہ متولد ہوا مگر وہ صغر سنی میں رحلت فرمایا۔ سیدہ اُمّ کلثومؑ کا اولاد نہیں۔ شیعہ تینوں بنات عالیہ کے دشمن بلکہ ان کے اولاد رسولؐ ہونے ہی کے منکر ہیں اور ان طاہرات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے (معاذ اللہ) کوئی دوسرا باپ تجویز کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی یہ ناہنجاری رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں پیغمبر زادوں کی کس درجہ تصدیق و تائیدی کا باعث ہے۔

شیعی کتب سے ثبوت | تینوں شاہزادیوں کے اولاد رسولؐ ہونے کی تائید میں شیعی کتب میں بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ یہاں ان میں سے

صرف دو روایتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ حدیث کی مشہور شیعہ کتاب "تہذیب" میں ہے:-
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى رُقِيَّةَ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَ
 اَلْعَن مَنْ اَذَى نَبِيِّكَ فِيهَا اللَّهُمَّ
 صَلِّ عَلَى اُمِّ كَلثُومَ بِنْتِ نَبِيِّكَ وَ
 اَلْعَن عَلَى مَنْ اَذَى نَبِيِّكَ فِيهَا -
 (تہذیب مطبوعہ ایران جلد اول ص ۵۴)

اور لکھا ہے :-

ان نریذب بنت النبی و توفیت
 وان فاطمة خرجت فی نساءها
 فصلت علی اختها - (تہذیب جلد اول
 ص ۲۱۵)

الہی! اپنے نبی کی بیٹی رُقِیَّةؓ پر رحمت بھیج اور اس شخص پر
 لعنت کر جو سیدہ رُقِیَّةؓ کے بارہ میں تیرے بی کو ایذا دے۔
 الہی! اپنے نبی کی دختر اُم کلثومؓ پر رحمت کر اور اس
 شخص پر لعنت کر جو سیدہ اُم کلثومؓ کے بارہ میں
 تیرے نبی کی دل آزاری کا باعث ہو۔

جب سیدہ زینبؓ دختر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے
 رحلت فرمائی تو سیدہ النساءؓ حضرت فاطمہؓ اپنے
 گھرانے کی عورتوں کے ہمراہ گئیں اور اپنی بہن کی نماز
 جنازہ پڑھی۔

نسبتی فرزند ہونے کا عثمانی شرف
 معلوم ہو کہ متاخرین شیعہ نے جو بڑی بنات طاہرات کے وجود سے انکار
 کیا ہے تو اس کی تہ میں یہ خدشہ نہاں ہے کہ اگر سیدہ رُقِیَّةؓ اور سیدہ
 اُم کلثومؓ سلام اللہ علیہما کے وجود کو تسلیم کیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ کی
 طرح جناب عثمانؓ کو بھی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبتی فرزند تسلیم کرنا پڑے گا بلکہ اس
 فضیلت میں وہ حضرت علیؓ سے بھی بڑھ جائیں گے کیونکہ شیعوں میں یہ شعر زبان زد قاص
 و عام ہے :-

بنی سے میں علی کو یوں تو فضل کہہ نہیں سکتا
 مگر اپنے سے بہتر دیکھ کر داماد کرتے ہیں

حالانکہ خود حضرت علی مرتضیٰؓ کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک ارشاد میں حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ
 سے خطاب کرتے ہوئے ان کے شرف دامادی کو تسلیم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :- (ترجمہ)
 "میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس کو آپ نہ جانتے ہوں اور میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی
 رہنمائی نہیں کر سکتا جو آپ پر معنی ہو۔ میں آپ پر کسی ایسی بات میں سبقت بھی نہیں رکھتا جس کی
 آپ کو خبر دوں۔ ہم نے غلوت میں بھی کوئی ایسی بات معلوم نہیں کی جو آپ کو پہنچائیں جس طرح
 ہم نے دیکھا سنا، آپ نے بھی دیکھا سنا اور جس طرح ہم نے رسول خدا کی صحبت اٹھائی، اسی

طرح آپ کو بھی شرف صحبت نصیب ہوا۔ حضرت ابو بکر بن ابی قحافہ اور حضرت عمر بن خطابؓ حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ مستحق نہ تھے اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قریب ہیں اور بلاشبہ جو شرف دامادی آپ کو حاصل ہوا وہ ان دونوں کو میسر نہ تھا (نیج البلاغت مطبوعہ مہر جلد اول ص ۳۷۳)

خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت زہرا سے بول رہا کہ یہ امتیاز حاصل ہوا کہ ان سے تید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل مبارک باقی رہی۔ اور پھر سیدہ فاطمہؓ کی ذریت مطہرہ میں بھی سبطین یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو یہ شرف نصیب ہوا کہ ان دونوں کی جہت سے حبیب رب کریم صلی اللہ علیہ وسلم والہ السلام کی نسل آفاق عالم میں پھیلی۔
اول الذکر اولاد کو خستی اور ثانی الذکر کو خستنی کہتے ہیں۔

سیدہ اُمّ کلثومؓ جناب فاروق اعظمؓ کے عقد تزویج میں

حضرت سیدۃ النساء نے اپنی دونوں صاحبزادیاں اپنی جلیل القدر بڑی بہنوں کے نام نامی سے موسوم فرمائیں۔ بڑی دختر ارجمند کا نام اُمّ کلثوم اور چھوٹی کا زینب رکھا۔ سیدہ اُمّ کلثومؓ حضرت فاروق اعظمؓ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔ حضرت اُمّ کلثومؓ کے بطن مبارک سے حضرت فاروق اعظمؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ زید اور رقیہ لیکن دونوں نے بچپن ہی میں عالم جاودانی کی ماہ لی۔ شیعہ لوگوں نے سیدۃ النساءؓ کے داماد حضرت عمرؓ کو بھی اپنی دشنام گوئی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ حضرات اثنا عشریہ کی حدیث کی سبک مستند کتاب "فروع کافی" مؤلفہ یعقوب کلینی میں ایک فاصہ باب تزویج اُمّ کلثومؓ پر مشتمل ہے جس میں نہایت شرمناک الفاظ میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے کہ عمرؓ نے حضرت علیؓ سے ان کی بیٹی اُمّ کلثومؓ جبراً چھین لی تھی۔ عا شاہ کلا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے واقعہ شہادت کے بعد جناب عون بن جعفرؓ سیدہ اُمّ کلثومؓ کو اپنے جائز نکاح میں لائے لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت عونؓ کی رحلت کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفرؓ نے ان سے نکاح کیا۔ ان سے ایک لڑکی متولد ہوئی جو رثکین میں مر گئی۔ محمد بن جعفرؓ کے بعد ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اُمّ کلثومؓ سے نکاح کیا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی اور انہی کے پاس سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا رہا اسے عالم بقا ہوئیں۔

سیدہ زینب بنت

فاطمہ زہرا کی شادی

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر نے سیدہ ام کلثومؓ کی چھوٹی ہمیشہ محترمہ زینب بنت علیؓ سے تزویج فرمایا۔ یہ وہی سیدہ زینب ہیں جو معرکہ کربلا میں اپنے بھائی سیدنا ابوعبداللہ حسینؓ بن علیؓ کے ہمراہ تھیں اور ان زہرہ گداز حادث کے بعد بقیۃ السیف اہل بیت اطہار کے ساتھ کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جانی گئی تھیں اور انہوں نے کوفہ میں عبداللہ بن زیاد کو اور دمشق میں یزید کو نہایت جرأت و بے باکی سے کھری کھری باتیں سنائی تھیں۔

سیدہ زینبؓ کے بنن مبارک سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی متعدد اولادیں ہوئیں جن میں علی اور ام کلثومؓ زیادہ مشہور ہیں۔ ام کلثومؓ (بنت زینب بنت سیدہ النساء) اپنے چچا کے بیٹے قاسم بن محمد بن جعفر سے بیاہی گئیں۔ ان سے بہت اولاد ہوئی۔ قاسم بن محمد کی ایک بیٹی فاطمہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حمزہ کے عقد زوجہ میں آئیں۔ شیعہ لوگ حمزہؓ پر بھی لعن و لعن کی غلاظت اُچھالتے ہیں۔

حضرت طلحہؓ کی

فدویت رسولؐ

سیدنا حسن مجتبیٰ بن حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کے فرزند علیل کا نام سید حسن مثنیٰ تھا اور حضرت حسین شہیدؓ کی ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ صغریٰ امام حسن مثنیٰ کی منکوحہ تھیں۔ فاطمہ صغریٰ کی والدہ ام اسحق حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ حضرت طلحہؓ اسلام کے وہ نامور فرزند ہیں جنہوں نے غزوہ اُحُد میں سب سے زیادہ ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جو صورت و شکل میں سرور دو جہانؐ کے مشابہ تھے، شہادت پائی تو عام لالچ گیا کہ رسول خدا شہید ہو گئے۔ اس پر اسلامی لشکر حواس باختہ ہو گیا اور لوگوں نے نرا دھڑا دھڑا بھاگنا شروع کیا۔ صحیح مسلم غزوہ اُحُد اس وقت آپ بارہ جانثاروں کے ساتھ میدان جنگ کے ایک کنارے پر کھڑے تھے۔ دشمن نے یہ دیکھ کر کہ مٹھی بھر جماعت ہے ان کو آگھیرا (نسائی)

آپ نے ان جانثاروں سے فرمایا کہ ان لوگوں کو کون ہٹا سکتا ہے؛ ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑ کر آپ پر قربان ہو گئے۔ اسی طرح ایک ایک انصاری بڑھ کر آپ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا۔ صحیح مسلم غزوہ اُحُد اب آپ کے ساتھ صرف دو جانثار رہ گئے۔ حضرت طلحہ اور حضرت ابو جہانہ انصاری۔ دونوں نے اپنے تئیں رسول اللہؐ کی

پھر بنا دیا۔ حضرت طلحہؓ نے ساتھ ہی تیرا فگنی شروع کر دی۔ انہوں نے اس شدت سے تیر برساتے کہ ان کے ہاتھ میں تین کمانیں ٹوٹ گئیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم گردن اٹھا کر دیکھتے تو طلحہؓ عرض پیرا ہوتے میرے ماں باپ آپ پر قربان! گردن اٹھا کر نہ دیکھئے مبادا کوئی تیر آگے جب تیر ختم ہو گئے تو دشمن بہت زیادہ قریب آگیا۔ رسول خداؐ پر جو تلوار پڑتی تھی حضرت طلحہؓ اسے اپنے ہاتھ پر لیتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔
(بخاری غزوہ اُحُد)

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو گالیاں
غزوہ اُحُد میں اسی سے زیادہ زخم حضرت طلحہؓ کے جسم پر آئے اور ایک ہاتھ کٹ کر بالکل شل ہو گیا۔ قیس بن ابی ہازم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا کٹا ہوا ہاتھ دیکھا (بخاری) ایک موقع پر سرور انبیاءؐ نے پہاڑ پر چڑھ جانا چاہا لیکن جسمانی تکلیف کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ باوجود بے شمار جراحتوں اور زخموں کے آپ کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ ان پر پیر رکھ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور فرمایا طلحہؓ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی (ترمذی) آپ فرمایا کرتے تھے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے (ترمذی) شیعہ لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا حضرت حسین شہیدؓ کے خسر تھے اور خواجہ دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ کو (معاذ اللہ) مرتد و خارج از ایمان قرار دیتے ہیں۔

فاطمہ صغریٰؓ اور سکینہ بنت
حسینؓ کا عقد ازدواج
عترتِ فاطمہ صغریٰ بنت حسین شہیدؓ کے بطن مبارک سے امام حسن مثنیٰ بن حسن محبتی رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی زینب اور تین لڑکے عبداللہ معروف بہ

عبداللہ محض اور ابراہیم اور حسن متولد ہوئے جب حضرت حسن مثنیٰؓ کا پیمانہ حیات آپ مرگ سے لبریز ہوا تو جناب فاطمہ صغریٰؓ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ کے سلک زوجیت میں منسلک ہوئیں۔ ان سے قاسم اور محمد دو لڑکے متولد ہوئے۔ انہی محمد بن عبداللہؓ کو ان کے خیر منہولی حسن و جمال کی وجہ سے دریا ج کہتے تھے۔ شیعہ لوگ جناب عبداللہؓ اور ان کے دو ذول فرزندوں کو جو سیدنا حسینؓ کے زہرے تھے گالیاں دیتے ہیں۔

سیدنا حسین شہیدؓ کی دوسری دختر سکینہؓ کی پہلی شادی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ

عنه کے صاحبزادہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔ جب مصعب نے جرعة مرگ نوش فرمایا تو پھر ان کا نکاح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا۔ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بیٹے تھے۔ جب عبداللہ بن عثمان فوت ہوئے تو جناب سکینہ کا تیسرا عقد امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دوسرے پوتے زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔ جب زید بن عمرو نے رملت کی تو جناب سکینہ کا چوتھا نکاح حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابراہیم سے ہوا۔ غرض حضرت زینب بنت علی مرتضیٰ رحمہ اللہ کو چھوڑ کر خاندان نبوت کی قریب ساری صاحبزادیاں غیر ہاشمی خاندانوں میں بیاہی گئیں۔ حضرت زبیر بن عوام، حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اور ان تینوں کی اولاد جنہوں نے فاطمہ صغریٰ اور سکینہ سے شادیاں کیں شیعی دشنام گوئی کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے۔

امام زین العابدینؑ | شیخہ لوگ امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت حسین
شہیدؑ کے بھائی حضرت زیدؑ سے جو بڑے عالم اور با خدا
کی اولاد سے دشمنی | بزرگ تھے اور مروانیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے اور

ان کے فرزند گرامی جناب یحییٰ بن زید بن امام زین العابدینؑ سے بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت حسن مثنیٰ کے بڑے فرزند عبداللہ محضؑ کو اور ان کے دونوں علیل القدر فرزندوں جناب ابراہیم اور زید محمد طقبہؑ نفس زکیہ رحمہما اللہ کو بھی جو تیدہ فاطمہ صغریٰ کے پوتے تھے (معاذ اللہ) کافر و مرتد قرار دیتے ہیں۔ ابراہیم اور محمد وہ بزرگ ہستیاں تھیں جنہوں نے خلافت علویہ کے قیام کی کوشش میں خلیفہ ابو جعفر منصور کے خلاف علم مخالفت بلند کیا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی | جو نہ کہ ہر شخص کو اس بات کا پورا اطمینان تھا کہ
یہ دونوں بھائی خلافت اسلامیہ کو علیٰ منہاج
طرف سے مخفی تائید و نصرت | اہلبیت قائم کرنے کا جذبہ لے کر آئے ہیں،

اہل سنت و جماعت کے دونوں بڑے معتقدوں یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ رحمہما اللہ نے ان کا ساتھ دیا۔ گو ان علیل القدر ائمہ نے اس تائید و نصرت کی پاداش میں خلیفہ ابو جعفر منصور اور اس کے عمال کے ہاتھوں بڑی بڑی اذیتیں اٹھائیں لیکن اہل بیت نبوت کی محبت کا حق

ادا کر دیا۔

ایک شیعہ مجتہد علامہ خلیل قزوینی نے صافی شرح کافی میں اصول کافی مبلوہ نو کشور
لکھنؤ کی ایک روایت مندرجہ صفحہ ۲۲۴ کی شرح میں لکھا ہے :-

پس ظاہر شد محمد بن عبد اللہ و مجتمع شدن مردم برائے او۔ اختلاف نہ کہ وہ برویج یک
از قریش کہ مدنی بود و نہ یسج یک از اہل مدینہ۔ و مثل ابو حنیفہ کہ بہ سبب این در زندان منصور مرد
و مثل مالک بن انس کہ بہ سبب این عیسیٰ بن موسیٰ اور ازو (ترجمہ) پھر عبد اللہ محض کے بیٹے
محمد ظاہر ہوئے اور لوگ ان کے لیے جمع ہوئے اور ان کی امامت سے قریش میں کسی نے جو
مدینہ کا رہنے والا تھا یا کسی غیر قریشی نے جو مدینہ کا باشندہ تھا اختلاف نہ کیا اور ابو حنیفہ
جیسے بزرگ ان کی امداد کرنے کی پاداش میں خلیفہ منصور کے قید خانہ میں دار آخرت کو رعلت
فرما ہوئے اور مالک بن انس جیسے مقتدا کو ان کے سبب منصور کے عاہل مدینہ عیسیٰ بن موسیٰ
نے زد و کوب کیا)

حسینؑ کی دوسری
اولاد کی تکفیر

اسی طرح اہل تشیع حضرت حسن مجتبیٰؑ کی اولاد میں محمد بن عبد اللہ
بن حسین بن حسن کو اور محمد بن قاسم بن حسن اور یحییٰ بن عمر کو جو حضرت
زید شہید کے احفاد میں سے تھے کافر و مرتد بتاتے ہیں۔ دشنام گو
فرقہ سادات حسنیہ و حسینیہ کے ان تمام بزرگوں کو بھی جو حضرت زید شہید بن امام زین العابدین
کی امامت و بزرگی کے قائل ہیں گمراہ یقین کرتا ہے حالانکہ انساب کی کتابیں اور تواریخ سادات
اس امر پر صراحت دلاتی ہیں کہ اکثر حسنی و حسینی اہل بیت حضرت زید شہیدؑ کی امامت
و بزرگی کے قائل تھے۔ مگر جمہور شیعہ اثنا عشریہ ان مقدسین کے حق میں کفر ارتداد اور غلو فی ان
کا اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ ان کے زعم ناقص میں ایک امام کی امامت کا منکر بھی کسی نبی کی نبوت
کے منکر کی طرح کافر ہے۔ والکافر یخدد فی الناس۔

امام محمد باقرؑ اور جعفر صادقؑ
کی اولاد کو ناری قرار دینا

اہل غلو امام جعفر صادقؑ کے بھائی زکریا بن امام محمد باقر
کے خلاف بھی دریدہ دہنی کرتے ہیں اور ان کے ناری
ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ رحمہ اللہ
کے پانچ فرزند تھے۔ محمد، اسمعیل، عبد اللہ، موسیٰ، علی رحمہم اللہ۔ شیعہ ان میں سے موسیٰ
ملقب بہ کاظمؑ کو چھوڑ کر باقی چاروں کو کاذب اور ناری قرار دیتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ

کی اولاد میں ایک بزرگ جعفر بن علی ہادی بھی جو امام حسن عسکری کے بھائی تھے شیعی زبان درازی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم اور جعفر بن موسیٰ کاظم رحمہما اللہ سے بھی اہل تشیع عناد رکھتے ہیں۔ مؤخر الذکر کو انہوں نے کذاب سے ملقب کر رکھا ہے حالانکہ وہ کبار اولیاء اللہ میں سے تھے اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہی سے طریقت اخذ کی تھی۔

مجتہدین اہل بیت اطہار | الغرض وہ سب حضرات جن کے اسماء گرامی اوپر زیب رقم ہوئے، سادات حسنی یا حسینی امام زادے تھے۔ ہم مجتہدین اہل سنت ہیں | اہل بیت جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کے پیرو ہیں، ان

سب سے محبت و غلو میں رکھتے ہیں اور فردائے قیامت کو ان کی شفاعت کے امیدوار ہیں لیکن مقام عبرت ہے کہ شیعوں نے دعوائے حُب اہل بیت کے باوجود ان پاکبازوں سے دشمنی کر کے اپنی جائز سے دشمنی کا سا بان مٹا کر رکھا ہے۔ اہل سنت و جماعت نے اہل بیت کے حق میں ہمیشہ جس وفاداری اور جان نثاری کے مناظر پیش کیے، تاریخ اسلام کو ہمیشہ ان پر ناز ہے گا۔ الغرض مجتہدین اہل بیت صرف فرقہ حقہ اہل سنت ہے نہ کہ اہل تشیع جن کے باطن خالصان بارگاہ کے بغض و کینہ سے لبریز ہیں۔

گالیوں کو طاعت | یاد رہے کہ دشنام گو فرقہ خیار اُمت کو اس لیے گالیاں دیتا ہے کہ شیعہ مذہب میں بزرگان سلف کو گالیاں دینا اور برابر بازی کرنا و عبادت سمجھنا | (معاذ اللہ) تمام عبادات سے افضل ترین عبادت ہے لیکن دشنام بمذہب ہے کہ طاعت باشد

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم | معلوم ہوا کہ اہل تشیع کی یہ "نظر عنایت" کچھ اہل بیت نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انہوں نے اصحاب و تربیت یافتگان

صحابہ کرام کی تکفیر | خیر الانام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان سے بھی کہیں زیادہ بہرام ملامت کا نشانہ بنا کر ہے۔ حضرت فخر الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ شاگردوں کی تعداد و عرف عام میں اصحاب کہلاتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان میں سے ۱۲۲۷۹ مقتدین کے حالات زندگی کتاب الاماہر فی تمییز الصحابہ میں قلم

فرماتے ہیں۔ دنیا کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پاکہازوں کا اس درجہ تزکیہ باطن فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی جماعت ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جو طہارت اخلاق حُسن کردار پاکیزگی اطوار اور محاسن خصائل میں ان نفوس قدسیہ کا مقابلہ کر سکے یا ان ہمہ اثنا عشری قاسم نظروں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف ان تین حضرات کو ایمان و اسلام کا سائیفیکٹ دیا ہے :-

(۱) حضرات مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

مسند نبوت کے باقی تمام جانشین ان کی نظریں (معاذ اللہ) کافر و مرتد ہیں چنانچہ شیعوں کے سب سے بڑے محدث یعقوب کلینی نے اپنی حدیث کی کتاب روضۃ کافی (مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۵) میں روایت کی ہے: عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اھل سرادۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ الا ثلاثۃ قلت ومن الثلاثۃ فقال المقداد بن الاسود وابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللہ علیہم وبرکاتہ۔

(ترجمہ) (حضرت حسین بن کے پوتے) امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے راوی کہتا ہے کہ میں نے (امام محمد باقر علیہ السلام) کو چھا کہ وہ تین بزرگ کون تھے؟ انہوں نے فرمایا مقداد بن اسود ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رحمۃ اللہ علیہم وبرکاتہ۔

الغرض فضائل رسالت کے حقیقی وارثوں کی تکفیر کے ناپاک شیوہ پر گروشیعوں کو بڑا فخر ہے اور خاصان بارگاہ پر بہتان تراشیاں کرنا ان کا عزیز ترین مشغلہ چلا آتا ہے تاہم کسی کی مجال نہ تھی کہ سما سے ہدایت کے نجوم درخشاں کو ان کی حیار پاشیوں سے باز رکھ سکتا۔ حضرت خضر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اُھتدائی کا لُجُؤم بِاَیْھِم اُھتدائی یتَم اُھتدائی یتَم میرے اصحاب ستاروں کی طرح (فوز گستر) ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی پیروی کرے گی وہ ہدایت پا جاوے گا، یہی وہ نفوس اطہر تھے جنہوں نے علوم نبوت کی روشنی سے ظلمت ضلالت کو شکست دی اور سنن الہدی کے آب حیات سے کائنات

ارضی کی تشنگی سعادت کو سیراب کیا۔ یعنی اللہ عنہم۔

فصل ۲۵۳۔ تحویل قبلہ و فرضیت رمضان

کعبہ معلیٰ کی بنائے اولین ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں کی مرہونِ منت ہے۔ مروایا کہ بعد جب عمارت کعبہ منہدم ہو کر بے نشان ہو گئی تو اس کو جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے فرزند گرامی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شرکت سے دوبارہ تعمیر فرمایا۔ پھر عمارت پھر جرہم، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت سے قریش نے اپنے اپنے دُور میں اس کی تعمیر و تشیید کی (حج المکرام)۔

بیت المقدس | کعبۃ اللہ قدیم الایام سے اہل ایمان کا قبلہ چلا آتا تھا۔ آخر جب بنائے گئے کے ۱۱۰۲ سال (ایک ہزار چوبیس) سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی تو بیت المقدس کی سرفرازی کو بھی قبلہ بننے کی سرفرازی نصیب ہوئی۔ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے گیارہ چالیس برس بعد حضرت ابن مریم علیہ السلام متولد ہوئے۔ بعثت حضرت مسیح علیہ السلام تک بنو اسرائیل میں جو انبیاء مبعوث ہوئے، اغلب ہے کہ وہ بیت المقدس ہی کی طرف متوجہ رہے ہوں گے۔

علمِ خداوندی میں یہ امر مقدّر چلا آتا تھا کہ امتِ محمدی کا قبلہ بنگارہ خلیل ہوگا لیکن آغاز اسلام میں اور ہجرت کے بعد سولہ سترہ مہینے تک پیروانِ اُسوۃ محمدی بھی بیت المقدس ہی کی طرف موزنہ کر کے نماز پڑھنے کے مامور رہے کیونکہ تبلیغی ضروریات اس امر کی متقاضی تھیں کہ قبلہ کے بارہ میں یہودی موانعت کی جائے اور تالیفِ قلوب کر کے ان پر حجت الہی پوری کر دی جائے۔ داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ نے یہودی حلقوں میں دعوت و تبلیغِ اسلامی کو غایتِ قصویٰ تک پہنچا دیا لیکن یہود کے دلوں پر زنگِ تعصب کی ایسی موٹی تہیں چڑھی تھیں کہ وہ من حیث القوم کسی طرح قبولِ حق پر آمادہ نہ ہوئے۔

مسلمانوں پر یہود کا طعن | یہود نے نہ صرف قبولِ حق سے اعراض کیا بلکہ الٹا قبلہ کے بارہ میں مسلمانوں کے خلاف زبانِ طعن و لڑائی کی۔ کبھی

تو وہ کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو تو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ قبلہ نماز کدھر ہے۔ ہماری رہنمائی ہوئی تو انہیں قبلہ کا نشان ملا اور بسا اوقات سخت ڈھٹائی سے یہ کہہ کر ملعون کرتے گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات بات میں دین موسوی کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور انہیں ہمارے قبلہ کی طرف موٹھ کر کے نماز پڑھنے میں بھی عار نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آغاز بعثت سے طبعی خواہش تھی کہ امت مرحومہ کا قبلہ بیت خلیل ہو۔ آخر جب یہود کی طرف سے قبول اسلام کی اُیرد منقطع ہوئی اور وہ اٹل مسلمانوں پر شدت طعن کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ آرزو از سر نو سرسبز ہونے لگی کہ کاش خیرالامم قبلہ ابراہیمی کی طرف متوجہ ہونے کی مجاز ہو (تفسیر جامع البیان طبری)

تبدیلی قبلہ کے لیے دُعا | آپ اپنے پروردگار سے امیدوار تھے کہ آپ کو کعبہ کی طرف لیے دُعا نہیں کی بلکہ صرف حکم کے منتظر تھے اور یہ آپ کے کمالِ ادب پر دلالت کرتا ہے۔ اس بارہ میں دُعا نہ کرنے کی وجہ شاید یہ ہو جو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ سے اس وقت تک کسی بات کی درخواست نہیں کرتے تھے جب تک ان کو اس کا اذن نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ جس چیز کا انہوں نے درگاہِ رب العزت میں سوال کیا وہ مصلحتِ خداوندی کے خلاف ہو۔ اس بنا پر بعددِ عاشرین قبول سے محروم ہو کر یہ عدمِ اجابت ان کی اُمت کے لیے موجبِ فتنہ بن جائے۔ اس بیان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو بعض آثار میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے لیے رب العالمین سے اذن مانگو تو انہوں نے آکر اطلاع دی کہ خدا سے مہین نے آپ کو دعا کی اجازت دی ہے (روح المعانی)

اس دعا کے بعد آپ کی نظریں بسا اوقات نزولِ وحی کی امید میں آسمان کی طرف بار بار اٹھتی تھیں چنانچہ رب العزت نے آپ کی خواہش کا احترام فرماتے ہوئے نزوۃِ بدہ سے درمیانے پیشتر یہ آیت نازل کی: **ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف پھر پھر بانا دیکھ رہے ہیں اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ چاہتے ہیں۔ پس آپ اپنا رخ مسجدِ محترم (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیجیے (۱۲۴:۲)**

حالت نماز میں رخ پھیرنے کا افسانہ | مشہور یہ ہے کہ آپ مسجد بنو سلمہ میں اصحاب

کے ساتھ نماز ظہر کی دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ میں حالت نماز میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اور آپ نے اسی حالت میں اپنا رخ بیت المقدس کی طرف سے کعبہ معلیٰ کی طرف پھیر دیا۔ آپ کو دیکھ کر مقتدیوں نے بھی اپنا اپنا رخ بدل لیا۔ اس تحویل کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ جو سب سے آگے تھے سب سے پیچھے ہو گئے اور خواتین جو سب سے پیچھے تھیں سب سے آگے ہو گئیں۔ اس کے بعد سے بنو سلمہ کی مسجد مسجد القبلتین کے نام سے مشہور ہو گئی۔

مگر یہ ایک لغو بات ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور غلطی سے لوگوں میں شہرت پا گئی ہے۔ بیروٹی لکھتے ہیں کہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو سلمہ کی مسجد میں امام تھے اور نہ آپ کے مقتدی لوگ تھے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نماز میں رخ پھیرا تھا۔ اس سے قطع نظر یہ بیان حدیث کے بھی خلاف ہے۔

تحویل قبلہ کا حکم | حسب روایت نسائی ابو سعید بن معلی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم مسجد نبوی گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے کہا کہ کوئی نیا امر حادث ہوا ہے میں بیٹھ گیا۔

خارج از صلوٰۃ ہوا | تو آپ نے یہ آیت پڑھی: **قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ** اسے پیغمبر! تحویل قبلہ کے حکم کے انتظار میں ہم مومنہ پھیر پھیر کر آپ کا آسمان کی طرف دیکھنا ملاحظہ فرما رہے ہیں، میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ قبل اس کے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتریں ہم دو دو رکعت نماز پڑھ لیں تاکہ ہمیں کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا شرف اولیت حاصل ہو جائے۔ پس ہم دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپ منبر سے اترے اور نماز ظہر پڑھائی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو تحویل قبلہ کی آیت نماز میں نازل ہوئی اور نہ آپ نے اپنے مقتدیوں سمیت حالت نماز میں بیت المقدس کی طرف سے اپنا رخ کعبہ معلیٰ کی طرف پھیرا۔ مسجد بنو سلمہ میں نماز پڑھتے ہوئے نمازیوں کے بیت اللہ کی طرف مڑ جانے کا واقعہ حسب روایت ابو داؤد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا کہ تبدیل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ایک شخص بنو سلمہ کی مسجد میں گیا اور لوگوں کو بیت المقدس کی طرف مومنہ کر کے نماز پڑھتے پایا۔ اس نے پکارا کہ مسلمانو! قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ یہ سن کر لوگ حالت رکوع میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔ (روح المعانی)

مخالفوں کی طعن و تشنیع | جب آپ نے اپنی نمازوں میں بیت المقدس سے کعبہ کی طرف مومنہ پھیر دیا تو یہود کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! پر اپنے شر اور جاے پیدائش کی محبت غالب آگئی ہے حالانکہ اگر یہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہمید ہو سکتی تھی کہ یہ وہی نبی ہوں جن کے ظہور کے ہم منتظر تھے۔ اور مکہ کے مشرکوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کو اپنے دین میں شک پڑ گیا ہے اس لیے اپنے سابقہ قبلہ سے ہٹ کر ہماری طرف رخ پھیر رہا ہے اور انہیں یقیناً معلوم ہو چکا ہے کہ دین اسلام کی نسبت تمہارا کیش بت پرستی زیادہ ہدایت و سداد کا راستہ ہے اور وہ وقت جلد آیا چاہتا ہے کہ وہ اور ان کے اصحاب تمہارے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ قبلہ کی تبدیلی سے منافقوں کا نفاق بھی آشکارا ہو گیا۔ وہ کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کو کیا ہو گیا ہے کہ کبھی تو ایک طرف مومنہ کرتے ہیں اور کبھی دوسری طرف پھیرتے ہیں۔ آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ فِي سَفَهَاءٍ یعنی بے وقوف سے یہی منافق مراد ہیں۔

تحويل قبلہ کے بعد یہود کے سردار جی بن اخطب اور اس کے یہودی دوستوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر کعبہ معظمہ واقعی قبلہ ہے تو اسعد بن زرارہ اور ہار بن معنور صحابی جو بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے کرتے وفات پا گئے ہدایت پر تھے یا گمراہی پر؟ اور ان کی نمازوں اور ایمان کا کیا حکم ہے؟ ان کی توساسی کی کرائی محنت اکارت ہو گئی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّكُمْ إِنَّمَا كُنْتُمْ سَافِلِينَ کہ تمہارے عملوں کو ضائع کر دے (جامع ابیان یعنی تفسیر ابن جریر طبری)

دو قبلوں کی طرف | حضرت خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم جو دو مختلف قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کے امور ہوئے اس کی حکمت بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ ارض مقدس ابراہیم علیہ السلام کے دو فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام میں منجانب اللہ اس طرح تقسیم کی گئی تھی کہ عرب کا ملک تو اسماعیل علیہ السلام کے حصے میں آیا اور فلسطین کی سرزمین اسحق علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ ان دونوں برگزیدوں کے بعد ان کی اولاد علی الترتیب کعبہ معلیٰ اور مسجد اقصیٰ کی متولی رہی جس طرح خدا سے حکیم و مختار نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سلف کے اوصاف و کمالات کا جامع بنایا تھا اسی طرح حضرت خلیل علیہ السلام کے دونوں فرزند ان گرامی کی وراثت بھی آپ کی ذات اقدس

میں جمع کر دی گئی اور آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت سے ممتاز فرمایا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو نماز میں کعبہ اور مسجد اقصیٰ دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور شب معراج جو آپ کو سیدھا آسمان پر لے جانے کی بجائے پہلے مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا اور وہاں آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ کے رسول القلتین ہونے کا عملی ثبوت عالم آشکار ہو جائے۔

فرصیت ماہ صیام | اسی سال یعنی شعبان ۱۰ ہجری میں رمضان کے روزے فریق ہوئے (ابن جریر طبری) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مڑی

ہے کہ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو عاشوراء (یعنی دسویں محرم) کے دن روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اس دن روزہ رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک بڑا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس روزہ کو روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمہاری نسبت موسیٰ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ پس آپ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور اصحاب کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں بھی عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے لیکن جب آپ نے یہود سے سنا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے اس کا زیادہ اہتمام کر دیا اور جابر بن سمرہ بن کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صوم عاشوراء کا حکم دیتے اور اس کی رغبت دلانے اور اس کے لیے ہماری خبر گیری کرتے لیکن فرصت رمضان کے بعد آپ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا نہ ہمیں کبھی حکم دیا اور نہ اس سے مانعت فرمائی اور نہ اس کے لیے کبھی ہماری خبر گیری فرمائی رواہ مسلم

صدقہ فطر اور نماز عید | اسی سال مسلمانوں کو صدقہ فطر کا حکم ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے صحابہ کرام کو خطاب کیا اور فطرے کا حکم دیا۔ پھر آپ نماز عید کے لیے شہر سے باہر عید گاہ تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام خدا آپ کے لیے بھالالے گئے اور آپ نے اس کی سمت کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ یہ بھالا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا تھا جو شاہ حبشہ نے انہیں دیا تھا۔ اس کے

بعد اس کو تمام عیدوں میں آپ کے لیے عید گاہ لے جاتے رہے۔ اسی سال ماہ رمضان میں ۱۹ تاریخ کو جنگ بدر ہوئی (ابن جریر طبری)

فصل ۲۵۴۔ اسیران پنجہ ظلم کو مکہ سے برآمد کرانے کی

جدوجہد

گو ہجرت کے بعد علقہ اسلام وسیع ہونے لگا تھا اور لوگ بلا مزاحمت مدینہ طیبہ آ کر مشرف باسلام ہو رہے تھے تاہم یہاں پہنچ کر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص پیروؤں کو جیسا کہ سابق میں لکھا جا چکا ہے حقیقی امن اور اطمینان قلب میسر نہ ہوا۔ غزوہ خندق تک شب و روز یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مبادا کسی طرف سے کوئی غنیم چڑھ آئے۔ لیکن اس عدا شوب میں بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان جان نثاروں کی طرف سے غافل نہیں تھے جو اہل مکہ کے ہاتھ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھا رہے تھے۔ کسی وقت کوئی امریکی کوشش ایسی نہ تھی جو آپ ان کی رہائی کے لیے عمل میں نہ لارہے ہوں۔

حضرت مرشد رمنہ کی | حضرت مرشد بن ابو مرشد غنوی رحمہ اللہ ایک نہایت قوی اور شجاع مہاجر تھے۔ آپ ان کو وقتاً فوقتاً اس غرض سے مکہ معظمہ روانہ فرمایا کرتے تھے کہ چوری چھپے اسیران پنجہ ظلم کو مکہ معظمہ سے نکال کر مدینہ منورہ پہنچایا کریں۔ چنانچہ وہ کئی مرتبہ گئے اور نظر بچا کر بعض اسیروں کو اپنے ساتھ لے بھاگے۔ عہد جاہلیت میں عتاق نام مکہ کی ایک نہایت حسین و خوش جمال طوائف سے ان کے تعلقات تھے لیکن قبول اسلام کے بعد تمام تعلقات قطع کر دیے تھے۔ جب حضرت مرشد ایک مرتبہ اسیران ہلاکی رہائی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو چاندنی رات میں ایک مٹی سے گزر رہے تھے۔ سودا اتفاق سے عتاق نے ان کو جاتے دیکھ لیا اور آواز دی۔ یہ رگ گئے عتاق بڑی گرم جوشی کے ساتھ مٹی اور اپنے مخصوص انداز میں خوش آمدید کہتے ہوئے اس کے پاس شب ہاش ہونے کی خواہش کی۔ حضرت مرشد رمنہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بھدا اللہ مسلمان ہوں اور خدا سے برتر نے مسلمان پر پرائی عورت سے اختلاط کرنا حرام کر رکھا ہے اس لیے اب میں ایسی باتیں

سننے کے لیے طیار نہیں ہوں۔

طوائف سے نکاح | عشاق نے عشوہ اور ناز و کرشمہ کے بہترے تیر چلائے لیکن وہ بے رخی
برہتے ہوئے چلے گئے۔ اس سرورہری پر عشاق کی آتش غضب
کرنے کا امتناع | بھڑک اٹھی اور اس نے جا کر لوگوں سے کہہ دیا کہ مرشد یہاں آکر

اپنے قیدی شرب لے جاتے ہیں۔ چنانچہ قریش کے آٹھ آدمیوں نے ان کا تعاقب کیا مگر ان
نے پاس کے۔ وہ صحیح و سلامت مدینہ پہنچ گئے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر تمام واقعات
عرض کیے اور التماس کی یا رسول اللہ! عشاق سے نکاح کرنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے
اس درخواست کا کوئی جواب نہ دیا اور وحی کا انتظار فرمانے لگے۔ اس وقت قرآن کی

یہ آیت نازل ہوئی :-

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً
أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ
لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ
مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ - (۲۴:۲)

زانی شخص کے مناسب حال ہی ہے کہ وہ زانیہ یا مشرک
سے نکاح کرے۔ اسی طرح زانیہ کے ساتھ زانی یا
مشرک ہی کو نکاح کرنا موزون ہے لیکن مسلمان پر
ایسا نکاح حرام (اور موجب معصیت) قرار دیا گیا
ہے۔

اس فرمان خداوندی کے بعد حضرت مرشد اس خیال سے دست بردار ہو گئے (تاریخ ابن جریر)
(استیعاب)

اس آیت سے زانیہ کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا مترشح ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے
اس آیت کو منسوخ لکھا ہے اور بعض نے حُرْمَت کی منہر کا مرجع فعل زنا اور فعل مشرک کو
قرار دے کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ زنا اور مشرک مسلمان پر قطعاً حرام ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مومن جو
زنا سے بالطبع متنفر ہے وہ بدچلن عورت سے میل جول ہی کیوں رکھے گا کہ نکاح کی فوجت
پہنچے۔ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ کے یہی معنی ہیں۔ بدکار عورت سے نکاح تو ہو جاتا
ہے لیکن مکروہ ہے۔ اور اگر زانیہ زنا سے سچی تو بہ کر لے تو پھر نکاح بے کھٹکا و بلا کراہت
جائز ہے۔

فصل ۲۵۵۔ عمائد قریش کے خارجہ جو سے ارض حرم کا پاک کیا جاتا

ہدایت کے بہت سے نشانات تھے جو مکہ معظمہ میں قریش کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کے باطن میں قبول حق کی صلاحیت پیدا ہو۔ ان میں سب سے بڑا نشان شق القمر تھا جو ابو جہل اور دوسرے قریشی رؤساء کی درخواست پر عاہل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوا تھا۔ لیکن ان سیاہ بختوں کو اس عظیم الشان اور واضح ترین معجزہ سے بھی قبول ہدایت کی توفیق نہ ہوئی۔ اب خدا سے شدید العقاب کی شان قناری نکان غیر صلاحیت پذیر افراد سے سطح ارضی کے پاک کر دینے کا عزم فرمایا اور اس طرح وہ سنت الہی کہ معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے والوں کی ہر باوی لازم ہو جاتی ہے پہلی امتوں کی طرح منادید قریش کے حق میں بھی پوری ہوئی۔

ہجرت سے پہلے دو باتوں کا ظہور ضروری تھا۔ ایک تو شرمکے سے ہجرت و مفارقت کیونکہ قرآن کی آیت

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَخْفُونَ (۸: ۳۳)

اور آپ کے ان میں موجود رہتے ہوئے حق تعالیٰ ان کو ہرگز عذاب میں گرفتار نہ کرے گا اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ کرے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں گے۔ میں رب العالمین عز اسمہ کا وعدہ تھا کہ آپ کی موجودگی میں قریش پر صاعقہ عذاب نہ گرے گا۔ دوسری بات ہجرت سے پہلے ہدایت کے کسی آخری صریح اور بین نشان کا ظہور تھا۔ چنانچہ شق القمر کا معجزہ ظاہر ہوا۔ اس اعجاز نمائی کے بعد بھی جب گردن فرار نہ علمائے قریش کا سر غرور خم نہ ہوا تو آپ کی ہجرت کا حکم ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اسرار نبوت کے خاص رازدان تھے ان کی فراست ایمانی معاً اس حقیقت کو بھانپ گئی کہ اب قریش ضرور کسی وہاں سے ہمنام ہوں گے۔ اسی بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات مکہ سے روانہ ہوتے وقت اِذَا تَلَّكَ پڑھی تھی اور فرمایا تھا کہ قریش ایک تو معجزہ شق القمر دیکھ کر ایمان

نہ لائے۔ دوسرا انہوں نے اپنے پیغمبر کو ایذا نہیں دے مگر شہر بدر کر دیا۔ اب وہ یقیناً شکنجہ عذاب میں کسے اور چاہو نفعال میں ڈالے جائیں گے (ترمذی وابن کثیر)

یہ زوال ہجرت کے اگلے ہی سال جنگ بدر کی صورت میں رونما ہوا جس میں ارضِ حرم ان عابدِ قریش کے غارِ وجود سے پاک کر دی گئی جو سالہا سال راہِ حق کا سنگ گراں بنے رہے تھے اور جنہوں نے نقشِ اسلام کے مٹانے کی کوشش میں اپنا ہوسپینہ ایک کر رکھا تھا۔
 شعلہ شمعِ خدائی بھی کہیں بجھتا ہے | رہ گئے اپنا ساموئیل کے بچانے والے
 نقشِ اسلام نہ اعدا کے مٹانے سے بڑھا | مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹانے والے

فصل ۲۵۶۔ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت

مکہ معظمہ میں جب صحابہ کرام بنو قریش کے ہاتھوں مغلوب و مجروح ہو کر حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ ان سے فرماتے کہ ضبط و تحمل سے کام لو اور راہِ خدایں تمام اذیتیں سہو کیونکہ سرِ دست ہمیں کسی پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ پس مہر و رضا ہی مومن کا جوابی ہتھیار تھا۔ اہل ایمان کا یہ سلسلہ منظوری و بے بسی و سگیا رہ سال تک بلا بر قائم رہا لیکن انجام کار وہ وقت آگیا جبکہ شیفتگانِ دین و ایمان کی تلوار بے نیام ہو اور وہ معاندینِ ملت کی جھاکاریوں کا جواب زبانِ تیغ سے دے سکیں۔ چونکہ مکہ معظمہ میں اہل شرک بہت بڑی اکثریت میں تھے اور وہاں انہیں ہر طرح کا غلبہ و اقتدار حاصل تھا اور ان کے مقابلہ میں مسلمان کلیل العداد اور کمزور تھے اس لیے حکیم کار ساز کی حکمت نوازی تشریعِ قتال میں تاخیر کرنے کی مقصدی رہی۔ آخر جب مابل وحی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے اور وہاں صحابہ کرام کو ایک اچھا لمبا و مادی ہاتھ آگیا تو آپ نے حالات کے سازگار ہوتے ہی فریضہ جہاد پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا۔

ابن جریر طبری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی جہاد کب مشروع ہوا؟ ہے کہ جب ہادی انام صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت

کرنے پر مجبور کیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ اب دشمنانِ دین لازماً قعرِ ہلاک میں ڈالے جائیں گے کیونکہ انہوں نے اپنے مفترضِ الطاعتہ نبی کو اذیتیں دے دے کر خارجِ بلد

کر دیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس وقت یہ (دو) آیتیں نازل فرمائیں۔
(ترجمہ):

اب مسلمانوں کو (جن سے کا فر لڑتے ہیں) مقاتلہ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم توڑے گئے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں غالب کر دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ مسلمان اپنے گھروں سے ناحق محض اس بنا پر نکال دیے گئے کہ وہ اللہ ہی کا پیارا بت قرار دیتے تھے اور اگر خداے تعالیٰ ایک جماعت سے دوسری کا دغیبہ نہ کرتا رہتا تو (اپنے اپنے نمازوں میں) عیسائیوں کے صومعے اور جہاد خانے اور یہود کے معابد اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ اور حق تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے۔

(۲۲: ۳۹ - ۴۰)

یہی سب سے پہلی آیتیں ہیں جن میں کافروں پر جہاد کرنے کی اجازت دی گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان آیتوں کی تنزيل پر محسوس کیا تھا کہ غنقریب قتال شروع ہو گا۔ اور عوفی نے بھی ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ سے نکال دیے گئے (تفسیر ابن کثیر)

مشروعیت جہاد کی جہاد فی سبیل اللہ کی ایک حکمت و مصلحت تو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئی۔ اس کی دوسری مصلحت خداے تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے۔ ذلک
دوسری حکمت وَكَوَيْشَاءُ اللَّهُ لَا تُفْصَحُ هَيْهْتُمْ وَلَكِنْ يُبَلِّغُوا بَعْضُكُمْ

بِبَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ (۴: ۴۷) یعنی ہم نے جو بعض صورتوں میں کفار کو مزا دینے کے لیے جہاد کا طریقہ مقرر کیا ہے تو وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے ورنہ اگر خداے تعالیٰ چاہتا تو ان (کفار) کو خود ہی دوسرے حوادث خسف و غرق و رجفہ وغیرہ کے ذریعہ سے مزا دے لیتا جیسے اہم سابقہ کو اسی طرح مزا دی گئی اور تم کو دشمن کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا لیکن جہاد کرنے کا اس لیے حکم دیا کہ ایک دوسرے کے ذریعہ سے تمہارا امتحان کرے۔ اہل ایمان کا امتحان یہ ہے کہ کون حکم الہی کو جان عزیز پر ترجیح دیتا ہے اور منکروں کا امتحان یہ ہے کہ ان میں سے کون اس عقوبت سے متنبہ ہو کر قبول حق پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور جہاد میں جیسے قاتل ہونے کی صورت میں مقصد براری ہے اسی طرح مقتول ہونا

بھی بوجہ حصول شہادت کے کامیابی ہے چنانچہ جو لوگ اللہ کی راہ (جہاد) میں کام آتے ہیں، حق تعالیٰ ان کے اعمال ہرگز نہ ٹھکانے دے گا بلکہ ان کو جاری اور مستمر رکھے گا۔

مشہور یہ ہے کہ جہاد کا حکم شہدہ میں مدینہ منورہ میں نازل ہوا لیکن متذکرہ بالا بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ جہاد مکہ معظمہ ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت مشروع ہو چکا تھا مگر اوائل ہجرت میں قوم و ملت کی تعلیمی، تبلیغی اور تنظیمی مصروفیات اور مفلوک الحال مہاجرین کی عمرانی و معاشی ضروریات جہاد بالسیف میں مانع رہیں۔ آخر جب دل جمعی کے اسباب میسر آئے اور مسلمانوں کو کسی قدر اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو عناصر فساد سے عمدہ برآ ہونے کی طرف توجہ فرمائی گئی۔

غزوہ ابواء | اہل سیر میں یہ اصطلاح رائج چلی آتی ہے کہ جس معرکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس شریف موجود تھے اس کو غزوہ کہتے ہیں اور جہاں خود تشریف نہ لے گئے ہوں بلکہ لشکر بھیجا ہو اس کو سبیرتہ اور بعثت سے تعبیر کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ ابواء تھا۔ دوسرا ابواظہ۔ تیسرا عقیقہ۔ ابواء جحفہ کے پاس ایک گاؤں ہے اور جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان قریباً نصف مسافت پر قینمہ اور رابغ کے درمیان ہے۔ ابواء کو ودان بھی کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ غزوہ ابواء ہجرت کے پہلے سال کے اخیر یا دوسرے سال کے آغاز میں ہوا تھا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جناب سعد بن عبادہ رئیس خزدج کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین متعین فرما کر اصحاب کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بنو نضیر کے قافلہ کے قصد سے جو قریش کا ایک قبیلہ تھا تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حامل لواء آپ کے عم محترم حضرت حمزہ بن عبد المطلب تھے۔ جب آپ بنو نضیر پہنچے تو بنو نضیر کا سردار مخشی بن عمرو صلح سے پیش آیا۔ آپ نے اس جذبہ مصالحت کا احترام کیا اور صلح کا معاہدہ لکھا گیا مآب پندرہ روز کے بعد مراجعت فرما کر مدینہ ہوئے (مدارج وغیرہ)

بعث عبیدہ بن حارث | آپ صفر میں ودان گئے تھے اور صفر ہی میں واپس تشریف لائے تھے۔ بقیہ ماہ صفر اور ربیع الاول کے ابتدائی ایام مدینہ میں بسر کیے۔ اسی قیام کے دوران میں آپ نے اپنے عم زاد بھائی حضرت عبیدہ بن حارث

بن عبد المطلب کو جو عمر میں آپ سے دس سال بڑے تھے اور مکہ معظمہ میں آپ کے دارالرقم میں داخل ہونے سے پہلے مشرف بایمان ہوئے تھے ساتھ یا اسی شترسوار مجاہدوں کے ساتھ قریش کی ایک بڑی جماعت کے سر پر بھیجا جس کے قائد ابوسفیان بن حرب یا نکر بن ابو جہل تھے۔ آپ نے حضرت عبیدہؓ کو ایک سفید علم تیار کرا دیا۔ اس مہم کے علم بردار مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف قریشی مطلبیؓ تھے۔ دونوں لشکر آئے سامنے ہوئے اور ایک دوسرے پر تیراندازی شروع ہوئی۔ سب سے پہلا تیرجو راہ خدا میں پھینکا گیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا تیر تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ تیر تھے۔ انہوں نے آٹھوں چلائے اور کوئی خطا نہ گیا۔ یا تو کسی دشمن دین پر پڑا یا کسی چارپائے پر۔ دونوں لشکروں میں تلوار کی لڑائی تک ذبت نہ پہنچی کیونکہ کفار یہ خیال کر کے کہ لشکر اسلام کے عقب میں کوئی اور فوج بھی موجود ہے خوف زدہ ہو گئے اور بھٹ راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہ کیا۔ حضرت مقداد بن اسود اور عبیدہ بن غزوہ رضی اللہ عنہما کہ جیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی تھے بغیر من تجارت کفار مکہ کے ساتھ تھے لشکر اسلام متح ہو گئے۔ وہ مکہ سے مشرکین کے ساتھ ہو کر بظاہر لڑنے کے لیے محض اسی غرض سے آگئے تھے کہ مسلمانوں سے جا ملیں گے۔ آخر لشکر اسلام نے مدینہ کو معادوت فرمائی۔ (ملارح و ابن جریر طبری)

بعثت حمزہؓ | حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی زمانہ قیام میں اطلاع ملی کہ اہل مکہ کا ایک قافلہ ابو جہل کی قیادت میں شام سے مکہ کو واپس جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عجم محترم حضرت حمزہؓ کو تیس ماہر شترسوار دے کر روانہ کر کے سر پر سیف البحر کو روانہ فرمایا جو یمنینہ کے علاقہ میں ہے۔ یہ بعثت سمندر کے کنارے تک گیا۔ وہاں ابو جہل کے تین سو شترسواروں سے سامنا ہو گیا۔ مگر نجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا بیچ بچاؤ کرا دیا اور لڑائی نہ ہونے دی۔ ابو جہل اور اس کا قافلہ مکہ کو پہل دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مدینہ چلے آئے (تاریخ طبری و ملارح)

غزوہ بواط | اس کے بعد ماہ ربیع الاول میں جبکہ ہجرت کو تیرہ مہینے گزر چکے تھے غزوہ بواط واقع ہوا۔ حال نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بھند حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا اور مدینہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا

جانشین مقرر فرمایا اور دوسو صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے قریش کے ایک بڑے قافلہ سے
مزاہم ہونے کے لیے نکلے جو اُمیہ بن خلف کے زیر قیادت آ رہا تھا۔ اس قافلہ میں قریش
کے دوسو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ آپ بواط تک گئے مگر قافلہ نہ مل سکا اس لیے
واپس چلے آئے (تاریخ طبری و مدارج)

غزوہ بدرِ اُولیٰ | اسی مہینے قریش میں سے ایک شخص گُذبن جابر فہری مدینہ منورہ پہنچا۔
اور اہل مدینہ کے اونٹ جو شہر سے باہر چراگاہ میں چر رہے تھے لوٹ کر
لے گیا۔ جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ
کو مدینہ منورہ کا عامل مقرر فرمایا اور بھنڈا حضرت علی مرتضیٰؓ کے حوالے کر کے مہاجرین کی
ایک جماعت کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے۔ آپ وادی سفوان تک چلے گئے جو بدر کے
نواح میں ایک موضع ہے۔ اسی بنا پر اس سفر جہاد کو بدرِ اُولیٰ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔
جب آپ سفوان پہنچے تو اس خبر کی تحقیق ہو گئی کہ کُرد وہاں سے جا چکا ہے اور وہ ہاتھ نہ آیا۔
پس آپ وہاں سے مدینہ منورہ کو مراجعت فرما ہوئے (تاریخ ابن جریر طبری و مدارج النبوت)
گو ان مہموں میں جن کا تذکرہ اوپر زیب قرطاس ہوا دشمنان دین کو کوئی جانی و مالی نقصان
نہ پہنچایا جاسکا لیکن اصل مقصود جو حکم جہاد فی سبیل اللہ کی تعمیل تھی با حسن وجہ پورا ہوتا رہا۔
ان غزوات و سرایا میں پیروانِ اسوۂ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لیے یہ تعلیم
ہے کہ ادا امر کے امتثال میں اپنی طرف سے کسی ادنیٰ کوتاہی کو راہ نہ دیں اور نتائج کی طرف
سے خالی الذہن ہو کر احکام کی تعمیل میں لگے رہیں اور یقین رکھیں کہ شاہدِ کامرانی و مقصد
براری کی چہرہ کشائی ہمارے بس سے باہر اور صرف ذاتِ رب العالمین کے دستِ قدرت
میں ہے۔

سرورِ انبیاء کا شوقِ شہادت | سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزیز آرزو تھی کہ
ہر ایک غزا میں بذاتِ خود شریک ہوں لیکن چونکہ

ہجرت کے ابتدائی برسوں میں سواری کی قلت اور بے سرو سامانی کی وجہ سے تمام صحابہ
رفاقت نہیں اختیار کر سکتے تھے اور جو اصحاب اس قسم کی مجبوریوں کے باعث رفیقِ سفر نہیں
ہو سکتے تھے انہیں ساتھ نہ لے جانے میں ان کی دل شکنی ہوتی تھی۔ آپ بھی ان کے حال
پر نوازش فرما کر بادلِ ناخاستہ جانے سے رک جاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ اگر یہ مجبوری

نہ ہوتی تو میں کسی سریت سے جو غزانی بسیل اللہ کے لیے نکلتا پیچھے نہ رہتا اور مجھے اسی ذات
بندہ کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری دلی آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ
میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔
پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں (رواہ البخاری و مسلم والنسائی عن ابی ہریرۃ)

سریتہ عبد اللہ بن جحشؓ | حضرت سیدنا ام علی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال اپنے چھوٹے زاد

بھائی جناب عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو جو ام المومنین حضرت
زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے آٹھ یا بارہ کبار صحابہ مثل سعد بن ابی وقاص، عکاشہ بن محض،
عقبہ بن غرقان، واد بن عبد اللہ مثنیٰ وغیرہم کی معیت میں روانہ فرمایا۔ اس سریت میں عبد اللہ
بن جحش امیر المومنین سے موسوم ہوئے اور یہ جو کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی
اللہ عنہ سب سے پہلے سردار ہیں جو امیر المومنین کے لقب سے ممتاز ہوئے وہ اس معنی میں ہے
کہ خلفائے راشدین میں سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم اس لقب سے ملقب ہوئے تھے۔
آپ نے روانگی کے وقت ایک خط لکھوا کر حضرت عبد اللہؓ کے حوالے کیا اور ہدایت
کر دی کہ جب تک دودن کا سفر طے نہ ہو جائے اس چٹھی کو نہ پڑھنا جب دودن گزر جائیں
تو پڑھ کر اس پر عمل کرنا۔ واللہ اعلم دودن تک اخفا سے نامہ میں کیا حکمت تھی۔ غرض حضرت
عبد اللہؓ نے دودن کے بعد اس چٹھی کو پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ اس خط کے پڑھنے کے
بعد تم سیدھے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جا کر ٹھہرو۔ وہاں سے کاروان قریش کی نگرانی
رکھو اور کسی کو اس کی مرضی کے خلاف ساتھ نہ لے جاؤ۔ جو چاہے تمہارے ساتھ جائے اور
جس کی مرضی ہو واپس چلا آئے۔

جب عبد اللہؓ خط کے مضمون سے مطلع ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اللہ
کے برگزیدہ رسولؐ نے مجھے ایسا حکم دیا ہے مگر اس بات میں کسی پر جبر کرنے سے منع فرمایا ہے
لہذا جس کسی کو شہادت فی بسیل اللہ کا اشتیاق ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کی مرضی ہو
واپس ہو جائے مگر کسی نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اب انہوں نے بطن نخلہ تام ایک گاؤں کا
ٹنخ کیا۔ جب بالاسے فرع ایک کان پر پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور عقبہ بن غرقانؓ
کا اونٹ جس کے پیچھے وہ آ رہے تھے گم ہو گیا۔ دونوں حضرت عبد اللہؓ سے اجازت لے کر اس
کی تلاش میں گئے اور ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہؓ چلتے چلتے نخلہ پہنچے اور اس منزل میں قریش کے کسی کاروان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ ناگاہ قریش کا ایک قافلہ جو طائف سے منقر، کچا چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان بار کر کے لایا تھا وہاں پہنچا اور بے خبری میں مسلمانوں کے قریب ہی آؤا۔ آخر جب مسلمانوں کو دیکھا تو ڈرے۔ مگر پھر جب عکاشہ بن محسن رضی اللہ عنہ جنہوں نے سر منڈوا رکھا تھا پاڑ سے ان کے سامنے برآمد ہوئے تو اہل قافلہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ یہ غمرہ کرنے والے لوگ ہیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ قریش کے اس قافلہ کے ساتھ مشہور آدمی یہ تھے۔ عمرو بن حفص بن عکرم بن کيسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی۔

مسلمانوں نے اس قافلہ کے بارہ میں ماہم مشاورت کی۔ اس دن ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی لیکن مسلمانوں کا گمان تھا کہ آج جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے مسلمان آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہم نے ان کو آج رات چھوڑ دیا تو کل سے رجب شروع ہو جائے گا جو حرمت والے مہینوں میں ہے تو پھر ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس لیے جلدی کر فی چاہیے مبادا ماہ رجب شروع ہو جائے۔

اب مسلمان قافلہ کی طرف بڑھے۔ واقعہ بن عبداللہ قہمیؓ نے ابن حفص بن عکرم بن کيسان کو تیر کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا اور عکرم بن کيسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا۔ نوفل بن عبداللہ اور قافلہ کے باقی آدمی بھاگ گئے اور قافلہ کا تمام مال و اسباب مسلمانوں کی غنیمت میں آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ اسلام میں سب سے پہلی غنیمت اور عثمان بن عبداللہ اور عکرم بن کيسان مسلمانوں کے سب سے پہلے امیر تھے حضرت عبداللہؓ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علیحدہ کر کے باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔ تاہنوز خمس کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی حضرت عبداللہؓ اور ان کے رفقاء سفر و فتن قیدیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

حضرت عبداللہؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبداللہؓ سے فرمایا کہ کیا میں نے حرمت شروع کرنے میں تم سے دست بردار رہنے کے لیے نہیں کہا کہ وہ

تھا؟ جناب عبداللہؓ نے تاریخ کی غلط فہمی کا عذر پیش کیا۔ جب یہودی اور مدبر سے غیر مسلم صورت واقعہ سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے زبان طعن کھول کر یہ کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم) اور ان کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کر لیا ہے۔ انہوں نے ماہ حرام میں خون بہا کر اور تاراج کر کے اس کی ہتک حرمت کی ہے۔ دوسری طرف قریش کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے ماہ حرام کی حرمت توڑ دی، خنزیری کی، مالی لٹا اور قیدی پکڑ لیے۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو لوٹے ہوئے مال اور قیدیوں میں تصرف کرنے سے منع فرمادیا اور حضرت عبداللہؓ کو اس پر ملامت کی۔ صحابہ کرام نے بھی اہل سریتہ کی اس غلطی پر سخت ناگواری محسوس کی۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ اور دوسرے اصحاب سر یہ سخت طول اور اپنے کیے سے پشیمان ہوئے۔ اور گوان سے جو کچھ سرزد ہوا اشتباہ والبتاس کی بنا پر ہوا تھا تاہم وہ اس خیال سے خوف زدہ ہوئے کہ ان پر حق تعالیٰ کا غضب و عتاب نازل ہو گا۔ آخر سب حضرات توبہ و استغفار کو درگاہ خداوندی میں شفع لائے۔

ملول اہل سریتہ کی تسکین
انجام کار ملول و محزون اہل سریتہ کی تسکین خاطر کے لیے خدا کے
دفع نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترجمہ)

”ادب داسے مہینوں میں لڑائی کرنے کی نسبت آپ سے
دبیانت کرتے ہیں کہ کیا حکم ہے؟ آپ کہتے کہ ادب داسے مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ کا کام
ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا سے کفر کرنا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا اور ان لوگوں
کو جو اس کے اہل ہیں (یعنی مسلمانوں کو) اس میں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی
بڑھ کر گناہ ہے اور فساد انگیزی کشت و خون سے بھی بڑا جرم ہے (۲: ۲۱۷)“

یعنی اہل سریتہ سے خطا ہوئی وہ محض ظن و اشتباہ اور البتاس کی بنا پر ہوئی اور شرک
اخراج وغیرہ قسم کے جن فتنوں کا تم نے ارتکاب کیا ہے وہ ابن حنفری کے قتل اور دو شخصوں
کی اسیری سے کہیں بڑھ کر جرم ہے۔ پس تم لوگ کس موخہ سے ان پر زبان تشنیع کھول سکتے ہو؟
ظاہر ہے کہ رب العالمین کے اس ارشاد میں مسلمانوں کی طرف سے ایک طرح کا اعتذار ہے۔
اس سے وہ خوف جو مسلمانوں کو لاحق ہو گیا تھا جاتا رہا اور اہل سریتہ خوش دل ہو گئے۔ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مال غنیمت جو روک رکھا تھا تقسیم کر دیا اور خود بھی خمس کو قبول فرمایا
(ابن جریر طبری و مدارج النبوت)

حکم بن کیسان آغوش اسلام میں | اس کے بعد اہل مکہ نے حکم بن کیسان اور عثمان
بن عبداللہ کی رہائی کے لیے ان کا فدیہ روانہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک سود بن ابی وقاص اور عقبہ بن غزوہ جو اونٹ کی تلاش میں گئے تھے اور اب تک مفقود و گمراہ ہیں صحیح سلامت یہاں نہ پہنچ جائیں ان دونوں کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ چند روز کے بعد جب دونوں حضرات مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آپ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حصول آزادی کے بعد عثمان بن عبد اللہ تو مکہ چلا گیا لیکن حکم رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑنے سے انکار کیا۔ چونکہ ایام اسیری میں سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے فیض باب ہوئے تھے اور آپ کی حقانیت اور صحابہ کے رجوع الی اللہ کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے انہوں نے جسمانی قید سے غلصہ پانے کے بعد اسلام کا طوق غلامی گروں میں ڈال لیا اور مکہ جانے کی بجائے یہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے (ابن سعد و ابن جریر طبری)

فصل ۲۵۔ بدر کے میدان کا زاریں لشکر اسلام کی شاندار فتح

بدر کا محل وقوع | دوسرے سال کے وقائع و حوادث میں سب سے عظیم و اہم واقعہ جنگ بدر ہے جس کو غزوہ بدر کبریٰ و بدر عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بڑا گاؤں ہے جو راستہ سے کسی قدر پیچیدگی کی طرف ہٹا ہوا ہے۔ نقشہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ منورہ سے ینبوع کی طرف جائیں تو تیسری منزل کا نام صفراء ہے اور صفراء سے ٹھیک خوب کا رخ کریں تو اگلی منزل بدر کی آتی ہے۔ اور اگر مدینہ منورہ سے مکہ منظمہ کی طرف آئیں تو پانچواں پٹا و بئر الشیخ ہے اور بئر الشیخ سے بجانب شمال و مغرب ینبوع کا رخ کریں تو پہلا پٹا و بدر ہے۔ بلند گاؤں ینبوع، صفراء اور بدر نے ایک مثلث بنا رکھا ہے جن کا فاصلہ ایک دوسرے سے قریباً برابر ہے۔

غزوہ بدر تمام غزوات میں عظیم اور متم با شان ہے کیونکہ اس کی بدولت دین کی عزت اور شوکت ظاہر ہوئی اور روئے اسلام تاباں ہوا۔ سورہ انفال میں جو یوم الفرقان کا لفظ آیا ہے اس سے یہی جنگ بدر مراد ہے جس نے حق اور باطل میں فرق کر دیا۔ اسلام اور اہل اسلام

مربند ہوئے اور کفر ذلیل و پائمال ہوا۔

کاروان قریش کی آمد کی اطلاع | ہجرت کو انیس مہینے گزرے تھے کہ حضرت سید الاولیاء و الاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک عظیم الشان قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس آ رہا ہے۔ یہ قافلہ ڈیڑھ ہزار اور دوسری روایت کے بموجب ڈھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا اور ان پر کوئی پانچ لاکھ درہم کا سامان لدا ہوا تھا اور قریش کے تیس چالیس یا زیادہ سے زیادہ ستر سو اس کی نگرانی و حفاظت کے لیے ساتھ تھے۔ عمرو بن عاص اور مخزوم بن نوفل بھی قافلہ کے ساتھ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کرام سے اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کی طرف چلو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں غنیمت دلادے۔ پس بعض حضرات توتیار ہو کر نکلے اور اکثر بغیر کسی تیاری کے نکل کھڑے ہوئے کیونکہ انہیں لڑائی پیشین آنے کا کوئی گمان نہ تھا۔

ہر چند کہ آپ نے اجتماع میں کوئی اہتمام نہ کیا تاہم تین سو سے زائد نفوس آمادہ رزاق تہیہ کیے۔ آپ قافلہ کے قصد سے نکلے تھے اور یہ گمان نہ تھا کہ کسی باقاعدہ جنگ سے بھی سابقہ پڑے گا اس لیے آپ بغیر کسی جنگی تیاری کے معمولی سی جمیعت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے بلکہ بہنوں کو تو آپ کی روانگی کا علم آپ کے کوچ کے بعد ہوا۔ رفعا سے سفر میں سے بہ ایک کو یقین تھا کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے وہ قافلہ کو مخلوب کر لیں گے۔ (ابن خلدون، ابن جریر طبری وغیرہ) **مقصدِ قدوم پر مزید روشنی** | اس امر کا مزید اور قطعی ثبوت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار مرکز نبوت سے محض ابوسفیان کے قافلہ کی آمد سن کر نکلے تھے، لیکن سان و گمان کے خلاف شکر قریش سے ڈبھیر ہو گئی۔ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے

انما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید عیرو قریش حتی جمع اللہ بینہم و بین عداوہم علی غیر مبعاد (صحیح بخاری تصحیف) | اس میں شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ قریش کے قصد سے نکلے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اور ان کے دشمنوں میں خلافت قرار داد ڈبھیر کر دی۔

مدینہ منورہ سے روانگی | رمضان کے اہتمام میں ہنوز آٹھ دن باقی تھے کہ آپ حضرت عمرو معروف بہ عبد اللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امامت نماز

پر متعین کر کے روانہ ہوئے۔ اسلامی جمعیت تین سو پانچ نفوس پر مشتمل تھی جن میں ستر ہزار اور باقی انصار تھے۔ اگر ان آٹھ صحابہ کو بھی جو دوسری خدمات مغوفہ کے باعث شریک غزا نہ ہو سکے شامل کیا جائے تو غازیوں کی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اہل حق کے پاس صرف دو گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زردیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ سفر میں تین تین یا زیادہ مسلمانوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا تھا۔ ایک اونٹ میں اشرف موجودات صلی اللہ علیہ وسلم، زید بن حارثہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹل چلنے کی باری آتی تو آپ کے دونوں ساتھی عرض پیرا ہوتے یا رسول اللہ! آپ سوار ہو جائیے ہم پیٹل چلتے ہیں تو آپ جواب دیتے کہ تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور نہ میں حصول ثواب میں تم سے کم حاجت مند ہوں (ابن سعد وغیرہ)۔

ناہالغوں کی واپسی | بعض ناہالغ بھی چلتے وقت اسلامی جمعیت کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جیسے عبداللہ بن عمر، رافع بن خدیج، برادر بن عازب، زید بن ثابت، انس بن حنیظہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی، عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ جب ابو عقیلہ کے کہیں پر پہنچے جو مدینہ سے ایک میل کی مسافت پر ہے تو صحابہ کرامؓ کیسے بد و گرے آپ کے ہاتھ سے گزارے گئے۔ آپ نے ناہالغوں کو دیکھا تو سب کو لوٹا دیا۔ لیکن جب عمیر سے حاجت کے لیے کہا گیا تو وہ رونے لگے اس لیے شفیق دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شمول کی اجازت دے دی۔ آپ نے بواہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیا اور رایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ یہ دونوں جھنڈے مہاجروں کے تھے۔ آپ نے انصار کا رایت حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد فرمایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے انصار کو بھی ساتھ لیا اور نہ اس سے پہلے نہ تو کسی غزوہ میں کسی انصاری کو شرفِ ہمرہی نصیب ہوا تھا اور نہ کسی سرتیہ میں کوئی انصاری بھیجا گیا تھا۔ آپ نے قیس بن معصوم انصاری کو اپنے ساتھ یعنی پیچھے کے اہم دستے پر جسے ذوال بھی کہتے ہیں مامور فرمایا (ابن سعد، ابن جریر طبری، ابن خلدون)۔

قافلہ کے تختس کے لیے | چونکہ سیدہ رقیۃ سلام اللہ علیہا بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت علیل تھیں، آپ مدینہ سے چلتے وقت ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عباسؓ بن زیدؓ کو ان کی تیارداری کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب ذوالحجہ کے

مقام پر پہنچے تو آپ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو قافلہ کے تجسس کے لیے شام روانہ فرما دیا۔ وہ خورار کی سرزمین میں تجھار کے مقام پر پہنچے اور کشد جہنی کے صان ہوئے۔ اس نے ممانداری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن قافلہ کا حال ان سے مخفی رکھا جب قافلہ وہاں سے گزرا تو دونوں بزرگوار وہاں سے نکلے۔ کشد بھی بطور بدرقہ ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ ان کو ذوالمرؤۃ تک پہنچا گیا۔ اب یہ مدینۃ الرسول کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کیفیت سے مطلع کریں لیکن چونکہ ان بزرگوں کو شام سے مرکز نبوت تک پہنچنے میں زیادہ دن لگ گئے اس لیے یہ بروقت واپس نہ پہنچ سکے اور اگر پہنچ جاتے تو بھی اس اطلاع کی اب کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کی آمد معلوم کرنے کے قافلہ سے تعین کرنے کا ارادہ فتح فرما دیا تھا (ابن سعد) ابولبابہ کا تقرر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرکز سے کوچ کر کے بمقام روماء پہنچے جو مدینہ سے چار دن کی مسافت پر ہے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ بحیثیت حاکم مدینہ کا حاکم مقرر کر کے واپس بھیج دیا۔ روماء سے آپ نے سیدھا راستہ چھوڑ کر داہنی جانب صفر کا رخ کیا۔ وہاں سے قریب پہنچ کر آپ نے نبیس بن عمرو جہنی کو جو بنو ساعدہ کے حلیف تھے اور عدی بن ابی الزغباء جہنی کو جو بنو تمیم کے حلیف تھے ابوسفیان بن حرب کے قافلہ کی اطلاعات بہم پہنچانے کے لیے بدر کے چشمہ کی طرف بھیج دیا۔ اب اپنے صفر کو بائیں طرف چھوڑ کر اس کی داہنی سمت سے دفران نام ایک وادی کی راہ اختیار کی۔ وہاں سے گزر کر ابھی اس کا کچھ حصہ باقی تھا کہ وہیں ایک جگہ نزول فرمایا۔ یہاں سے ہمد تھوٹے فاصلہ پر تھا (ابن خلدون و ابن جریر طبری)

نبیس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء نے بدر کے چشمہ پر پہنچ کر ابوسفیان کے قافلہ کی نسبت ہر طرف استسار کیا۔ وہ دونوں تحقیق حال کے بعد دفران پہنچے اور ہار گاہ نبوی میں التماس کی یا رسول اللہ اہل قافلہ فلاں دن فلاں وقت فلاں جگہ پہنچیں گے اور میں فلاں دن اور فلاں وقت میں چشمہ بدر پر پہنچ کر قافلہ سے ملائی ہوتا چاہیے (ابن سعد)

بدر کا راستہ چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر معروف راستوں سے پکر لگا کر اس لیے سفر کیا تھا کہ قافلہ مالوں کو خبر نہ لگے مگر حسب بیان ابن سعد ابوسفیان کو شام ہی میں اطلاع مل چکی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے

پیر قافلہ کی ماپسی کے لیے چشم براہ ہیں اس لیے وہ ماپسی میں ہر جگہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے اور انتہائی احتیاطیں برتتے آرہے تھے۔ جب بد رسے پہلے پڑاؤ پر پہنچے تو جاسوسوں کو ہر طرف دھاوا دیا اور خود بدر کے چشمہ پر گئے۔ اس وقت قافلہ کے ٹوٹے جانے کا خطرہ انہیں سخت مہیب دیو کی شکل میں بڑی طرح چشم نمائی کر رہا تھا اس لیے جو کوئی بھی ملتا اس سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کی نسبت سوال کرتے۔ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر محمد بن عمرو سے پوچھا کہ کسی دشمن کی آہٹ تو نہیں سنی؟ اس نے کہا کہ مجھے اور تو کو کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آیا البتہ دو شتر سوار اس ٹیلہ کے قریب آ کر اترے تھے۔ انہوں نے ایک پکھال میں پانی بھرا اور چلے گئے۔

ابوسفیان کا پیغام | اب ابوسفیان اس جگہ پر آئے جہاں سب بن عمرو اور عدی بن ابی الزناد کے اونٹ بیٹھے تھے۔ وہاں ابوسفیان کی نظر اونٹوں کی تازہ منگیوں پر پڑی۔ ایک منگنی کو توڑ کر دیکھا تو اس سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ کہنے لگے

بغداد یہ مدینہ کا چارہ ہے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوس تھے۔ وہ بڑی عجلت کے ساتھ قافلہ میں پہنچے اور ایک طرف تو منعم بن عمرو وغفاری کو نہایت تیز رفتار اونٹ دے کر اس کے ہاتھ مکہ معظمہ پیغام بھیجا کہ قافلہ کی سلامتی خطرہ میں ہے اس کے بچانے کے لیے فوراً پہنچ جاؤ اور ساتھ ہی جھٹ ہدر کا سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحل بھر کا رخ کیا اور کنارہ سمندر کے قریب سے دو منزلیں کو منزلہ کرنا شروع کیا اور آرام کیے بغیر قافلہ کو رات دن چلائے جو بے مسافروں کی دستر سے باہر نکل گئے (ابن جریر طبری)

سید عالم کی پھوپھی کا خواب | جس روز ابوسفیان کا قاصد منعم بن عمرو مکہ معظمہ پہنچا ہے اس سے تین راتیں پہلے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی

عائکہ بنت عبد المطلب نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی حضرت عباس بن عبد المطلب کو بلا کر کہنے لگیں بھائی! میں نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا ہے جس سے میرے دل میں غم پیدا ہو گیا ہے کہ تمہاری قوم قریش پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ میں تم سے بیان کرتی ہوں لیکن کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ حضرت عباس نے پوچھا تم نے کیا دیکھا ہے؟ کہنے لگیں میں نے ایک شتر سوار کو آتے دیکھا جو ابلیح کے مقام پر پہنچ کر ٹھیر گیا ہے۔ پھر اس نے نہایت بلند آواز سے پکارا ہے کہ اے گروہ قریش! تین دن کے اندر اندر اپنے قتل گاہ کی طرف چل پڑو۔ اس کے بعد وہ مسجد حرام میں آیا اور وہی صدا بلند کی ہے۔ وہاں سے چل کر اپنا اونٹ کوہ اوقیس کی چوٹی پر

نے چڑھا ہے اور اسی طرح کڑا آواز دی ہے۔ پھوس نے ایک بڑا پتھر لے کر پیاز پر سے نیچے کی طرف لٹھکا دیا ہے اور تھکے کا کوئی گھرایا تھیں رہا جہاں اس پتھر کے ریزے نہ پہنچے ہوں۔

مکرمین عاتکہ کے حضرت عباسؓ نے یہ وحشت ناک خواب سن کر بہن کو تاکید کی کہ اس کا کہیں تذکرہ نہ کرنا۔ حضرت عباسؓ وہاں سے اٹھ کر واپس آ رہے تھے تو راستہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماموں ولید بن عتبہ بن ربیعہ

خواب کا چرچا

سے ملاقات ہو گئی جو ان کا دوست تھا اور ہمیشہ کو منع کرنے کے باوجود خود اس سے خواب کا تذکرہ کر دیا۔ ولید نے گھر جا کر یہ خواب اپنے باپ عتبہ کو سنایا۔ اس نے دوسرے لوگوں سے اس کا ذکر کیا یہاں تک کہ شہر کے ہر حصہ میں اس کی خبر پہنچی اور ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔ یہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ بت پرستی اختیار کر لینے کے باوجود اہل مکہ میں دین اسماعیلی کے اکثر شمار چلے آتے تھے۔ انہی اسلامی طور طریقوں میں حج اور طواف کعبہ بھی داخل تھا۔ دوسرے دن حضرت عباسؓ طواف کے لیے بیت اللہ گئے تو وہاں ابو جہل کو دیکھا کہ اس نے بعض عابد قریش میں بیٹھ کر اسی خواب کا قصہ چھیڑ رکھا ہے۔

ابو جہل حضرت عباسؓ سے کہنے لگا کہ طواف سے فارغ ہو کر ذرا ہماری بات سننے جانا۔ حضرت عباسؓ طواف کے بعد ان کے پاس جا بیٹھے۔ ابو جہل ان سے خطاب کر کے کہنے لگا اے عبد المطلب کی اولاد! تمہارے اندر یہ بیٹہ کب سے مبعوث ہوئی ہے؟ حضرت عباسؓ نے پرچھا بات کیا ہے؟ ابو جہل نے کہا وہی خواب کا قصہ ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ عائشہ نے دیکھا ہے۔ یہ وہ کبھ کر کہ ابو جہل سخت برا فروختہ ہے حضرت عباسؓ جو ہنوز دائرۃ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے کہنے لگے نہیں غلط بات ہے عائشہ نے اس قسم کا کوئی خواب نہیں دیکھا۔ ابو جہل بولا اے آل عبد المطلب! تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا لیکن اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دم بھرنے لگی ہیں۔ عائشہ نے بتایا ہے کہ تین دن کے اندر نکل پڑنا ہوگا پس تم تین دن تک انتظار کرتے ہیں۔ اگر یہ بیان سچ ہو تو خیر ورنہ ہم ہاشمیوں کے خلاف ایک نوشتہ ضبط تحریر میں لائیں گے جس کا مضمون یہ ہوگا کہ عرب بھر میں سب سے مجھوٹا گھرانہ جرہاشم کا ہے۔ حضرت عباسؓ ابو جہل کی آتش غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے خواب کی اصلیت سے انکار کرتے رہے لیکن اس کی موج خشم میں سکون نہ ہوا۔ آخر وہاں سے چلے آئے۔

حضرت عباسؓ کو ہاشمی خواتین کی ملامت | دوسرے دن بنو عبد المطلب کی کوئی خاتون

ایسی نہ تھی جس نے حضرت عباسؓ کے پاس پہنچ کر یہ شکوہ نہ کیا ہو کہ تم نے اُس فاسق سے دُوب کر خواب بکے وجود سے انکار کیا۔ وہ کہتی تھیں کہ وہ بدبخت پہلے تو ہاشمی مردوں ہی کے ہوتے آتا تھا، اب خواتین پر بھی برسے لگا اور حضرت عباسؓ کو ملامت کرتیں کہ اُس وقت تمہاری غیرت اور حمیت کہاں چلی گئی تھی؟ تمہیں تو چاہیے تھا کہ اُس کی زبان درازی کا دندان شکن جواب دیتے۔ حضرت عباسؓ دن بھر ہاشمی خواتین کے سامنے معذرت کرتے رہے کہ اچھا اب تو جو ہوا سوہ ہوا لیکن اگر اُس نے پھر دریدہ دہنی کی جسارت کی تو اس سے سمجھ لیا جائے گا۔ مگر من حضرت عباسؓ نے اپنے کہنے کی عورتوں سے بمشکل پیچھا چھوڑا۔

اگلے دن جب کہ عائشہ کے خواب کو تیسرا روز تھا، حضرت عباسؓ پھر سے ہوئے اس خیال سے مسجد حرام کی طرف گئے کہ اگر ابو جہل کی طرف سے کوئی ادنیٰ سی حرکت بھی سرزد ہو تو اسے اچھی طرح گوشمال کر کے گزشتہ غلطی کی تلافی کر دیں۔ ابو جہل بھی وہ سری طرف سے آنا دکھائی دیا۔ وہ ابو جہل کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھے کہ پھر عائشہ کے خواب کا تذکرہ پھر کر اس کو اشتعال دلائیں اور اگر پھر اس کی زبان بگڑتی دیکھیں تو اس کی سٹی خواب کریں۔ ابو جہل دُبلتا ترش رو تیز زبان لو تیز لفظ شخص تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مسجد حرام کے دروازے کی طرف لپکا حضرت عباسؓ نے خیال کیا کہ یہ ملعون شاید اس خوف سے بھاگا ہے کہ میں اس کو گوشمال شکروں حالانکہ وہ منعم بن عمرو غفاری کی آواز سن کر تیز گام ہٹا تھا اور حضرت عباسؓ نے منعم کی آواز نہیں سنی تھی۔

منعم کا چلانا جب حضرت عباسؓ نے باہر نکل کر دیکھا تو منعم اپنے اونٹ پر اس وحشت ناک حالت میں کھڑا تھا کہ اس نے اپنے اونٹ کی ناک اندکان قطع کر دیے تھے اور کجاوہ کاٹخ اُلٹی طرف کر دیا تھا اور اپنی قیص پھاڑ رکھی تھی۔ وہ اس تباہ حالت میں نہایت بلند آواز سے چلا رہا تھا کہ اسے گردہ قریش اُٹھیب ہو گیا۔ تمہارا مال تجارت شام سے آرہا تھا محمد رسول اللہ علیہ وسلم، امدان کے اصحاب اس سے تعزین کرنے والے ہیں۔ فوراً چلو اور اسے مسلمانوں کی دستبرد سے بچاؤ مگر ایسا نہیں کہ تم بروقت پہنچ سکو۔ النیات النیات۔

مکرمین کھلسی اس خبر سے مکہ مکرمہ میں کھلسی مچ گئی۔ ابو جہل سانپ کی طرح بیچ و تاب کھلنے لگا اور ہمارے باتیں کرنے لگا اور ہمارا اُمدار رسول اللہ علیہ وسلم، امدان کے

ساتھی یہ سمجھے ہوں گے کہ قافلہ کی کوئی پشت و پناہ نہیں اور گمان کیا ہوگا کہ وہ اس قافلہ کو بھی اسی طرح بآسانی غارت کر لیں گے جس طرح انہوں نے ابن حضرمی کی جماعت کو لوٹ لیا تھا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ واللہ! ابھی چل کر مزاج ٹھکانے لگا دیں گے۔ غرض منعم کی اطلاع پر مکہ میں پہلے ہی جمع ہو گئی اور آئندہ واقعہ یعنی غزوہ بدر نے دکھا دیا کہ عائکہ بنت عبد المطلب کا خواب حرف بحرف سچا تھا (ابن جریر طبری)

منعم غفاری کا بیان ہے کہ جب میں ابوسفیان سے رخصت ہو کر راہی کہ ہوا تھا تو راستہ میں ایک جنگ میری آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اونٹ پر سوار ہوں اور تمام وادی خون سے بھری ہوئی بہ رہی ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو جان لیا کہ قریش پر کوئی بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب منعم نے یہ خواب بیان کیا تو بنو ہاشم اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ عائکہ کے خواب کی تصدیق کرتا تھا۔

اہل مکہ کی روانگی بجانب بدر | مکہ کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس کا سرمایہ اس قافلہ میں نہ لگا ہو۔ ہر شخص یا تو بذات خود جا رہا تھا یا کسی دوسرے کو تیاری میں مدد دے رہا تھا۔ ابو جہل کعبہ معنی کی پھت پر چڑھ کر پکارنے لگا کہ اے اہل مکہ! جلد روانہ ہو کر اپنے کاروان کی خبر لو اور اپنے اموال کو بچاؤ۔ اگر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پہلے قافلہ کو جایا تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ خبردار! کوئی شخص جانے میں کوتاہی نہ کرے۔ منادی کرا دی گئی کہ جو شخص پیچھے رہ جائے گا اس کا گھر منہدم کر کے اس کو قید کر دیا جائے گا۔ البتہ ابوسب علیہ قریش کی اجازت سے مکہ میں رہ گیا۔ عاص بن ہشام بن مغیرہ کے ذمے ابوسب کا چار ہزار درم قرض تھا اور وہ اس کی ادائیگی سے معذور ہو گیا تھا۔ ابوسب نے عاص کو اس رقم کے عوض میں اپنی جگہ بیچ دیا۔ انیس سو قریش ہزار سے زائد تعداد میں سر دھڑکی بازی لگا کر بڑے کڑے و فر ہو زور و تکبر، ساند سامان اور آلات طاہی کے ساتھ روانہ ہوئے (مدارج)

امیہ بن خلف کے قتل کی پیش گوئی | مشہور مدو سے اسلام امیہ بن خلف نہیں چاہتا تھا کہ مکہ سے قدم باہر رکھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبل از بعثت سے یہ حضرت سعد بن معاذ انصاری نہیں اوس کا دوست تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد مدینہ سے مکہ منعم کو آئے اور امیہ کے مکان پر ٹھہرے۔ ایک دن وہ امیہ کے

ساتھ طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ اتنے میں ابو جہل وہاں آیا اور چلا کر اُمیہ سے کہا تم ان لوگوں سے کیوں اخلاص و محبت کا سلوک کرتے ہو جنہوں نے ایسے شخص (رسول اللہ) کو پناہ دی ہے جس نے دین کو بدل ڈالا؟ حضرت سعد بنے ڈانٹ کر ابو جہل سے کہا کہ اگر تم ہمارے لیے یہاں آنے کی بندش کر دو گے تو ہم ایسی جگہ تمہارے مزاحم ہوں گے جہاں کی مزاحمت تمہارا لیے بڑی مشکلات پیدا کر دے گی۔ اس سے حضرت سعد بنے کی مراد صفر شام تھا کہ قریش مدینہ کی راہ سے وہاں بغرض تجارت جایا کرتے تھے۔ اُمیہ حضرت سعد بنے سے کہنے لگا کہ ان (ابو جہل) سے سختی نہ کرو کیونکہ یہ یہاں کے سردار ہیں۔ حضرت سعد بنے نے جواب دیا میں نے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ابو جہل ہی اُمیہ کے قتل کا باعث ہو گا۔ جب اُمیہ نے خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی سنی تو سخت گھبرایا کیونکہ قریش کو آپ کی پیش گوئیوں کی صداقت کا دل سے اعتراف تھا اور وہ اس بات کا آغاز بعثت سے برابر تجربہ کرتے آ رہے تھے کہ آپ کی ہر اطلاع بے کم و کاست صحیح نکلتی ہے۔

بدر جانے سے | غزوہ بدر کی تیاری کے وقت اُمیہ بن خلف لیت و لعل کرنے لگا۔ جب ابو جہل کو اس کے اعراض و انکار کا حال معلوم ہوا تو عقبہ بن ابی معیط سے اُمیہ کی پہلو تھی | مشورہ کیا اور دونوں صلاح کر کے اس کے پاس پہنچے۔ اُمیہ ایک معزز شیخ اور حبیم آدمی تھا۔ ابو جہل اس سے کہنے لگا ابو صفوان! مجھے تمہارے تحلف کا حال معلوم کر کے سخت صدمہ پہنچا ہے کیونکہ تم اہل وادی کے سردار ہو۔ جب لوگوں کو معلوم ہو گا کہ تم نہیں جارہے ہو تو دوسرے لوگ بھی جانے سے انکار کر دیں گے۔ مگر چونکہ اُمیہ کو خوف تھا کہ مبادا حضرت سعد بنے کا بیان اس تصادم میں پورا ہو جائے، وہ حیلے حوالے کرنے لگا۔ ابو جہل بولایں تمہارے لیے ایک سرمہ دانی لایا ہوں تاکہ عورتوں کی طرح سنگار کے خانہ نشین رہو۔ اگر تم مرد ہوتے تو تمہیں جانے سے انکار نہ ہوتا۔ اب عقبہ ایک آتش دان جس میں آگ اور جلائے کے مصالحے تھے اُمیہ کے سامنے رکھ کر کہنے لگا اسے ابو صفوان! تم گھر میں بیٹھے آگ جلاتے رہو کیونکہ تم عورت ہو اور عورتوں کا کام گھروں بیٹھ کر کھانا پکانا ہے۔ اُمیہ نے کہا اللہ تم دونوں کا اور تمہاری سرمہ دانی اور آتش دان کا برا کرے مجھے جانے پر مجبور نہ کرو۔ لیکن وہ طعن و تشنیع و لعنت و ملامت سے باز نہ آنے یہاں تک کہ اُمیہ کے لیے جانے سے کوئی مفر نہ رہا جب روانگی کے وقت اس کی جورد نے حضرت سعد بنے کا مقولہ یاد دلایا تو اس سے وعدہ کیا کہ جس طرح بنو

میں دو تین دن کے اندر واپس آجائوں گا۔ دورانِ سفر میں ہر وقت اس کی یہی کوشش رہی کہ کوئی موقع ملے تو لشکر سے علیحدہ ہو کر کھسک جائے لیکن فرار کا کوئی موقع نہ ملا اور آئندہ سطور میں آپ پڑھیں گے کہ بدر پہنچ کر وہ میدانِ جانتاں میں نذرِ اجل ہو گیا (تاریخ طبری، مدارج و غیرہ)۔

عَدَّاس کا عتبہ اور شیبہ | نینوا کے عیسائی غلام عداس رفتی اللہ عنہ کا تذکرہ صفحات گزشتہ پر

ریب قرطاس ہو چکا ہے۔ عداس بننے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور شرفِ ایمان سے سرفراز ہوتے تھے۔

جب معرکہ بدر پیش آیا تو ان کے آقا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ عداس ان سے کہنے لگے کہ اللہ کے رسول سے مقابلہ کا خیال تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اس لیے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ اس قصد سے باز آؤ کیونکہ یہ سفر کسی طرح مُثمِرِ خیر نہیں دکھائی دیتا۔

مشرکین عرب نے پانسوں کی جگہ تیرنار کھے تھے اور ان سے طرح طرح پر جوا کھیتے تھے مثلاً دس آدمیوں نے مل کر اونٹ ذبح کیا تو ان کی تقسیم ان تیروں ہی کے ذریعہ سے ہوتی تھی کسی تیر پر آدھا کسی پر پاؤ اور کسی پر چھٹا حصہ وغیرہ لکھا ہوتا تھا اور کوئی تیر خالی ہوتا تھا۔ پھر پانہ قال کہ جو تیر جس کے نام آتا وہی حصہ اس کو ملتا اور جس کے پاس خالی تیر جاتا اس کو کچھ حصہ نہ ملتا تھا۔

جب عداس نے بالآخر تمام ان کو رسولِ خدا کے مقابلہ پر جانے سے منع کیا اور ان کی منت و سماجت حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے اپنی عادتِ مستمر کے بموجب تیروں کی تقسیم سے معلوم کرنا چاہا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہیں۔ اس جاہلی طریقِ عمل نے بھی ان کو جانے سے منع کیا اور انہوں نے روانگی کا ارادہ فرغ بھی کر دیا لیکن ابو جہل نے ان دونوں بھائیوں کا اُس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک طرح طرح کے ہنر باغ دکھا کر انہیں چلنے پر آمادہ نہ کر لیا۔ ابو جہل بولا خدا کی قسم! ہم بدر جانے سے کسی طرح نہیں رُک سکتے۔ ہم لڑائی جیت کر وہاں تین دن تک جشن منائیں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے۔ شراب نوشی کریں گے۔ گانا سنیں گے اور خوب ہنگامیاں منائیں گے تاکہ ہماری عظمت و شوکت کا آوازہ اطراف و اکنافِ عرب میں منتشر ہو اور پھر ملک کا ہر طبقہ اور ہر گروہ ہم سے خائف و مغلوب رہے (مدارج)۔

عَدَّاس کا مکر و امتناع | جب عداس نے دیکھا کہ ابو جہل نے ان کو دوبارہ جانے پر

آمادہ کر لیا ہے تو وہ لشکر کی روانگی کے وقت ثنیت البیضاء میں جا کر بیٹھ گئے۔ لوگ ان کے آگے سے گزر کر جا رہے تھے۔ جب انہوں نے اپنے آقاؤں عقبہ اور شیبہ کو جاتے دیکھا تو بڑی تیزی سے بڑھے اور ان دونوں کے پاؤں پکڑ کر بولے خدا کی قسم! جس برگزیدہ خلق کے مقابلہ میں آپ حضرات جا رہے ہیں وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور آپ دونوں بالیقین اپنے مسئلہ کو جا رہے ہیں اس لیے میری کڑی درخواست ہے کہ آپ اس سفر سے باز رہیں اور ننگ ہلاک کے مونہ میں نہ جائیں۔ مگر چونکہ موت ان کے سر پر مست ڈلا رہی تھی انہوں نے تمام ہمدردانہ التجاؤں کو ٹھکرا دیا اور چلے گئے۔ جب عامر بن شیبہ وہاں سے گزرا تو عداس غزوہ کو روکتے پایا۔ اس نے پوچھا زونے کی کیا وجہ ہے؟ بولے میرے دونوں آقا جو اس وادی کے سردار ہیں اللہ کے رسول سے لڑنے گئے ہیں اور میرے منع کرنے سے باز نہیں آئے۔ عامر نے پوچھا کیا محمد (صلی علیہ وسلم) واقعی خدا کے پیغمبر ہیں؟ محمد اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا واللہ باللہ! وہ اللہ کے فرستادہ ہیں جو کافرانہ نام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جو کوئی ان سے برسر مخالفت ہوگا اسے خسران ابدی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا (اصابہ)

مشہور اعدائے دین کی ہلاکت کا رویا ہے صادق

جب لشکر قریش نے مکہ سے مل کر جحفہ کی منزل پر مقام کیا تو وہاں جہم بن ملت بن مخزوم بن مطلب بن عبد مناف نے ایک خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر بیٹھا آ رہا ہے اور اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے۔ اس نے کہا ہے کہ عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عمرو بن ہشام (ابو جہل)، امیہ بن خلف اور فلاں فلاں اشخاص قتل کر دیے گئے (اور اس نے قریش کے ان تمام سرداروں اور رئیسوں کے نام دیے جو جنگ بدر میں قتل ہوئے) اس کے بعد میں دیکھا کہ اس گھوڑے نے اپنے اونٹ کے گلے میں چھری مار دی ہے اور اسے فرد و گاہ میں ہانک دیا ہے اور لشکر قریش کے خیموں میں سے کوئی خیمہ ایسا نہیں رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ خواب کا یہ واقعہ سن کر ابو جہل آپ سے باہر ہو گیا اور بولا کہ مطلب کے خاندان میں ایک اور پیغمبر آٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مقابلہ ہونے دو۔ عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون مارا جاتا ہے (ابن جریر طبری)

ابو جہل کا مراجعت سے انکار

جب قریش کا قافلہ مزعومہ خطرے کے مقام سے نکل گیا تو ابرہہ بن اسفہان نے قیس بن امیہ کے ہاتھ قریش کے پاس

پیغام بھیجا کہ قافلہ صحیح و سلامت نکل آیا ہے۔ تم لوگ اپنے مال و متاع کی حفاظت کے لیے نکلے تھے سو وہ بالکل محفوظ ہے۔ اب تم مکہ واپس جاؤ مگر قریش نے واپس جانے سے انکار کیا (ابن سعد) کیونکہ کاروان کی حفاظت تو محض فتنی اور ہنگامی چیز تھی۔ قریش کا اصل مقصد خدا خواستہ اسلام کا استیصال تھا۔ ابو جہل کہتے گا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عمارت سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتے۔ واللہ! ہم ضرور بدر جائیں گے۔ مسلمانوں کا قصہ پاک کر کے وہاں تین دن تک قیام کریں گے۔ جانود زنج کوں گے۔ دعوتیں اڑائیں گے۔ شراب پیں گے۔ ہنٹیدہ عورتوں کے تالچ گانے اور نغمہ و سرود سے لذت اندوز ہوں گے اور جب عربوں کو ہمارے اس جشن کی اطلاع ہوگی تو ہمیشہ کے لیے ہم سے مرعوب ہو جائیں گے اور کسی کو ہمارے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ رہے گی (محمد بن جریر طبری) لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ تین سو پانچ بے سرو سامان آدمی ہی برسرِ مقابلہ ہو کر ان کے پرچے اڑا دیں گے اور ان کے تمام منصوبے خاک نامرئی میں دفن ہو جائیں گے۔

بنو زہرہ اور بنو | ابو جہل کی لاف زنی سن کر اخنس بن شریق ثقفی بنو زہرہ کے حلیف بنے
قریش سے کہا کہ اللہ نے تمہارے مال و متاع کو بچایا ہے اور تمہارے
عدی کی واپسی | عزیز عزمہ بن نوفل کو دشمن کی گرفت سے نجات دے دی ہے۔ تم انہی
دونوں کی حفاظت کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ یہ دونوں مقصد پورے ہو گئے۔
اب آگے جانا بالکل بیکار ہے۔ عمرو بن ہشام (ابو جہل) نے جو کچھ کہا ہے اس پر اعتبار نہ کرو۔
یہ سب فضول باتیں ہیں۔ اپنے گھروں کو واپس چلو اور نامردی کی ذمہ داری چاہو تو مجھ پر
ماند کر دینا چو کہ تمام بنو زہرہ اخنس بن شریق کے فریاد بردار تھے۔ مجھ سے مکہ کو واپس ہو گئے۔
ان میں سے ایک متنفض نے بھی بدر کا رخ نہ کیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
کا خاندان بنو عدی بن کعب بھی مجھ سے پلٹ پڑا۔ ان میں سے ایک شخص بھی آگے نہ بڑھا
(ابن جریر) واپس آنے والے بنو عدی کی تعداد تو معلوم نہیں لیکن بنو زہرہ جو راستہ سے لوٹ
آئے ان کی تعداد سو تھی اور بعض نے تین سو بتائی ہے (محمد بن سعد)

طالب کی مراجعت | حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سب سے بڑے بھائی طالب بن ابوطالب
بھی دوسرے ہاشمیوں کی طرح قریش کے ساتھ آئے تھے۔ قریش
کے کسی شخص سے ان کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دورانِ گفتگو میں وہ شخص طالب سے کہنے لگا: خدا

ہم خوب جانتے ہیں کہ تم بنو ہاشم کو ہمارے ساتھ چلے آئے ہو مگر دل سے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔ یہ سن کر طالب نے بھی دوسرے لوگوں کے ہمراہ مکہ کو مراجعت کی۔ ابن کلبی کا بیان ہے کہ طالب بن ابوطالب مشرکوں کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ ہو لیے تھے مگر حیرت کی بات ہے کہ نہ تو وہ مکہ معظمہ پہنچے۔ نہ بدر کے قیدیوں میں ان کا پتہ چلا اور نہ مقتولین میں ان کی لاش ملی۔ خدا جانے کہاں مفقود ہو گئے۔ جحفہ سے واپسی کے بعد کبھی ان کا کوئی نشان نہ ملا۔ وہ شاعر بھی تھے (ابن جریر طبری)

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فادی رفوان میں فروکش ہوئے ہیں تو اس وقت آپ کو کاروان قریش کا کوئی حال معلوم نہ تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد آپ کو بدریہ وحی الہی معلوم ہوا کہ قریش اپنے کارواں کی حفاظت کے لیے مکہ سے چل پڑے ہیں اور حق تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو دشمن کے دو گروہوں (قافلہ اد لشکر) میں سے ایک گروہ پر غلبہ دیا جائے گا۔ پس آپ نے اپنے جان نثاروں سے لشکر قریش کی روانگی کا ذکر کر کے صلاح پوچھی کہ قافلہ سے تعریض کیا جائے یا لشکر سے مقابلہ کریں؟ مسلمانوں کی جمعیت کم تھی اور اسلحہ کا بھی فقدان تھا اور لڑائی کے لیے کوئی بھی تیار ہو کر نہیں آیا تھا اس لیے اکثر نے یہ رائے دی کہ قافلہ کا تعاقب کرنا چاہیے۔

یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ اگر لشکر اسلام قافلہ پر غالب آکر مال غنیمت سے بہرہ مند ہوتا تو پھر قریش کی فوجی قوت کے سامنے مغلوب ہو جاتا کیونکہ خدا نے فوج بطلان سے دو گروہوں میں سے ایک ہی پر غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ایسی حالت میں جمعیت اسلام کو سخت نقصان پہنچنے اور ہزیمت اٹھانے کا خدشہ تھا اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و فہم اندیش اس حقیقت کو بجا نہ گئی تھی اس لیے آپ کا رجحان طبع یہ تھا کہ قافلہ سے تعریض کرنے کے بجائے قریش کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ جب آپ نے اپنا خیال ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ جو حقیقت حال سے بے خبر تھے کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے مدینہ سے چلتے وقت صرف قافلہ سے تعریض کرنے کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ قریش کے لشکر سے مقابلہ ہوگا۔ اگر معلوم ہو جاتا کہ لڑائی کے لیے جا رہے ہیں تو ہم اس کے لیے تیار ہو کر اسلحہ ہو کر آتے۔ یا رسول اللہ! مناسب یہی ہے کہ آپ رزم و قتال کا خیال

چھوڑ کر کارواں کا تعاقب کیجئے (ابن جریر طبری)

ایک غلط فہمی کا ازالہ | یہاں ایک غلط فہمی کا دور کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی شہرہ آفاق کتاب انوار الحق میں لکھتے ہیں :-

عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے رستے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں :-

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سہائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی، گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ لاتھا آئے۔ اور اللہ کی مرضی یہ تھی کہ اپنے حکم سے حق کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے۔

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ
بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
لَكَارِهُونَ . يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُونَ
اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ مُعَاذُ
يَعِدُكُمْ اِنَّهُ اِحْدَى السَّائِقَتَيْنِ
اَلْهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ اَنْ يَغَارِقَ فِي
الشُّوْكِةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكُلِّ مَنَةٍ وَيَقْطَعَ
دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ (۸: ۵۷-۵۸)

یہ آیتیں اور ان کا ترجمہ درج کرنے کے بعد حضرت علامہ موصوف لکھتے ہیں :-

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جاتا ہے۔

(۲) مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے۔ ایک غیور ذات الشوکۃ یعنی ابوسفیان کا کارواں تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے سر سامان کے ساتھ نکل چکا تھا (انوار الحق حصہ اول صفحہ ۳۸)

روانگی کے وقت قریش کے | اس کی نسبت گزارش ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کی وحی مدینہ منورہ سے نکلنے سے پہلے نہیں ہوئی تھی بلکہ مدینہ سے روانگی کے بعد حالت

چڑھانے کا کوئی گمان نہ تھا

سفر میں اس کا نزول ہوا تھا اور حافلہ ہو تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۱ ص ۱۱۸) مدینہ منورہ سے نکلتے وقت کسی مسلمان نے لڑائی سے جی نہیں چھایا تھا بلکہ جب ان ہتھوں کو حالت سفر میں معلوم ہوا کہ شکر قریش سے مقابلہ ہو گا تو اپنی بے سرو سامانی کا لحاظ کر کے ضرور وحشت زدہ ہو گئے تھے۔ دوسری اتنا اس یہ ہے کہ جس وقت سرور عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے نکلے ہیں تو اس وقت دوسرے گروہ یعنی قریش کے شکر کا کہیں وجود نہ تھا بلکہ آپ کے مدینہ چھوڑنے کے چند روز بعد جب مکہ معظمہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ان کے کاروان سے تعین کرنے والے ہیں تو اس وقت ابو جہل شکر مرتب کر کے بدر کی طرف روانہ ہوا تھا۔

لڑائی سے اعراض محض ایت کی تفسیر میں علامہ نے لکھا ہے کہ بعض صحابہ کو لڑائی سے کلاہیت گورنر ان کی منزل میں پہنچنے کے بعد بروئی لیکن آیت میں مجموعہ رمان کو شے واحد قرار دیا گیا یا حال مقتد کما جائے۔ اور طبعی کراہیت کا نتیجہ تھا۔

کَا كُنَّا يُسَا قُوْنَ اِلٰى اَمُوْتٍ مِّنْ اَسْفٰهٍ اِسْرَافٍ اس طرف اشارہ ہے کہ بعض صحابہ کرام کو اپنی بے سرو سامانی کی وجہ سے قتل ہو جانے کے گمان پر لڑائی سے جو کلاہیت تھی وہ شخص طبعی تھی عقلی اور اعتقادی نہیں تھی۔ اسی طرح اہتمام مشورہ کو مجازاً جلال فرما دیا گیا۔ علامہ شبلی مرحوم اس کے بعد لکھتے ہیں :-

اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ عین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے موتہ میں جانا خیال نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اگر آنحضرت قافلہ کے لوٹنے کے لیے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے موتہ میں جانا سمجھتے تھے۔ ایضاً صفحہ ۳۹)

قافلہ پر قابو پانے کے لیے تین سو کی جمعیت اس کے متعلق گزارش ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے کسی اہتمام اور ساز و سامان سے نہیں نکلے تھے بلکہ دشمن کے قافلہ کے محض چالیس یا ستر سوار آپ کے پیش نظر تھے۔ اس لیے وقت پر جتنے جان نثار اپنی خوشی سے نکلے آپ نے ان کو ساتھ لے لیا۔ ایک رعایت میں شام سے واپس آنے والے قافلہ کے اونٹوں کی تعداد ڈھائی ہزار بتائی گئی ہے۔ پس ڈھائی ہزار اونٹوں، پانچ لاکھ کے سامان اور چالیس یا ستر سواروں کو اتنی بے حد سہولت

سے مغلوب کر کے مختلف آبادیوں میں سے ہوتے ہوئے مدینہ لانے کے لیے تین سو آدمیوں کی جمعیت کچھ بھی زیادہ نہ تھی۔ یہی خصوصاً اس خدشہ کی موجودگی میں کہ قافلہ کی امداد کے لیے کہیں سے کوئی ملک نہ پہنچ جائے۔

دشمن کو سزا دینے کے لیے | اصل میں علامہ شبلی مرحوم نے عیسائی معترفین کے اقرار میں سے بچنے کے لیے آیت قرآنی کی سب سے بڑی آڑ لی ہے ورنہ معاشی دباؤ کی ضرورت

تک قریش کا بے پناہ ظلم توڑنا اور پھر انہیں جلا سے وطن پر مجبور کرنا اور ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں ہتیا لینا اور پھر ان کے دارالہجرت میں بھی یہ ناپاک کوشش جاری رکھنا کہ ان فلاکت زدہ تارکین وطن کو کوئی پناہ نہ دے یہ سب غیر انسانی اقدامات اس قابل تھے کہ جن پر جتنی سزا ان کو دی جاتی کم تھی۔ قریش کا مزاج درست کرنے کا قرار واقعی علاج یہی تھا کہ ان کی شامی تجارت کا سلسلہ مسدود کر کے ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے۔ اس بندش و مزاحمت کو اسی صورت میں ڈاکہ سے تعبیر کر سکتے تھے جبکہ اہل مکہ بے گناہ ہوتے اور کوشنے والے ارباب حکومت کی بجائے عام درندہ صفت غارتگر ہوتے۔ حالانکہ اقتدار کو ہمیشہ اس بات کا حق حاصل ہے کہ کسی دوسری برسر اقتدار جماعت کو جس نے جو رجحان کو شعار بنا رکھا ہو جانی اور مالی نقصان پہنچا کر سزا دے۔ اس اقدام کو ڈاکہ وہی قرار دے گا جس نے کسی غیر انسانی ماحول یا طول بیابانی میں پرورش پائی ہو۔

اوپر لکھا گیا تھا کہ اکثر صحابہ نے اپنی بے سرو سامانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ قریش کی عسکری جمعیت سے معرکہ آرا ہونے کا خیال ترک کر کے ان کے کاروان کا پیچھا کریں کیونکہ مصافحہ آرائی کی صورت میں آپ اپنے آپ کو اس مصرع کا مصداق پاتے تھے ج

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

بے سرو سامان صحابہ | لیکن حامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ خداوندی کے پیش نظر اس حقیقت کا پورا احساس تھا کہ اگر کاروان کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر مسلمان شکر قریش کے مقابلہ میں غیر مسلح اور بے سرو سامان ہونے کے باوجود یقیناً مظفر و منصور ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کاروان کا خیال چھوڑ کر

لشکر قریش سے رزم خواہ سہ تھے تو اسلام غالب اور کفر مغلوب ہو گیا اور ہر طرف دین حق کی عظمت کا ڈنکہ بجنے لگا۔ یہ کامیابی کا روان سے غنیمت حاصل کرنے کی صورت میں ہرگز نہیں نہ آتی بلکہ اس کے بعد لشکر قریش سے مغلوب ہو جانے میں لینے کے دینے پڑ جاتے۔ اس کی بدیہی مثال یہ ہے کہ معرکہ بدر میں مسلمانوں نے مغلوب دشمن کے اسیروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو پھر اعدا میں اس کا بڑی طرح خمیازہ بھگتا پڑا۔

شیخین اور مقدادؓ کی | الخرمین جب اصحاب کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے اپنے غیر مسلح اور بے سرو سامان ہونے کی بنا پر اسی خواہش کا اظہار کیا کہ قافلہ کا تعاقب کیا جائے تو یہ امر آپ پر شاق گزرا۔ جب حلیل القدر ولولہ انگیز تقریریں

صحابہ کو حضورؐ کی مرضی مبارک کا احساس ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقداد بن عمروؓ نے پُر زور تقریریں کر کے آپ کے رجحان طبع کے مطابق سب کو سپاہ قریش کے خلاف جنگ آزما ہونے کی ترغیب دی۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنی حمایت و جان نثاری کا یقین دلایا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی پرجوش تقریر میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ اعظم قریش ہیں۔ جب سے انہوں نے عزت پائی ذلت سے کبھی سابقہ نہیں پڑا اور جب سے ظلمت کفر میں پڑے نور ایمان سے روشناس نہیں ہوئے۔ یہ آپ سے یقیناً لڑیں گے۔ اس لیے ضرور ہے کہ ان کی اچھی طرح سرکوبی کی جائے۔ اس کے لیے ہماری جانیں حاضر ہیں۔ ان دونوں حضرات نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا اظہار کیا اس نے یک بیک تمام جان نثاروں کے جذبات سرفروشی و جان سپاری میں ہیجان پیدا کر دیا (ابن جریر طبری)

ان دونوں کے بعد حضرت مقداد بن عمروؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم قوم موسیٰؑ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تم اعدائے خدا خود ہی جا کر لڑو۔ ہم حضورؐ کے واسطے بائیں آگے اور پیچھے جان نثاری کے جوہر دکھائیں گے (بخاری)

انصار کی مرضی معلوم | اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب دوسرے حضرات اپنی رائے ظاہر کریں اور مشورہ دیں۔ اس ارشاد کا منشا انصار کی کرنے کی خواہش

مرضی معلوم کرنا تھا کیونکہ انصار نے جب مکہ معظمہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار آپ

ساتھ دیں گے اور یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کی حمایت میں شہر سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال موج زن ہوا کہ شاید انصار مدینہ میں حملہ آوروں کی مدافعت کے علاوہ اور حالات میں آپ کی نصرت کو ضروری نہ خیال کرتے ہوں اور سمجھتے ہوں کہ آپ کے ساتھ ہو کر کسی بیرونی دشمن کے مقابلہ میں اپنے گھروں سے باہر جانا ان کے فرائض جی میں داخل نہیں اس لیے جب آپ نے یہ فرمایا کہ اب دوسرے حضرات مشورہ دیں تو حضرت سعد بن معاذ انصاری رئیس مرنی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا کا منشا ہماری مرنی معلوم کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔

سمندر میں گھوڑے ڈال دینے پر آمادگی | انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔ آپ کی اطاعت و

فرمان برداری کے لیے آپ سے عہد و پیمان کیے اس لیے جو بھی مرنی مبارک میں ہو وہ کیجیے ہم ہر طرح اطاعت کریں گے۔ انصار کا ایک تنفس بھی پیچھے نہ رہے گا جب دشمن سے مقابلہ ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ انصار کس طرح لڑائی میں ثابت قدم رہتے اور داد مردانگی دیتے ہیں اور عجب نہیں کہ حق تعالیٰ آپ کو ہماری بدولت ایسی مسترت عطا کرے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پس آپ خدا کا نام لے کر ہماری رفاقت میں پیش قدمی فرمائیے (ابن جریر) حضرت سعد بن معاذ مرنی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے ڈال دینے کا حکم دیں گے تو بھی ہم بلا تامل اس کی تعمیل کریں گے اور اگر برک الخناد (واقع ملک حبشہ) جیسے بعید مقامات تک سواریاں لے جانے کے لیے ارشاد ہوگا تو اس میں بھی کسی جان نثار کو غدر نہ ہوگا (صحیح مسلم)

اس پر جوش اظہار فدویت سے آپ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا انبساط سے چہرہ مبارک چمک اٹھا (صحیح بخاری باب غزوہ بدر)

صحابہ کو بشارت فتح | آپ نے فرمایا کہ اب اللہ کی برکت کے ساتھ چلو اور تم کو بشارت ہو کہ تم کو یقیناً فتح ہوگی کیونکہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ قریش کے دو گروہوں میں سے ایک ضرور ہمارے ہاتھ لگے گا اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن بے دریغ قتل ہوگا (ابن جریر طبری)

قرآن حکیم (سورہ انفال کی ساتویں آیت) میں اس واقعہ کا ان الفاظ میں احوالی تذکرہ

ہے۔ اُس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کی نسبت وعدہ کیا تھا کہ اُس کو مغلوب کر دے گا اور تمہاری یہ خواہش تھی کہ غیر مسلح جماعت (قافلہ) تمہارے ہاتھ آئے مگر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا عملاً ثابت کر دے اور منکروں کی بیخ و بن اکھاڑ دے۔

دفران سے روانگی | اب آپ دادی دفران سے روانہ ہوئے اور بدر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو دشمن کی نقل و حرکت کا حال معلوم کرنے کے لیے بدر کے چترمہ کو بھیجا۔ یہاں انہیں قریش کے دوستے ملے۔ یہ ان دونوں کو دادی بروحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز نقل پڑھ رہے تھے۔

سقوں سے استفسار | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت پا کر سقوں سے پوچھا کہ اس وقت قریش کا لشکر کہاں ہے؟ انہوں نے ریت کے ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے پیچھے۔ اس ٹیلے کا نام عققل تھا۔ آپ نے پوچھا شکر کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا صحیح تعداد تو ہم نہیں جانتے البتہ بڑی تعداد میں ہیں۔ آپ نے پوچھا کتنے اونٹ روزانہ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے (ابن سعد و ابن جریر طبری)۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ عمائد قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ انہوں نے کہا عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالختری بن ہشام، حکیم بن حزام، عمرو بن ہشام (معروف بہ ابو جہل)، اُمیہ بن خلف، نوفل بن خویلد، سہیل بن عمرو، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، عمرو بن عبدودؓ یہ نام سن کر آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ دیکھو مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں۔ (طبری)۔

حضرت جنابؓ کے مشورہ کی آسمانی تائید | بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے جس جگہ ڈیرہ ڈالا وہ جگہ حضرت جناب بن منذر بن جوح انصاریؓ کی نظر میں ناموزون تھی۔ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ اس مقام پر اللہ تعالیٰ

کے حکم سے فروکش ہوئے ہیں یا اپنی ذاتی رائے سے؟ اگر حکم الہی ہے تو کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ ہم اس سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور اگر یہ حضور کی ذاتی رائے ہے تو یہ جگہ پڑاؤ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ ہم کو پانی کے پاس اترنا چاہیئے۔ میں اس سرزمین کے کوئٹوں سے واقف ہوں۔ مجھے میٹھے پانی کا ایک ایسا کنواں معلوم ہے جس کا جتنا پانی بھی نکالا جائے اس میں کمی نہیں آتی۔ مناسب یہ ہے کہ اس کنوئیں پر قبضہ کر کے اس پر ایک حوض تیار کر لیا جائے اور اس کے پیچھے جتنے کنوئیں ہیں ان کو بھی اپنے حیطہ تصرف میں لے لیا جائے۔ اس تدبیر سے ہمارے اندر تو پانی کی قلت نہ ہوگی اور دشمن شدت تشنگی سے پریشان ہو جائے گا۔ جب جناب رضی اللہ عنہ وسلم کو یہ مشورہ دے رہے تھے تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ سے فرمایا کہ جناب بنی نضر نے جو صلاح دی ہے وہ صحیح ہے (ابن سعد)

آپ نے حضرت جناب سے فرمایا کہ تمہاری رائے صائب ہے چنانچہ آپ نے تمام صحابہ کو ساتھ لے کر اس مقام سے کوچ کیا اور حضرت جناب کی نشان دہی پر اس کنوئیں پر آئے جو قریش کے قریب تر واقع تھا۔ وہاں پڑاؤ کیا۔ آپ نے اپنے کنوئیں پر ایک حوض بنوایا اور اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ پھر صحابہ نے اس میں برتن ڈال دیے (ابن جریر و ابن سعد)

شکر قریش کی تعداد قریش جب مکہ سے چلے ہیں تو ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے کچھ کم تھی۔ ان میں سے کثیر التعداد افراد راستہ سے واپس چلے گئے تھے جب **اور ساز و سامان** وہ بدر پہنچے ہیں تو اس وقت ان کی فوج میں ساڑھے نو سو جوان، سو گھوڑے اور سات سوادٹ تھے۔ ان کے تین جھنڈے تھے۔ ایک حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیٰ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا اور دوسرے نضر بن حارث کے ہاتھ میں۔ لشکر کا ہر جوان پوری طرح مسلح تھا اور نہ صرف تمام سوار بلکہ قریب قریب سارے پیادے بھی زرہ پوش تھے۔ مغنیہ عورتیں اور آلات طرب بھی ساتھ تھے۔ یہ لوگ راستہ میں جہاں کہیں قیام کرتے تو ٹھکانے اور طوائفیں لگا کر داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہل لشکر کو خوب مشتعل کرتے اور اہل توحید پر زہا بن طعن و راز کی جاتی۔ منادید قریش میں سے ہر ایک باری باری ساری فوج کے لیے کھانا میا کرتا۔ ہر روز نو سو اونٹ ذبح کیے جاتے (ابن سعد)

جب قریش کا لشکر خفاف بن ایثار غفاری کے پاس سے گزرا تو اس نے اپنے بیٹے

کے ہاتھ کچھ اونٹ بطور دعوت ان کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اگر چاہو تو اسلحہ اور سپاہ سے بھی مدد کرو۔ مگر قریش نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ جہاں تک عزیز داری کا حق تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔ اگر ہمارا مقابلہ انسانوں سے ہے تو ہم کسی طرح دشمن کے مقابلہ میں کمزور نہیں ہیں اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اڈے کے بموجب ہم خدا سے لڑنے جا رہے ہیں تو اللہ کے مقابلہ میں کسی کی بھی کچھ پیش نہیں جاسکتی (ابن جریر طبری)۔

مسلمانوں اور قریش کی فرو دگا ہیں | قریش بدر پہنچنے کے بعد وادی کے کنارے عققل ٹیلہ کے پیچھے فروکش ہوئے تھے۔ لشکر اسلام نے وادی کی دوسری طرف نزول فرمایا۔ قرآن پاک میں دونوں لشکر گاہوں کا ان الفاظ میں ذکر

آیا ہے۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى۔ عُدْوہ بمعنی شیط وادی ہے اور دنیا (دو سے) بمعنی مدینہ ہے قریب ہے اور قُصْوَى سے مراد مدینہ سے بعید ہے۔ پس مسلمانوں کا نزول عُدْوہ دنیا میں بجانب مدینہ تھا اور اہل شرک کا قیام عُدْوہ قُصْوَى میں بجانب مکہ تھا۔ جب آنحضرتؐ نے ان کو عققل کی طرف بڑھتے دیکھا تو مالک الملک عزا سمہ سے التجا کی اسے خداوند! یہ قریش غرور و نخوت کے ساتھ تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کو چھٹلانے آگئے ہیں۔ تو نے مجھ سے نفرت کا جو وعدہ فرمایا ہے اُسے پورا کر اور آج ہی ان کو پامال کر کے ان کے کبر و غرور کا خاتمہ کر دے (ابن جریر)۔

بدر میں اپنے اور پرانے کی شناخت کے لیے مہاجروں کا شعار یا بنی عبدالمطلب اور خزرج کا یا بنی عبد اللہ اور اوس کا یا بنی عبد اللہ مقرر کیا گیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ تمام مسلمانوں کا شعار یا منصور اُمت تھا (محمد بن سعد) لفظ اُمت اِمائت سے امر کا میثاق ہے یعنی اے اللہ! دشمنوں کو مار اور ہلاک کر۔

معلوم ہو کہ مسلمانوں نے وادی کے جس رخ پر بجانب مدینہ قیام کیا وہ راستی زمین تھی جس میں آدمیوں اور سواروں کے پیر نہیں جھٹتے تھے۔ ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ اس اہل ایمان کو بڑی تکلیف کا سامنا ہوا یہ دیکھ کر بنی عبد اللہ علیہ وسلم نے نزول باران کے لیے دعا فرمائی چنانچہ خوب بارش ہوئی۔ پھر خدا سے قدر نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی۔ اس چونکے تودل کی تشویش ماتی رہی۔ ڈھارس بندھ گئی (بہنادی)۔

قریش کو کچھڑ کی تکلیف | بارش سے مسلمانوں کی طرف کی زمین جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں

ٹھہرنے لگے۔ برخلاف اس کے قریش نے نرم اور نشیب زمین میں ڈیرے لگائے تھے اور ان
ولد ل اور کیچڑ ہو گئی۔ ان لوگوں کو کیچڑ میں چلنے پھرنے کی بڑی تکلیف رہی (تاریخ طبری) صحابہ
کرام بننے جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنائے کہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ ان میں
ایک بڑا حوض بھی تھا۔

الغرض شکر اسلام میں پانی کی فراوانی تھی اور ان کے پانی میں اپنے بچانے کی کوئی تیز نہ
تھی۔ قریش کے لشکر میں پانی کی سخت قلت تھی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا
کہ دشمن کے کسی آدمی کو پانی پینے یا بچانے سے نہ روکا جائے (سیرت ابن ہشام)

غیر مسلموں کا اسلامی | رثانی شروع ہونے سے پہلے قریش کے چند آدمی جن میں ام المومنین
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام بھی اپنے
حوض پر پانی پینے کو آنا | گھوڑے پر سوار ساتھ تھے بڑھ کر مسلمانوں کے ساختہ حوض پر

جو نزول باران کے بعد بنایا گیا تھا پانی پینے کے لیے چلے آئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے دوبارہ فرمایا کہ آنے دو۔ مزاحمت نہ کرو۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی قسمت میں ایمان کی
دولت جاوید لکھی تھی۔ تو بچ گئے۔ ان کے سوا جس کسی نے اس حوض کا پانی پیادہ مارا گیا۔
حضرت حکیم بنکے بچ نکلنے کا واقعہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اثنائے جنگ میں اکابر قریش کو
ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اترتے دیکھا اور یقین ہو گیا کہ نسیم فتح و ظفر مسلمانوں کے
رایت اقبال پر چل رہی ہے تو اپنے تیز د گھوڑے پر جس کا نام وجیہ تھا، میدان جنگ سے
بھاگ نکلے۔ پھر وہ سعادت ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد مدت العمر
جب کبھی انہیں کسی بات پر قسم کھاتے وقت اپنی قسم میں قوت پیدا کرنی منظور ہوتی تو کہا کرتے
قسم ہے اس خدا سے قادر و توانا کی جس نے مجھے جنگ بدر کی ہلاکت آفرینی سے بچایا۔
(ابن جریر طبری)

حوض کے منہ دم کرنے | اسود بن عذالا سرد کہ معطلہ کا ایک اکھڑ اور درشت مزاج بت
پرست تھا۔ وہ مسلمانوں کے اگلے حوض کو دیکھ کر سانپ
کی ناکام کوشش | کی طرح بیچ و تاب کھاتا تھا۔ آخر طیش میں آکر اس نے معطلہ
قسم کھائی اور ہد لایں اللہ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ جا کر مسلمانوں کے حوض کو منہ دم کروں گا
یا اپنی جان دے دوں گا۔ جب وہ مسلح ہو کر حوض کی طرف چلا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

اس کی طرف بڑھے۔ اس نے تلوار سونت لی۔ شیر خدا نے تلوار کا وار کر کے اس کی ٹانگ نصف
ساق سے قطع کر دی۔ وہ موتھ کے بل گر پڑا۔ اس کا خون سے لتھڑا ہوا ہاڈل اس کے ساتھ
کی طرف تھا۔ اب وہ گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا حوض کی طرف بڑھا اور بزمِ خود اپنی قسم
پوری کرنے کے لیے اس میں گھس پڑا۔ حضرت حمزہؓ دوبارہ اس کے سر پر پیچھے اور تلوار کی
ضرب سے حوض ہی میں اس کو داخل جہنم کر دیا (ابن جریر طبری)

رؤسائے قریش کے | لڑائی شروع ہونے سے پہلے شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے اصحابِ کبار کے ساتھ میدانِ جنگ کا ایک چکر لگا
اور مختلف مقامات دکھا دکھا کر اور زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر

جگہوں کی تعیین کی اور فرمایا کہ قریش کا فلاں رئیس یہاں گرے گا۔ اس جگہ فلاں شخص مارا جائیگا۔
اس مقام پر فلاں شخص کا لاشہ پڑے گی۔ غرض تمام رؤسائے قریش کے قتل دکھا دیے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم
نے سردارانِ قریش کے تباہ و ہلاک ہونے کی جو جگہیں متعین فرمائی تھیں واللہ! ہلاک
ہونے میں کسی نے اس سے سبوتاژ نہیں کیا اور وہ معرکہ جنگ میں وہیں پڑا ہوا ہلاک
(صحیح مسلم) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو صحنِ حرم کی بددعا کے وقت موجود تھے فرماتے
ہیں کہ مکہ کے ساتوں رؤسائے عظیم جن کے حق میں آپؐ نے بددعا کی تھی سب کے سب ہدر
کے میدان میں ڈھیر ہو گئے (بخاری و مسلم)

رسول اکرمؐ کے لیے | انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کو سی رضی اللہ عنہ نے تیار
موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لڑائی سے پہلے ایک ٹیلے
عریش کی طیاری پر کھجور کی شاخوں سے ایک عریش (مسقفہ جوترا) تیار کرا دیا
تھا تاکہ آپؐ اس پر بیٹھ کر رفتارِ جنگ کا معائنہ کریں اور احکام نافذ فرمائیں۔ عریش کی
تیاری کے بعد حضرت سعدؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! عریش کے پاس حضور اقدس
کے لیے اونٹ تیار کھڑے رہیں گے۔ ہم دشمن کے لیے جنگ آزمائوں گے۔ اگر مالک الملک
نے ہم کو دشمن پر فتح و نصرت عطا فرمائی تو مقصد پورا ہوا اور اگر خدا نخواستہ دوسری صورت
پیش آئی تو آپ بھٹ اونٹ پر سوار ہو کر ان انصار کے پاس چلے جائیے گا جو مدینہ میں رہ
گئے ہیں اور آپ کے ساتھ یہاں نہیں آئے۔ وہ بھی آپ کے ایسے ہی جان نثار ہیں

جیسے کہ ہم ہیں۔ جان نثاری و فدویت میں ہم ان سے کسی طرح فائق نہیں۔ اگر ان کو اس بات کا علم ہوتا کہ آپ کو جنگ سے بھی سابقہ پڑے گا تو وہ آپ کی رفاقت و میثت کے کبھی مختلف نہ کرتے۔ پس حق تعالیٰ ان کے ذریعہ سے آپ کی حفاظت کرے گا۔ وہ آپ کے ساتھ اخلاص برتیں گے اور آپ کے ہمراہ اپنی جانیں لڑادیں گے۔ آپ نے ان کو دعائے خیر دی۔ اس کے بعد آپ عریش میں اقامت فرما ہوئے۔ (ابن جریر طبری)

اسلام کی شجاع | اب آپ کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا کیونکہ میدان جنگ میں جہاں ترین بزرگ ہستی | ہر وقت دشمن کی چیرہ دستیوں کا خدشہ تھا آپ کا تنہا ہونا کسی طرح قرین دانش نہ تھا۔ اس کی نسبت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ باریا ملاحظہ ہو۔ مستند بزار میں روایت کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ نے حاضرین مجلس سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک اُمت میں سب سے بڑا شجاع کون ہے؟ انہوں نے کہا آپ ہیں۔ فرمایا میں ہمیشہ برابر کے جوڑے سے مقابلہ کرتا ہوں۔ یہ کوئی شجاعت نہیں۔ تم شجاع ترین آدمی کا نام لو۔ سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ سب سے زیادہ شجاع ابو بکر صدیق تھے کیونکہ غزوہ بدر میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مسقف چوڑا بنا یا گیا تھا۔ ہم لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور کے پاس کون رہے گا جو مشرکوں کو آپ پر حملہ کرنے سے باز رکھے۔ جان نثاروں میں سے کسی کو اس کا رخیل کی جوأت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر ابو بکر صدیق نہ جھٹ شمیر بکف بڑھے اور معاصر و رکائات صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اور کسی دشمن کو آپ کے پاس پھٹکنے نہ دیا اور جس کسی آپ کا قصد کیا اس کو مار کر ہٹا دیا (تاریخ الخلفاء)

بارگاہِ رب العزت | لڑائی سے پہلے اعداء کو اپنی کثرت تعداد اور فراوانی اسلحہ کا گھمنڈ تھا اور مسلمانوں کی نظر تائید مافی پر تھی جیسے الباقین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش قرینا ایک ہزار کیل گئے

سے لیں اور اپنے جان نثار کلہم تمنیٰ سو اور وہ بھی نیتے ہیں تو آپ نے عریش میں قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلا دیے اور درگاہ رب العزت میں دعا کرنے لگے اے الہی! اپنا وہ وعدہ پورا کر جو نبی سے کیا ہے۔ خدایا! اگر اہل توحید کی یہ منہی بھر جماعت تباہ ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری پستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ اس منامات کے وقت محویت و استغراق کا یہ عالم تھا کہ چاند

دوہن مبارک سے گر گر پڑتی تھی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ روادا اظہر کو آپ کے شانوں پر رکھتے تھے اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب تھے۔ اس درد انگیز مناجات کی تاب نہ لائے اور آپ کے ہاتھ پکڑ کر رقت آمیز لہجہ میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اب بس کیجئے۔ آپ کی اتنی دعا اکتفا کرے گی۔ خدا سے کہہ دگا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی اس عرضداشت کے بعد حضور انور اٹھ کھڑے ہوئے اور عالم فرج میں بڑی عجلت کے ساتھ عریض سے باہر نکل کر یہ آیتیں پڑھنے لگے :-

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اتنی بڑی جمعیت ہے کہ ضرور غالب رہے گی مگر غریب یہ جمعیت شکست کھائیگی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

أَمْ يَقُولُونَ خُذْ جَمِيعُ مَتَنَصْرِهِ
سَيَهْرُمُ الْجَمْعُ وَيُؤْتُونَ الدُّبْرَةَ
(۵۴: ۴۷ - ۴۵)

تشریح اس حدیث پر یہ اشکال لائے ہیں کہ یہ کیونکر روا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور رب الاولین والاخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعا میں اجتہاد و الحاح سے باز رہنے کی تلقین کریں اور آپ کے رجا و یقین کو تقویت دیں حالانکہ آپ کا مقام سب سے اعلیٰ و اسع اور آپ کا یقین تمام مخلوق کے یقین سے فائق تھا

علامہ نسیمی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس وقت صدیق رضی اللہ عنہ رجا کے مقام میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوف و شہود کے مقام میں۔ آپ پر اس حقیقت کا رعب طاری تھا کہ حق تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لیے آپ کو یہ خوف دامگیر ہوا کہ اگر مسلمان شکست کھا گئے تو حق تعالیٰ کی عبادت دنیا سے اٹھ جائے گی اور دعوت توحید کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ پس آپ کا خوف بھی عبادت میں داخل تھا اور کمال تھا نہ کہ نقص۔

اشکال مذکور کی نسبت خطابی نے لکھا ہے کہ یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ اس درخواست کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عامل وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشیت ربانی سے زیادہ قریب تھے۔ چونکہ آپ کی یہ مناجات اصحاب کے لیے باعث شفقت اور ان کے دلوں کی تقویت کا ذریعہ تھی، آپ نے دعا و توجہ اور الحاح و ابہتال میں اس لیے ہمانہ کیا کہ اس سے اصحاب کے دلوں کو تقویت و تسکین ہو کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی دعا مستجاب ہے یہی وجہ ہے کہ برونہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے التماس کی کہ اب آپ بس کیجئے تو آپ

الحاج وابتہال سے دست بردار ہو گئے اور جان لیا کہ دعا مقبول ہوئی کیونکہ ابو بکر صدیقؓ کے دل نے اس سے تقویت و طماننت پائی ہے۔ لہذا اس دعا کے بعد آپؐ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الثُّبُورَ (عنقریب ان کا گروہ شکست کھائے گا اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے) غرض الحاج و مناجات کے وقت آنحضرتؐ مقام خوف میں تھے اور خوف نماز کی تمام حالتوں میں کمال کا درجہ رکھتا ہے۔

اور یہ جو آپؐ نے فرمایا کہ اہل حق کو ہزیمت ہوئی تو تیری عبادت دنیا سے اٹھ جائیگی اس کا مبنی آپؐ کا یہ علم تھا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ اس لیے اگر آپؐ اور آپؐ کے پیرو (فالم بدین) دنیا سے مٹ گئے تو پھر قیامت تک کوئی داعی ایسا نہ ہوگا جو لوگوں کو ایمان و عبادت کا راستہ دکھائے اور توحید و سنت کی دعوت دے۔

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی دعاؤں | یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جنگ سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنان دین کے متعلق جو دعا کی اس کو حضرت نوحؑ سے رحمت عالمؑ کی دعا کا مقابلہ

علیہ السلام اور حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی دعاؤں کے مقابلہ میں رکھا جائے جو انہوں نے اپنی اپنی قوم کے خلاف کیں تاکہ حضرت رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان رحمت کا دھندلا سا فکس آنکھوں کے سامنے آجائے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ آپؐ کو اخلاقی کمال کے اعتبار سے بھی تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام پر درجہ تفوق حاصل تھا۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے ان الفاظ میں بددعا کی تھی اے میرے پسرے! روگیا! روئے زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی زندہ نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو ان کو زندہ رکھے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے امدان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار اور اور کٹے کافر ہی ہوں گے (۲۷: ۱۷) امد موسیٰؑ علیہ السلام نے اپنی امت دعوت کے خلاف یہ بددعا کی تھی۔ اے ہمارے پسرے! روگیا! ان کے مال میں میٹ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ یہ لوگ عذاب دردناک دیکھے بغیر ایمان ہی نہ لائیں (۸۸: ۱۰)

لیکن اس موقع پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کلمہ نکلا وہ یہ تھا کہ خداوند! اگر اہل توحید کی مٹھی بھر جماعت تباہ ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے صاف لفظوں میں اپنی اپنی قوم کی

تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں پہنچ کر بھی دعا مانگی تو قوم کی تباہی و بربادی کی نہیں بلکہ صرف اہل توحید کے حفظ و میمانت کی۔

ہزار ملائکہ بھیجنے کا | اور لکھا گیا تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قریباً ہزار کے مقابلہ میں کلمہ تین سو پانچ تھے۔ ان مقدسین میں دار فنگی، دولہ ایمانی اور وعدہ خداوندی | حب رسولؐ نے شجاعت و جانبازی کا جو گرا نمایاں جو ہر پیدا کر دیا تھا

اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ ساڑھے نو سو دشمنان دین کو مار مار کر خشن و خاشاک کی طرح اڑا دیتے لیکن مشکل یہ تھی کہ کثیر التعداد دشمن کامل طور پر مسلح تھا اور پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا اویہ قاطبہ غیر مسلح تھے جو بعزم جنگ گھر سے نہیں نکلے تھے۔ ان کی بے سرو سامانی کی یہ حالت تھی کہ تین سو پانچ جانبازوں کے پاس صرف آٹھ تلواریں تھیں اور ظاہر ہے کہ آٹھ تلواروں کا قریباً ہزار شمشیروں اور طرح طرح کے دوسرے اسلحہ سے کیا مقابلہ؟ اس حالت کے پیش نظر خدا نے معین عزائم نے اپنے فضل مخصوص سے ملائکہ بھیج کر اہل ایمان کی قلت تعدد اور بے سرو سامانی کی تکافی کر دینی چاہی چنانچہ جب خلیفۃ اللہ علی الارض عرش میں بیٹھ کر دست بدعا ہوئے تو عجیب الدعوات نے سورۃ انفال کی آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی :-

یہ وہ وقت تھا کہ تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے قتاری سن لی (اود فرمایا) ہم لگاتار ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کر رہے ہیں۔

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنَّا سَمِعُكُمْ يٰ اَنفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرُوۡفٰۤیۡنَ ۝ (۸:۹)

صحابہ کی تنہا دستی | ہجرت کے بعد چند مستثنیات کو چھوڑ کر تمام جان نثاران رسالت ناوار و مفکرک الحال تھے۔ اسی لیے ان کی بہت بڑی اکثریت دشمنوں کے کاروان کی قینقت سے اپنی ناداری و تنہا دستی کا مداوا کرنا چاہتے

تھی حالانکہ اگر وہ ایسا کرتے تو لشکر قریش کے مقابلہ میں منہزم ہو جاتے اور پھر مسلمانوں جتنا مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑتا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے لیکن خدا کے برگزیدہ نے انہیں جس راستہ پر لگایا وہ ان کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا فیصل ہو گیا۔ فتح بدر کے بعد اسلامی عزت و رفعت بھی ثریا سے ہمدوش ہوئی اور تنگ دستی نے بھی کسی حد تک صبر کا ساتھ چھوڑ دیا۔

چنانچہ مروی ہے کہ جب افضل الرسل علیہ التمجید والسلام نے اعداء کی فوج گراں کے ساز و سامان کے مقابلہ میں اپنے قلیل اور نیتے لشکر کی بے سرو سامانی دیکھی تو آپ نے مجیب الدعوات کی بارگاہ عالی میں دعا کی کہ بار خدا یا! یہ ننگے ہیں انہیں کپڑا دے۔ یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا دے۔ یہ پیادے ہیں انہیں سواری دے۔ اس حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ فتح بدر کے بعد غازیوں میں سے کوئی فرد ایسا نہ رہا جس کے پاس ایک دو اونٹ اور کپڑے اور سامان خوراک نہ ہو (ابوداؤد)

ہاشمیوں اور ابوالبحتری کے قتل کی ممانعت

لشکر قریش میں بہت سے ایسے مجاہدین ہوں بھی تھے جن کو مجبور کر کے اور ان پر سخت دباؤ ڈال کر اپنے ساتھ لایا گیا تھا۔ ایسے لوگوں میں اور دشمنوں میں امتیاز نہ کرنا اسلامی اصول معاہدت کے سراسر خلاف تھا۔ اسی بنا پر دنیا کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی سے پہلے صحابہؓ سے فرمایا مجھے بتو بی معلوم ہے کہ بنو ہاشم اور دوسرے لوگوں میں بھی بعض لوگ بادل ناخواستہ ہمارے مقابلہ پر پہنچ گئے ہیں۔ وہ ہم سے قطعاً لڑنا نہیں چاہتے۔ لہذا اگر ہاشمیوں میں سے کوئی شخص تمہارے ہاتھ آئے تو اسے قتل نہ کرنا۔ ابوالبحتری بن ہشام بن حارث بن اسد کی بھی جان نہ لینا اور بالخصوص میرے چچا عباس بن عبدالمطلب ہاتھ آئیں تو ان کی جان ستانی سے ہار رہنا کیونکہ وہ سخت ناگہاری کے ساتھ شریک جنگ ہوئے ہیں۔

حضرت ابو حذیفہؓ کو اس پر حضرت ابو حذیفہؓ صحابی بننے کا یہ کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے۔

اپنے الفاظ پر شہمائی یہ کیا تفویق ہے کہ ہم اپنے باپ بیٹے بھائی اور خاندان والوں کو قیامت کے گھاٹ اتاریں اور عباسؓ کو چھوڑ دیں؟ بخدا! اگر

میں نے عباسؓ کو پایا تو تلوار سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو حذیفہؓ کے اس قول کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ابو حذیفہؓ آپ نے ابو حذیفہؓ کا قول سنا۔ وہ ہم رسول کے قتل کے درپے ہیں۔ کیا میرے چچا کا چہرہ قتل کے لائق ہے؟ حضرت عمرؓ ابو حذیفہؓ کے الفاظ کی تاب نہ لا سکے اور عالم غیظ میں عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ ابو حذیفہؓ چونکہ ایک فاضل و جان نثار صحابی تھے اور یہ کلمہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا اس لیے رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نظر انداز فرما دیا۔ یہ پہلا دن تھا جبکہ آپ نے حضرت عمرؓ

○ کراہو شخص کی کینیت سے مخاطب فرمایا۔

اس کے بعد یہ کانٹا ہمیشہ حضرت ابو خذیفہؓ کے دل میں کھٹکا کرتا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ گستاخی کا وہ کلمہ جو غلطی سے میری زبان پر جاری ہو گیا اس سے میں ہمیشہ خوف زدہ رہتا ہوں کہ نہ معلوم اس کا کیا وبال مجھ پر پڑے اور میں یقین کرتا تھا کہ صرف اللہ کی راہ میں شہادت ہی اس جرم کا کفارہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ یمامہ میں جو مسئلہ کذاب نبی نبوت کے خلاف لڑی گئی تھی بڑی بہادری سے لڑ کر راہ خدا میں جان دی (ابن جریر طبری)۔

صف آرانی کے دن ناز صبح کے بندھی حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی آمد سے پہلے اپنے جان نثاروں کو قطاروں میں تقسیم کیا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ معاینہ میں کوئی فازی ذرا بھی آگے یا پیچھے نظر آتا تو آپ اس کو فوراً درست کر دیتے۔ جب صفوں کا معاینہ فرما رہے تھے تو آپ نے بنو نجار کے حلیف سواد بن غزیہ کے حکم سے چھڑی لگا کر اس کو نہایت نرمی سے چھو دیا اور فرمایا سواد! برابر ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو نبی برحق مبعوث فرمایا ہے۔ آپ اس کا معاوضہ دیں۔ آپ نے معاف اپنا شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا کہ اپنا بدلہ لے لو۔ سواد نے آپ کے شکم مبارک کو چوم لیا۔ آپ نے پوچھا سواد! تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ دیکھتے ہیں کہ جنگ شروع ہونے والی ہے۔ ممکن ہے کہ میں اس میں کام آجاؤں۔ میں نے چاہا کہ اخیر وقت میں میری جلد آپ کے جسم اطہر سے لمس ہو جائے۔ اس آپ نے ان کو دوائے خیر دی (ابن جریر طبری)۔

تعبید یعنی صف بندی کے بعد آپ نے اپنے جان نثاروں کو چند اہم ہدایتیں دیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ مسلمان اس صف کو نہ توڑیں اور اس وقت تک رزم و پیکار کا سلسلہ نہ شروع کریں جب تک آپ اجازت نہ دیں۔ دشمن زور سے باہر ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زور پر آئے تو تیر برسانیں۔ جب زیادہ نزدیک ہو تو نیزوں سے روکیں اور سب اخیر میں تلوار نہ کھنکھنے والے تلواریں کھینچیں۔ (بخاری)۔

پہلے لکھا گیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسہلؓ اس صف جنگ میں

اپنے والد اور دوسرے بھتیجے پرست خویش و اقارب کی سختیوں سے مجبور ہو کر حبشہ کی دوسری ہجرت میں اس دارالامان کی راہ لی تھی۔ حبشہ سے واپس آئے تو والد نے جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے پابزنجیر کر کے ناقابل برداشت اذیتیں دیتی شروع کیں یہاں تک کہ اپنے اسلام کے اخطار پر مجبور ہو گئے۔ آخر ان کے والدین اور دوسرے اہل شرک نے یقین کر لیا کہ وہ توحید کے خیال سے دست بردار ہو کر اپنے پرانے کیش اہنام پرستی میں واپس آ گئے ہیں۔ جب بدر کے لیے تیاری ہوئی تو انہیں بھی مکہ معظمہ سے شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے لیکن کیا معلوم تھا کہ جو دل ایک دفعہ نور ایمان سے روشن ہو چکا ہے، وہ کفر کی تاریکی کو مشکل قبول کر سکتا ہے۔ جب بدر کے میدان جنگ میں حق و باطل کے پیرو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو عبداللہ بن شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے بحث لڑا اسے توحید کے نیچے اکھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر باپ دانت پیسنے لگا اور آغاز جنگ میں انتہائی غیظ و غضب کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا لیکن انہیں اپنے اخوان مذہب کی پشت پناہی حاصل تھی اور اوی دین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا۔ بڑی بہادری و شجاعت سے لڑتے رہے (ابن سعد)

خویش و اقارب کا باہمی تصادم | غزوہ بدر کا ایک تاریک ترین پہلو یہ تھا کہ بعض بالکل قریبی رشتہ دار اور یگانے ایک دوسرے سے برسرِ مقابلہ تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل تقابل ملاحظہ ہو:-

شکر اسلام میں	سپاہ قریش میں
(۱) حضرت امام المرسلین سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔	(۱) آپ کے نسبتی فرزند حضرت ابو العاص بن
	(۲) آپ کے عم نادر بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب۔
	(۳) آپ کے دوسرے عم نادر بھائی زفل بن حارث بن عبد المطلب۔
	(۴) اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے برادر زادہ حکیم بن حزام۔

(۵) آپ کا پھوپھی زاد بھائی مسعود بن ابی اسیر (رأد راء المرین ام سلمہ)	
ان کے بھائی حضرت عباس بن عبد المطلب	(۲) حضرت حمزہ بن عبد المطلب
ان کے صاحبزادہ عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق	(۳) حضرت ابوبکر صدیق رحمہ
ان کے بھائی عقیل بن ابی طالب	(۴) حضرت علی بن ابی طالب رحمہ
ان کا ماموں عاصی بن ہاشم بن مغیرہ	(۵) حضرت عمر بن خطاب رحمہ
ان کا بھائی ابو عزیز بن عمیر	(۶) حضرت مصعب بن عمیر رحمہ
ان کا باپ عبداللہ بن جراح	(۷) حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح
ان کا خسر عتبہ بن ابی معیط	(۸) حضرت عبدالرحمن بن عوف رحمہ
ان کا اخیانی بھائی ابو جہل	(۹) حضرت عیاش بن ابی ربیعہ
ان کے والد سہیل بن عمرو	(۱۰) حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو
(۱۱) ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ (۱۲) ان کا بھائی ولید بن عتبہ (۱۳) ان کا چچا شیبہ بن ربیعہ (۱۴) ان کا بھانجا خطلہ بن ابی سفیان	(۱۱) حضرت ابو ذریعہ بن عتبہ
ان کا چچا عمرو بن عثمان	(۱۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان رحمہ (جو عشرہ مبشرہ میں تھے)
ان کا بھائی اسود بن عبد اللہ	(۱۳) حضرت ابو سلمہ بن عبد اللہ
ان کا چچا زاد بھائی حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف	(۱۴) حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف
<p>آغاز جنگ سے پہلے ایمان قریش نے ایک عدو سے اسلام عمیر بن وہب جمحی سے کہا کہ تم جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد معلوم کرنا</p>	

اسلامی فرد دگا کے گرد چکر لگایا اور پھر قریش کے پاس جا کر کہا کہ وہ قریبائین سو ہیں۔ مگر ذرا ٹھیر دیں یہ بھی دیکھ آؤں کہ کسی اور جگہ دشمن کی گھات یا کمک تو موجود نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وادی میں گھوڑا ڈالا بہت دور نکل گیا مگر اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس نے واپس جا کر قریش کو اطلاع دی کہ مجھے کوئی اور جمعیت کہیں دکھائی نہیں دی۔ مگر یاد رکھو کہ گود دشمن کی تعداد قلیل ہے مگر یہ لوگ اپنے مقتدا کے دلی جان ثار ہیں اور ان پر موت سوار ہے۔ یہ یثرب کے آب کش اونٹوں کی طرح سخت جفاکش ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ جب تک ہم ہیں کوئی نہ کوئی قتل نہ ہو جائے گا، ان کا کوئی آدمی مارا جائے گا اور اس طرح اگر انہوں نے ہمارے بھی اسی قدر آدمی مار ڈالے جتنے ان کے قتل ہوں تو اس ذلت کے بعد زندگی میں کیا لطف رہے گا، خوب سوچ لو اور ہر بات کے کمال و انجام پر غور کر لو۔

حرب و قتال سے باز رہنے کی تحریک | یہ سن کر اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام جو قریش کی طرف سے مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے قریش کے قائد اعظم عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور کہا اے ابوالرید! تم عہد حاضر

میں قریش کے بزرگ اور پیشوا ہو۔ سب تمہاری بات مانتے ہیں۔ کیا تم ایسے مشورہ پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو جس سے نیک نامی کا سہرا ہمیشہ کے لیے تمہارے سر ہو؟ اس نے کہا بتاؤ وہ کیا بات ہے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ حکیم بن حزام نے کہا تم صرف ابن حضرمی کے خون کا بدلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لینا چاہتے ہو کیونکہ وہ تمہارا حلیف تھا۔ تم اس کے خون بہاؤ۔ وہ گزر کر واور سب کو لے کر مکہ کو لوٹ جاؤ۔ عتبہ نے کہا میں اس کو منظور کرتا ہوں لیکن تم ہی اس کی کوئی راہ نکالو۔ ابن حضرمی میرا حلیف تھا اس کا قصاص لینا میرے ذمہ ہے۔ میں اس کے قصاص سے درگزر کرتا ہوں لیکن تم جا کر عمرو بن ہشام (ابو جہل) کو راضی کر لو۔ مجھے اس کے سوا کسی سے اندیشہ نہیں کہ وہ رخنہ اندازی کرے گا۔

لڑے بغیر واپس جانے | حکیم بن حزام ابو جہل کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ مجھے

عتبہ بن ربیعہ نے یہ پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے | **سے ابو جہل کا قطعی انکار** | کہ مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے ابن عم

(رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ سے ہٹ جائیں۔ ابو جہل نے کہا اس پیام رسانی کے لیے عتبہ کو تمہارے سوا کوئی اور قاصد نہیں مل سکا، حکیم نے کہا اور میں بھی اس کے

سوا کسی دوسرے کا قاصد نہیں بن سکتا تھا۔ اس وقت ابو جہل نے اپنی زرہ خُرجی میں سے نکال کر پھیلارکھی تھی اور وہ جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ بولا خبیثت میں جُن و نامردی عتبہ پر مسلط ہو گئی ہے۔ بخدا جب تک اللہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان قطعی فیصلہ نہ کر دے گا ہم یہاں سے ٹلنے والے نہیں۔ اور عتبہ نے جو پیغام بھیجا ہے اس کا سبب اُس کا یہ یقین ہے کہ عنقریب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیے جائیں گے۔ عتبہ کا ایک بیٹا (ابو حذیفہ بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر میں ہے۔ عتبہ اس بنا پر لڑائی سے جی چراتا ہے کہ کہیں اس کا بیٹا نہ مارا جائے۔ حکیم بن حزام ناکام واپس گئے اور جب عتبہ نے سنا کہ ابو جہل نے اُسے بُزدلی کا طعنہ دیا ہے تو کہنے لگا کہ اگر مقابلہ کی نوبت آتی تو ظاہر ہو جائے گا کہ بُزدلی کا دلخ کون اٹھاتا ہے۔

عتبہ کا انتباہ کہ محمد سے لڑ کر کچھ حاصل نہ ہوگا

اس کے بعد عتبہ نے اپنے لشکر میں کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور کہا اے گروہ قریش! محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کے ساتھیوں سے لڑ کر تم کو کیا حاصل ہوگا؟ اگر تم نے

ان کو مار بھی لیا تو تم میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے اس لیے نفرت کرے گا کہ اس نے ایک دوسرے کے بھتیجے بھائے یا عزیز قریب کو قتل کیا ہوگا۔ اس لیے تم سب واپس چلو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام عرب کو باہم بیٹھنے کے لیے چھوڑ دو۔ اگر قبائل عرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مغلوب کر لیا تو تمہاری مراد پوری ہوئی ورنہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی کامیابی میں تمہیں بھی فائدہ پہنچے گا اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ خود مسلمانوں کے مقابلہ میں کچھ نہ کرو۔ چپ چاپ مکہ واپس چلو میں بُزدل نہیں ہوں۔ باوجود اس کے مجھے ہزار دفعہ بُزدل کہہ لو لیکن میری بات مانو اور لڑائی سے باز رہو۔

جب قریش کا لشکر پیر و ان اسلام کے سامنے صف آرا تھا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ کوئی شخص سُرخ اونٹ پر سوار ہو کر سپاہ قریش کے آگے پھر رہا ہے۔ آپ نے حضرت حمزہؓ کو بلا بھیجا۔ جناب حمزہؓ نے لشکر قریش کے بہت قریب کھڑے تھے۔ وہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا وہ سُرخ اونٹ کا سوار جو لشکر قریش کے سامنے چکر کاٹ رہا ہے کون ہے؟ حضرت حمزہؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! وہ عتبہ بن ربیعہ قریش کا سپہ سالار ہے۔ قریش کو لڑائی سے دست بردار ہونے کی تلقین کرتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں بُزدل نہیں ہوں۔

باد جو داس کے بھے ہزار دفعہ بزدل کہہ لیکن لڑائی سے باز رہو۔ یہ بتا کر حضرت حمزہؓ اپنی جگہ واپس گئے۔ اتنے میں ابو جہل عقبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا واللہ! اگر تمہاری جگہ کوئی اور شخص ایسی بات کہتا تو میں اسے دانتوں سے کاٹ کھاتا۔ افسوس تم ہمت بار بیٹھے ہو اور تم پر دشمن کا رعب چھا گیا ہے۔

عامر بن حضرمی کو جنگ کے لیے برا نیگینہ کرنا یہ کہہ کر ابو جہل نے جھٹ عامر بن حضرمی کو بلا بھیجا اور اس کے کہنے لگایہ دیکھو تمہارا حلیف سب کو کہہ واپس لے جانا چاہتا ہے مالا نہ تمہارے بھائی کے انتقام لینے کا یہ بہترین

موقع ہے۔ تم کھڑے ہو کر لشکر کو اپنے بھائی کا قتل یاد دلاؤ۔ عامر بن حضرمی نے صدف جنگ سے آگے بڑھ کر ہائے میرا بھائی عمرو۔ ہائے میرا بھائی عمرو کا شور مچا دیا۔ قریش نے یہ وار پلا سن کر اپنے سپہ سالار کے پند و نصائح کو پس پشت ڈال دیا اور آادۂ جنگ ہوئے۔ عقبہ نے یہ رنگ دیکھ کر پہننے کے لیے خود مانگا۔ چونکہ اس کا سر بہت بڑا تھا تمام فوج میں کوئی خود ایسا نہ ملا جو اس کے سر پر پورا آتا۔ ناچار خود کی بجائے اس نے اپنی چادر سر پہیٹ لی۔

جب دونوں حریف مقابل آکر ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ابو جہل نے دعا مانگی اے خدا! محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے کسی سے زیادہ قطع رحم کرنے والا شخص ہے۔ اس نے بھائی کو بھائی سے باپ کو بیٹے سے، جو رو کو شوہر سے جدا کر دیا ہے۔ اس نے اپنے بزرگوں کا طریقہ چھوڑ کر ایک نیا دین اختراع کر لیا ہے۔ آج تو اسے ختم کر دے۔ مگر نتیجہ جنگ نے بتا دیا کہ ابو جہل نے دراصل اپنی ہی بربادی کی دعا مانگی تھی (طبری)۔

اعداد کا کم کر کے دکھایا جانا چونکہ لشکر اعداد کی تعداد سے چن۔ سے بھی زائد تھی اور قلیل التعداد وغیر مسلح مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمن کے

قریباً ہزار جہان پوری طرح مسلح رہے میں عرق تھے، اس لیے مسلمانوں کی بدولی ناگزیر تھی لیکن کار ساز قدرت نے عجیب عجیب طریقوں سے حق کو مظہر و منصور اور باطل کو منہزم کرنے کے سامان فراہم کیے۔ آغاز جنگ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رویا میں دکھایا جس میں اعداد کی تعداد بہت قلیل دکھائی گئی تھی۔ صحابہؓ نے جب یہ خواب سنا تو ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ مزید برآں نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر پیدا کیا کہ لشکر کفر مسلمانوں کو بہت تھوڑا دکھائی دینے لگا۔ اسی طرح اعداد کو مسلمان بھی بہت تھوڑے دکھائی دیتے تھے۔

اس تعیل تعداد سے یہ غرض تھی کہ اہل کفر اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگنے کا قصد نہ کریں
(ملاحظہ ہو قرآن پاک سورہ انفال آیات ۴۲-۴۴)

حضرت معج کی مبارز طلبی | قرین سابقہ میں رواج تھا کہ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک ایک بہادر میدان میں نکل کر اپنے مقابلہ میں

مبارز طلب کرتا اور دواہ مردانگی دے کر دشمن پر غالب آتا یا مغلوب ہو کر لقمہ شمشیر بن جاتا تھا۔ کارزار بدر میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے حضرت معج بن صالح مینی میدان میں نکلے۔ وہ کچھ زمانہ پیشتر حضرت عمرؓ کے غلام تھے اور حضرت عمرؓ نے انہیں فی سبیل اللہ آزاد کر دیا تھا۔ معلوم نہیں کہ معج نے رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عمرؓ کے حکم سے جہاد فی سبیل اللہ کا شرف اولیت حاصل کرنا چاہا یا دلورہ جاں سپاری نے از خود نکلنے کی تحریک کی۔ بہر حال انہوں نے نکل کر مبارز طلب کیا۔ دشمن کی طرف سے ان کے مقابلہ میں قریش کا مشہور بہادر عامر بن حضرمی نکلا۔ ان میں تلوار کے دودھا تھ ہوئے۔ آخر حضرت معج عامر کے ہاتھ سے جرحہ شہادت پائی کر دھنہ رضوان میں چلے گئے۔ یہ شہادت فی سبیل اللہ کا سب سے پہلا خون تھا جو بدر کے میدان جنگ میں گرا (ابن سعد)

لیکن ابن جریر طبری اور دوسرے مؤرخوں کا بیان ہے کہ حضرت معج کو اچانک کسی دشمن کا تیر آگیا تھا اس سے مترشح ہوتا ہے کہ عامر سے مقابلہ کرتے وقت کسی بد نہاد بت پرست نے اُن پر تیر چلا دیا ہو گا جو ان کے لیے تیر فضا ثابت ہوا پس ابن سعد کی یہ روایت جس میں ان کا عامر بن حضرمی کے ہاتھ سے جرحہ شہادت پلینا مذکور ہے محل نظر ہے۔

عقبہ کا اپنے بیٹے کو | ابو جہل نے اپنے سپہ سالار عقبہ بن ربیعہ کو یہ طعنہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے (ابو حذیفہؓ) کے خطرہ قتل کے پیش نظر لڑائی سے جی چرات لڑائی کے لیے لکھنا

عملاً غلط ثابت کرنا چاہا اور اپنے فرزند حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھنا کہ صفت نکل کر میرے مقابلہ پر آؤ لیکن انہوں نے اس پکار کو قابل التفات نہ سمجھا اور کچھ جواب نہ دیا جب حضرت ابو حذیفہؓ کی ہمشیرہ بنت عقبہ نے (جو امیر معاویہؓ کی والدہ تھیں) بھائی کو باپ اور دوسرے اقربا کے خلاف اسلام کی تائید میں اسلامی صفت جنگ میں دیکھا مضمہ سے بے قابو ہو گئیں اور ان دو شعروں میں بھائی کو گالیاں دیں۔

بہینہ بڑے دانت والا جس کا طائر بخت بخت مغروس ہے
یعنی ابو حذیفہ جو باعتبار دین و مذہب سب کے برابر ہے
کیا تو اپنے والد کا شکر گزار نہیں ہے جس نے ہمیں سے
قیری پدرش کی یہاں تک کہ قہنے بے داغ جوانی پائی
حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہشیم تھا۔ ہجری میں جنگ یمامہ میں جرؤہ شہاد
نوش فرمایا۔ یہ بھی ان بزرگوں میں داخل ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ (طبقات ابن سعد
ومستدرک حاکم)

الاحول الاثعل المششوم طائره
ابو حذیفہ شوال الناس فی دین
اما شکرت ابا دیاک فی صخر
حتی شکبت شبا بآ غیر عجون
حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہشیم تھا۔ ہجری میں جنگ یمامہ میں جرؤہ شہاد
نوش فرمایا۔ یہ بھی ان بزرگوں میں داخل ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ (طبقات ابن سعد
ومستدرک حاکم)

انصاری نوجوانوں کی واپسی | جب عتبہ کو اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو
عتبہ بن ربیعہ (بن عبد شمس بن عبد مناف) اور اس کا
بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں نکلے اور کہنے لگے "آؤ ہمارے مقابلہ پر
کون آتا ہے۔ یہ سن کر قازیان اسلام میں سے تین انصاری نوجوان معاذ، عمرو اور عوف
پسران حارث نکلے۔ (بعض نے عوف بن حارث کی جگہ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری
کا نام لکھا ہے) لیکن مقتداے عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ اسلام اور
کفر کی اہم ترین اولین آویزش میں انصار کے ہاتھوں سے حرب و قتال کا آغاز ہو اس لیے
آپ نے ان کے جذبہ جان نثاری کی تعریف کرتے ہوئے ان کو واپس بلایا۔

اتنے میں قریش پکارنے لگے کہ محمد! ہمارے مقابلہ میں ہماری قوم اور کفو کے آدمی
بھیجو۔ قریش قریش سے برسرِ معرکہ ہوں ہمارے چچاؤں کی اولاد ہم سے جنگ آزما ہو۔ یہ
سن کر آپ نے فرمایا اے بنو ہاشم! اٹھو اور اس حق پر مقابلہ کرو جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے
تمہارے نبی کو مبعوث فرمایا ہے۔ یہ لوگ اپنے باطل کے ساتھ اللہ کا زور کھانے آئے ہیں۔
اس کے بعد فرمایا حمزہ، علی اور عبیدہ جاؤ اور دین حق کی تائید میں سینہ سپر ہو جاؤ، حکم کی پر
تقی تینوں بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے حریفوں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ عتبہ نے
کہا تم لوگ اپنے نام بتاؤ تاکہ ہم پہچان سکیں۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا میں حمزہ بن عبد المطلب
ہوں، میں اللہ کا اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ عتبہ نے اس کے جواب میں کہا میں اپنے
حلفاء کا شیر ہوں۔ عتبہ نے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ حضرت حمزہؓ نے فرمایا یہ علیؓ
بن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث ہیں۔ عتبہ بولا ہاں اب ہمارے کفو اور جوڑ ہیں (ابن سعد)

(ابن جریر طبری)

لڑائی میں مفاخرت

کا شرعی جواز

یاد رہے کہ میدان جنگ میں مقابلہ دشمن کے وقت فخر کرنا اور رجز پڑھ کر اپنی مردانگی و شجاعت کا اظہار کرنا کسی طرح قابلِ ملامت نہیں۔ اس سے نہ صرف مجاہد کے دل کو تقویت ہوتی ہے اور

دولہہ جانبازی پیدا ہوتا ہے بلکہ دشمن پر بھی رعب پڑتا ہے۔ اور قتال میں قازیوں کو ان دونوں باتوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے شریعت مطہرہ نے اس موقع پر سچی بڑائی اور خود ستائی کو جائز رکھا ہے۔ حضرت حمزہؓ کا یہ کہنا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کا شیر ہوں، اسی قبیل سے تھا لیکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر اس مفاخرت کے ولدا نہ تھے کیونکہ اس میں تقرب الی اللہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہاں کبھی تکبیر یا کسی دوسرے ذکر الہی کے ساتھ اپنی آواز بلند کر دیتے تھے۔

حضرت عبیدہؓ کے

لاحق کرنے کی ضرورت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ تین مبارز خواہوں کے مقابلہ میں تین ہاشمی بھیجے جائیں لیکن مشکل یہ تھی کہ جہاں لشکر اعداد میں عباس بن عبد المطلب، نوفل بن حارث بن عبد المطلب بن ہاشم، ابوسفیان

بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبد المطلب چار ہاشمی موجود تھے، وہاں لشکر اسلام میں بنی علیہ السلام کو چھوڑ کر حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب اور حضرت علی بن ابی طالب بن عبد المطلب دو ہاشمی تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبد المطلب بن عبد مناف کو جو ہاشم کے بھائی مطلب کی اولاد میں تھے شامل کر کے اس کمی کو پورا کیا۔ اور اصل یہ ہے کہ مطلب کی اولاد غم و شادی کی ہر تقریب میں ہمیشہ ہاشمیوں کی شریک حال رہی تھی۔ چنانچہ جب قریش نے مکہ معظمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تو جس طرح ہاشمیوں نے آپ کی حفاظت و مہمانت کا عہد کیا تھا، اسی طرح بنو مطلب نے بھی آپ کے حفظ و دفاع کا بیڑا اٹھایا تھا۔ قریش کی طرف سے ہاشمیوں کے عام مقاطعہ کے وقت جس طرح ہاشمی تین سال تک ایک درہ میں محصور رہ کر ہر طرح کے رنج و غم سہتے رہے، اسی طرح مطلبی بھی درہ میں اقامت گزیں رہ کر ہاشمیوں کے درد و کھ میں برابر شریک رہے۔ یہاں یہ جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ بعض محشیوں اور شارحین حدیث نے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو عبد المطلب بن ہاشم کا پوتا اور ہاشمی قرار دیا ہے مگر یہ غلط فہمی ہے۔

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جو غزوہ بدر میں شریک ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے، وہ حارث بن مطلب بن عبد مناف کے فرزند تھے اور ہاشمی نہیں بلکہ مطلبی تھے (ملاحظہ ہواصابہ و تخرید اسماء السحابہ)

عتبہ شیبہ اور ولید کی ہلاکت | اب حضرت حمزہ بن عتبہ بن ربیعہ سے معرکہ آرا ہوئے۔ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے جو بنو عبد مناف میں بلحاظ عمر سب سے بڑے تھے، شیبہ کا رخ کیا اور حضرت علی بن ولید بن عتبہ سے دو دو ہاتھ کرنے کو بڑھے۔ حضرت حمزہ بننے پہلے ہی دار میں عتبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علیؑ نے بھی اس کے بیٹے ولید کو آٹا آٹا ٹھکانے لگا دیا۔ یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی بن نوفل جو شہر انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیر خدا حضرت حمزہ بننے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کر دیا۔ البتہ حضرت عبیدہ اور شیبہ میں دیر تک کش مکش جاری رہی یہاں تک کہ دونوں اپنی اپنی جگہ ناکارہ اور بے دم ہو گئے لیکن آخری مرتبہ شیبہ کی تلوار کا سرا حضرت عبیدہ کی پنڈلی کی ہڈی پر جا لگا اور ہڈی میں سے مغز بہنے لگا تاہم وہ مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت حمزہ بن اور حضرت علیؑ اپنے اپنے دشمن سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے شیبہ کے قتل میں حضرت عبیدہؓ کی مدد کی اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہؓ کو میدان جنگ سے اٹھالائے (ابوداؤد، ابن جریر طبری، اصابہ)

حضرت عبیدہؓ کو مرگ شہادت کی بشارت | جب جناب عبیدہؓ کو حضرت مخزومہ جو دات علیؑ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہؐ کیا مجھے مرگ شہادت نصیب نہ ہوگی؟ آپؐ فرمایا بلاشبہ تم شہید ہو۔ عبیدہ بننے کہا کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے اور مجھے اس وقت دیکھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ میں اُن سے زیادہ اُن کے اس قول کا مستحق ہوں۔

ونسلمہ حتیٰ نصرع حوله | ہم رسول خدا کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے ارد گرد ونذلہل عن ابناؤنا والحلائل | مجھے جائیں گے اوصا اپنے اہل و عیال سے قافل ہو جائیں گے

حضرت عبیدہؓ جب بدر سے مراجعت کے بعد وادی صفراء میں پہنچے تو ان کی روح ملنے لگی اور وہیں مدفون ہوئے (تاریخ ابن جریر طبری و اسد الغابہ)

حضرت زبیر بن عوفؓ کی شجاعت | جب قریش کے چار نامور بہادر کام آپؐ کے تو قریش

کی طرف سے عبیدہ بن سعید بن عامر نام ایک مشرک صفت سے نکلا اور پکارا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں مسلمانوں کی طرف سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیر بن عوام مقابلہ کو نکلے۔ اس وقت عبیدہ بن سعید سر سے پاؤں تک لہو سے میں غرق تھا اور سارے جسم پر زہر بہن رکھی تھی۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں حضرت زبیرؓ کو اور تو کوئی خالی جگہ نظر نہ آئی تاکہ اس زور سے آٹکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا۔ وہ زمین پر گرا اور گرتے ہی خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ نیزہ اس کے سر میں اس طرح پیوست ہو گیا تھا کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکل سکا۔ پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یاد گاریہ نیزہ حضرت زبیرؓ سے لے لیا۔ عہد نبوی کے بعد یہ نیزہ خلفائے راشدین میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچا اور ان کے حادثہ شہادت کے وقت ان کے پاس موجود تھا (صحیح بخاری)

حضرت زبیرؓ کی جاں بازی اور دلیری کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک مشرک نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارز طلب کیا۔ حضرت زبیرؓ رضی اللہ عنہ ٹیلے پر جا چڑھے اور اس پٹ گئے۔ دونوں قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو پہلے زمین پر ر کے گا وہ مقتول ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک زمین پر پہلے گر کر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے قاتل جہنم ہوا (کنز العمال)

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی مبارز طلبی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا گھرانہ ابتداء ہی سے مشرف باسلام ہو چکا تھا لیکن عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اس سے مستثنیٰ تھے۔ وہ بہت دنوں تک اپنے قدیم مذہب کے پیرو رہے۔ غزوہ بدر میں وہ قریش کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر ہل من ٹھکرا رہا تھا (کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے) کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبرؓ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ انہوں نے عالم غیظ میں خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے کی جنگ کا خوفناک منظر گوارا نہ فرمایا اس لیے حضرت صدیقؓ کو ان کے مقابلہ پر جانے کی اجازت نہ دی (مستدرک حاکم)

معلوم نہیں کہ اس کے بعد کسی دوسرے مسلمان نے عبدالرحمنؓ کی مبارز طلبی کا کوئی

جواب دیا یا نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کے محسن اعظم کے فرزند ہونے کی بنا پر کسی مسلمان نے ان سے رزم خواہ ہونا پسند نہ کیا ہو یا حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لشکر اسلام کو اس کی ممانعت فرمادی گئی ہو اور وہ یوں ہی بلا مقابلہ واپس چلے گئے ہوں۔ بہر حال مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کے اس طرح صاف بچ کر نکل جانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ علم خداوندی میں آئندہ چل کر سعادت ایمان سے مستعد ہونے والے تھے۔

سعد بن عاص قریش مکہ میں سعد بن عاص بھی ایک مشہور عدو سے اسلام بلکہ سخیل کفر و استبداد تھا۔ صفات گزشتہ پر لکھا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت خالد بن سعد رضی اللہ عنہ کو قبول اسلام کی بنا پر نہایت شدید ایذا میں دیا کرتا تھا اس لیے وہ تنگ آکر عیشہ چلے گئے تھے۔ سعد بن عاص کے دوسرے بیٹے حضرت عمرو بن سعد نے بھی اپنی بیوی سمیت عیشہ کی ہجرت کی تھی۔ سعد کی ہلاکت کے بعد اس کے تیسرے بیٹے ابان بن سعد نے بھی اپنی قسمت اسلام سے وابستہ کر دی تھی۔

سعد جو برعکس نہند نام زندگی کا نور کا مصداق تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی کا لقمہ بنا۔ حضرت سعدؓ کو اپنے مقتول کی تلوار جس کا نام قذالکیتفہ تھا پسند آگئی۔ وہ اس کو لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیم غنائم کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں جا کر رکھ دو۔ حضرت سعدؓ نے واپس جا کر تلوار وہیں رکھ دی۔ لیکن تجوڑی ہی دیر میں سورۃ انفال نازل ہوئی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو طلب فرما کر انہیں تلوار لینے کی اجازت دیدی (صحیح مسلم و مسند احمد)

ابو جہل کی ہلاکت کے لیے نبی علیہ السلام کی دعا جب دشمنان دین ایک ایک کر کے غار ہلاکت میں پڑنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی الہی! جس طرح دوسرے دشمنان دین صفحہ ہستی سے مٹ رہے ہیں، اسی طرح ابو جہل کو بھی ہلاک کر۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیری گرفت سے بچ جائے۔ (محمد بن جریر طبری)

اب اس کی ہلاکت کی کیفیت سنئے :-

لشکر اسلام میں ابو جہل کی قتلہ پروانہ یوں اور عناد کوشیوں کا عام چرچا تھا اور ہر مسلمان کی یہ ولی آرزو تھی کہ کسی طرح اس دشمن خدا پر قابو پائے اور دنیا کو اس کے خارج وجود سے پاک

کر دے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ صف جنگ میں میری داہنی اور بائیں طرف دو کم عمر انصاری نوجوان (معاذ اور معوذ) کھڑے تھے۔ میرے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میرے بازوؤں میں کوئی قوی لوگ ہوتے تو میرے پہلو مضبوط رہتے۔ حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ اتنے میں ان میں سے ایک نوجوان مجھے خطاب کر کے کہنے لگا چچا! ابو جہل کس شخص کا نام ہے؟ میں نے کہا برادر زادے! اس سے تمہیں کیا کام ہے؟ بولائیں نے سنا ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ رسول کو گالیاں دیتا ہے۔ واللہ! اگر میں اس کو پاؤں تو اس وقت تک اس سے علیحدہ نہ ہوں جب تک ہم میں سے ایک خاک و خون میں نہ تڑپنے لگے۔ مجھے انصاری لڑکے کے اس جذبہ پر سخت حیرت ہوئی کہ ابھی لڑکا ہو کہ اس کو ایسے قوی ہیکل شخص کی جان لینے کا حوصلہ ہے۔ تھوڑی دیر میں دوسرا انصاری نوجوان مجھ سے کہنے لگا کیوں حضرت! آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے پوچھا ابو جہل کو کیا کرو گے؟ کہنے لگا وہ پیغمبر اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کو ٹھکانے لگا دوں۔

ابو جہل کا مجروح ہونا | تھوڑی دیر میں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ابو جہل کو دیکھا کہ صف جنگ میں چکر لگا رہا ہے۔ انہوں نے ان نوجوانوں سے کہا یہ وہ شخص ہے جس کو تم پوچھتے تھے۔ یہ سن کر دونوں باز کی طرح اس کی طرف بھٹے (بخاری و مسلم)

پہلے معاذ بن حارث (ابن عفرار) پہنچے اور ابو جہل کو دیکھا کہ وہ جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑا باتیں کر رہا ہے۔ اس کے ساتھی کہہ رہے تھے کہ ابو جہل تمہارے کسی کی رسانی نہ ہو سکے گی۔ معاذ نے اس کی طرف بھٹ پڑے اور حملہ کر کے تلوار کی ایک ضرب سے اس کا پاؤں نصف ساق تک قطع کر دیا۔

ابو جہل کو مردہ سمجھ کر چھوڑنا | دوسرے نوجوان معوذ بن عفرار نے ابو جہل کو دیکھا کہ مجروح پڑا ہے تو انہوں نے ایک دوسرے میں اس کا کام تمام کر دیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے لیکن اس میں ابھی زندگی کی رمت باقی تھی۔ اب معاذ اور معوذ دونوں بھائی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ابو جہل کے مارے جانے کی اطلاع دی۔ فرمایا تم دونوں میں سے کس نے قتل کیا؟ ہر ایک نے کہا میں نے مارا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کے قتل میں تقدم و تاخر کے امتیاز کے ساتھ دونوں کا حصہ تھا۔ آپ نے پوچھا کہ

تم اپنی اپنی تلوار دھو چکے ہو یا ہنوز خون آلود ہیں؟ کہنے لگے ابھی دھوئی نہیں ہیں۔ آپ نے دونوں کی تلواres دیکھ کر فرمایا کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے (بنخاری و مسلم)۔ آپ نے اس سے پیشتر اعلان فرمایا تھا کہ جو مسلمان کسی دشمن کو قتل کرے گا اس کا مال و اسباب اسی کو ملے گا۔ اب آپ نے فرمایا کہ ابو جہل کا اسباب معاذیہ کو ملے گا (مدارج) کیونکہ مجروح کرنے اور گرانے میں انہوں نے پہل کی تھی۔

حضرت ابن مسعودؓ اب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جا کر ابو جہل کو مقتولوں میں تلاش کریں۔ ابو جہل کی چھاتی پر انہوں نے جا کر لاشوں کی دیکھ بھال کی تو ابو جہل دم توڑ رہا تھا۔ ایک تو ابو جہل بدترین دشمن رسالت تھا۔ دوسرے اس نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بڑی طرح پیٹا تھا۔ یہ اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس کی بچس ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے اے دشمن خدا! کیا تو ہی ابو جہل ہے؟ خدا نے تجھے خوب ذلیل کیا؟ ابو جہل اس وقت بھی غرور اور حق پوشی سے باز نہ آیا۔ بولا ایک شخص کو غلطی سے اس کی اپنی قوم نے قتل کر دیا تو اس میں تمہارے لیے فخر کی کون سی بات ہے؟ اس کے بعد کہنے لگا کاش مجھے کسی کسان نے قتل نہ کیا ہوتا (صحیح مسلم) کسان سے مراد انصار تھے جو اہل ذرعت تھے اور قریش ذرعت پیشہ لوگوں کو حقیر سمجھتے تھے (مدارج)۔

ابو جہل کا ناپاک سر اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ ابو جہل نے کہا اے بھیڑوں کے چرانے والے! تو بہت اونچی جگہ چڑھا ہے۔ اچھا یہ تو بتا کہ فتح کس کو ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کو۔ اتنے میں اس کی ناپاک روح کا بدخاکی سے نکل کر اسفل السافلین کی طرف ہمارے گر گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا بچس سر کاٹ لیا اور عیش میں لاکر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ (ابن جریر طبری) حضرت رسالتؐ اب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر کو خطاب کر کے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ (ہر قسم کی حدود ستائش کا مستحق وہ خدا ہے برتر ہے جس نے اے خدا کے دشمن! تجھے ذلیل کیا) اور فرمایا هَاکَ فِرْعَوْنُ هٰذَا الْاُمَمِ (اس امت کا فرعون مر گیا) رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کی نسبت برابر کہا کرتے تھے کہ یہ اس امت کا فرعون ہے۔

(مجمع مسلم) علماء نے لکھا ہے کہ اسلام کا یہ فرعون موسیٰ فرعون سے بدتر تھا کیونکہ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام غرق ہونے لگا تو اس نے اپنی سب سے راہبر موسیٰ تسلیم کر لی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول برحق ہونے کا معترف ہوا لیکن ابو جہل بد بخت دم واپس میں بھی جبکہ خاک مذلت پر مجروح پڑا دم توڑ رہا تھا بکسر و غرور سے باز نہ آیا (مدارج النبوت) ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی یہ بڑی کوشش تھی کہ کسی طرح معاذ بن عمروؓ سے اپنے باپ کا بدلہ لیں چنانچہ ان کو اس کا موقع مل

گیا۔ وہ ایک جگہ کھڑے تھے کہ عکرمہ نے پیچھے سے آکر ان کے شانے پر اس زور سے تلوار ماری کہ بازو کٹ گیا لیکن قسم ہاتی لگا رہا اور ہاتھ صرف جلد کے سہارے پہلو میں اٹکا رہا۔ گو بازو ٹک رہا تھا اور خون کے فوارے چل رہے تھے تاہم حضرت معاذؓ عکرمہ پر حملہ آور ہوئے اور دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا اور شجاعت و بلند حوصلگی کا کمال دیکھو کہ چونکہ ہاتھ کے ٹکنے سے مقابلہ میں سخت زحمت پیش آرہی تھی حضرت معاذؓ نے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے رکھ کر کھینچا اور پہلو سے اٹک کر دیا۔ یہ دیکھ کر عکرمہ مقابلہ سے جی چرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت معاذؓ نے ان کا تعاقب کیا لیکن عکرمہ بچ کر نکل گئے۔ حضرت معاذؓ اس خوفناک جراحت کے باوجود قریباً ربع صدی تک زندہ رہے اور حضرت عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں رہنمائی عالم جاوداں ہوئے لیکن معاذؓ نے اسی روز جرحہ شہادت پیا تھا۔ حضرت معاذؓ کو راہ خدا میں اپنے بازو کے جاتے رہنے کا کوئی غم نہ تھا البتہ ابو جہل کی ہلاکت و بربادی کی بڑی خوشی تھی (تاریخ ابن جریر طبری و مدارج) بعض دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن عمارؓ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی کے بعد تک زندہ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا
مشرک ماموں کو قتل کرنا
شیعوں کا فرقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عموماً اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خصوصاً جفا ذابا اللہ لباس ایمان سے غاری قرار دیتا ہے حالانکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی شیعتی اسلام اور شفقت ایمان کا یہ عالم تھا کہ قرابت و خویشی کے تعلقات بھی ان کو اسلام کے معاملہ میں قطعاً متاثر نہ کر سکتے تھے۔ غزوہ بدر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اپنے حقیقی ماموں عاصی بن ہاشم بن مغیرہ سے ڈبھیر ہو گئی اور حضرت عمرؓ کے خجھر فاراشگاف نے اس کو معاذ و صل جہنم کر دیا (تاریخ محمد بن جریر طبری و استیعاب)

اہل خصوصیت و عباد اس سے بڑھ کر حضرت فاروق عظیمؓ کے ایمان و اسلام کا اور کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ مہاجرین و انصار کرام کے شفقت ایمانی کی نسبت خود ذات رب العالمین کا کلام پاک کافی ہے جس میں جا بجا ان کی مدح و ستائش کی گئی ہے۔

حضرت فاروق عظیمؓ کا نانا | اردو کے ایک مشہور سیرت نگار نے حضرت عمرؓ کے نانا کا نام ہشام بن مغیرہ لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں حضرت عمرؓ کا نانا ہاشم بن مغیرہ تھا۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ تھا بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ لکھا ہے لیکن جس کسی نے ایسا لکھا ہے اس نے خطا کی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حنتمہ والدہ عمر رضی اللہ عنہا بھیل بن ہشام کی حقیقی بہن ہوتیں، حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ ابو جہل کی علم زاد بہن تھیں۔ ہاشم بن مغیرہ اور ہشام بن مغیرہ دونوں حقیقی بھائی تھے (استیعاب)

معرکہ بدر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حضرت عمرؓ کے خاندان بنو عدی کا کوئی تنفس مسلمانوں کے خلاف شریک کا رزار نہ ہوا بلکہ اسلام کی تائید میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے قبیلہ اور خلفاء کے یہ بارہ نفوس معرکہ آرا ہوئے۔ زید بن خطاب، عبداللہ بن سراقہ، عمرو بن سراقہ، واقد بن عبداللہ، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، عاقل بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر اور حضرت عمرؓ کا آزاد غلام یحییٰ مسلمانوں میں سے جو شخص جیسے کہ پہلے لکھا گیا ہے، پہلے اس معرکہ میں شہید ہوا وہ جناب فاروقؓ کا غلام تھا (سیرت ابن ہشام)

حضرت ابو عیینہؓ کی دینی وارفنگی | امین الاقت حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ ان کا غیر مسلم باپ عبداللہ بن جراح قریش کی طرف سے شریک جنگ تھا۔ اس نے تاک تاک کر خود اپنے تخت جگہ کی جان لینے کی کوشش کی اور برابر اس کا ہاتھ لگا کر شمشیر میں سرگرم رہا حضرت ابو عیینہؓ نے مقوڑی ویر تک طرح دیتے رہے لیکن جب دیکھا کہ باپ میرے اسلام کی وجہ سے میرے قتل میں اس قدر کوشاں ہے تو ابو عمرؓ دھڑکے پچھے پھرتے رہے لیکن یہ جدھر جاتے باپ ان کے تعاقب میں وہیں پہنچ جاتا۔ آخر جب سخت تنگ آگئے تو دین کی دار فنگی انہی تعقی پر غالب آگئی اور اس کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دینی وارفنگی ایک نہایت سچا نمونہ تھا جس میں خویش و اقارب، عینی و دشمنوں کی

حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا نے مہین نے حضرت ابو عبیدہؓ کی شان میں یہ سیرت نازل فرمائی:-
(ترجمہ) "تم اُس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہے ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کے مخالفوں سے محبت رکھیں گے وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا ان کے کنبہ ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ کامل الایمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضانِ نبوی سے اُن کی تائید فرمائی ہے (۲۲:۵۸)"

حضرت ابن عوفؓ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے ان کا نام عبد عمرو تھا لیکن جب وہ مشرف بایمان ہوئے تو ہادی دین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمن رکھ دیا۔ مکہ معظمہ میں اُمیہ بن خلف سے ان کی بڑی دوستی تھی۔ جب اُمیہ حضرت عبدالرحمن کے قبول اسلام کے بعد ہمدان میں ان سے ملا تو کہنے لگا اے عبد عمرو! کیا تم نے اپنے باپ کا رکھا ہوا نام ترک کر دیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمن نے اس کا اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد جب کبھی اُمیہ انہیں عبد عمرو کہہ کر پکارتا تو وہ اسے جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک دن اُمیہ کہنے لگا کہ میں رحمن کو نہیں جانتا کہ کیا ہے اور تم اپنے سابق نام پر مجھے جواب نہیں دیتے اس لیے مناسب ہے کہ اپنے لیے کوئی اور نام تجویز کرو جس سے میں تم کو مخاطب کیا کروں۔ اس کے بعد اُمیہ نے خود ہی ان کے لیے عبداللہ نام تجویز کر دیا وہ ہمیشہ ان کو عبداللہ ہی کے نام سے پکارتا تھا۔

جنگ بدر کے دن حضرت عبدالرحمنؓ اس کے پاس سے گزرے۔ اس وقت وہ اپنے بیٹے علی بن اُمیہ کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ حضرت عبدالرحمنؓ کے پاس کئی زخمیں تھیں جو انہوں نے مشرک مقتولوں کے جسموں سے اتاری تھیں۔ اُمیہ نے ان کو دیکھ کر آواز دی اے عبد عمرو۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ تب اس نے کہا اے عبداللہ! انہوں نے کہا ہاں کیا کہتے ہو؟ بولا کیا تم ہمیں پناہ دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے زخمیں پھینک دیں اور اُمیہ اور اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب یہ ان کو لیے جا رہے تھے کہ حضرت بلالؓ نے اُمیہ کو دیکھ لیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے حضرت بلالؓ مشرف باسلام ہونے سے پہلے اُمیہ کے غلام تھے۔ یہ مکہ میں انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتا تھا تاکہ وہ تنگ آکر اسلام ترک کر دیں۔ وہ ان کو مکہ کی کسی چٹان پر جب وہ دھوپ سے خوب تپ

جاتی چت لٹاتا اور سینے پر ایک بڑا پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہیں چھوڑ دے گا تجھے یہی سزا ملتی رہے گی؟ مگر ہاں جو داس شدید عذاب کے حضرت بلالؓ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ خدا واحد ہے۔

حضرت بلالؓ کا انصار کو بکارنا جب حضرت بلالؓ کی نظر اُمتیہ پر پڑی تو کہنے لگے کہ تو اُمتیہ بن خلف کفر کا سرگرم ہے۔ میں ہلاک ہو جاؤں اگر تو بیچ جائے حضرت عبدالرحمنؓ نے ان سے کہا کہ یہ تو میرا قیدی ہے اور تم قیدی سے بدسلوکی کرنا چاہتے ہو؟ بلالؓ نے مکرر کہا میں ہلاک ہو جاؤں اگر یہ دونوں باپ بیٹا بیچ جائیں۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے کہ جناب بلالؓ کا یہ رویہ ناگوار ہوگا اور وہ عالم ناگواری میں کہنے لگے۔ اسے جیسی زادے! میں نے جو کچھ کہا تم نے وہ سنا نہیں؟ بلالؓ نے جناب عبدالرحمنؓ کی بات کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور تیسری مرتبہ کہا میں ہلاک ہو جاؤں اگر یہ بیچ جائیں۔ پھر بلالؓ نے زور سے چلا کر کہا اے اللہ کے انصارو! دیکھو یہ کفار کا سرغنہ امیہ بن خلف ہے۔ ان کی آواز پر بہت سے انصار وہاں پہنچ گئے اور آتے ہی ان کو گھیر لیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ ان کو بچانے لگے۔ ایک فازی نے علیؓ پر تلوار چلائی۔ وہ گر پڑا۔ اُمتیہ نے اس زور سے بیچ ماری کہ کسی نے کبھی نہ سنی تھی۔ اب جناب عبدالرحمنؓ نے اُمتیہ سے کہا میں تمہاری حفاظت سے قاصر ہوں تم بھاگ جاؤ۔ اتنے میں ایک مجاہد نے تلوار کی ضرب سے اُمتیہ کو دارالبوار پہنچا دیا (ابن جریر طبری)۔

دوسری روایت کے بموجب حضرت عبدالرحمنؓ نے اُمتیہ سے کہا تم جھٹ زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا تو یہ اس پر چھا گئے تاکہ انصار اس پر قابو نہ پاکیں لیکن انصار نے حضرت عبدالرحمنؓ کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اُمتیہ کو قتل کر دیا۔ اس کشمکش میں حضرت عبدالرحمنؓ کی ایک ٹانگ بھی زخمی ہو گئی۔

حضرات! یہ وہی اُمتیہ بن خلف ہے جس نے اپنی ہلاکت کی نسبت حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا ذکر نہ ہوا تھا اس لیے ہمد آئے سے پہلوتھی کر رہا تھا اور اب وہیں اور عقبہ بن ابی معیط نے اس کے پاس سرمہ فانی اور آتش دان لے جا کر اس کو طعنہ دیا تھا کہ تم عورت ہو اور وہ ناچار اپنی جورو سے یہ کہہ کر چل پڑا تھا کہ جو نبی کوئی موقع ہاتھ آئے گا لشکر سے علیحدہ ہو کر وہیں آ جاؤں گا۔

ابو البختری کی ہلاکت

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر قریش کے جن افراد کے قتل کا امتناع فرمایا تھا ابو البختری ماض بن ہشام بن حارث

بن اسد بھی ان میں داخل تھا۔ یہ بڑا شریف الطبع انسان تھا۔ اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کبھی ستایا اور نہ کبھی کوئی ایسی حرکت کی جو آپ کو ناگوار خاطر ہوتی۔ جب مکہ معظمہ میں قریش نے ہاشمیوں کو ایک وترہ میں محصور کر کے تین سال تک ان کا مقابلہ کر رکھا تھا اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ حکیم بن حزام نے ایک مرتبہ کچھ گہروں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا اور ابو جہل نے اس کی مزاحمت کی تھی تو ابو البختری نے اس کو پٹیا تھا۔ اس کے علاوہ قریش کے ظالمانہ معاہدہ کے پھاڑے جانے میں بھی ابو البختری کا ہاتھ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر دنیا کے محسن عظیم صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ قدر شناسی اپنے جان نثاروں کو ہاشمیوں کی طرح ابو البختری کے قتل کی بھی ممانعت فرمادی تھی۔ ابو البختری کا اصل نام ماض بن ہشام بن حارث بن اسد تھا۔ دوران قتال میں حضرت عبداللہ معروف بہ محمد بن زیاد بلوی انصاریؓ کا ابو البختری سے تعادد ہو گیا۔ حضرت مجذومہ کہنے لگے چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمہارے قتل کی ممانعت ہو چکی ہے اس لیے میں تم کو چھوڑتا ہوں۔ ابو البختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق جنادہ بن یحییٰ بھی مکہ سے آیا تھا۔ ابو البختری نے دیکھا کیا کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟ حضرت مجذومہ نے کہا نہیں کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے صرف تمہارے متعلق حکم دے رکھا ہے۔ ابو البختری بولا اگر مارے جائیں گے تو میں اور یہ دونوں ایک ساتھ مارے جائیں گے کیونکہ میں اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ کر خاتونان قریش کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابو البختری نے جان بچانے کے لیے اپنے دوست کو تنہا چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابو البختری نے یہ رجز یہ شعر پڑھا ہے

لن یسلما بنی محرقہ اکیلہ حتی یموتک اویروی دونہ

کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے مرنے والے کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا اب خواہ وہ مر جائے یا کامیاب ہو اور مجذومہ پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔ مجذومہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معذرت کے لیے حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! مجھے اس ذات پاک کی قسم جس نے حضور والا کو حق و صدق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں نے ہتھیری کو شمش کی کہ ابو البختری نے دیکھا کہ سے باز رہے اور میں اسے حضور کی خدمت میں لے آؤں لیکن اس نے لٹائی کے

سوامیری کوئی بات منظور نہ کی۔ آخر لڑا اور مارا گیا (محمد بن جریر طبری)

ابوسفیان بن حرب کا فرار | قارئین کرام نے اوپر پڑھا ہوگا کہ جب ابوسفیان بن حرب اپنا قافلہ مسلمانوں کی دستبرد سے بچا کر خطرہ کے مقام سے

نکل گئے تو انہوں نے قیس بن امری کے ہاتھ اہل مکہ کو پیغام بھیجا تھا کہ قافلہ صحیح و سلامت نکل آیا ہے۔ اس لیے تم لوگ واپس چلے جاؤ کیونکہ اب تمہارے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن لشکر قریش نے جس کا سرغنہ اور روح و رواں ابو جہل تھا جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ابوسفیان اس امتناع کے باوجود جب اپنے قافلہ کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے تو بڑی عجلت کے ساتھ مکہ سے نکل کر لشکر سے آٹے اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ انجام کار بیت سے زخم کھا کر بھاگ نکلے۔ وہ منہزم ہو کر بھاگتے وقت کہہ رہے تھے کہ میں نے بدر سے زیادہ منحوس جگہ کوئی نہیں دیکھی۔ خدا کی قسم! عمرو بن ہشام (ابو جہل) بڑا نا مبارک آدمی ہے (مدارج)

حضرت حمزہؓ کی شجاعت | پہلے بتایا گیا تھا کہ ازمنہ گزشتہ میں رزم و پیکار کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا تھا کہ صف جنگ سے ایک بہادر

نکل کر کتا تھا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ پر آئے؟ اور دوسری طرف کا شجاع نکل کر اس سے جنگ آزما ہوتا تھا۔ کچھ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔ جب منتخب و نامور بہادر اپنی اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکے تو پھر عام مقابلہ شروع ہوتا۔ معرکہ بدر میں بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ سطور گزشتہ میں آپ نے پڑھا ہوگا۔ یہ مبارزہ خواہی ختم ہوئی تو دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔

حضرات حمزہؓ، زبیرؓ، علی رضی اللہ عنہم نے بالخصوص اس روز خوب داد مردانگی دی۔ انسؓ اللہ حضرت حمزہؓ کی دستار پر شتر مرغ کی کفنی تھی۔ اس لیے جدھر کا رخ کرتے تھے صاف نظر آتے تھے۔ اس وقت ان کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک تلوار تھی اور مردانہ وار دوستی حملوں کے پسے کا پدا صاف کر رہے تھے۔ اُمیہ بن خلف نے قتل ہونے سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے پوچھا تھا کہ لشکر اسلام میں یہ کفنی لگائے کون ہے؟ اور جب اسے بتایا گیا کہ یہ حمزہؓ ہیں تو اس نے کہا کہ آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان انہی نے پہنچایا ہے اتار بیخ محمد بن جریر طبری و اسد الغابہ

حضرت زبیرؓ کی شمشیر زنی | حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ یعنی اُن دن

حضرات میں داخل ہیں جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت منجانب اللہ عاقل و وحی ملی اللہ علیہ وسلم
 کہہ اس پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے جن دو دشمنان دین کو شہر غموشاں میں پہنچایا اس کا تذکرہ
 اوپر ہو چکا ہے۔ حضرت زبیرؓ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں جنگ آزما ہوئے اس کا انداز
 اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے اور مونہ مڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن
 زبیر رضی اللہ عنہما کہ معطلہ میں شہید ہوئے تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ان کے بھائی
 عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا تھا کہ تم اپنے والد زبیرؓ کی تلوار پہچان لو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔
 خلیفہ عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ کہنے لگے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔
 عبدالملک نے اس بیان کی تصدیق کی اور تلوار عروہ کو دے دی۔

حضرت زبیرؓ نے عروہ بدر میں بہت زخم کھائے تھے۔ شانہ کا زخم اتنا گہرا تھا کہ
 اس مقام پر ہمیشہ کے لیے اتنا گڑھا پڑ گیا تھا کہ اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ حضرت عروہؓ
 بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں ہم اس میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے (بخاری باب
 عروہ بدر)

طویل سجدہ اور ایک طرف تو آتش کدہ رزم اپنی پوری شدت کے ساتھ شعلہ افکن تھا اور
 دوسری طرف خدا کا حبیب اپنے خالق کردگار کے سامنے سر بسجود رہ کر
 مسلسل مناجات عجز و نیاز اور دعا و مناجات میں مشغول تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کا بیان
 ہے کہ کچھ دیر تک رٹنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ جا کر معلوم کروں کہ رسول خداؐ کس حال میں
 ہیں۔ میں نے عریش میں جا کر دیکھا کہ آپؐ سر بسجود کہہ رہے ہیں یا سَاحِیُّ یا قَیُّوْمُ یا سَاحِیُّ یا قَیُّوْمُ
 میں قتال کی طرف واپس آیا۔ تھوڑی دیر میں دوبارہ گیا اور آپؐ کو پھر بھی سر بسجود پایا۔ پھر سہ بار
 گیا اور دیکھا کہ آپؐ اب بھی سجدہ میں ہیں۔ اس وقت نصرت الہی مسلمانوں کے شامل حال ہوئی
 اور قریش نے راہ فرار اختیار کی (ابن سعد)

شوق شہادت میں اسلام نے مرگ شہادت کو ابدی زندگی اور سرمدی سعادت قرار دیا
 ہے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ اس آب حیات کے لیے ہمیشہ تشہیب
 بعض صحابہ کی جانبازی رہا کرتے تھے۔ عمارؓ بدر میں جب آتش جنگ پورے زور سے
 مشتعل تھی تو حید کے متارہ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ عریش سے باہر نکلے اور اربابِ ایمان
 کو جانبازی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا مجھے اسی ذات برتر کی قسم! کہ جس کے دست قدرت

میں میری جان ہے کہ جو کوئی طلبِ ثواب اور رفقاءے حق کے حصول کی خاطر اعدائے دین سے جنگ کر کے مارا جائے گا، اسے بہشت جاوداں کی کامیابی نصیب ہوگی۔ بڑھو اور زور۔ جنت اور جس کا عرض زمین و آسمان کے برابر ہے۔ حضرت عمیر بن مہمام انصاری رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! میں بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ تم ضرور داخل ہو گے۔

عمیرؓ بڑے شاداں و فرحاں کہنے لگے کہ اب میرے اور جنت کے درمیان بجز اس کے اور کوئی چیز حایل نہیں ہے کہ ان بت پرستوں کے ہاتھ سے مارا جاؤں۔ اس کے بعد انہوں نے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر شوق شہادت جوش زن ہوا اور بولے اب اتنا وقفہ بھی جس میں کھجوریں کھا سکوں میرے لیے شاق ہے۔ یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں۔ تلوار لے کر اعداء کی صفوں میں گھس گئے اور رزم خواہ ہو کر جاں بحق ہو گئے (مجمع مسلم و تاج صحیح طبری)۔

اس کے بعد عوف بن عارث انصاریؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! ایمان با اللہ کے بعد حق تعالیٰ کو بندے کی کون سی بات پسند ہے؟ فرمایا یہ کہ زرہ پہنے بغیر دشمن سے بھڑ جائے۔ عوفؓ نے فی الفور اپنی زرہ اتار پھینکی۔ تلوار سنبھالی۔ دشمن سے لڑے اور شہید ہو گئے (محمد بن جریر طبری)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں، ان کے چھوٹے بھائی کا نام عمیر بن ابی وقاص تھا۔ جب فدایانِ اسلام مرکز نبوت سے چلنے لگے تو یہ بھی لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال کی تھی۔ حضرت سعدؓ سے کہنے لگے بھائی! میں بھی ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ شاید خدا سے قدر شہادت نصیب کرے لیکن اس بات کا کھشکا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام مجھے کم عمر دیکھ کر انکار نہ فرمادیں۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا اچھا تم کو شش کے دیکھو شاید اجازت مل جائے۔ جب جاننا دیکھے بعد دگرے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں معاینہ کے لیے پیش ہوئے تو آپؐ نے عمیرؓ کی صغر سنی کا لحاظ کر کے فرمایا تم واپس جاؤ۔ یہ سن کر وہ بے اختیار رونے لگے۔ ان کے وفور جوش اور اشتیاق جاں سپاری نے آپ کے قلب مبارک کو بہت متاثر کیا اور شرکت کی اجازت دے دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں معرکہ آرائی کے وقت اپنے دست مبارک سے ان کے تلوار باندھی۔ لڑائی شروع ہوئی تو اعداء کے زغم میں گھس گئے۔ اپنے امکان بھر کافی دیر تک داد شجاعت دیتے رہے۔ آخر عمرو بن عبدودؓ نام ایک مشرک کی تلوار نے چہنہ اسلام کے اس

نورمیدہ غنچہ کی تمناے شہادت فی سبیل اللہ پوری کر دی۔ (مستدرک حاکم)

مسلمانوں کا دو چند نظر آنا

ہی میں نہ بھاگ کھڑے ہوں۔ پھر جب دونوں شکر گتہ گئے تو خدا سے قدیر کے کرشمہ قدرت نے ان کو مسلمانوں کی تعداد اپنی جمعیت سے بھی دو فی دہائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے مرعوب ہو کر ہمت ہار دی۔ خدا سے برتر اس واقعہ کے متعلق اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے

(ترجمہ) :-

(دین اسلام سے انکار رکھنے والو!) ان دو مخالف گروہوں میں تمہارے سمجھنے کے لیے) خدا کی قدرت کی بڑی بھاری نشانی ظاہر ہو چکی ہے جو ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ ان میں سے ایک گروہ تو مسلمانوں کا تھا جو خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا منکروں کا تھا جن کو آنکھوں دیکھتے مسلمانوں کا گروہ اپنے سے دو چند دکھائی دے رہا تھا اور اللہ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید فرماتا ہے (۱۳: ۳)

جبریل کی آمد | اب وعدہ نصرت خداوندی کے پورا ہونے کا وقت آگیا تھا۔ یوں تو جان نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سخت بے جگری سے حملے کر کے دشمن کو تھس تھس کر رہے تھے لیکن فہم کو آخری شکست دے کر میدانِ جنگ سے بھاگنے کے لیے ملائکہ کی امداد بھی آپہنچی۔ چنانچہ مروی ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے عریش میں شاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ جھپک گئی۔ بیدار ہوئے تو فرمایا ابو بکر! اللہ کی مدد آپہنچی۔ یہ جبریل ہیں انہوں نے اپنے گھوڑے کی لگام تھام رکھی ہے اور اسلحہ جنگ سے آراستہ ہو کر جا رہے ہیں (بخاری و ابن جریر طبری)

کُنکریوں کا پھینکا جانا

اس کے بعد آپ نے عین ہنگامہ جنگ میں کنکریوں کی ایک تھمھی اٹھائی اور قریش کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا شَہِیْدُ الْوُجُوْہِ (چہرے بگڑ گئے اور رسوا و ذلیل ہوئے) پھر کنکریوں پر دم کر کے ان کو قریش کی طرف پھینکا اور صابہؓ سے فرمایا کہ اب حملہ کرو۔ اس واقعہ کی نسبت رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے وَمَا سَرَّ مِیْتَ اِذْ سَرَّ مِیْتَ وَلَکِنَّ اللّٰهَ سَرَّ هٰی رَیہ کنکریاں آپؐ نے نہیں پھینکیں بلکہ فی الحقیقت اللہ نے پھینکیں (ابن جریر طبری) یعنی یہ تاثیر آپ کی قوت سے

جو بشری ہے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ قدرت ایزدی سے ظہور پذیر ہوتی۔ اور کوئی مشرک ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں اور ناک کے سوراخوں میں کوئی نہ کوئی سنگریزہ نہ پڑا ہو۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے راہ فرار اختیار کی (مداح)

ملکی امداد کے | مغربی تاریخ نگاروں کو جن کے نزدیک اس عالم مادیات میں جو کچھ ہے صرف ظاہری اسباب کا نتیجہ ہے، اس امر پر سخت حیرت ہے کہ تین سو بعض عجائبات | پیادوں نے جن کے پاس اسلحہ بھی برائے نام تھے ایک ہزار مسلح جوانوں

پر جن میں سے ہر ایک لوہے میں غرق تھا اور قریب قریب ہر ایک کے پاس سواری تھی کیونکہ فتح پائی، واقعی سخت حیرت کی بات ہے اور ہم بھی جہاں تک ظاہری اسباب کا تعلق ہے اس استعجاب میں ان کے شریک ہیں لیکن معلوم ہو کہ مادی اسباب سے ماوراء بعض روحانی اسباب بھی ہوتے ہیں جہاں تک ظاہر بینوں کی رسائی نہیں۔ اس معرکہ میں تین سو غیر مسلح پیادوں کا قریباً ہزار مسلح سواروں پر غلبہ پانا انہی روحانی اسباب سے وابستہ ہے چنانچہ کلام الہی اور مسلمانوں کی وہ متواتر روایات جن کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اس حقیقت پر صراحتہ ناطق ہیں کہ غزوہ بدر کے دن نصرت الہی نے ملائکہ کو اہل حق کی مدد پر بھیج دیا تھا۔

اب یہاں اس نصرت بخشی کے چند نظائر درج کیے جاتے ہیں۔ ابوداؤد و مازنی سے جو بدر میں شریک تھے مروی ہے کہ اس روز میں جس مشرک کا بھی تعاقب کر کے اس پر وار کرنا چاہتا میرے پیچھے سے پہلے ہی اس کا سر تن سے جدا ہو کر دور جاگتا اور میں محسوس کرتا کہ اس کو کسی اور نے ہلاک کیا ہے اور حضرت سہل بن صیف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوہ بدر میں ہماری یہ حالت تھی کہ اگر ہم میں سے کسی نے اپنے ہتھیار سے کسی مشرک کی طرف اشارہ کر دیا تو قبل اس کے کہ ہتھیار اس تک پہنچے پائے اس کا سر تن سے جدا ہو کر الگ گر پڑتا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو غفار میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ جنگ بدر کے وقت تک میں ایمان سے شرف اندوز نہیں ہوا تھا۔ اس روز میں اور میرا حمزہ زاد بھائی ایک پہاڑ پر جہاں سے میدان کارزار صاف نظر آتا تھا اس ارادہ سے چڑھ گئے کہ جس فوج کو ہزیمت ہوگی اس کا مال لوٹیں گے۔ جب ہم پہاڑ پر غور نظر کرتے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کا ایک ٹکڑا ہمارے قریب آگیا ہے اور اس میں سے گھوڑوں کے ہنسنے کی آواز آرہی ہے۔ اس اشارہ میں ہم نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ جیزوم! آگے بڑھ۔ اس آواز سے میرا چھیرا بھائی غش کھا کر

گر پڑا۔ اس کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اسی وقت طعمہ اجل ہو گیا اور باوجودیکہ میں نے دل کو
بڑا مضبوط رکھا لیکن پھر بھی مشکل جانبر ہو سکا (ابن جریر طبری)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ غزوہ بدر کے دن جب کوئی مومن کسی دشمن کا چھپا
کرتا تو وہ مومن اوپر کی طرف سے تازیانہ رسید کرنے کی آواز سنتا اور کسی غیر مرنی سوار کو یہ کہتے
سنتا اسے جیزوم (جبریل) کے گھوڑے کا نام) آگے بڑھ۔ تاگاہ مسلمان مشرک کو زمین پر
پڑا پاتا۔ دوسری مرتبہ کسی اور عدو سے حق کی طرف دیکھتا تو اس کی ناک کو زخمی پاتا۔ تازیانہ
کی ضرب کے نشان چہرے پر نمایاں ہوتے اور ضرب کی جگہ بہز و سیاہ ہوتی۔ یہ دیکھ کر ایک
انصاری بزرگ حضرت سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے
مشاہدات کا ذکر کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ یہ فرشتوں کی کمک ہے جو آسمان ہوم
سے آئی ہے (صحیح مسلم عامل شرح نوہی مطبوعہ نو کشور جلد ۲ ص ۹۳)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بدر کے دن ملائکہ کی یہ شان تھی کہ انہوں نے
سفید عمامے باندھ رکھے تھے جن کے شملے پیچھے کی طرف تھے اور جنگ خنین میں سرخ عمامے
ان کے زیب سر تھے مگر ملائکہ نے غزوہ بدر کے سوا کسی اور معرکہ میں لڑائی میں حصہ نہیں لیا اور
تکوار نہیں چلائی (محمد بن جریر طبری)

قتال ملائکہ میں ایک سوال یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کو فدا نے یہ قدرت بخشی ہے کہ اپنے
بارو کے ایک پر سے کفار کی تمام آبادیوں کو ختم کر دیں۔ ایسی حالت میں
عامیانہ اشکال قتال کے لیے ملائکہ کے جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں
شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ اس قسم کا سوال عوام کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے جو تدبیرات الہی اور
ترتیب اسباب اور خدا سے حکیم و داناکر نامتناہی ملکوتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اگر ایسے
لوگ یوں بھی کہنے لگیں کہ جب حق تعالیٰ قادر تھا کہ کافروں کو اپنے قہر و جلال کی تکوار سے ہلاک
کر دے یا آشکارہ کفر و فساد کو اپنے نور ہدایت سے محو کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد و
قتال کی کیا ضرورت تھی؟ تو کچھ بعید نہیں۔ حالانکہ مومنوں کے ثواب و نوال اور کافروں کے
عقاب و نکال کا مدار اسباب پر ہے۔

قریش کی ہزیمت و فرار قریش نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن مسلمانوں سے جو آسانی
تائید سے قوی پشت تھے کسی طرح عمدہ برآئے ہوئے۔ جب

ابوسفیان نے میدان جنگ کا نقشہ بگڑتا دیکھا تو بھاگ کر جان بچانے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ دوسرے سردار و سردار میدان جاں نثاں کی نذر ہوئے یا ہتھیار ڈال کر طالب امان ہوئے۔ جب لشکر قریش کے عوام نے اپنے منتخب سرداروں کی ہلاکت کے بعد بقیۃ السیف کو قید ہوتے دیکھا تو جس کسی سے ہو سکا مقابلے پر بھاگنے کو ترجیح دے کر اپنی جان بچائی مسلمانوں میں سے صرف چودہ حضرات نے جرئہ شہادت نوش فرمایا لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی۔ تمام ایمان قریش جو قبائل کے سپہ سالار اور شجاعت و جانبازی میں شہرہ آفاق تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ قریش کے ستر آدمی مقتول اور اسی قدر اسیر ہوئے۔ ابو جہل نے ابوسفیان کے پیغام مراجعت کے جواب میں کہا تھا کہ جب تک بدر میں فتح پا کر ناچ رنگ کی مجلس گرم نہ ہو، دور شراب نہ چلے، اونٹ ذبح کر کے پر تکلف کھانے نہ کھلاؤں واپس نہ ہوں گا لیکن خدا سے قاہر کی قدرت قربان دیکھو کہ ابو جہل بدر پہنچا تو وہاں اسے شراب کی جگہ موت کے پیالوں کا دور اور بجائے ناچ رنگ کے نوے اور زمین اور سامان عیش کی جگہ کشتوں کے پستے دکھائی دیے۔

قرآن میں فتح بدر کی پیشین گوئی | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:-

سَيُضَوُّمُ الْجَمْعُ وَيُؤْتُونَ الدَّيْرَةَ | عنقریب (ان کا) گروہ شکست کھائے گا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں) پیو پیو کر بھاگیں گے۔ (۵۴: ۲۵)

اس آیت میں جنگ کی پیشین گوئی دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے معلوم نہیں وہ کون سا گروہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ آخر جب جنگ بدر پیش آئی اور قریش کو شکست ہوئی تو انہوں نے حال ہی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نبی آیت پڑھ رہے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء) نزول آیت کے وقت نہ جہاد ہی مشروع ہوا تھا اور نہ کوئی مسلمان قتال کے نام سے واقف تھا۔ پس یہ پیشین گوئی بھی دلائل نبوت میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

فتح روم کی پیشین گوئی کا پورا ہونا | جس روز مسلمان بدر میں قریش پر غالب آئے اسی روز رومیوں نے جو دین مسیح کے پیرو تھے آتش پرست

ایرانیوں کو شکست دی۔ اس دن مسلمانوں کو فرع و شادمانی کی دو کامرانیوں سے لطف اندوز ہونا نصیب ہوا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَىٰ ذَٰلِكَ۔

اس لطیف اندوزی کی وجہ قارئین کرام نے کسی سابقہ فصل میں پڑھی ہوگی کہ ایران اور روم کی لڑائی میں مسلمان اہل کتاب ہونے کی وجہ عیسائی رومیوں کی فتح چاہتے تھے اور بت پرست قریش کو آتش پرست مجوس کے غلبہ کی آرزو تھی۔ اس آدیزش میں ایران کو فتح ہوئی اور قریش نے مسلمانوں کے خلاف زبان طعن و راز کی کہ جس طرح آتش پرست ایرانی اہل کتاب نصاریٰ پر غالب آئے ہیں اسی طرح ہم بت پرست بھی تم قرآن والوں کو مغلوب کریں گے۔ اور قریش نے مسلمانوں کا بڑی طرح مذاق اڑایا تھا۔ جب دربار رسالت میں یہ تذکرہ چھڑا تو مجبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند سال میں ایک اور لڑائی ہوگی جس میں نصاریٰ پارسیوں کو منہزم کریں گے چنانچہ فتح بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

حضرت سعد بن معاذ کی ناگواری جب مسلمان حصول غلبہ کے بعد منہزمین قریش کو قید کر رہے تھے تو اس وقت حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے انصاری کی ایک جمیعت کے ساتھ قریش کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان گرفتاریوں سے سعد کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سعد! کیا قریش کی اسیری تم پر شاق گزر رہی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خداوند عالم نے ہمیں ان بے دینوں پر غلبہ دیا تھا۔ ان دشمنان حق کو زندہ رکھنے سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ ہمیشہ کے لیے ان کا قصہ پاک کر دیا جاتا (متناج السنہ و تاریخ طبری)

قریش کے اکابر مقتولین جنگ بدر میں قریب قریب وہ تمام رؤساء قریش مسلمانوں کی خنجر غار اشکاف کا لقمہ بنے جنہوں نے حضرت محمد و جان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو ایذا میں دی تھیں یا آپ کے مشورہ قتل میں شریک تھے یا جنہوں نے ہامادہ قتل آپ کے بیت اقدس کا محاصرہ کیا تھا۔ قریش کے ان متاقتولوں کے نام یہ ہیں:-

- | | |
|-----------------------------------|------------------------|
| (۱) عمرو بن ہشام معروف بہ ابو جہل | (۵) امیہ بن خلف |
| (۲) عتبہ بن ربیعہ | (۶) علی بن امیہ بن خلف |
| (۳) شیبہ بن ربیعہ | (۷) عتبہ بن ابی معیط |
| (۴) ولید بن عتبہ بن ربیعہ | (۸) نضر بن حارث |

(۱۸) (ابو جہل کا بھائی) عاص بن ہشام

بن مغیرہ

(۱۹) بنیہ بن حجاج سہمی

(۲۰) منبہ بن حجاج سہمی

(۲۱) حرث بن عامر بن نوفل

(۲۲) عمرو بن عثمان (حضرت طلحہ کا چچا)

(۲۳) مسعود بن ابی اُمیہ (ام المومنین ام سلمہ

کا بھائی)

(۲۴) ابوالعاص بن قیس بن عدی سہمی

(۹) ابوالختری بن ہشام

(۱۰) سعید بن عاص بن اُمیہ

(۱۱) عبیدہ بن سعید بن عاص

(۱۲) خطلہ بن ابوسفیان

(۱۳) عارث بن عامر بن عبدمنات

(۱۴) طعیمہ بن عدی

(۱۵) زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد

(۱۶) نوفل بن غریبہ بن اسد

(۱۷) معبد بن وہب

(طبقات ابن سعد و سیرت ابن ہشام)

مقتولوں کی لاشیں | حصول فتح کے بعد حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان جنگ میں تین دن تک قیام فرمایا۔ نار حرب منطقی ہونے

کے بعد آپ نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو دفن کرایا۔ قریش تو اپنے مُردے میدان جنگ ہی میں چھوڑ گئے تھے اس لیے آپ کو حسب معمول ان کی لاشیں ٹھکانے لگانے کا بھی فکر ہوا۔ قریش کے مُردے زیادہ تھے۔ ایک ایک کا الگ الگ گاڑنا دشوار تھا اس لیے ایک وسیع کنواں جو غیر مستعمل پڑا تھا تلاش کیا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام لاشیں بے جا کر اس میں ڈال دی جائیں چنانچہ لاشیں اس میں ڈال کر مٹی اور پتھروں سے ڈھک دی گئیں لیکن اُمیہ بن خلف کی لاش کو بے جانے کے لیے اٹھانے لگے تو وہ کڑتے میں سے نکل پڑی۔ چونکہ وہ پھول جانے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی تھی کہ منتقل کی جاسکے اس لیے وہیں ہی ہند خاک کر دی گئی۔

حضرت ابو حذیفہ کو باپ کی محرومی ایمان کا صدمہ | حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ عتبہ بن ربیع کی لاش کو خاک مذلت پر اور بے گور و کفن کو نہیں میں ڈالے جاتے دیکھا تو بحکم طبیعت وجہالت سخت بے چین ہوئے۔ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ابو حذیفہ کے چہرہ پر پڑی تو وہ بہت ادا اس غمگین اور متغیر نظر آئے۔ فرمایا ابو حذیفہ! معلوم ہوتا ہے کہ باپ کی یہ حالت دیکھ کر تمہارا دل بھرا آیا ہے۔ انہوں نے

التماس کی یا رسول اللہ! مجھے اس بات کا رنج ہے کہ میرا باپ بڑا حلیم معاملہ فہم صائب الرائے دانشمند سخی، آداب و اخلاق ستودہ سے موصوف تھا اور مجھے پورا وثوق تھا کہ یہ اخلاق حمیدہ اسے اسلام کی طرف رہبری کریں گے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ سعادت ایمان سے محروم رہ کر کفر پر مرا اور میری ساری امیدیں اور آرزوئیں خاک میں مل گئیں تو مجھے اس بات پر سخت قلق ہوا یہ سن کر آپ نے ان کی تعریف کی اور دعا سے خیر دی (محمد بن جریر طبری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عادات خیر اور اخلاق حسنہ حصول ایمان کے داعی و کفیل نہیں ہیں اور ہدایت محض فضل و عطا الہی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دل برقرار اور مرکز یقین پر ثابت ہو تو طبیعت کی غیر اختیاری کراہیت قطعاً قابل اعتنا نہیں۔ اور اس حدیث کو پڑھ کر تصور کرنا چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا کس درجہ یقین تھا کہ ایک شخص کا باپ اور بھائی اس کی ہتکھوں کے سامنے قتل ہو جاتے ہیں اور باپ کو جو تمام صفات حسنہ سے موصوف تھا اس کے سامنے خاک مذلت پر کھینچتے ہیں اور اس کے دیکھتے دیکھتے کنوئیں میں پھینکتے ہیں اور اس کی وجہ سے جو بقدر قلیل کراہیت و ناگواری اس کی طبیعت میں رونما ہوتی ہے اس پر اس کو عقاب کیا جاتا ہے تو وہ معذرت کرتا ہے (مدارج)

سرور انبیاؐ کا جب مقتولین کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا تو حسب روایت حضرت عائشہؓ فرمادیں انا م صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور فرمایا اے کنوئیں! لو! مقتولوں سے خطاب کیا تم نے اس وعدہ کو جو حق تعالیٰ نے تم سے کیا تھا ٹھیک پایا؟ بیشک

مجھ سے جو وعدہ رب العزت نے کیا تھا وہ پورا ہوا! حضرت عمرؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! آپ ایسے اجساد سے خطاب فرماتے ہیں جو بے روح ہیں؟ آپ نے فرمایا اب انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا تھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ مردوں نے آپ کی بات سنی حالانکہ میں نے یہ نہیں کہا کہ انہوں نے آپ کی بات سنی لی بلکہ آنحضرتؐ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ ان کو معلوم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اُم المومنینؓ نے یہ آیت پڑھی :-

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدَّاعِيَ إِذَا وَكُفُوا
هَذِ بَرِّينَ (۸۰: ۲۷)

بیشک تم مردوں کو (اپنی بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو (خصوصاً) ایسی حالت میں کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں۔

اس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

اسمعیلی کہتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین عائشہؓ کو فہم و ذکاوت کا کثرت روایت اور غوامض علم پر غور و خوض میں وہ کمال حاصل تھا کہ جس سے زیادہ متصور نہیں۔ لیکن ثقہ کی روایت کو ویسی ہی نفس سے جو اس کے نسخ یا تفصیص یا استحالة پر دلالت کرتی ہو، رد کیے بغیر چارہ نہیں۔ اور اس بات میں جس سے اُمّ المؤمنینؓ نے انکار اور دوسروں نے اس کا اثبات کیا جمع و تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ ارشاد ربّانی **إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ** (تم مردوں کو نہیں سنا سکتے) حضرت صادق معصوم علیہ السلام کے اس تعلق گرامی کے منافی نہیں کہ ”انہوں نے سن لیا ہے“ کیونکہ اسماع (سنانا) مسموع (سنانے والے) کی طرف سے سامع کے کان میں پہنچا دینے کا نام ہے۔ پس خدا کے قریب ہی ذات تھی جس نے ان کو سنا دیا اور اپنے نبی کی آواز ان کو پہنچائی۔ خواہ انہوں نے یہ آواز اپنے سر کے کانوں سے سنی یا دل کے کانوں سے اس کا ادراک کیا۔“

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مردوں کا آپ کا کلام سنتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اس لیے اس موقع پر آیت مذکورہ سے تمسک کرنا کسی طرح موزون نہیں۔ اور علماء لفظ مَوْتَىٰ یعنی مردہ اور مَن فِي الْقُبُورِ (جو قبروں میں ہیں) کی تفسیر میں مختلف البیان ہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جس کے باعث انہیں اس ارشاد نبوی میں تاویل کرنی پڑی۔ **مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ** (جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو) اکثر کا یہی قول ہے۔ اور بعض نے مجازی معنی مراد لیے ہیں اور مَوْتَىٰ اور مَن فِي الْقُبُورِ سے کفار مراد لیے ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مردوں کے مشابہ ہیں۔ ایسی حالت میں آیت کے اندر کوئی تاویل ہی نہ رہی جس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی فرمائی تھی (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۶)

بعض علماء کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اے کنوئیں والو! تم نبی کے خاندان والے ہو کرا اپنے نبی کے حق میں بڑے موذی تھے۔ تم نے میری تکذیب کی مگر دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے گھر سے نکالا اور دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی دوسروں نے میری مدد کی (ابن جریر طبری)

مراجعت اور مال غنیمت کی تقسیم | حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدر سے مراجعت کے وقت حکم دیا کہ دشمن کے پڑاؤ میں جو کچھ ملے اسے

ایک جگہ جمع کرو۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ آپ نے اس کو اپنے ساتھ بار کر لیا اور اس کی نگرانی حضرت عبداللہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمائی۔ جب صفراء کی گھاٹی کو عبور کر لئے تو سرخ ریت کے اس ٹیلے پر جو گھاٹی اور ناریہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا فروکش ہوئے۔ یہاں آپ نے مال غنیمت علی السویر سب مجاہدوں پر تقسیم فرمایا۔ تقسیم غنیمت کے بعد وہاں سے چلے جب روم حارپہنچے تو مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے استقبال کے لیے موجود تھی۔ ان لوگوں نے آپ کو اور تمام فازیوں کو اس فتح عظیم پر مبارک باد دی۔ سلمہ بن سلامہ نے لوگوں سے بیان کیا کہ بدر میں مشرک حملہ آوروں کی یہ حالت تھی کہ گویا قربانی کے جانوروں جن کو کھال کھینچ کر ٹکا دیا گیا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت مسکرائے اور فرمایا برادر زادے! واقعی اہل کفر کی یہی حالت تھی۔

غیر شرکاء سے جنگ جنہیں جس کسی کو قائد لشکر کہیں قاصد مخبر جاسوس بنا کر بھیجے یا کسی دوسرے کام پر متعین کرے، اس کو بھی لڑنے والوں کے برابر مال غنیمت میں حصہ ملتا ہے۔ صحابہ میں سے آٹھ رتین مہاجر

اور پانچ انصار وہ حضرات تھے جو کفار سے معرکہ آرا نہ ہوئے لیکن انہیں مال غنیمت سے حصہ ملا۔ ان میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے جنہیں مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گئے تھے اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زیدؓ جن کو آپ نے قریش کے تجارتی قافلہ کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے شام کے راستہ پر بھیجا تھا۔ اسی طرح ابو بابر بشیر بن عبد المنذر کو آپ مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر آئے تھے۔ عاصم بن عدی جنہیں آپ نے اہل عالیہ پر اپنا نائب بنایا تھا۔ عاصم بن حاطب جن کو آپ نے روم سے بنو عمرو بن عوف کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجا تھا۔ عاصم بن ہرمہ جو روم میں علیل ہو کر جنگ سے معذور ہو گئے تھے۔ خوات بن جیسر جو علانہ کی وجہ سے ناکارہ ہو گئے تھے۔ (ابن جریر طبری)

شمشیر ذوالفقار | معلوم ہو کہ شریعت مطہرہ نے مال غنیمت میں امام یعنی حاکم اعلیٰ یا سپہ کا حصہ عام شرکاء سے جنگ سے زیادہ نہیں رکھا۔ ہاں اس کو یہ اختیار دیا ہے کہ لونڈی، غلام، گھوڑا، ہتھیار یا کوئی اور چیز جسے اس کی نگاہ انتخاب کرے تقسیم سے پہلے اپنے لیے چھانٹ لے۔ آپ نے منبہ بن حجاج مقتول کی تلوار فدا

اپنے لیے علیحدہ کر لی۔ اس کے بعد مال قیمت کی تقسیم میں آپ کو بھی وہی حصہ دیا گیا جو عام مجاہدین
مقت کو ملا تھا۔ (ابن سعد و طبری)

فقار (بفتح الفار) ہڈیوں کی قطار اور ہر باسے پشت کو کہتے ہیں جو کمر سے گردن تک
چلے گئے ہیں۔ چونکہ اس تلوار پر ریڑھ کی ہڈی کی قطار بنی ہوئی تھی اور اس کو بزرگم خود عدیم الارفاع
بنایا گیا تھا، اس بنا پر ذوالفقار کے نام سے موسوم ہوئی۔ حضور آقا سے دو جہان صلی اللہ علیہ
وسلم نے یہ تلوار غزوہ خندق میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مرحمت فرمادی تھی۔

عقبہ اور نصر بن حارث کا قتل | قریش کے ستر آدمی ہلاک اور ستر ہی قید ہوئے تھے۔
ان قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط اور نصر بن حارث

بھی داخل تھے۔ یہ دونوں جن کا تذکرہ بارہا صفات گزشتہ پر ہو چکا ہے، بڑے خطرناک قسم کے
دشمنان دین تھے جب آپ بدر سے کوچ کر کے صفر میں پہنچے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
فرمان رسالت کے ماتحت نصر بن حارث کی گردن مار دی۔ یہاں سے چل کر جب آپ بوق نطیہ
پہنچے تو آپ نے حضرت عامر بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عقبہ بن ابی معیط کو
شہر خوشاں میں پہنچا دیں۔ جب حضرت عامرؓ اس کے قتل کے لیے بڑھے تو اس نے چلا کر کہا
محمد! میرے بچوں کا کون کفیل ہو گا؟ آپ نے فرمایا جہنم (ابن جریر طبری) جہنم سے آپ کی یہ مراد
تھی کہ تم خود تو جہنم میں جاؤ پیچھے تمہاری اولاد کا جو حشر مقدر ہو گا وہ ہو کے رہے گا۔ عقبہ بنی علیہ
السلام کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تھا۔ اسی محروم قسمت نے ایسی حالت میں آپ کے دوش مبارک
پر اونٹ کی بخش اوجھ رکھی تھی جبکہ آپ مسجد حرام میں سر بسجود تھے۔

عقبہ کی اولاد | عقبہ کی ہلاکت کے بعد اس کی ساری اولاد حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔
اس کے ایک بیٹے ولید بن عقبہ بنی علیؓ علیہ وسلم کی طرف سے محال وصول
حلقہ اسلام میں | کرنے کی غرض سے قبائل میں جایا کرتے تھے (سیرت ابن ہشام) ولید

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدت تک کوفہ کے حاکم رہے۔ ولید کی ہمیشہ
اتم کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں ان کے بھائیوں کے قبول اسلام سے پہلے نور توحید نے
جلوہ گری کی اور وہ تنہا ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ چار اکابر ملت یعنی حضرت زید بن حارثہ،
حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ رضی اللہ عنہم نے ان کے پاس
پیام نکاح بھیجا۔ اتم کلثومؓ نے اپنے سوتیلے بھائی حضرت عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے

مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس بارہ میں استصواب کرو۔ انہوں نے آستان نبوت میں حاضر ہو کر آپ کی صلاح پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ زید بن حارثہ کا پیغام منظور کر لو چنانچہ زید بن حارثہ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ محترمہ اُم کلثومؓ اور حضرت عثمانؓ کی والدہ ازوی بنت کریمہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی زاد بہن تھیں۔ ازوی کی والدہ یعنی حضرت عثمانؓ کی نانی کا نام اُم الحکیم بیضا بنت عبد المطلب تھا (ابن سعد)

اور نضر بن حارث وہی شخص تھا جو عراق سے رستم اور اسفندیار کے قصے **نضر کون تھا؟** خرید لایا تھا۔ جب کوئی مسلمان قرآن پڑھتا تو یہ بالمقابل کھڑا ہو کر رستم اور اسفندیار کے قصے شروع کر دیتا۔ نضر کی نسبت سابقہ صفحات پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ جب وہ کسی شخص کو اسلام کی طرف مایل دیکھتا تو اسے اپنی لونڈیوں کے پاس لے جاتا اور ان سے کہتا کہ ان کو گماناؤ اور ابھی طرح خاطر مدارت نہ کرو۔ اور قارئین کرام نے یہ بھی پڑھا ہو گا کہ ایک مرتبہ نضر دوپہر کے وقت جھون پھاڑ کی گھاٹی میں آنحضرتؐ کے قتل کی کوشش میں گیا تھا مگر نامراد رہا۔

فتح اسلام کی بشارت فتح کے دن جیسے ہی قریش کا لشکر منہزم ہو کر بدر سے بھاگا، آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کو مدینہ منورہ کی شمالی آبادی کے پاس اور حضرت زید بن حارثہؓ کو جنوبی حصہ شہر

کے پاس فتح کا ثرہ سنانے کے لیے روانہ فرما دیا تھا۔ جب حضرت زید بن حارثہؓ بشارت فتح کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے ہیں، اسی وقت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ سلام اللہ علیہا کی تدفین سے فراغت پائی تھی جو مسرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت جگر تھیں۔ حضرت رقیہؓ شکر اسلام کی روانگی کے وقت علیل تھیں اور آپ حضرت عثمان اور حضرت انسؓ بن زید رضی اللہ عنہما کو ان کی تیمارداری کے لیے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں لوگ نتیجہ جنگ معلوم کرنے کے سخت منتظر تھے۔ جب حضرت زیدؓ قبرستان پہنچے تو ان کے ارد گرد لوگوں کا بڑا ہجوم ہوا۔ حضرت انسؓ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ جب اپنے والد حضرت زیدؓ کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ کمرہ رہے تھے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ابی جہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوالختری بن ہشام، امیہ بن خلف، بنیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج سب قتل ہو گئے ہیں۔ میں نے پوچھا ابا جان! کیا واقعی قریش کے یہ سب نامور سردار قتل ہوئے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں، بیشایہ سب مارے گئے ہیں (ابن جریر طبری)

ہزیمت قریش کی

بدر کے میدان جنگ سے قریش کے جو آدمی بھاگے تھے ان میں سے

اطلاع مکہ معظمہ میں

پہلا شخص جو مکہ معظمہ میں وارد ہوا وہ عیسان بن جندبہ خزاعی تھا۔

لوگ اس سے پوچھنے لگے کہ جنگ کی کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا
 عقبہ بن ربیعہ مارا گیا۔ شیبہ بھی قتل ہوا۔ ابوہل بھی ہلاک ہوا۔ غرض تمام اکابر قریش کے نام لیے
 جو میدان جاں ستاں کی نذر ہوئے تھے۔ صفوان بن اُمیہ بن خلف جو حجر اسود کے پاس بیٹھے
 ہوئے تھے لوگوں سے کہنے لگے ذرا اس سے میرے باپ اور بھائی کا حال تو دریافت کرو۔
 جب دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ صفوان کا باپ اُمیہ بن خلف اور بھائی علی بن اُمیہ بھی
 قتل ہو چکے ہیں (سیرت ابن ہشام)

ابو لہب کو محترمہ اُم الفضلؓ

حضرت عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع رضی

اللہ عنہ پہلے حضرت عباسؓ کے مملوک تھے جناب عباسؓ

کا لٹھ مارنا

نے انہیں آپ کی غلامی میں دے دیا اور آپ نے انہیں آزاد
 کر دیا تھا۔ لیکن جنگ بدر کے ایام میں وہ ابھی حضرت عباسؓ کے غلام تھے۔ ابو رافعؓ کا
 بیان ہے کہ ان دنوں اسلام ہمارے اہل بیت میں سرایت کر چکا تھا کیونکہ حضرت عباسؓ کی
 زوجہ محترمہ اُم الفضلؓ اسلام لاپچی تھیں۔ میں بھی علقہ اسلام میں داخل تھا بلکہ میرے آقا
 حضرت عباسؓ بھی دل سے مسلمان تھے لیکن قوم کی مخالفت پسند نہ کرتے تھے اس لیے انہوں نے
 اپنے ایمان و اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حضرت عباسؓ بڑے مالدار تھے اور ان کا روپیہ قوم
 میں پھیلا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حرمان نصیب ہوا ابو لہب آپ کا سخت دشمن جان تھا۔
 وہ معرکہ بدر میں خود شریک نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی طرف سے عامر بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا۔
 جب نبی علیہ السلام کی فتح اور اشیا سے قریش کے مارے جانے کی خبر کہ مکہ پہنچی تو
 ابو لہب اور دوسرے اعدائے دین سخت متحیر ہوئے۔ ابو رافعؓ کا بیان ہے کہ فتح اسلام کی
 خبر سے ہمارے دلوں کو بڑی تقویت و مسرت ہوئی۔ میں اس وقت زمزم کے ایک ملحقہ کمرہ میں
 تیر سازی میں مصروف تھا اور میری مالکہ محترمہ اُم الفضلؓ بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔ اس اثناء
 میں ابو لہب گھسٹتا ہوا ہماری طرف آیا اور میری پیٹھ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ اس نے میں
 لوگ کہنے لگے کہ وہ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ پیغمبر علیہ السلام کے عم زاد بھائی جو ہنوز
 شرف اسلام نہیں ہوئے تھے آئے ہیں۔ ان سے لڑائی کے حالات دریافت کرنے چاہئیں۔

ابولہب نے انہیں آواز دی کہ بھتیجے! ذرا یہاں میرے پاس آنا۔ وہ آئے تو لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ابولہب بولا برادر زادے! کہو وہاں کیا گزری؟ ابوسقیان بن عارث کہنے لگے واللہ! اس کے سوا وہاں کی کوئی خبر نہیں کہ لڑائی کے وقت قریش نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے آپ کو اس بے بسی کے ساتھ پیش کر دیا جس طرح مردہ قتال کے ہاتھ میں سبے بس ہوتا ہے مسلمانوں نے جس کی چاہی گردن مار دی اور جس کو چاہا قید کر لیا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ ہم سفید رنگ کے آدمی دیکھے جو زمین اور آسمان کے درمیان ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ ہم پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے مار مار کر ہمارے پیچھے اٹھا دیے۔

ابورافع رضی اللہ عنہ سے بول اٹھے کہ وہ فرشتے تھے۔ یہ سن کر ابولہب آپ سے باہر ہو گیا اور اس نابکار نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے منہ پر نہایت زور سے ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ ابورافع بھی سنبھل کر اس سے لپٹ گئے مگر کھڑے تھے اس لیے ابولہب پر غالب نہ آ سکے۔ ابولہب نے ان کو ٹپک دیا اور سینے پر چڑھ کر جہاں تک مار سکا مارا۔ حضرت اُم الفضل رضی اللہ عنہا پہلے تو خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں۔ آخر ان سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر اس زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا اور بڑا زخم آیا۔ محترمہ اُم الفضل کہنے لگیں بے جفا! تو نے یہ دیکھ کر کہ اس کا آقا موجود نہیں ہے اسے ذلیل کرنا چاہا تھا؟ اب ابولہب کی مجال نہ تھی کہ بھانج کے سامنے اُف کرتا۔ دم بخود با صد ذلت و خواری وہاں سے اٹھ کر چلا گیا (ابن سعد و ابن جریر طبری)

بلد اللہ میں ہزیمت | مکہ معظمہ میں ہزیمت قریش کی خبر سے کھرام مچ گیا۔ شہر میں کوئی بڑا گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں صفت ماتم نہ بھی ہو۔ لیکن ابھی نوہ و ماتم قریش کا ماتم

کرادی کہ کوئی شخص اپنے مقتولوں پر نوہ نہ کرے ورنہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہم پر ہنسی اُڑائیں گے۔ اسود بن عبدغوث کہ تمہیں بیٹے زعمہ معروف بہ بکر عقیل اور عارث بدر میں کام آئے تھے۔ اس کا دل اُمنڈا آتا تھا لیکن قومی عزت و وقار کا لحاظ کرتے ہوئے رونے سے احتراز کرتا تھا۔ اسی ایام میں کسی طرف سے رات کے وقت رونے کی آواز سنائی دی سمجھا کہ اب قوم نے رونے کی اجازت دے دی ہے۔ غلام کو دوڑایا کہ دریافت کر آئے کہ رونے کی اجازت ہو گئی تاکہ میں بھی دل کھول کر رولوں اور اگر سب پر نہیں تو کم از کم اپنے

نحت جگر زمو معروف بہ بکر پر تو کچھ ذمہ کر لوں کیونکہ میرے باطن میں آگ سلگ رہی ہے۔ لیکن غلام نے آکر بیان کیا کہ مقتولوں پر رونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اس لیے رو رہی ہے۔ اسود نے چند شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے اور ایسی سوگوار ہے کہ اسے رات کو نیند نہیں آتی لیکن بکر پر دیا نہیں جاسکتا۔ اصل یہ ہے کہ ہدر میں قسمت نے وفانہ کی۔ تجھ کو رونا ہے تو عقل پر رو اور عارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا (ابن جریر طبری)

ہدر میں ابوسفیان کا ایک بیٹا حظلہ مارا گیا تھا اور دوسرا عمر و نام قید ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود ابوسفیان لوگوں کو شہادتِ ہداس کے خوف سے رونے کی سخت بندش کر رہے تھے۔ انہوں نے اس سببیت کے بعد قسم کھائی کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کے بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک نہ سو میں تیل ڈالوں گا۔ نہ اُجلا لباس پہنوں گا اور نہ مصاحبت نسوان کی طرف مائل ہوں گا (مدارج)

حضرات طلحہ و سعیدؓ کی مراجعت | پہلے لکھا گیا تھا کہ سرور دو بہان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو کہ دونوں جلیل القدر مہاجر عشرہ مبشرہ میں ہیں قافلہ کے تجسس کے لیے شام روانہ فرمایا تھا جب یہ دونوں بزرگ مدینۃ الرسول پہنچے تو اس وقت قازیان قتل فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ ہدر سے واپس آ رہے تھے۔ چونکہ وہ دونوں بھی خدمتِ نبوی پر متعین تھے، مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدر کے مال غنیمت میں سے ان کا حصہ تقسیم کے وقت الگ کر لیا تھا۔ جب وہ آپ سے ملاقی ہوئے تو آپ نے ان کو مال غنیمت کا حصہ عطا فرمانے کے بعد ثوابِ جہاد سے سعادت اندوز ہونے کی بھی بشارت دی۔ (ابن سعد)

اسیرانِ جنگِ مدینہ منورہ میں | جس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم رجعت فرما سے مدینہ ہوئے، اس کے دوسرے دن ہدر کے قیدی بھی مدینۃ الرسول پہنچ گئے۔ اس وقت اُم المومنین حضرت سہوہ بنت زعمہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ عفرار بنت عبید بن ثعلبہ تنجاریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جن کے دو فرزند عوف اور معوذ رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے تھے اور تیسرے فرزند معاذ رضی اللہ عنہ کا بازو کٹ گیا تھا، تعزیت کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ اس وقت تک پردہٴ نسوان کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اُم المومنین فرماتی ہیں کہ میں ابھی وہیں تھی کہ

کسی نے اگر بتایا کہ بدر کے قیدی آگئے ہیں۔ جب میں اپنے گھر آئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھ کے کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ اس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا اور بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا کہ اس قید سے تو مرجانا بہتر تھا۔ تم نے اپنے آپ کو کیوں حوالے کیا۔ کیوں نہ عزت کی موت مر گئے؟ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے سودہ! کیا تم خدا اور اس کے رسول کے مقابلہ میں اس کو برا بیگنہ کرتی ہو؟ حضرت سودہ فرماتی ہیں میں اپنی غلطی پر سخت نادم ہوئی اور التماس کی یا رسول اللہ! کیا عرض کروں۔ اس کو اس حالت زار میں دیکھ کر بے اختیار یہ کلمہ میری زبان سے نکل گیا (ابن جریر طبری و ابن ہشام)

معلوم ہو کہ یہ قیدی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ کے دن مشرف بایمان ہوئے، اُمّ المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کے دیور یعنی ان کے مرحوم شوہر حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جو قیدی بدر سے آئے تھے، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابوطالب، حضرت عکرمہ کے عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر ابوالعاص (رضی اللہ عنہم) بھی داخل تھے۔ یہ حضرات مکہ والوں کی طرف سے رٹنے آئے تھے اور شکر اسلام نے انہیں قید کر لیا تھا۔ مشکیں باندھنے والے نے غلطی سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں بڑی کس کر باندھ دی تھیں اور وہ اس کی تکلیف سے رات بھر دردناک آواز کے ساتھ کراہتے رہے یہاں تک کہ حضور خواجه عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے اور حالت بے خرابی میں کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! آج آپ کو نیند کیوں نہیں آتی؟ فرمایا میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے گرنے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔

انصار نے ان کے پاس جا کر رونے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ ان کا بندہ بت سخت ہے۔ انہوں نے بندہ نرم کر دیا اور وہ سو گئے۔ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد دریافت فرمایا کہ اب چچا عباس رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز نہیں آتی؟ انصار عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ!

ان کا بند بست سخت تھا۔ انہیں اسی کی تکلیف تھی۔ اب اس کو سبک کر دیا ہے اور وہ سو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں (ابن سعد) شفیق عالم کا قیدی اقرار کی ملاقات کو تشریف لے جانا

جا کر دیکھ بھال کی اور آ کر عرض کرنے لگے کہ نوفل بن حارث، عتاس اور عقیل تین ہاشمی گرفتار ہوئے ہیں۔ یہ سن کر آپ ان سے ملنے کو تشریف لے گئے اور ان سے باتیں کرتے رہے۔ آپ نے حضرت عقیلؓ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابو جہل قتل ہو گیا۔ عقیلؓ بولے اب تمامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم نہیں رہا۔ (ابن سعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقیلؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبت ہے ایک تو قرابت کی وجہ سے۔ دوسرے اس بنا پر کہ میرے چچا ابو طالب تم کو محبوب رکھتے تھے (تہذیب الکمال) اسیروں کے لیے

ایسران جنگ کے کپڑے لڑائی میں پھٹ گئے تھے شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب کے لیے کپڑے مینا کے جائیں چنانچہ آپ نے پوشش کا انتظام فردا فردا سب کو کپڑے دلوائے (بخاری) لیکن حضرت عتاسؓ کا قد اس قدر بلند ہوا تھا کہ ان کے بدن پر کسی کا پیر بن ٹھیک نہیں آتا تھا۔ رئیس المنا فقین عبد اللہ بن ابی نے کہ حضرت عتاسؓ کا ہم قد تھا گھر سے اپنا کرتا منگوا کر دیا۔ آنحضرتؐ نے جو ابن ابی کے مرنے پر اس کے منافق ہونے کے باوجود اپنا پیر بن مبارک اس کی لاش کو پنانے کے لیے دیا تھا تو وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ طبقات ابن سعد

قیدیوں سے حسن سلوک کی تاکید

اب ہمدی اسیران جنگ صحابہ کو تقسیم کر دیے گئے تاکہ اسلامی گھرانوں میں رہنے سے انہیں اسلام کی خوبیاں معلوم ہوں اور اسلامی تہذیب اور طور طریقے دیکھ کر ملت عینی کی طرف رغبت ہو۔ آپ نے ہر ایک کی تفویض کے وقت تاکید فرمائی کہ اس کے ساتھ مربیانہ سلوک کرنا اور امام سے رکھنا۔ صحابہ کرامؓ نے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ قیدیوں کی توہانوں کی طرح خود پر داحت کرتے تھے اور انہیں پر تکلف کھانا کھلاتے تھے لیکن خود کچھ اور غیرہ کھا کر گزارہ کر لیتے تھے۔ ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیرؓ رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو عزیزؓ بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جن انصاریوں

کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور کھجوریں خود
 اٹھا لیتے ہیں اس میں شرم محسوس کرتا اور روٹی ان کو واپس دیتا لیکن وہ اس کو چھوٹے بغیر بھی کو
 واپس کر دیتے۔ ایک اور قیدی کا بیان ہے کہ خدا مسلمانوں پر رحم کرے وہ اپنے اہل و عیال کے
 اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے گھر والوں سے پہلے ہماری آسائش کی فکر کیا کرتے تھے (ابن سعد)
شہیل بن عمرو کے دو دانت | بدر کے قیدیوں میں شہیل بن عمرو بھی تھے جن کی امیری
 کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ یہ وہی شہیل بن عمرو ہیں جنہوں نے
 اپنے دو بیٹوں ابو جندل اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کو قبول

اکھڑوا دینے کی تحریک

اسلام کی وجہ سے مدت مدید تک آماج مظالم بنائے رکھا تھا حضرت شہیل جو فتح مکہ سے پہلے
 برابر کفر و شرک کی راہوں میں سرگرداں رہے بہت نامور منع گو اور نہایت فصیح اللسان مقرر تھے
 قبول اسلام سے پہلے ان کا معمول تھا کہ عام مجعوں میں اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
 کے خلاف دھواں دھواں تقریریں کرتے اور جذبہ نفرت پھیلاتے تھے حضرت عمر فاروق
 رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں درخواست کی یا رسول اللہ! مناسب ہے کہ اس نابکار کے
 دو نچلے دانت اکھڑوا دیجیے تاکہ یہ اچھی طرح تقریر نہ کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ گو میں نبی ہوں
 تاہم اگر میں اس کے کسی عضو کو بگاڑوں گا تو خدا اس کے بدلہ میں میرے اعضاء بھی ضرور بگاڑیگا
 اس سلسلہ روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی فرمایا ممکن ہے کہ ان
 (یعنی مشرک باسلام ہونے کے بعد) یہ ایسی تقریریں کرنے لگیں جن پر ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو
 (محمد بن جریر طبری)

قیدیوں کی نسبت | اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کی صلاح
 پوچھی سب سے پہلے حضرات شیخینؓ سے استصواب فرمایا حضرت
صحابہ کرام سے مشورہ | ابو بکر صدیقؓ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے لوگ

ہیں۔ ان کو زندہ رہنے دیجیے عجب نہیں کہ یہ تو بہ کریں اور حق تعالیٰ ان کو قبول اسلام کی توفیق
 ارزانی فرمائے۔ پس میرے خیال میں مناسب یہی ہے کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیجیے۔ خدا
 کی وصی سے آپ کے اصحاب کو اعداء کے مقابلہ میں تقویت پہنچے گی۔ اس کے بعد حضرت
 عمرؓ سے فرمایا کہ اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے التماس کی یا رسول اللہ!
 یہ لوگ پیشوا یا بن کفر ہیں۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو اور آپ کے پیروں کو تکذیب

دے دے کر شہر سے خارج کیا اور خدا سے عزیز نے ہمیں فدیہ سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ پس ان کی گردنیں اڑا دیجئے تاکہ اسلام کی ہیبت ظاہر ہو۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے گزارش کی یا بنی اللہ! کوئی ایسی فادی تلاش کیجئے جس میں بڑے گنجان درخت ہوں۔ ان تمام قیدیوں کو اس میں داخل کر کے اسے آگ لگا دیجئے۔

آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے بعض دل دودھ سے زیادہ نرم اور بعض دل پتھر سے زیادہ سخت بنائے ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے فرمایا آپ کی مثال ابراہیم اور عیسیٰ علیہما السلام کی سی ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا تھافمن یبعیننی فانیۃ مینّی ومن عصائی فانیۃ عقوقم تر حینہ (جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بھٹنے والا صرمان ہے) اور عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنی امت کے بارہ میں عرض کیا تھا ان تَعَذِّبُھُمْ فَاَنْتَھُمْ عِبَادُکَ وَ اَنْ تَغْفِرَ لَھُمْ فَاَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِیْمُ (اگر تو ان کو عذاب دے تو تجھ کو اختیار ہے کیونکہ یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو بیشک غالب اور حکمت والا ہے) اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم زرع علیہ السلام کے نقش قدم پر چلے جو جنہوں نے خدا سے فدیہ سے درخواست کی تھی ساری بات کا تذکرہ علی الاثر من من الکافیین دیکھا سارا (اے میرے پروردگار! روئے زمین پر کافروں میں سے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑ) اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے فرمایا کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کی مثال کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے التجا کی تھی ساری بتنا اطمین علی اموالہم واشدد علی قلوبہم رہا رہا! ان کے مالوں کو ملامت کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے)

اس کے بعد آپ نے دوسرے حضرات کی مرضی دریافت کی تو معلوم ہوا کہ قریب قریب تمام صحابہؓ اخذ فدیہ ہی کے متنی ہیں (تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن کثیر)

انجام فدیہ پر انتباہ | اب آپ کچھ کہے سنے بغیر اپنے آستان مبارک کو تشریف لے گئے۔

ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے ہاسناد صحیح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے اصحاب کو اختیار دیجئے کہ امیروں کے قتل اور اخذ فدیہ میں سے ایک بات پسند کریں لیکن اگر فدیہ لیں گے تو اس کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا کہ اگلے سال امیروں کی تعداد کے برابر ستر آدمی مائے جہانیں گے۔ آپ نے حسب ہدایت صحابہؓ کو مختار فرمایا اور انہوں نے فدیہ ہی کو اختیار

کیا۔ (فتح الباری)

یہ تجزیہ محض امتحان و ابتلا تھا کہ دیکھیں ہواے نفس کی پیروی کرتے ہیں یا رضائے حق کو ترجیح دیتے ہیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بہت ارفع تھی کہ رضائے الہی کے مقابلہ میں ہواے نفس کو اختیار کرتے لیکن ان پر صورت حال کچھ اس طرح منکمل ہوئی کہ راہ مواب نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

دوستانہ وارین رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جو مشورہ دیا اس میں حصول مال کے مقصد کے ساتھ چند دینی

چند دینی مصالح کی جلوہ آرائی

مصلحتیں بھی جلوہ آرائی ہو گئیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ اسیروں کے زندہ رکھنے کی صورت میں ان کو قبول اسلام کا موقع ملے گا۔ دوسرے اسیران جنگ میں حضرات مہاجرین کے قرابت دار بھی تھے اور قرابت داری اور صلہ رحمی کا مقصد یہ تھا کہ ان کو موت کے چنگل سے بچایا جائے۔ تیسرے وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر ستر مسلمان قتل ہوں گے تو وہ شہادت فی سبیل اللہ کا بلند مقام حاصل کریں گے۔ یہ تو اخذ فدیہ کی مصلحتیں تھیں لیکن وہ اس حقیقت سے خالی الذہن تھے کہ اسیروں کی رہائی سے مشروعیت جہاد کی غرض فوت ہو جائے گی جہاد کی غرض دفع فساد ہے اور قتل کفار کی اتنی کثرت کے بغیر جس میں شوکت کفر بالکل ٹوٹ جائے دفع فساد ممکن نہیں۔ اس لیے ان کو مقصد جہاد کی تکمیل سے پہلے آزادی بخشنا دینی مفاد کے خلاف تھا۔

چنانچہ اس سے اگلے ہی سال قبول فدیہ کی خرابی ظاہر ہو گئی۔ کفار قریش نے آئندہ سال مسلمانوں پر پھر چڑھائی کر دی جس میں اکثر وہ لوگ بھی شریک تھے جو غزوہ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوئے تھے۔ غزوہ اُحد میں جن ستر حضرات نے جرّہ شہادت نوش فرمایا ان میں حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی داخل تھیں۔ الغرض غزوہ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لینا مناسب نہ تھا البتہ آئندہ چل کر جب قلت موحّدین کی تعداد کثیر اور جمعیت مستحکم ہو گئی تو مالک الملک عز اسمہ نے سورہ محمدؑ کی یہ (چوتھی) آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو اختیار دیا کہ آئندہ اسیران جنگ سے فدیہ لیں یا ان کو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کریں۔

جب لڑائی میں کافروں سے تمہاری مدد بھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب خوب بھی طرح ان کا نور توڑ لو تو ان کو قید کر لو پھر پیچھے یا تو احسان رکھ کر

وَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْبَثْتُمْهُمْ
فَشُدُّوا الرِّبَاطَ وَبِمَا بَعَدُ الرِّقَابِ

فِدَاءٌ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْابُ أَدْنَىٰ أَدْهَاهَا
(۴: ۴۷)

ہا کر دویا معادضہ نے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی
موقوف ہو جائے۔

اخذ فدیہ کی ناپسندیدگی کا اظہار | جہاں تک نتیجہ فاسستقرار کو دخل ہے صرف تین صحابی
حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری
اور حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہم ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کو قتل آسانی کی رائے دی ورنہ اغلب ہے کہ باقی سب نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔ اور
آپ نے یہ دیکھ کر فدیہ لینے کی کوئی ممانعت من جانب اللہ وارد نہیں ہوئی صحابہ کرام رضہ کے
جذبات کو مجروح نہ کرنا چاہا۔ چونکہ آپ ان امور میں جن کی نسبت کوئی نص نہ ہوتی تھی اجتہاد
فرماتے تھے اس لیے آپ نے اس موقع پر اپنے اجتہاد سے فدیہ لینے کا حکم صادر فرمادیا
مگر ساتھ ہی اس کا یہ انجام بتلا کہ کہ آئندہ تصادم میں ستر مسلمان جو عہہ مرگ نوش کریں گے
اپنی طبعی ناپسندیدگی کا بھی اظہار فرمادیا۔

ہاشمیوں کا متوقع استثناء | اور یہ تو ظاہر ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قتل
آسانی کا فیصلہ صادر فرماتے تو صرف وہی دشمنان دین
خبر خو نثار کے حوالے کیے جاتے جو فی الحقیقت مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے اور ہاشمی اور تمام
وہ اشخاص جو جبراً و قراً بدر لائے گئے تھے معذور رکھ کر نظر انداز کر دیے جاتے جس کی دلیل
یہ ہے کہ معرکہ بدر سے پیشتر آپ نے اپنے جان نثاروں سے فرمادیا تھا کہ میرے فاندان
کے لوگ جبراً و کراہ سے لائے گئے ہیں اس لیے کوئی مسلمان ان کے درپے قتل نہ ہو بلکہ
عجب نہیں کہ آپ ان غیر مسلموں سے بھی درگزر فرماتے جنہوں نے اسلام اور پیروان اسلام
کی مخالفت میں کبھی کوئی عمل حتمہ نہیں کیا تھا جیسا کہ آپ نے ہاشمیوں کی طرح ایک غیر ہاشمی
مشرک (ابو البختری) کو بھی اس کی مسالمت و رواداری کی بنا پر مستثنیٰ فرمادیا تھا۔

اور تمام ہاشمی بالعموم اور حضرت عباس بن ابی طالب خصوصاً اس روایت کے کہاں تک مستحق
تھے، اس کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اویل دعوت ہی
میں ایمان لا چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ سے پہلے اس کو
علی الاعلان ظاہر نہ کیا۔ وہ جنگ بدر سے پہلے بالقطع مسلمان تھے اور مشرکوں کی خبریں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان کی یہ بڑی عزیز خواہش تھی کہ نہ ہجرت کر کے

میدالانیا رصلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ چلے جائیں لیکن آپ نے ان کو پیغام بھیجا کہ تمہارا مکہ ہی میں اقامت گزین رہنا زیادہ منفعت بخش ہے (مدارج) انصرمن حضرت عباسؓ بیاطن مسلمان تھے گویا ہر میں اہل شرک سے بھی غلام مار رکھتے تھے۔

فدیہ کی مقدار | جب دربار رسالت سے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ جو قیدی فدیہ دینے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کے فدیہ لیا جائے اور جو فدیہ نہیں دے سکتے اور کتابت جانتے ہیں وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ جب وہ اچھی طرح لکھنا سیکھ لیں تو ان کو آزاد کر دیا جائے اور جو نہ فدیہ دے سکتے ہیں اور نہ کتابت جانتے ہیں ان کو یونہی احسان دیکر چھوڑ دیا جائے۔ (ابن سعد وغیرہ)

امام ابو داؤد محدث رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اسیران بدر کا فدیہ چار چار سو درم مقرر کیا گیا۔ درم یا درہم ہماری چوٹی سے کسی قدر بڑا چاندی کا ایک رسکہ تھا جس کا وزن ساڑھے تین ماشے بیان کیا جاتا ہے۔ محمد بن سعد نے فدیہ کے چار درہے بتائے ہیں۔ ہزار، دو ہزار، تین ہزار اور چار ہزار درہم۔ ابن سعد کی دوسری روایت میں چالیس اوقیہ چاندی اسیران بدر کا فدیہ مودی ہے۔ یہ سولہ سو درہم بنتے ہیں بیچ ہی معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ سب کا یکساں نہ تھا حسب استطاعت کم و بیش وصول کیا گیا۔ چنانچہ وہ اینٹوں میں ہے کہ حضرت عباسؓ سے ان کے مالدار ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ رقم وصول کی گئی۔

حضرت عباسؓ کا فدیہ | حضرت عباسؓ کی نانہال مدینہ منورہ میں تھی۔ ان کی والدہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تھیں اس لیے انصار نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم ان کا فدیہ چھوڑتے ہیں۔ لیکن آپ نے اصول مساوات کے ماتحت ان کے دولت مند ہونے کے باعث اس درخواست کو قبول نہ فرمایا (مسند احمد) حضرت عباسؓ کو مکہ منظم سے اپنے ساتھ اس عرض سے بیس اوقیہ سونا لائے تھے کہ واپسی کے وقت قریش کے شکر کو کھانا کھلائیں گے۔ لیکن جب وہ گرفتار ہوئے تو ان سے وہ سونالے کو مال غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ حضرت عباسؓ نے کہنے لگے وہ بیس اوقیہ سونا میرے فدیہ میں

محبوب کر لیجئے۔ لیکن آپ نے اس استدعا کو قبول نہ کیا اور فرمایا یہ وہ سونا ہے جو آپ جنگ میں کفار کی امداد کے لیے لائے تھے۔ اب وہ مسلمانوں کی غنیمت بن گیا اس لیے وہ رقم فدیہ میں تبدیل نہیں ہو سکتی (مدارج)

حضرت عباسؓ اور نوفلؓ | اب حضرت عباسؓ نے کہنے لگے کہ میں تو مسلمان تھا۔ قریش نے مجھ کو سبیر اس جنگ میں شریک کیا۔ ارشاد فرمایا آپ کے اسلام سے حق تعالیٰ زیادہ واقف ہوگا۔ اگر آپ کا بیان صحیح

ہے تو خدا اس کا اجر دے گا مگر بظاہر تو آپ ہم پر چڑھ کر آئے تھے اس لیے فدیہ دے دیجئے۔ حضرت عباسؓ نے اپنی ناداری و بے مائیگی کا عذر کیا اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ آپ کا چچا زر فدیہ کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور منت سماجت کے ساتھ گدائی کرے۔ گو حضرت عباسؓ رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی مسلمان تھے لیکن آپ نے ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہ کی اور فرمایا ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ آپ مکہ سے چلتے وقت سورنے کی ایک بڑی مقدار چھی اُمّ الفضل بنت حارث کے پاس رکھ آئے تھے۔ اس وقت کوئی تیسرا آدمی آپ کے پاس نہیں تھا۔ آپ نے چھی اُمّ الفضل سے کہا تھا کہ خدا جانے لڑائی کا کیا انجام ہو۔ اگر میں زندہ سلامت واپس آیا تو بہتر دین چار بیٹوں میں سے فضل کو اس قدر عداوت کو اس قدر رقتم کو اتنا اور عبید اللہ کو اتنا دینا۔ حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر پوچھا آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا مجھے وحی الہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ حضرت عباسؓ نے کہنے لگے خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور اُمّ الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ سو مجھے حق یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عباسؓ نے اپنا اور اپنے برادر زادہ عقیل بن ابی طالب کا فدیہ دے کر غلصی حاصل کی (مسند امام احمد ابن حنبلہ طبری)

حضرت ابوالعاصؓ کا فدیہ | بدر کے قیدیوں میں حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبتی

فرزند یعنی آپ کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بھی تھے۔ یہ اُمّ المؤمنین حضرت فدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند تھے۔ ان کا شمار بھی مکہ کے ان تاجروں میں تھا جو بڑے مال دار، دیانت دار اور قابل اعتماد مانے جاتے تھے۔ حضرت فدیجہؓ ان کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتی تھیں۔ نزول وحی کے بعد تمام پیغمبر زادیاں شرف ایمان

سے مشرف ہوئیں مگر ابوالعاص اپنے شرک پر قائم رہے۔ آغاز دعوت میں جب داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کے دل میں جذبہ عناد پرورش پانے لگا اور آپ کی ایذا رسانی کے منصوبے سوچے جانے لگے تو منجملہ اور باتوں کے یہ بھی کہا گیا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی بے فکر کر دیا ہے۔ ان کی لڑکیاں ان کو واپس دے دی جائیں تاکہ وہ ان کی فکر میں لگ جائیں۔ اس تجویز کے مطابق انہوں نے سب سے پہلے ابوالعاص سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی زینب کو طلاق دے دو لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

اسلام نے حضرت زینبؓ کے مشرف بایمان ہونے کے باعث ان کے شوہر سے ان کی تفریق کر دی تھی مگر چونکہ آپ مکہ معظمہ کے اندر ایک طرح کی بے بسی کی حالت میں تھے اس لیے آپ عملاً ان میں تفریق نہ کر سکے اور وہ حسب سابق اپنے غیر مسلم شوہر کے پاس رہیں۔ غزوہ بدر کے بعد جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا شروع کیا تو حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے ابوالعاص سے شادی کرتے وقت انہیں بھیز میں دیا تھا۔ خدا سے روف نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل بہت نرم بنایا تھا۔ آپ نے وہ ہار دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہؓ کی مصاحبت کا زمانہ یاد آگیا اور آپ پر سخت رقت طاری ہوئی۔ اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اس کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا فدیہ اس کو واپس دے دو۔ سب صحابہؓ بخوشی اس آمادہ ہوئے چنانچہ ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا۔ مگر اس موقع پر آپ نے ان سے یہ شرط کر لی یا خود ابوالعاص نے آپ سے وعدہ کیا کہ وہ زینبؓ کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن جریر)

نبوت محمدیؐ کی ایک درخشاں دلیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے درخواست کی کہ اگر مناسب سمجھو تو زینبؓ کے اسیر کو رہا کر دو۔ یہ بھی آپ کی نبوت کی ایک درخشاں دلیل ہے۔ بادشاہ بڑے مطلق العنان اور حکم پسن ہوتے ہیں۔ آپ بادشاہ

ہوتے تو ماتحتوں سے اجازت لیے بغیر انہیں از خود رہا کر دیتے۔ ہار کو دیکھ کر آپ پر سخت رقت اس لیے طاری ہوئی کہ آپ یقیناً قلب کے اعتدال مزاج کی علامت ہے اور جس کو رقت نہیں ہوتی وہ سخت دل اور اعتدال سے خارج ہے۔ قساوت قلبی بھی صفات ذمیمہ میں داخل ہے۔

دوسرے لوگ جو مفت رہا ہوئے | انصار مدینہ ذراعت پیشہ لوگ تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور مکہ معظمہ میں کسی حد تک تحریر و کتابت

کا رواج پایا جاتا تھا، اس لیے اُن تعلیم یافتہ قیدیوں کو جو زبردیہ ادا کرنے سے قاصر تھے حکم دیا گیا کہ تم میں سے ہر ایک انصار کے دس دس بچوں کو فن کتابت سکھا دے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا سکھاتا تھا۔ بعض قیدی ایسے بھی تھے جو نہ تو فن کتابت سے بہرہ مند تھے اور نہ انہیں زبردیہ ادا کرنے کی استطاعت تھی، آپ نے اُن پر احسان کر کے انہیں بلا فدیہ محض اس اقرار پر بڑی کر دیا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کبھی لڑنے نہ آئیں گے لیکن ان میں سے بعض احسان فراموش قیدی وعدہ و اقرار کو بالاسے طاق رکھ کر جنگ اُحد میں مسلمانوں کے خلاف آمو جو دیئے (ابن سعد۔ ملارج)

انہی میں سے ایک محسن کُش قیدی ابو غزوہ عمر و جمحی مشہور شاعر تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے فقر و فاقہ اور تہی دستی کا عذر کرنے لگا۔ آپ نے اس کو اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی کارروائی میں کوئی حصہ نہ لے گا۔ مگر یہ شخص اپنے وعدے پر قائم نہ رہا۔ اس نے مدینہ منورہ سے جا کر مسلمانوں کے خلاف اپنی آتش بیانی سے تمام قبائل قریش میں آگ لگا دی۔ اس کے بعد وہ غزوہ اُحد میں لشکر اسلام کے ہاتھ میں پھرنے لگا ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منتیں کرنے لگا کہ رہا کر کے مجھ پر احسان فرمائیے۔ میں بڑا غریب خیال دار ہوں۔ آپ نے فرمایا مشکل یہ ہے کہ تم جا کر مکہ میں ڈینگیں مارو گے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دودفعہ چکے دے آیا ہوں۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا لَا يُدْفَعُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحِيمٍ مَوْتَيْنِ (مومن ایک سو راخ سے دودفعہ نہیں ڈسا جاتا فتح اباری)

عمر و بن ابوسفیان کی رہائی | ابوسفیان بن حرب کا بیٹا عمرو جو عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی کے بطن سے تھا وہ بھی بدر میں قید ہوا تھا۔ لوگوں نے

ابوسفیان سے کہا کہ عمرو کا فدیہ بھیج کر اسے کیوں نہیں چھوڑا تے؟ انہوں نے کہا کیا میں جان اور دولت دو چیزیں مسلمانوں کو دے دوں؟ انہوں نے میرے فرزند حنظلہ کو قتل کیا۔ اب ان کو فدیہ کی رقم کیوں دوں عمرو مسلمانوں کے پاس قید رہے وہ اس کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں۔ انہی ایام میں سعد بن نعمان بن اکال انصاری عمرہ کرنے گئے۔ ان کو اس سلوک کا قطعاً کوئی وہم و گمان نہ تھا جو بعد میں ابوسفیان نے ان کے ساتھ کیا کیونکہ قریش نے معاہدہ

کیا تھا کہ وہ کسی حاجی یا عمرہ کرنے والے سے کوئی تعریف نہ کریں گے۔ مگر جب ابوسفیان کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کو عمرو کے عوم میں قید کر لیا۔ جب ان کے خاندان بنو عمرو بن عوف کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ عمرو بن ابی سفیان ہمیں عنایت فرمادیں تاکہ ہم اس کے معاد منہ میں سعد بن نعمان کو رہا کر سکیں۔ آپ نے ان کی درخواست کو مشرف قبول بخشا۔ انہوں نے عمرو کو مکہ بھیج کر سعد کو چھوڑ دیا۔ (ابن جریر طبری)

اہل بدر کا اعزاز | اہل بدر کی فضیلت میں متعدد حدیثیں مروی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب بدر کا بہت کچھ اعزاز و اکرام فرمایا کرتے تھے۔ مقاتل بن جثان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بہت سے اہل بدر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوئے کے لیے حاضر ہوئے۔ اس وقت مسجد نبوی میں بہت بڑا جمع تھا۔ درمیان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے جان شاربہ کی طرح ماہتاب رسالت کے گرد جھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لیے نوار و اہل بدر کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی۔ آنحضرت ص کو سلام کرنے کے بعد انہوں نے حاضرین کو بھی سلام علیکم کہا۔ اس جداگانہ سلام کا یہ مطلب تھا کہ انہیں بیٹھنے کی جگہ دی جائے لیکن حاضرین نے ان کے لیے جگہ خالی نہ کی اور یہ حضرات ویسے ہی منتظر کھڑے رہے۔ آنحضرت پر یہ امر شاق گزرا۔ آپ نے حاضرین میں سے جو بدری نہ تھے نام لے کر کہا کہ تم جگہ خالی کر دو۔ وہ لوگ فوراً کھڑے ہو گئے اور اہل بدر ان کی جگہ بیٹھ گئے۔ منافقوں کو طعنہ زنی کا موقع ملا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بعض کو بعض پر فوقیت دیتے ہیں مسلمانوں کی تعمیل ارشاد کی تعریف میں اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا ہونے کے حکم میں سورہ مجادلہ کی گیارھویں آیت نازل ہوئی جس میں خدا سے حکیم نے فرمایا :-

”مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جاؤ۔ اللہ تمہاری ہر شکل کھول دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اور تاکہ خدا ان لوگوں کے جو تم میں سے (کامل طور پر) ایمان لائے اور ان کے جن کو علم سے نوازا گیا مرتبے بلند کرے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“ (باب النقول و ازالۃ الخفایہ)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں پر لازم ہے کہ اپنے اوپر بڑوں کو ترجیح دیا کریں لیکن دورِ حاضر میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ چھوٹے بڑوں کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دیتے اور انہوں نے توفیق کی بجائے خود غرمنی اور تواضعی کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ یاد رہے کہ مجلس نبوی میں جگہ کی تنگی کے وقت عدم ایثار کی جو نظیر اوپر درج ہوئی وہ ایک استثنائی واقعہ ہے کیونکہ جگہ نہ خالی کرنے والوں کو حضرت خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد اور دوری گوارا نہ تھی اور بظاہر یہ وہ لوگ تھے جو قربات میں ایثار کو بیچ سمجھتے ہیں ورنہ صفت ایثار میں بھی کوئی شخص صحابہ کرام کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ نفوس قدسیہ بلا ریب مجسمہ ایثار اور سراپا محبت و سخاوت تھے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ایثار اس اخلاقی وصف کا نام ہے کہ دوسرے کی منفعت کو اپنی منفعت و مصلحت پر مقدم رکھا جائے۔

روزہ یوں میں اصحاب | اصحاب بدر کا اعزاز مسلمانوں میں عمدہ رسالت کے بعد بھی ہر موقع پر ملحوظ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بدر کا امتیاز | فتوحات شام و عراق کے بعد لوگوں کے روزے مقرر کرنے کا قصد فرمایا تو اہل ایمان اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بعد اصحاب بدر کو سب سے مقدم رکھا۔ چنانچہ فرستیں مرتب ہونے کے بعد حسب ذیل تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

تقسیم مراتب	تنخواہ سالانہ
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	بارہ ہزار درہم
ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا	چھ ہزار درہم
دوسری اہل بیت المومنین رضی اللہ عنہ	دس ہزار درہم
حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا	چھ ہزار درہم
اصحاب بدر	پانچ پانچ ہزار درہم
حضرت عباس بن عبد المطلب (رحم رسول صلی اللہ علیہ وسلم)	پانچ ہزار درہم
حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما	پانچ پانچ ہزار درہم
انصار میں سے جن حضرات کو غزوہ بدر میں شرکت کا شرف حاصل نہ تھا	چار چار ہزار درہم
حضرات سبقت اسلام میں اہل بدر کے برابر تھے	چار چار ہزار درہم

ہاجرین حبشہ اور مشرق سے غزوہ اُحُد

حضرت سلمان فارسی رضی

حضرت انس بن مالک رضی

حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی

حضرت عبداللہ بن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی

جن حضرات نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی

جو لوگ فتح مکہ کے دن مشرف بایمان ہوئے تھے

اصحاب بدر اور ہاجرین کے چھوٹے چھوٹے بچے

جن حضرات نے جنگ قادسیہ اور یرموک میں شرکت کی

ماہجرات

قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین

عامۃ المسلمین بلا امتیاز مراتب

چار چار ہزار درہم

چار ہزار درہم

چار ہزار درہم

چار ہزار درہم

تین ہزار درہم

تین تین ہزار درہم

دو دو ہزار درہم

دو دو ہزار درہم

دو دو ہزار درہم

ایک ایک ہزار درہم

تین تین سو درہم

دو دو سو درہم

جن لوگوں کے نام دفتر میں مندرج ہوئے، ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر

ہوئیں۔ چنانچہ ہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ دو سو سے چار سو درہم تک سالانہ تھی۔

نوزائیدہ بچوں کے لیے سو درہم مقرر تھے۔ پھر جوں جوں وہ بڑے ہوتے جاتے عطایا میں

اضافہ ہوتا رہتا تھا کہ مقدار عطاء دو سو تک پہنچ جاتی اور بالغ ہونے پر مزید اضافہ کیا جاتا۔

جو مسلمان مدینہ منورہ میں آتا اس کو آتے ہی ۲۵ دینار زر سرخ ملتے۔ اہل یمن کے لیے اور

قبیلہ قیس میں سے جو لوگ شام اور عراق میں تھے، ان میں سے ہر ایک کے لیے دو ہزار

سے ایک ہزار اور نو سو اور پانچ سو اور تین سو کی عطائیں مقرر تھیں۔ تین سو سے کم کسی کو نہ

دیایا (فتوح البلدان بلاذری، تاریخ طبری، کتاب الخراج امام ابو یوسف)

عطایا میں ترجیح کے اسباب

غلیفہ راشد و امام عادل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نے فتوحات شام و عراق کے بعد محرم سنہ ہجری میں

مسلمانوں کے لیے عطائیں مقرر کیں تو ان کی نگاہ جو ہر شناس نے مخدومہ جہان حضرت عائشہ

مدینہ رضی اللہ عنہا کو امت میں سب سے زیادہ سالانہ وظیفہ کے لیے منتخب فرمایا اور اس کی

دوسری روایت میں یہ ہے کہ ماہجرات کے لیے تین تین ہزار مقرر فرمائے۔

وجہ یہ بیان کی کہ وہ حبیبہ رسول اللہ ہیں (اصحابہ) سرور کون و مکان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُمتات المؤمنین میں حضرت صدیقہ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور اس کی وجہ اُن کا قرب الہی اور ان کے علمی و عملی کمالات تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے عائشہؓ کے سوا کسی بیوی کے لحاف یعنی جامہ خواب میں وحی نہیں آتی (بخاری و مسلم) اور فرمایا مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے لیکن (اُمم سابقہ میں) طبقہ انات میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی عورت درجہ اعلیٰ و فضیلت کو نہ پہنچ سکی اور (اس اُمت میں) عائشہؓ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی شیریں کی فضیلت دوسرے طعموں پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! یہ جبریلؑ ہیں جنہیں سلام کہتے ہیں۔ اُمم المؤمنین نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (بخاری و مسلم) مسروق تابعی جب کبھی حضرت عائشہؓ سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے مجھ سے صادقہ بنت صدیق اور حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ نے یوں روایت کی بخرو بن غالب کا بیان ہے کہ کوئی شخص حضرت عمار بن یاسر صحابیؓ کی موجودگی میں اُمم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی شان میں بے ادبانہ کلمات زبان پر لایا تو انہوں نے فرمایا مردود کیا تو رسول اللہؐ کی محبوبہ کو ایذا دیتا ہے؟ (ترمذی) ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نسا بھی مشکل علمی مسئلہ پیش آتا اور ہم اس کے لیے حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے تو ان کے پاس اس علمی مشکل کا ضرور حل پاتے (اصحابہ)

زہری تابعیؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اُمم المؤمنین عائشہؓ کا علم جمیع اُمتات المؤمنین اور تمام دوسری عورتوں کے علم کے مقابلہ میں رکھا جائے تو جناب عائشہؓ کا علم افضل و فائق ثابت ہوگا۔ مسروق تابعیؓ کہتے تھے کہ میں نے صحابہ کرام میں سے بڑے بڑے جلیل القدر حضرات کو دیکھا کہ فرائض کے مسائل حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تھے۔ عطاء بن ابی رباح تابعیؓ کہہ کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ تمام لوگوں سے فقہیہ سب سے زیادہ عالمہ اور اصابت رائے میں تمام لوگوں سے فائق و برتر ہیں۔ اور عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے فقہ اہل بیت اور شعر میں کسی کو اُمم المؤمنین عائشہؓ سے بڑھ کر عالم نہیں پایا۔ اُمم قذہ نے حضرت عائشہؓ کے جو دستخط کی نسبت بیان کیا کہ ان کے پاس لاکھ درم بھیجے گئے۔ انہوں نے

تمام رقم اُسی روز مساکین و اہل حاجات میں تقسیم کر دی۔ اُس دن روزہ سے تھیں میں نے التماس کی اُمّ المؤمنین! آپ نے اتنا بھی نہ کیا کہ افطار کے لیے ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں۔ فرمایا اگر تم نے یاد دلایا ہوتا تو منگا لیتی (اصابہ)

اُمّ المؤمنین بخیر یہ اور اُمّ المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کی تنخواہیں دوسری انداز طاہرات سے حسب بیان بلاذری اس بنا پر کم مقرر ہوئیں کہ ان دونوں کو اللہ نے اپنے رسول م کو فے میں عطا کیا تھا۔ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی وجہ برتری یہ تھی کہ وہ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور سابقہ الاسلام تھیں۔ باوجودیکہ حضرت عباس عجم رسول م قبول اسلام میں بہت مؤخر تھے اور حضرت حسینؑ نہ بدری تھے نہ اُحدی، نہ سابق الاسلام اور نہ مہاجر تاہم ان تینوں کے لیے اہل بیت نبوت ہونے کی بنا پر اصحاب بدر کے برابر تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

جناب فاروق اعظمؓ نے اپنے نامور فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تنخواہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ رضی اللہ عنہما سے ایک ہزار درہم کم مقرر فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیرا ہونے امیر المؤمنین! آپ نے میرے لیے تین ہزار اور اُسامہؓ کے لیے چار ہزار مقرر کیے ہیں حالانکہ میں اُن غزوات میں بھی شریک تھا جن میں اُسامہ شریک نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُسامہؓ کو اس لیے زیادہ دیا کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اور ان کے باپ (زید بن حارثہ) کو بچھڑے اور تیرے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔ (فتوح البلدان)

اہل بدر کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے۔ ان میں سے ۳۰۵ نے رزم اصحاب بدر کی تعداد پیکار میں علی حصہ لیا اور آٹھ وہ حضرات تھے جو فرغانہ نبوی کے ماتحت دوسرے کارہائے عقائد کے باعث معرکہ آرا نہ ہو سکے۔ اور اگر قائد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کیا جائے تو یہ تعداد ۳۱۴ ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ متفق علیہ نہیں۔ اختلاف تعداد ملاحظہ ہو:-

ابن عباسؓ کے نزدیک (حسب روایت ابن جریر طبری) ۳۰۶

۳۱۳

۳۱۳

۳۱۴

ابو معشر

محمد بن عمر

محمد بن اسحق

موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک (حسب روایت ابن جریر) ۳۱۳

ابو موسیٰ اشعریؓ کے نزدیک (حسب روایت بناری) ۳۱۷

بہت سے صحابہؓ کے متعلق اہل بیئر اور اصحاب مغازی مختلف ابیان ہیں کہ شریک بدر تھے یا نہیں۔ اس بنا پر بعض کتب میں اہل بدر کے اسماء مبارکہ ۳۱۷ سے بھی بہت بڑھ گئے ہیں چنانچہ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ۳۱۳ پر پچاس ناموں کا اضافہ کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ بعض ناموں کے متعلق اختلاف ہے۔ اسی طرح خود میں جو فرست دی ہے اس میں ۳۵۲ نام زیب رقم ہوئے ہیں حالانکہ ان کی اصل تعداد ۳۱۳ تھی۔

اصحاب بدر کے اسماء گرامی

اب یہاں اُن نفوس قدسیہ کے اسماء گرامی درج کیے جاتے ہیں جو بدر کے میدان جنگ میں باطل کے خلاف معرکہ آرا ہو کر ابد الابد تک آسمانِ عظمت پر چمکے۔ بعض سیرت نگاروں نے اہل بدر کے اسماء مبارکہ حروفِ معجم پر مرتب کیے ہیں۔ گو اس میں زیادہ سہولت تھی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ مجھے مختلف خاندانوں اور اُن کے خلفاء و موالی کا امتیاز و انفرادیت منظور تھا۔ اس کے علاوہ قرابت داروں کو ایک ساتھ رکھ کر ان کی باہمی قرابت دکھانی منظور تھی۔ جن ناموں کو بغیر کسی تشریح کے چھوڑا جائے گا، میرے زعم میں ان کے بدری ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور جن حضرات کا بدری ہونا متفق علیہ نہیں ان کے ناموں کے ساتھ ان کی نسبت اہل مغازی کی رائے ظاہر کی جائے گی۔

<p>(۱) سرورِ کونین، فخرِ عالم و عالمیاں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف</p> <p>(۲) آپ کے علمِ محترم حمزہ بن عبد المطلب (۳) آپ کے</p> <p>عم زاد علی بن ابی طالب بن عبد المطلب (۴) عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف</p> <p>مطلبی (۵) اور ان کے دو بھائی فہیل بن حارث بن مطلب بن عبد مناف اور (۶) حنین بن حارث بن مطلب (۷) مسطح بن اثاثہ بن بجاد بن مطلب بن عبد مناف (۸) سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبشی زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی (۹) اُنہ حبشی مولیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام کو کہتے ہیں جس کے مالک نے اُسے آزاد کر دیا ہو۔</p>	<p>قرشی ہاجرین اولین</p> <p>اور ان کے خلفاء و موالی</p>
--	---

علیہ وسلم (۱۰) ابو کبشہ موتی بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۱) ابو مرثد گناز بن حصین بن یربع غنوی
 حلیف حمزہ (۱۲) اور ان کے فرزند مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہم
 (۱۳) حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف جنہیں
 مخدوم انام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جگر گوشہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کی ملائت پر تیمارداری
 کے لیے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ آپ نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو مال قیمت کا پورا حصہ دیا
 اور دوسروں کی برابر ثواب جہاد کی بھی بشارت دی تھی (۱۴) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماموں ابو جحیفہ
 ہشیم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف (۱۵) سالم بن معقل موتی بن ابی جحیفہ بن عتبہ
 (۱۶) عبداللہ بن جحش بن رباب بن نعیر اسدی جو حضرت شعیب المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی
 چھوٹی بہن بنت عبد المطلب کے فرزند تھے۔ (بعض نے جحش کے باپ کا نام رباب کے
 بجائے ذتاب لکھا ہے) (۱۷) اور حضرت عبداللہ کے عم زاد بھائی یزید بن رقیش بن رباب
 بن نعیر اسدی رضی اللہ عنہم۔

(۱۸) عکاشہ بن حصن بن حوثان بن قیس اسدی (۱۹) اور عکاشہ کے بھائی ابوسنان
 بن حصن بن حوثان اسدی (۲۰) اور ابوسنان کے فرزند سنان بن ابی سنان (۲۱) شجاع بن
 وہب بن ربیعہ اسدی (۲۲) اور ان کے بھائی عتبہ بن وہب (۲۳) ربیعہ بن اکثم بن سحبرہ
 اسدی (۲۴) مخزوم بن فضلہ بن عبداللہ اسدی (۲۵) ازبد بن حمیر (یا حمیرہ) محمد بن اسحق
 کا بیان ہے کہ ازبد نے حبشہ کو ہجرت کی اور بدر میں شریک ہوئے۔ ابن سعد لکھتے ہیں
 کہ ازبد بن حمیرہ بلا شک و شبہ شریک بدر ہوئے تھے۔ (۲۶) ازبد بن قحش یا سوید بن قحش
 طائی حلیف بنی عبد شمس۔ ابو معشر نے انہیں شرکاء بدر میں شمار کیا ہے لیکن ابن سعد نے
 لکھا ہے کہ وہ بدر میں نہیں بلکہ اُحد میں شریک تھے (۲۷) ثقف بن عمرو بن سمیط حلیف
 بنی عبد شمس (۲۸) اور ان کے دو بھائی مالک بن عمرو اور (۲۹) بدلاج بن عمرو (۳۰) عتبہ بن
 عذوان بن جابر (۳۱) عتبہ کے موتی ابو یحییٰ خباب رضی اللہ عنہم

(۳۲) ربیعہ بن عوام بن خویلد بن اسد جو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بہن
 بنت عبد المطلب کے فرزند اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے (۳۳) ابو محمد حاطب بن ابی بلتعہ
 (۳۴) اور حضرت حاطب کے موتی سعد بن خویلد بن سبرہ کلی (۳۵) خرم بن فاتک بن اُخرم
 اسدی۔ عبدالرحمن بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ خرم بن فاتک بدری ہیں۔ حسب بیان

ابن عبد البر صحیح یہ ہے کہ خرم شریک بدر تھے (تجرید اسماء الصحابہ) اور امام بخاری اپنی تاریخ میں رقم طراز ہیں کہ خرم بن فاتک بدری تھے۔ اور ابن سعد نے شعبی سے امین بن خرم کا قول نقل کیا ہے کہ میرا باپ اور چچا شریک بدر ہوئے۔ لیکن محمد بن عمر لکھتے ہیں کہ یہ بیانات قابل تسلیم نہیں کیونکہ امین کے باپ اور چچا تو اس وقت مشرف بایمان ہوئے تھے جب بنو اسد نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ ابن سعد نے انہی پر حرم کیا ہے (اصابہ) (۳۶) خرم بن فاتک کے بھائی بسرہ بن فاتک بن اخرم اسدی طبرانی نے بطریق شعبی امین بن خرم سے روایت کی کہ میرا باپ اور چچا شریک بدر تھے۔ لیکن واقدی نے کہا یہ دعویٰ ناقابل التفات ہے کیونکہ خرم اور بسرہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے (اصابہ) (۳۷) مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی (۳۸) سوط بن سعد بن حرمہ رضی اللہ عنہم (۳۹) طلیب بن عمیر بن وہب بن کثیر بن عبد بن قصی جو میدان کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بیوی بنت عبد المطلب کے فرزند گرامی تھے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ طلیب یقینی طور پر بدری ہیں لیکن موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحق اور ابو معشر نے ان کا نام بدوی کی فہرست میں درج نہیں کیا (طبقات ابن سعد) حسب زعم ابن سعد طلیب بدری بتانے میں واقدی منفرد ہیں حالانکہ ابن مندہ نے بھی ان کے بدری ہونے کا ذکر کیا ہے (اصابہ) (۴۰) ابو محمد عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن عاص بن زہرہ بن کلاب بن مرہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (۴۱) سعد بن ابی وقاص مالک بن وہیب (یا اہیب) زہری جو عشرہ مبشرہ میں ہیں (۴۲) اوہان کے بھائی عمیر بن ابی وقاص ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اوس کے رئیس عظم حضرت سعد بن معاذؓ کے بھائی عمرو بن معاذ کو عمیر بن ابی وقاص کا بھائی بنایا تھا عمرو بن معاذ کا بیان ہے کہ عمیر لشکر میں چھپے چھپے پھرتے تھے۔ میں نے کہا بھائی! ایسا کیوں کر رہے ہو؟ بولے اس خوف سے کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس دیکھ کر واپس کر دیں حالانکہ شرکت غزا میری عزیز ترین خواہش ہے۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ درجہ شہادت نصیب کرے۔ آخر جب آنحضرتؐ نے انہیں دیکھا تو فرمایا کہ تم واپس جاؤ۔ یہ حکم سن کر عمیر رونے لگے۔ آخر آپؐ نے چلنے کی اجازت دے دی۔ اور عمرو بن عبد ود نام ایک مشرک کے ہاتھ سے قتل ہو کر حام شہادت ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم۔

(۴۳) ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ابن اُمّ عبد (۴۴) مقداد

بن عمرو بن ثعلبہ کنزی (۴۵) خباب بن ارت (۴۶) مسعود بن ربیع (یار بیعہ) بن عمرو قاری

(۴۷) عکیر بن عباد و معروف بہ ذوالشمالین (۴۸) فضل البشر بعد الانبیاء خلیفہ رسول اللہ

امیر المومنین عبد اللہ معروف بہ ابو بکر صدیق بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد

بن تیم بن مُترہ (۴۹) اوران کے مولیٰ بلال بن رباح (۵۰) اوران کے دوسرے مولیٰ عامر بن

قُمیرہ (۵۱) مُنبب بن سنان رومی جو عبد اللہ بن جُدعان تیمی کے مولیٰ تھے (۵۲) طلحہ بن

عُیَیْد اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُترہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

(۵۳) ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن ہلال بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم جو سرور دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بڑہ بنت عبد المطلب کے فرزند اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ زہراء

کے پہلے شوہر تھے (۵۴) عثمان بن عثمان معروف بہ شماس (۵۵) ارقم بن ابی الارقم عبد مناف

بن اسد بن عبد اللہ مخزومی۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا بدری ہونا مسلم ہے۔ علامہ ابن کثیر

رحمہ اللہ نے ان کے والد ابوالارقم عبد مناف کو بھی بدری لکھا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ ان کے

والد صحابہ میں داخل ہیں لیکن بدری نہیں تھے (۵۶) عمار بن یاسر غنسی (۵۷) مُعْتَب بن

عوف بن عامر خزاعی حلیف بنی مخزوم رضی اللہ عنہم

(۵۸) فاروق اعظم امیر المومنین ابو حفص عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ خلیفہ

راشد ثانی (۵۹) ان کے بڑے بھائی ابو عبد الرحمن زید بن خطاب جو حضرت فاروق اعظم سے

پہلے مشرق باسلام ہوئے تھے (۶۰) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی

اور عم زاد بھائی تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (۶۱) عمرو بن مُراقہ بن مُعتمر قرظی عدوی۔

(۶۲) اوران کے بھائی عبد اللہ بن مُراقہ۔ ابن اسحق، زبیر اور خلیفہ نے کہا کہ عبد اللہ بن مُراقہ

معرکہ بدر میں مشرک تھے لیکن ابن عقیبہ ابن سعد اور ابو معشر کے نزدیک انہوں نے بدر میں

مشرکت نہیں کی (اصحابہ) موسیٰ بن عقیبہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن

مُراقہ بدری تھے (تحریر اسماء اصحابہ) (۶۳) عامر بن ربیعہ بن مالک غنزی جو خطاب بن نفیل

کے حلیف تھے رضی اللہ عنہم

(۶۴) عاقل بن بکیر بن عبد یلیل (۶۵) اوران کے تین بھائی (۶۶) خالد بن بکیر

(۶۷) ایاس بن بکیر (۶۸) اور عامر بن بکیر جو بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے (۶۹) واقد

بن عبد اللہ بن عبد مناف تمیمی ختلی (۷۰) خولی بن ابی خولی عمرو بن زبیر بن جثیمہ جعفی حلیف بنی عدنی (۷۱) اور ان کے بھائی مالک بن ابی خولی جعفی۔ لیکن ابن اسحق کے سوا کسی نے مالک بن ابی خولی کو بدری نہیں بتایا (۷۲) متوج بن صالح مولیٰ عمر بن خطاب (۷۳) خنیس بن حذافہ بن قیس سہمی جو حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب کے پہلے شوہر تھے جب انہوں نے غزوہ اُحد میں جرّہ شہادت نوش فرمایا تو مختصرہ حفصہ بن عرویم نبوت میں داخل ہو کر اقامت المؤمنین کے پاک زمرہ میں داخل ہوئیں رضی اللہ عنہم۔ حافظ ابن قیمؒ نے جلال الاہمام میں اور علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ خنیس بن حذافہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے لیکن یہ صحیح نہیں۔ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ خنیس بن حذافہ اُحد میں زخمی ہوئے اور ان کا یہی زخم جان لیوا ثابت ہوا۔

(۷۴) عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح اور ان کے دو بھائی (۷۵) عبد اللہ بن مظعون اور (۷۶) قدامہ بن مظعون (۷۷) اور ان کے فرزند سائب بن عثمان بن مظعون (۷۸) عمر بن حارث بن عمر بن حبیب بن وہب جعفی (۷۹) ابو سبرہ بن ابی رہم بن عبد العزیٰ جو حضرت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد اللہ غزوہ بدر کے اخیانی بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ سیدالانس والہان صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بڑہ بنت عبد المطلب تھیں۔ (۸۰) عبد اللہ بن عمر بن عبد العزیٰ (۸۱) حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود جو ہشیل بن عمرو کے بھائی تھے (۸۲) اور ان کے برادر زادہ عبد اللہ بن ہشیل بن عمرو (۸۳) عمیر بن عوف جو ہشیل بن عمرو کے مولیٰ تھے موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر اور محمد بن عمر نے ان کا نام عمیر بن عوف اور امام بخاری اور انوی اور محمد بن اسحق نے عمر بن عوف لکھا ہے (۸۴) وہب بن سعد بن ابی مروح بن حارث عامری۔ موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر اور محمد بن عمر کی روایت میں وہب شریک بدر تھے لیکن محمد بن اسحق نے ان کا بدریوں میں ذکر نہیں کیا (ابن سعد) (۸۵) ابو سعید سعد بن خولہ یعنی مولیٰ بنی عامر بن لوی۔ ابو معشر نے ان کو سعد بن خولی لکھا ہے۔ رضی اللہ عنہم

(۸۶) ابو عیینہ عامر بن عبد اللہ بن قراح بن ہلال بن امیہ بن عقبہ بن حارث بن فہر جو عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عامر بن حارث فہری بھی شریک بدر تھے (تاریخ ابن کثیر) لیکن مجھے اس نام کے کسی بدری یا صحابی کا علم نہیں ہو سکا۔ (۸۷) ہشیل بن بیضار۔ بیضار ان کی والدہ تھیں۔ والد کا نام وہب (بن ربیعہ بن ہلال بن مالک

بن عقبہ تھا (۸۸) اور سہیل کے بھائی صفوان بن وہب (۸۹) عمر بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال
فہری (۹۰) ابو سعید عیاض بن زہیر بن ابی شداد فہری۔ علامہ ابن کثیر نے ان کے بجائے عیاض
بن غنم (بفتح المعجمه و سکون التون) فہری لکھا ہے۔ لیکن یہ غلطی ہے۔ عیاض بن غنم بن زہیر فاتح
جزیرہ حضرت ابو سعید عیاض بن زہیر بدری رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ تھے اور بدری نہیں تھے (ملاحظہ ہو
تحریر اسماء الصحابہ جلد اول ص ۴۶۲) (۹۱) ابونافع عمرو بن حارث بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ
بن ہلال فہری۔ ابن اسحق اور موسیٰ بن عقبہ نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۹۲)
مالک بن ابی خولی بن عمرو جعفی حلیف بنو عدی۔ ابن اسحق نے ان کو بھی بدریوں میں شامل کیا ہے
(اصابہ) رضی اللہ عنہم۔

اب ذیل میں انصار کرام کے نام نامی درج کیے جاتے ہیں۔ پہلے اوس کے اسماء گرامی
پہرہ قرطاس ہوں گے اور پھر خزرج کے۔

بنو اوس اور ان کے
حلفاء و موالیٰ

(۱) سعد بن معاذ بن نعمان بن امری القیس بن زید بن عبد الاشمل
(۲) اوران کے بھائی عمرو بن معاذ (۳) اوران دونوں کے برادر زادہ
حارث بن اوس بن معاذ بن نعمان (۴) حارث بن اوس بن
رافع بن امری القیس بن زید۔ محمد بن اسحق نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے (۵) سعد بن
زید بن مالک بن عبد بن کعب بن عبد الاشمل (۶) سلمہ بن سلامہ بن وقش بن زعبہ بن زعمار
بن عبد الاشمل (۷) اور سلمہ کے عم زاد عتاد بن بشر بن وقش بن زعبہ (۸) اور دوسرے چچا کے
بیٹے سلمہ بن ثابت بن وقش بن زعبہ (۹) رافع بن زید بن کرز بن سککن بن زعمار الاشملی (۱۰) عمار
بن زیاد شہلی رضی اللہ عنہم

(۱۱) ظہیر بن رافع بن عدی اوسی (۱۲) اوران کے بھائی مظہر بن رافع بن عدی۔
امام بخاری ج نے ظہیر اور مظہر کو بدریوں میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ زہری نے سالم بن عبد اللہ
سے روایت کی ہے کہ رافع بن حدیج بن عبد اللہ بن عمر سے ذکر کیا تھا کہ میرے دونوں چچا
ظہیر اور مظہر (شریک بدر تھے) (صحیح بخاری) لیکن دمیاطی نے ان دونوں کے بدری ہونے
سے انکار کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دونوں بھائی غزوہ اُحد میں شریک تھے۔ علامہ ابن حجر
عسقلانی لکھتے ہیں کہ دمیاطی کے خیال کا بہتی ابن سعد کا بیان ہے مگر جن دو شخصوں نے

جزیرہ اُس سرزمین کا نام ہے جو جبل اور قرآت کے بیچ میں واقع ہے۔ ۱۲

ان کے شہود کی گواہی دی ہے وہ نفی کرنے والے سے زیادہ قابل اعتماد ہیں رافع البامی (جلد ۲ ص ۲۲۵) لیکن مشکل یہ ہے کہ تجرید اسماء الصحابہ میں بھی (جس کے مؤلف امام ذہبیؒ یا ابن اثیر جزریؒ ہیں) ان دونوں کو اُحدی ہی قرار دیا گیا ہے (۱۳) سالم بن عوف بن عمرو حلیف بنی عبدالاشہل۔ ابن اسحق نے مغازی میں ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے۔ (۱۴) محمد بن مسلمہ بن خالد بن عدی حارثی (۱۵) سلمہ بن اسلم بن خریش حارثی (۱۶) عبداللہ بن سہل بن رافع اشہلی (۱۷) حارث بن خزیمہ بن عدی بن ابی غنم (۱۸) ابوالنعمان مالک بن نیمان (۱۹) اور ان کے بھائی عبید بن نیمان (۲۰) ابو عبس عبدالرحمن بن جبر بن عمرو بن زید (۲۱) مسعود بن عبدسعد بن عامر بن عدی بن جشم حارثی رضی اللہ عنہم

(۲۲) ابو بڑہ ہانی بن یار بن عمرو بلوی حلیف انصار جو حضرت برابر بن عازب بدری رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے (۲۳) قتادہ بن نیمان بن زید بن عامر (۲۴) ابو نعمان عبید بن اوس بن مالک ظفری (۲۵) نصر بن حارث بن عبد رزاح۔ بعض نے ان کا نام نصر بن افضاد لکھا ہے۔ (۲۶) عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک قضاعی (۲۷) معتب بن عبید بن ایاس بلوی قضاعی (۲۸) بشیر بن عبد المنذر بن زید (۲۹) اور ان کے دو بھائی رفاعہ بن عبد المنذر (۳۰) ابو لہب بشیر بن عبد المنذر (۳۱) ابو زید سعد بن عبید بن نیمان بن قیس (۳۲) عوف بن ساعدہ (۳۳) ثعلبہ بن حاطب بن عمرو (۳۴) اور ان کے بھائی حارث بن حاطب بن عمرو (۳۵) رافع بن عجدہ۔ عجدہ ان کی والدہ تھیں۔ والد کا نام عبدالحارث تھا۔ رافع بن عجدہ کو رافع بن عترو بھی لکھا گیا ہے۔ (۳۶) عبید بن ابی عبید (۳۷) عامر بن ثابت بن ابی اُفح (۳۸) معتب بن بشیر یا معتب بن بشیر بن نائل بن زید (۳۹) ابو نائل بن ازغر ضبعی (۴۰) اور ان کے برادر زادہ عمیر (یا عمرو) بن معبد بن ازغر ضبعی رضی اللہ عنہم

(۴۱) انیس بن قتادہ بن ربیعہ۔ بعض نے ان کا نام انس لکھا ہے (۴۲) سالم بن عمیر بن ثابت۔ علامہ ابن کثیرؒ نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے کلفہ بن ثعلبہ کو بھی بدریوں میں شمار کیا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ کلفہ بن ثعلبہ نہ کوئی صحابی تھا اور نہ بدری بلکہ حضرت سالم بن عمیرؒ کا غیر مسلم دادا تھا جو ظہور اسلام سے پہلے طعمہ اجل ہو چکا تھا (۴۳) معن بن عدی بن جندب بن عجلان (۴۴) اور ان کے بھائی عامر بن عدی (۴۵) ثابت بن اقرم بن ثعلبہ (۴۶) زید بن اسلم بن ثعلبہ (۴۷) عبداللہ بن سلمہ بن مالک بن عدی عجلانی (۴۸) ربیع بن رافع بن حارث بلوی۔

(۴۹) جبر بن عتیک بن حارث بن قیس بن ہیشہ۔ بعض اہل مغازی کا بیان ہے کہ جبر بن عتیک کے دادا حارث بن قیس بن ہیشہ بھی شریک بدر تھے لیکن محمد بن اسحق، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کو اس سے شدت انکار ہے (ابن سعد) (۵۰) مالک بن نمیر۔ نمیر ان کی ماں کا نام تھا۔ باپ کا نام ثابت بن مزیہ تھا (۵۱) نعمان بن عمر بن ربیع بن حارث بلوی۔ بعض نے ان کے دادا کا نام ربیع کے بجائے عبید بتایا ہے۔ رضی اللہ عنہم

(۵۲) مرارہ بن ربیع اور (۵۳) ہلال بن اُمیہ واقفی۔ زہری نے کعب بن مالک سے روایت کی ہے کہ یہ دونوں بدر میں شریک تھے (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۶۹) مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ ان تین بزرگوں میں سے دو ہیں جو غزوہ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے اور بہت دن تک زیر عتاب رہنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ ابن ابی کتبیب نے بھی ان کو بدری بتایا ہے۔ لیکن اہل مغازی نے ان کا بدری ہونا تسلیم نہیں کیا۔ ان میں سے بعض کا قول ہے کہ ان کو بدری گمان کرنے میں زہری کو غلط فہمی ہوئی ہے (تجرید اسماء الصحابہ) شیخ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ امام بخاریؒ کو معلوم تھا کہ بعض لوگوں کو مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ کے بدری ہونے سے انکار ہے اور اس بارہ میں زہری کو وہم اور غلط فہمی کا شکار بنا ہوا ہے۔ اس لیے امام بخاریؒ نے اس انکار کی تردید میں کعب بن مالک معالی کا قول نقل کیا کیونکہ زہری نے جس بزرگ سے حدیث اخذ کی وہ بعد والے لوگوں کی نسبت جو شریک بدر نہیں تھے اس بات سے زیادہ واقف تھا کہ کون کون حضرات بدر میں حاضر تھے اور دیماطی وغیرہ بعض متاخرین کا یہ کہنا کہ کسی نے مرارہ اور ہلال (رضی اللہ عنہما) کا بدری ہونا بیان نہیں کیا سو یہ قول مردود ہے کیونکہ بخاریؒ نے اس پر جزم کیا ہے اور ایک جماعت نے بخاری کی متابعت کی ہے۔ اس جیسی صحیح حدیث کے خلاف جو مرارہ اور ہلالؒ کی حاضری کی مثبت ہے، محمد بن سعد کا بیان بھی حجت نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہشام بن کعبیؒ جو ابن سعد کے شيوخ میں ہیں ذکر کیا ہے کہ مرارہ بن ربیع شریک بدر تھے (فتح الباری)

صحیح متفق علیہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ اہل بدر کے تمام گناہ اور مسامحات معاف کر دیے گئے۔ علامہ ابن قیمؒ نے الہدیٰ میں حضرت مرارہؒ اور حضرت ہلالؒ کے بدری نہ ہونے پر ایک دلچسپ استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں شریک بدر ہوئے ہوتے تو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جاتے پر مورد عتاب نہ ہوتے اور ان کا تسامح اسی طرح

نظر انداز کر دیا جاتا جس طرح حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی شدید غلطی معصی ان کے بدری ہونے کے صدقہ میں نظر انداز کر دی گئی تھی۔ حضرت شیخ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابن قیمؒ کے اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ نص کی موجودگی میں قیاس آرائی ہے اور دونوں حالتوں میں فرق و امتیاز کرنا ممکن ہے (فتح الباری)

(۵۷) سہل بن حنیف بن واہب (۵۵) زیاد بن عمرو (یا زیاد بن بشیر) قبیلہ بنو ساعد میں سے یا ان کے مولیٰ تھے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ان کو اور ان کے بھائی (۵۶) منمرہ بن عمرو کو بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۵۷) عمرو بن عوف انصاری بدری جنہیں ابن اسحق نے اس نام سے موسوم کیا ہے اور صحیح بخاری میں مسوز کی حدیث میں ان کا تذکرہ ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ ابو معشر اور واقدی نے انہیں عمیر بن عوف کے نام سے یاد کیا ہے (تحریر اسماء الصحابة) (۵۸) منذر بن عمرو بن عقبہ جعفی (۵۹) ابو عقیل عبدالرحمن الراشی اشیفی بن عبداللہ بن ثعلبہ (۶۰) عبداللہ بن جبیر بن نعمان بن اُمیہ (۶۱) اور ان کے بھائی خوات بن جبیر (۶۲) اور ان دونوں کے چچا حارث بن نعمان بن اُمیہ (۶۳) ابو فتاح نعمان بن ثابت بن نعمان بن اُمیہ (۶۴) نعمان بن ابی خذمہ (یا خذمہ یا خزمہ یا خیمثہ علی اختلاف الروایات) بن نعمان بن ابی خذیمہ (۶۵) ابو خثہ مالک بن عمرو بن ثابت بن کلفہ محمد بن عمر نے اسی طرح لکھا ہے اور محمد بن اسحق اور ابو معشر نے ابو خثہ (بابا الموحدة) بتایا ہے لیکن محمد بن عمر کہتے ہیں کہ کوئی ایسا صحابی شریک بدر نہیں ہوا جس کی کینیت ابو خثہ ہو (طبقات ابن سعد)

(۶۶) سالم بن عمیر بن ثابت بن نعمان (۶۷) عاصم بن قیس بن ثابت بن نعمان (۶۸) حبیب بن عدی..... بن مالک جنہیں کفار مکہ نے باندھ کر قتل کیا تھا (۶۹) سعد بن خیمثہ بن حارث بن مالک جو غزوہ بدر میں مرگ تھا دات سے سرفراز ہوئے (۷۰) منذر بن قدامہ بن حارث بن مالک۔ امام ابن کثیرؒ نے ان کو خنزرجی بتایا ہے لیکن دوسروں نے انہیں اُوسی قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے (۷۱) منذر کے بھائی مالک بن قدامہ بن حارث (۷۲) حارث بن عرقمہ بن حارث بن مالک بن کعب۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے انہیں بدری بتایا ہے اور ابن اسحق نے انہیں بدریوں کی فہرست میں داخل نہیں کیا۔ لیکن ابو عمر اور ابن فحون نے اس بارہ میں ابن اسحق کو بدعتِ اعتراف بتایا ہے (اصابہ) (۷۳) ابو عیسیٰ انصاری حارثی مدنی۔ ابو عمر نے انہیں ابو احمد حاکم کی متابعت میں بدری لکھا ہے اور ابو احمد نے بخاری سے نقل کیا ہے (اصابہ)

(۷۴) حارث بن نعمان بن امرئ القیس بن بکر - موسیٰ بن عقبہ، ابن عمارہ، ابو معشر، واقدی، ابوالانوار اور ابن کلبی نے ان کو شرکاءے بدر میں شمار کیا ہے۔ البتہ ابن اسحق نے بدریوں میں ان کا ذکر نہیں کیا (اصابہ)

خزرجی شرکاءے بدر | (۱) ابویوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بخاری (۲) ثابت بن خالد بن نعمان بن خنساء بخاری (۳) عمارہ بن خزم بن زید (۴) سراقہ بن کعب بن عمرو (۵) حارثہ بن نعمان بن نفع (یا نفع یا نفع) بن زید

(۶) سلیم بن قیس بن ہمد (۷) شہیل بن رافع بن ابی عمرو (۸) مسعود بن اوس بن زید (۹) اور ان کے بھائی ابو خزمیمہ بن اوس بن زید۔ بعض نے ان کے دادا کا نام زید کے بجائے اصرم لکھا ہے (۱۰) رافع بن حارث بن سواد (۱۱) معاذ بن حارث بن رفاعہ بخاری (۱۲) اور ان کے دو بھائی ثعوذ بن حارث (۱۳) اور عوف بن حارث بخاری۔ یہ تینوں بھائی بنو عفرار کے نام سے مشہور ہیں جو ان کی والدہ تھیں (۱۴) نعمان بن عمرو بن رفاعہ (۱۵) عامر بن مخلد بن حارث بن سواد بن مالک (۱۶) عبد اللہ بن قیس بن خلدہ بن حارث بن سواد بن مالک رضی اللہ عنہم (۱۷) عمرو بن قیس بن زید بن سواد بخاری۔ واقدی، ابو معشر، محمد بن عمر اور عبد اللہ بن محمد بن عمارہ انصاری نے انہیں بدریوں میں داخل کیا ہے لیکن ابن اسحق اور موسیٰ بن عقبہ نے ان کے بدری ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا (طبقات ابن سعد) علامہ ابن کثیر نے ایک اور نام عمرو بن قیس بن مالک بن عدی بن خنساء بھی بدریوں کی فہرست میں درج کیا ہے لیکن مجھ پر ان کا بدری یا صحابی ہونا ظاہر نہیں ہوا۔ عمرو بن قیس بن مالک بن کعب بن عبد الاشمل بخاری نام کے ایک صحابی تھے لیکن وہ اہل بدر میں داخل نہیں (۱۸) اور عمرو بن قیس بن زید کے فرزند قیس بن عمرو بن قیس بن زید بخاری۔ ابن کلبی، ابو معشر، واقدی، محمد بن عمر اور عبد اللہ بن محمد بن عمارہ انصاری نے انہیں اہل بدر میں شامل کیا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحق ان کے بدری ہونے یا نہ ہونے کی طرف سے ساکت ہیں (طبقات ابن سعد)

(۱۹) عمرو بن قیس بن حزن بن عدی خزرجی ابو خارجہ۔ بغوی نے انہیں صحابہ میں اور ابن اسحق نے بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۲۰) ثابت بن عمرو بن زید بن عدی۔ موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر، محمد بن عمر اور عبد اللہ بن محمد بن عمارہ انصاری کے نزدیک شریک بدر تھے۔ لیکن محمد بن اسحق نے بدریوں کی جو فہرست مرتب کی اس میں ان کا نام مندرج نہیں (طبقات

ابن سعد (۲۱) عدی بن بنان ابی الزغباء بن شعیب بن ثعلبہ (۲۲) ودیعہ بن عمرو بن جرّاد جہنی
علیف بنو نجار (۲۳) عصمہ یا عقیقہ اشجعی۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحق نے انہیں بدریوں
میں ذکر کیا ہے (اصحابہ) (۲۴) ابو الحمرار مولیٰ حارث بن رفاعہ بن حارث (۲۵) سید القراء
ابی بن کعب بن قیس بن عبید (۲۶) انس بن ہکاذ بن انس بن قیس بن عبید بن نجاری (۲۷)
اوس بن ثابت بن منذر بن نجاری (۲۸) اور ان کے بھائی ابو شیخ ابی بن ثابت بن منذر
رضی اللہ عنہم۔

(۲۹) ابو طلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام بن نجاری (۳۰) ثعلبہ بن عمرو بن معصن بن
عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول۔ علامہ ابن کثیر نے تاریخ البدایہ والنہایہ میں کسی بزرگ
ثعلبہ بن عمرو بن عبید بن مالک بن نجاری کو بھی اہل بدر میں داخل کیا ہے۔ لیکن لاقم الحروف
کو اس نام کے کسی بدری بلکہ کسی صحابی کا علم نہیں ہو سکا (۳۱) سہل بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن
عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک (۳۲) حارث بن نعمان بن اساف بن نجاری۔ عدوی نے
ان کو شرکاء بدر میں داخل کیا ہے (تجریداً اسماء الصحابہ) امام ابن کثیر نے اہل بدر میں حارث
بن نعمان بن اُمیۃ انصاری کا نام بھی درج کیا ہے لیکن مجھے اس نام کے کسی بدری بلکہ صحابی
نک کا نشان نہیں مل سکا (۳۳) حارث بن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک (۳۴) ابو حکیم
عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی (۳۵) مخزوم بن عامر بن مالک بن عدی (۳۶) سلیمان بن قیس
بن عمرو بن عبید (۳۷) ابوسلیط انیسرہ بن عمرو بن قیس بن مالک بن عدی (۳۸) عامر بن اُمیۃ
بن زید بن حساس بن نجاری (۳۹) ثابت بن خنساء بن عمرو بن مالک بن عدی رضی اللہ عنہم۔
(۴۰) قیس بن سکن بن قیس بن زحرار بن حزام (۴۱) ابو الاعداء کعب بن حارث بن
ظالم بن عتب بن حزام بن جذب (۴۲) حزام بن بلحان مالک بن خالد بن زید بن حزام بن جذب
(۴۳) اور ان کے بھائی سلیم بن بلحان مالک بن خالد بن زید (۴۴) عبید بن ثعلبہ بن نجاری۔
(۴۵) سواد بن غزیہ بن وہب بن یثی بن عمرو (۴۶) عبد اللہ بن عامر بن لوی علیف بنی ساعدہ۔
ابن اسحق نے ان کو بدری بتایا ہے (تجریداً اسماء الصحابہ) ابو عمر نے بھی ان کے بدری ہونے کا
ذکر کیا ہے (اصحابہ) (۴۷) قیس بن ابی معصومہ عمرو بن زید بن عوف بن مبذول (۴۸) عبد اللہ
بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول (۴۹) ابو داؤد عمیر بن عامر بن مالک بن خنساء بن
مبذول مازنی۔ بعض نے عمیر کو عمرو کے نام سے بھی موسوم کیا ہے (۵۰) سراقہ بن عمرو بن

عظیہ بن خنسا بن مہذول بخاری (۵۱) قیس بن مخاض بن ثعلبہ بن محضر بن حبیب رضی اللہ عنہم
(۵۲) عقیبہ بن نویمان بن بخار کے حلیف تھے (طبقات ابن سعد) (۵۳) عصمہ بن جحین
بن زبرہ بن خالد بن عجلان خزرجی موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے ان کا بدری ہونا نقل
کیا ہے اور ابن عمارہ اور واقدی نے ابن عقبہ کی متابعت کی ہے۔ اسی طرح ابوالاسود وغیرہ
نے عروہ سے ان کے شریک بدر ہونے کی روایت کی ہے۔ لیکن ابن اسحق اور ابو معشر نے
اس کا ذکر نہیں کیا (اصابہ) (۵۴) نعمان بن عبد عمرو بن مسعود بن عبدالاشہل (۵۵) اور ان کے
بھائی شہاک بن عبد عمرو بخاری (۵۶) عمرو بن قیس بن زید بخاری رضی اللہ عنہم۔

(۵۷) عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بن اسیرہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ جو اپنی کینت سے مشہور
ہیں۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ بدری تھے یا نہیں؛ امام بخاری نے ان کے بدری ہونے
پر جزم کیا ہے اور متعدد حدیثوں سے جو صحیح بخاری میں مروی ہیں اس پر استدلال فرمایا ہے
ان میں سے بعض حدیثوں میں ان کے بدری ہونے کی تصریح ہے۔ اسی طرح عقبہ بن سلام
اور مسلم نے کئی میں کہا ہے کہ وہ بدری تھے اور ابن البرقی کا بیان ہے کہ ابن اسحق نے
ان کے شریک بدر ہونے کا ذکر نہیں کیا اور پھر متعدد روایتوں سے ان کے شریک بدر
ہونے کا ثبوت دیا۔ اور طبرانی کا قول ہے کہ اہل کوفہ تو ان کے بدری ہونے کے قائل ہیں
لیکن اہل مدینہ ان کا بدریوں میں ذکر نہیں کرتے اور ابن سعد واقدی سے ناقل ہیں کہ ہمارے
رفقار میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بدری موجود نہیں تھے (الاصابہ) علامہ
ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو مسعود بدری حاضر تھے لیکن کثیر التعلیق
اصحاب مغازی کے نزدیک یہ چیز محل بحث ہے اس لیے انہوں نے ان کا بدریوں میں ذکر نہیں کیا (الاصابہ
والنہایہ) ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ایک جماعت ان کے بدری ہونے کی قائل ہے لیکن صحیح نہیں (تجريد اسماء الصحابة)
(۵۸) جابر بن خالد بن مسعود بن عبدالاشہل بخاری (۵۹) کعب بن زید بن قیس بن
مالک بن کعب بن عبدالاشہل (۶۰) سلیم بن عارث بن ثعلبہ بن کعب بن عبدالاشہل (۶۱)
بجیر بن ابی بجیر حلیف بنو بخار (۶۲) سعد بن ریح بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امری
القیس (۶۳) خارجہ بن زید بن ابی زہیر بن مالک بن امری القیس (۶۴) عبداللہ بن رواحہ
(۶۵) خلد بن سؤید (۶۶) بشیر بن سعد بن ثعلبہ جو حضرت نعمان بن بشیر صحابیؓ کے والد
مخترم تھے (۶۷) اور ان کے بھائی سماک بن سعد بن ثعلبہ (۶۸) بلع بن قیس بن عبسہ۔

(۶۹) اور ان کے بھائی عتّاد بن قیس بن علبہ (۷۰) یزید بن حارث بن قیس (۷۱) حبیب بن اُسات (یا یاسف) بن عتبہ بن عمرو (۷۲) سفیان بن نضر بن زید (۷۳) عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبداللہ (۷۴) خزیمہ بن زید بن ثعلبہ (۷۵) تمیم بن یعار بن قیس (۷۶) عبداللہ بن عقیل بن حارث بن ثعلبہ بن خُلاس (۷۷) عبداللہ بن ربیع بن قیس (۷۸) عبداللہ بن عقیس (۷۹) عبداللہ بن عرقطہ بن عدی رمنی اللہ عنہم۔

(۸۰) عبداللہ بن رئیس المناقیث بن عبداللہ بن اُبی (۸۱) اوس بن خویلی بن عبداللہ بن حارث (۸۲) زید بن ودیعہ (۸۳) رفاعہ بن عمرو بن زید (۸۴) عتبہ بن وہب بن گلذہ غطفانی (۸۵) معبد بن عبادہ بن قسطنطین قدم (۸۶) عامر بن سلمہ بن عامر بن عبداللہ بلوی (۸۷) عامر بن مکیرم بن حلیف انصار موسیٰ بن عتبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا کہ عامر بن مکیرم بدری تھے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ ان کی حاضری محل بحث ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ متعدد افراد نے موسیٰ بن عتبہ کی موافقت کی ہے جن میں سے آخری مؤید ابو جعفر طبری ہیں (امّا) (۸۸) عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم (۸۹) اور ان کے بھائی اوس بن صامت بن قیس بن اصرم (۹۰) نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن دُغْد (۹۱) مالک بن دُخشم (یا دُخشن) بن مرفحہ بن عثم رمنی اللہ عنہم۔

(۹۲) نوفل بن عبداللہ بن ثعلبہ بن مالک بن عجلان (۹۳) عتبہ بن مالک بن عمرو بن عجلان (۹۴) نکیل بن دُبرہ بن خالد بن عجلان (۹۵) ثابت بن ہترال بن عمرو بن قریوس (۹۶) ربیع بن ایاس بن عمرو (۹۷) اور ان کے بھائی دُوقہ (یا القار) بعض نے ورقہ اور دوسروں نے ورقہ بھی لکھا ہے بن ایاس بن عمرو (۹۸) عبداللہ بن زیاد بلوی معروف بہ مجذّر۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مجذّر کو مہاجر لکھا ہے لیکن وہ قطعاً یقیناً انصاری خزرجی تھے۔ (۹۹) عتبہ بن خُثام قضاوی عتبہ کے نام میں اختلاف ہے۔ انہیں عتّاد، عبادہ اور عبیدہ کے ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ (۱۰۰) نجات (یا نجاب) بن ثعلبہ بن خزیمہ حلیف انصار (۱۰۱) اور ان کے بھائی عبداللہ بن ثعلبہ بن خزیمہ (۱۰۲) عتبہ بن ربیعہ بن خالد ہلوانی (۱۰۳) عمرو بن ایاس بن زید بن حشم رمنی اللہ عنہم (۱۰۴) مُنذر بن عمرو بن خنیس بن لُؤذان ساعدی (۱۰۵) ابو دُجانہ سماک بن خُزیمہ بن لُؤذان ساعدی (۱۰۶) ابو اُسید مالک بن ربیعہ ساعدی (۱۰۷) مالک بن مسعود ساعدی رمنی اللہ عنہم (۱۰۸) عبد ربیع بن حق بن اوس (۱۰۹) زیاد بن کعب بن عمرو بن عدی۔

(۱۱۰) منقرہ بن عمرو بن عمرو بن کعب بن جہنی (۱۱۱) بنس بن عمرو بن ثعلبہ جہنی (۱۱۲) کعب بن جہاز۔
کعب کے والد کے نام میں سخت اضطراب ہے۔ ابن سعد نے جہاز لکھا ہے۔ جہاز، حمان
جہار اور جہاز نام بھی بتائے گئے ہیں۔ ابن ہشام نے انہیں کعب بن عبشان بتایا ہے۔
ایک مصنف کعب بن مالک بن ثعلبہ بن جہاز لکھتے ہیں اور اموی نے کعب بن ثعلبہ بن جہاز
بن غنم غسانی حلیف بنو خزرج بن ساعدہ بتایا ہے (۱۱۳) عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ
سلمی جو حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کے والد محترم تھے (۱۱۴) خراش بن رستم بن عمرو غنمی (۱۱۵)
اور ان کے مولیٰ نسیم رضی اللہ عنہم۔

(۱۱۶) عمیر بن حرام بن عمرو بن جہوج بن زید بن حرام۔ محمد بن عمرو اقدی، ابن الکلبی
ابن عائد اور عبداللہ بن محمد بن عمارہ انصاری نے انہیں بدری بتایا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ
محمد بن اسحق اور ابو معشر نے بدریوں میں ان کا ذکر نہیں کیا (۱۱۷) عمیر بن حمام بن جہوج بن
زید بن حرام۔ آغاز جنگ میں جب مشرکین مکہ نے شکر اسلام پر حملہ کرنا چاہا تو خدا کے برگزیدہ
رسولؐ نے صحابہ کرام کی طرف خطاب کر کے فرمایا تھا کہ آگے بڑھو اور وہ جنت لو جس کا عرض
آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ حضرت عمیر بن حمام عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! کیا میں
بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ تم ضرور اس میں داخل ہو گے۔ اس کے بعد
انہوں نے کھجوریں نکال کر کھانی شروع کیں۔ پھر شوق شہادت نے جوش مارا اور بولے
کہ میرے لیے اتنا وقفہ بھی جس میں یہ کھجوریں کھا سکوں شاق ہے۔ یہ کہہ کر کھجوریں پھینک
دیں اور رزم خواہ ہو کر شہید ہو گئے (صحیح مسلم) (۱۱۸) اور عمیر بن حمام کے عم زاد معاذ بن عمرو بن جہوج
بن زید بن حرام (۱۱۹) اور معاذ کے بھائی معوذ بن عمرو بن جہوج۔ موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر اور محمد بن
عمر کی روایت میں معوذ شریک بدر تھے لیکن محمد بن اسحق نے اپنی فرست بدریین میں ان کا نام
نہیں لیا (۱۲۰) اور معاذ اور معوذ کے بھائی خلاد بن عمرو بن جہوج (۱۲۱) اور ان تینوں کے
چچانا دبھائی جناب بن منذر بن جہوج رضی اللہ عنہم

(۱۲۲) عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام۔ امام بخاری اور بعض دوسرے حضرات نے
ایک صحابی عقبہ بن عمرو ابو مسعود انصاریؓ کو بھی بدری لکھا ہے لیکن امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں
(تجربہ سارا الصحابہ) (۱۲۳) ثابت بن ثعلبہ بن زید (۱۲۴) عمیر بن عاص بن ثعلبہ (۱۲۵) حبیب بن
اسود مولیٰ بنو حرام (۱۲۶) بشر بن براء بن معرور (۱۲۷) عبداللہ بن جہد بن قیس سلمی رضی اللہ عنہم

ان کا باپ ابو وہب جَد بن قیس مشہور منافق تھا (۱۲۸) بنان بن مینقی بن مخزوم خنساہ (۱۲۹) اور ان کے چچا زاد بھائی عتبہ بن عبد اللہ بن مخزوم خنساہ (۱۳۰) طفیل بن مالک بن خنساہ (۱۳۱) اور ان کے عم زاد طفیل بن نعمان بن خنساہ (۱۳۲) عبد اللہ بن عبد مناف بن نعمان (۱۳۳) جابر بن عبد اللہ بن رباب بن نعمان سلمی (۱۳۴) فلید بن قیس بن نعمان سلمی (۱۳۵) یزید بن منذر بن مضر۔ (۱۳۶) اور ان کے بھائی معقل بن منذر سلمی (۱۳۷) عبد اللہ بن نعمان بن بلد بن خنساہ رضی اللہ عنہم (۱۳۸) جبار بن مخزوم امیہ بن خنساہ۔ علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں جبار اور ان کے والد مخزوم امیہ دونوں کو الگ الگ بدری لکھا ہے۔ حالانکہ مخزوم امیہ نہ بدری تھے اور نہ صحابی بلکہ راقم الحروف کو تو ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے تک کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا (۱۳۹) فتاک بن حارثہ بن زید سلمی (۱۴۰) سواد بن رزن بن زید بن ثعلبہ۔ محمد بن عمر اور عبد اللہ بن محمد بن عمارہ انصاری نے ان کا نام اور نسب اسی طرح بیان کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ان کو سواد بن رزن بن ثعلبہ لکھا ہے۔ ابن الکلبی اور ابو حاتم نے ان کو سواد بن زید بن ثعلبہ فاقدی وغیرہ نے سواد بن رزین بن زید بن ثعلبہ اور ابن اسحق اور ابو معشر نے سواد بن رزین بن ثعلبہ بتایا ہے۔ لیکن ابن سعد رزین کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ لکھنے والوں کی تصحیف یعنی لغزش تحریر ہے۔

(۱۴۱) حارثہ بن حمیر حلیف بنو سلمہ۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ محمد بن عمر نے ان کو حمزہ بن حمیر اور محمد بن اسحاق نے خارجہ بن حمیر اور موسیٰ بن عقبہ نے حارثہ بن حمیر بتایا لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصحابہ میں حارثہ نام کو اصح فرمایا ہے۔ اہل اثران کے والد کے نام میں بھی مختلف البیان ہیں۔ بعض نے حمیرہ بالجر مصغراً اور طبری نے بالہملہ مصغر مشغل بلا ہاء لکھا ہے اور ابو موسیٰ نے ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ بالجم والنار ہے (اصحابہ) اور موسیٰ بن عقبہ نے جاریہ لکھا ہے (تجرید اسماء الصحابہ) (۱۴۲) اور ان کے بھائی عبید بن حمیر حلیف انصار (۱۴۳) نعمان بن بنان مولیٰ بنی عیلہ بن عدی (۱۴۴) ثعلبہ بن عامر بن خدیہ (۱۴۵) اور ان کے بھائی یزید بن عامر بن خدیہ (۱۴۶) اور ان دونوں کے عم زاد بھائی سلیم بن عمرو بن خدیہ رضی اللہ عنہم۔

(۱۴۷) ثعلبہ بن عثمہ بن عدی بن بنان بن نابی (۱۴۸) عبس بن عامر بن عدی بن بنان بن نابی (۱۴۹) ابو ایسر کعب بن عمرو بن جناد (۵۰) ہبل بن قیس بن ابی کعب (۱۵۱) عثرہ مولیٰ

سلیم بن عمرو بن حذیدہ (۱۵۲) معبد بن قیس بن صیفی بن مخزوم بن حرام (۱۵۳) اور ان کے بھائی
عبد اللہ بن قیس (۱۵۴) عمرو بن طلحہ بن زید بن اُمیہ (۱۵۵) معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس
(۱۵۶) قیس بن مجفین بن خالد بن مخلد بن عامر بن زریق (۱۵۷) اور ان کے دو چچا زاد بھائی
ابو خالد حارث بن قیس بن خالد بن مخلد (۱۵۸) اور مجبیر بن ایاس بن خالد بن مخلد (۱۵۹)
ابو عبادہ (یا ابو عبیدہ) سعد بن عثمان بن خلدہ بن مخلد زرقی (۱۶۰) اور ان کے بھائی عقبہ بن
عثمان بن خلدہ بن مخلد (۱۶۱) ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مخلد (۱۶۲) مسعود بن خلدہ بن
عامر بن مخلد (۱۶۳) عباد بن قیس بن عامر بن خالد بن عامر بن زریق (۱۶۴) اسعد بن یزید
بن فاکہ بن زید بن خلدہ بن عامر (۱۶۵) فاکہ بن بشر (یا بشر) بن فاکہ بن زید بن خلدہ (۱۶۶)
معاذ بن ماعص بن قیس بن خلدہ بن عامر بن زریق - معاذ کے والد ماعص، ماعص اور معاویہ
کے ناموں سے بھی یاد کیے گئے ہیں (۱۶۷) اور معاذ کے بھائی عاتکہ بن ماعص بن قیس بن
خلدہ زرقی (۱۶۸) اور ان دونوں کے عم زاد مسعود بن سعد بن قیس بن خلدہ زرقی (۱۶۹) رافع
بن رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق (۱۷۰) اور ان کے بھائی خلد بن رافع
بن مالک بن عجلان (۱۷۱) عبید بن زید بن عامر بن عجلان رضی اللہ عنہم۔

(۱۷۲) زیاد بن عبید بن ثعلبہ بن سنان بیاضی (۱۷۳) فلیفہ بن عدی بن عمرو بن مالک
بیاضی (۱۷۴) فروہ بن عمرو بن وؤفہ بن عبید بن عامر بیاضی - وؤفہ کو وؤفہ اور وؤفہ بھی لکھا
گیا ہے (۱۷۵) خالد بن قیس بن مالک بن عجلان بن عامر بیاضی (۱۷۶) رخیلہ بن ثعلبہ بن خالد
بیاضی - رخیلہ کو رخیلہ (یا بحیم) اور رخیلہ (بجاء المملک) بھی لکھا گیا ہے لیکن صحیح بالتحار ہے (۱۷۷)
طلال بن معالی بن لؤذان بن حارث بن زید بن ثعلبہ بن مخزوم بن خزرج میں سے تھے - ابن اسحق اور
ابن حبان وغیرہ نے ان کو بدریوں میں شمار کیا ہے (اصابہ) (۱۷۸) رافع بن معالی بن لؤذان -
(۱۷۹) زید بن مزیق بن قیس بن عدی حارثی - واقفی نے ان کا نام زید لکھا ہے (تجرید
اسماء اصحابہ)

(۱۸۰) عطیہ بن زبیرہ بن عامر زرقی - ابن الکلبی نے انہیں بدریوں میں داخل کیا ہے
(اصابہ) (۱۸۱) سعد بن سہل یا سعید بن سہیل انصاری (تجرید اسماء اصحابہ) (۱۸۲) غنام بن اوس
بن غنام خزرجی بیاضی - ابن الکلبی اور واقفی نے ان کا بدری ہونا بیان کیا ہے (۱۸۳)
ابو خمیسہ (یا ابو خمیسہ یا ابو خمیسہ) معبد بن عباد بن قیس بن قدم - ان کے نام اور کنیت میں

بڑا اضطراب ہے۔ بعض نے ان کو معبد بن عباده بن قیس لکھا ہے۔ واقعی اور ابن ہشام نے ان کے دادا کا نام قشعر بتایا ہے (۱۸۴) یزید بن اختس بن حبیب بن جردہ (بغیم الجیم) ابو معن سلی۔ امام شہابی نے ان کو بدری بتایا ہے لیکن ابن اسحق اور اکثر اہل مغازی اس تذکرہ سے خاموش ہیں۔ (۱۸۵) مالک بن اُمیہ سلی۔ ابو عمر نے ان کو بدری بتایا ہے۔ (۱۸۶) حارث بن صمہ بن عمرو بن عتیک رضی اللہ عنہم

شہدائے بدر کے اسماء گرامی | سیرت اور مغازی کی کتابوں میں غزوہ بدر میں شہید ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد چودہ بتائی گئی ہے۔ ان میں

تین مہاجر اور چھ انصار وہ ہیں جن کی شہادت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تین مہاجر جن کے مقتول فی سبیل اللہ ہونے پر سب متفق ہیں یہ ہیں :- (۱) عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف قرظی مطلبی (۲) منجج بن صالح جو حضرت عمر فاروقؓ کے مولیٰ تھے (۳) عُمیر بن ابی وقاص جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے کم سن بھائی تھے رضی اللہ عنہم

اور چھ انصاری شہداء یہ تھے :- (۱) حارث (یا عارث) بن سراقہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی زینب کے فرزند تھے۔ پانی پیتے وقت ایک شرک جتان بن عرقہ کا تیران کے حلق میں آگیا تھا (۲) معوذ بن عفرار۔ عفرار ان کی والدہ تھیں۔ والد کا نام حارث بن رفاعہ بخاری تھا۔ معوذ رضی اللہ عنہ عوف بن حارث اور معاذ بن حارث کے بھائی تھے (۳) یزید بن حارث بن قیس خزرجی (۴) عُمیر بن حُمام (۵) رافع بن معالی (۶) سعد بن فہشمہ بن حارث اوسی رضی اللہ عنہم

غزوہ بدر میں مندرجہ ذیل مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم کا مقتول ہونا مختلف فیہ ہے :-

(۱) صفوان بن بیضار جو سہل اور نبیل کے بھائی تھے بیضار ان کی والدہ تھیں۔ باپ وہب بن ربیعہ بن ہلال قرظی فہری تھا (۲) عاقل بن بکر بن عبد یاسیل حلیف بنی عدی جو یثرب میں تھے (۳) عُمیر بن عبد عمرو بن فضلہ خزاعی معروف بہ ذوالشمالین (۴) عوف بن حارث انصاری جو عوف بن عفرار کے نام سے مشہور ہیں۔ معاذ اور معوذ کے بھائی (۵) معشر بن عبد اللہ اوسی جو اپنے بھائیوں ابو باہ اور رفاعہ کے ہمراہ شریک بدر ہوئے تھے (۶) عمار بن زیاد اشجلی (۷) ہلال بن معالی بن لؤذان خزرجی۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ وہ غزوہ بدر میں درجہ شہادت

سے مشرف ہوئے تھے (طبقات ابن سعد) ابن اسحق اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ہلال بن معلیٰ کا
بدر میں مقتول ہونا نقل کیا ہے (اصابہ)

شیخ عبدالحق مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ یہ تو ہم نہ کرنا چاہیے کہ اتنے مسلمانوں کا مارا
جانا فتح و نصرت کے وعدہ خداوندی کے خلاف تھا کیونکہ حق تعالیٰ نے دین متین کے اعداء و
سز بلندی اور اعداء کی خواری و گوسفاری کا وعدہ فرمایا تھا جو بدرجہ اتم پورا ہو گیا۔ اگر خدا سے حکیم
کی حکمت پڑو ہی نے بعض حضرات کو قیامت شہادت سے بہرہ مند فرمایا تو یہ اسی طرح مقصود
کے خلاف نہیں جس طرح بعض کفار کا باقی رکھنا اور سب کو ہلاک و برباد نہ کرنا مقصد حکمت
کے منافی نہ تھا۔

فصل ۲۵۸ حضرت نوفل بن حارث ہاشمی کی

سعادت ایمانی

حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاوہانی ان
ہاشمیوں میں جو مشرف بایمان ہوئے سب سے مسبق تھے۔ ان کے قبول اسلام کا یہ واقعہ ہے
کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف معرکہ آما ہوئے اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار کیے
گئے۔ سرور کائنات علیہ التمجید والسلام نے ان سے فرمایا نوفل! فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ بولے
میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں۔ فرمایا جدہ والے نیزے فدیہ میں دے سکتے ہو؟
یہ سن کر وہ حیرت زدہ ہوئے کہ آپ کو ان نیزوں کا کیونکر علم ہوا؟

اس اطلاع پر جناب نوفلؓ کو یقین ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پیچھے رسول
ہیں جنہیں رب قدیر غیبی اطلاعوں سے نوازتا ہے۔ چنانچہ حضور انورؐ کی رسالت کا اقرار کیا اور
نیزے منگوا کر فدیہ میں پیش کر دیے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار میں اپنے اسلام کا اظہار کیا۔

دور ہو دور ہو میں تمہاری جماعت میں داخل نہیں
میں قریش کے شیوخ اور اکابر کے دین سے بیزار ہوں
میں نے شہادت دی ہے کہ محمد نبی ہیں

الیکم الیکم انی لست منکم
تبوات من دین الشیوخ الاکابر
شہدت علی ان انشی محمداً

اِنَّا بِالْهَدٰى مِنْ رَبِّهِ وَالْبَصٰثِرُ

■ اِن سِر سَوَل اللّٰه يَدْعُو اِلَى التَّقٰى

وَاِنْ سِر سَوَل اللّٰه لَيْسَ بِشَاعِرٍ

عَلٰى ذٰلِكَ اِحْيٰى ثُمَّ اَبْعَثْ مَوْقِفًا

وَاثْوٰى عَلَيْهِ مَيْتًا فِى الْمَقَابِرِ

اور وہ منجانبِ اِشہادیت اور بعیرت لے کر آئے ہیں

رسول اللہ تقویٰ کی طرف بلائے ہیں

اور آپ شاعر نہیں ہیں

میں اسلام ہی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر قبر کے اندر فوت کی

حالت میں سوؤں گا اور پھر اسی پر قیامت کے روز اٹھوں گا

مشرف ہا اسلام ہونے کے بعد مکہ معظمہ واپس آئے۔ کچھ مدت کے بعد ہجرت کے عزم

سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی ربیعہ بن عارض بھی جو اپنے چچا حضرت

عباس رضی اللہ عنہ سے دو سال بڑے تھے ہمراہ تھے۔ ابوہریرہؓ بھی حضرت ربیعہؓ کے ساتھ

جانے کا قصد کیا۔ نوفلؓ نے فرمایا اُس شرک کدہ کو کہاں واپس جلتے ہو جہاں کے باشندے

رسولِ خدا سے رزم خواہ ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا نے اپنے رسول کو سرفرازی بخشی

ہے اور آپ کے پیروں کی کثرت ہو رہی ہے بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ چلو غرض یہ نافرمانی ہجرت

کے بغیر دعائیت مدینہ پہنچا راہنہ سعد

چونکہ حضرت نوفلؓ نے نادار تھے آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کی خبر گیری

فرمایا کرتے تھے نکاح کی خواہش ہوتی تو نکاح کرا دیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ

تھا۔ آپ نے ابوہریرہؓ کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھوائی اور اس کے بدلے

تیس صاع جو حاصل کر کے عطا فرمائے (مستدرک حاکم)

فصل ۲۵۹۔ جگر پارہ رسول سیدہ رقیہؓ کی رحلت

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی سے نوبت ہوئے تھے تو اُس وقت آپ کی سب

بڑی صاحبزادی زینبؓ کی عمر کلیم دس سال کی تھی (اصابہ) جب سیدہ زینبؓ نے عرسہ بلوغ میں

قدم رکھا تو آپ نے انہیں اُم المؤمنین خدیجہؓ کے خواہر زادہ ابوالعاصؓ سے بیاہ دیا۔ چونکہ

چچا ابولسب سے رشتہ داری کے عام مراسم سے کہیں بڑھ کر مودت کے روابط قائم تھے آپ نے

اپنی مخلصی صاحبزادیاں رقیہؓ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہما بھی نابالغی ہی کی حالت میں ابولسب کے

لڑکوں سے بیاہ دیں اور پھر جب سورۃ النہب کے نزول پر وہ آپ کا علانیہ دشمن ہو گیا تو اس

دونوں شہزادیوں کو طلاق دلوادی جیسا کہ اس سے پیشتر بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔ اس وقت بھی دونوں بچیاں نابالغ ہی تھیں جب رقیہؓ عمر بلوغ کو پہنچیں تو آپ نے انہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا جب حضرت عثمان بن عفانؓ نے مکہ کے حکم کدہ سے دارالامان حبشہ کو ہجرت فرمائی تو سیدہ رقیہؓ بھی ساتھ تھیں۔ چند ماہ بعد جب تمام مہاجرین کرام نے جو پہلی ہجرت میں حبشہ گئے تھے ایک غلط اطلاع کی بنا پر محکمہ کو مراجعت کی تو حضرت عثمانؓ نے بھی سیدہ کو ساتھ لے کر رجعت فرما لے کر مکہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اور جناب رقیہؓ نے حبشہ کو دوبارہ ہجرت کی۔ وہاں کئی سال رہنے کے بعد مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔ سیدہ رقیہؓ قریباً دس سال تک حضرت عثمانؓ کے مشکوے معنی میں رہیں۔ آخر میں چچک میں مبتلا ہوئیں۔ انہی ایام میں غزوہ بدر پیش آیا اور سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ چھوڑ کر مع خدام و حشم بدر تشریف لے گئے۔ (اصابہ)

آپ ابھی بدر سے مراجعت فرمانہ ہوئے تھے کہ حضرت رقیہؓ کی روح مطہر نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کا داعی حق کو لبیک کہہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر سیدہ کو سپرد خاک کر دیا جب انہیں دفن کر رہے تھے تو حضرت عثمانؓ نے تکیہ کی آواز سنی اور اسامہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ دیکھو یہ کیسی آواز ہے؟ اتنے میں دیکھا کہ اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرور انبیاء کی اونٹنی جد عار پر آرہے ہیں۔ انہوں نے آکر فتح کی بشارت دی (اصابہ)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مراجعت فرمانے کے بعد بیٹی کی قبر پر تشریف لائے۔ اتنے میں سیدۃ النساء فاطمہؓ بھی وہاں پہنچ گئیں۔ فاطمہؓ قبر کے کنارے رسول اللہؐ کے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے (ابن سعد)

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رقیہؓ کے انتقال پر فرمایا کہ رقیہؓ کو ہمارے سلف عثمان بن مظعونؓ کے ساتھ ملحق کر دو یا یہ سن کر عورتیں رقیہؓ پر رونے لگیں۔ حضرت عمرؓ جو بڑے قاہر اور غیور حامی شریعت تھے، کوڑا لیے ہوئے آئے اور رونے والی خواتین کو کوڑے پیٹنے شروع کیے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا عمر! ان کو پھوڑ دو اور رونے دو۔ پھر عورتوں سے فرمایا کہ روؤ مگر شیطانی آواز نہ نکالو۔ جو گریہ

دل اور آنکھوں سے ہو۔ بخانب اللہ ہے اور رحمت ہے اور حمد آتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے (ابن سعد)

سیدہ رقیۃ طاہرہ کے بطن مبارک سے حضرت عثمان بن عفان کا ایک فرزند متولد ہوا جو عبداللہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی کی کنیت ابو عبداللہ مشہور ہوئی۔ بہت چھوٹی عمر میں مرغ نے عبداللہ کی آنکھ میں چھینچ مار دی اور وہ اسی کے صدمہ سے دارالخلد کو چلے گئے (اصابہ)

حضرت عثمان بن مظعون | حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جن کی طرف اور پر اشارہ ہوا، مکہ کے سب سے پہلے ہاجر تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ پیشوا سے امت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی مفارقت کا بڑا صدمہ تھا۔ رحلت کے بعد آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر اشک بار ہوئے کہ آنسوؤں سے حضرت ابن مظعون کے رخسار سے تر ہو گئے (ابن سعد) پھر سر مبارک اٹھا کر بھڑائی ہوئی آواز میں فرمایا ابوالسائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن اس سے ذرا بھی ملوث نہ ہوا (اسد الغابہ)

اس وقت تک مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا کوئی جداگانہ قبرستان نہیں تھا۔ حضرت ابن مظعون رضی کی رحلت پر آپ نے مقام بقیع کو گور غریباں قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ابن مظعون رضی کے پہلے صحابی تھے جو اس گنج شایگان میں سپرد خاک ہوئے۔ آپ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا (ابن سعد)

سیدہ اُم کلثوم سے مناکحت | جناب رقیۃ رضی رحلت گزین عالم جاوداں ہوئیں تو حضرت عثمان بن عفان کے لیے شفیق عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن شفقت پھر وسیع تھا۔ حضور انور نے سیدہ ام کلثوم رضی کو ان کے عقد میں دے دیا۔ چونکہ آپ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی کے عقد میں آئیں۔ ذوالنورین کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ کہتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں حضرت ذوالنورین رضی کے سوا کسی کو یہ شرف مل نہیں ہوا کہ کسی نبی کی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں آئی ہوں۔ سیدہ اُم کلثوم رضی شعبان ۱۱ ہجری میں انتقال فرمایا اور ان سے حضرت عثمان رضی کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ رحلت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ اُم کلثوم کی وفات پر فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو ان کو ہمارے یکے

بعد و گرے عثمان بنے یا ہوتا جاتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدہ ام کلثومؓ کی رحلت پر میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اشکبار دیکھا۔ حضرات علی مرتضیٰ فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا (طبقات ابن سعد)

فصل ۲۶۰۔ ابولہب کی ذلت آفریں ہلاکت

جنگ بدر میں قریب قریب وہ تمام رؤساء قریش مسلمانوں کی خنجر فارا شکاف کا لقمہ بنے جنہوں نے حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان شاروں کو ایذا میں دی تھی یا جنہوں نے ہجرت سے پہلے بارادہ قتل کا شانہ بنوی کا رات بھر معاشرہ کیے رکھا تھا۔ ان بدترین دشمنوں میں سے جو نعمت ایمان سے محروم رہے صرف ایک ابولہب ہلاکت سے محفوظ رہا کیونکہ وہ جنگ بدر میں شریک ہی نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ کے ماموں عامر بن ہاشم بن مغیرہ کو مسلمانوں سے رزم خواہ ہونے کے لیے بھیج دیا تھا۔

مرضِ عذسہ میں گرفتار | خداوندی نے خود ابولہب کا بھی پھیلا نہ چھوڑا۔ جس روز بدر میں قریش کے منہزم ہونے کی خبر کہ معطلہ پہنچی ہے، اس کے بعد ابولہب نے بمشکل سات دن قید حیات میں کاٹے۔ ان ایام میں وہ شب و روز غم ہزیمت میں اس طرح گھلتا رہا جس طرح بن کی آتش لکڑی ہر وقت ٹلکتی رہتی ہے۔ آٹھویں دن اُسے طاعون کی قسم کا ایک ملک پھوڑا مکل آیا جس اہل عرب عذسہ کہتے ہیں۔ عامۃ الناس اس مرض سے بھی اسی طرح پرہیز کرتے ہیں جس طرح طاعون سے بچتے ہیں۔

جب ابولہب ہلاک ہو گیا تو دو تین دن تک اس کی لاش اسی جگہ گورو کفن پڑی رہی یہاں تک کہ جب مکان سخت متعفن ہو گیا اور تمام محلہ میں بدبو پھیلنے لگی تو لوگوں نے اُسے اُکرا کر ابولہب کے بیٹوں سے کہا تمہیں شرم نہیں آتا کہ تمہارے باپ کی لاش پڑی سڑ رہی ہے اور بدبو کے مارے دماغ پھا جاتا ہے لیکن تمہیں کفن کا کچھ خیال نہیں ہے۔ وہ بولے ہم اس لیے لاش کے قریب نہیں جاتے کہ مبادا ہم بھی عذسہ مبتلا ہو جائیں۔ لوگوں نے کہا اچھا اگر یہ خطرہ ہے تو چلو اس کام میں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں۔

غرض ابولہب کے بیٹے اور محلہ والے اس مکان میں گئے جہاں اس کی لاش سڑا رہی تھی لیکن شدت تعفن کی وجہ سے کسی کو ہاتھ لگانے اور غسل دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ دور ہی سے اس پر چند لوٹے پانی پھینک دیا گیا۔ لوگ سخت نفرت اور کراہیت کے ساتھ لاش اٹھالے چلے اور شہر سے باہر کسی منہدم دیوار کے پاس پھینک کر اور پتھروں سے ڈھک کر چلے آئے۔ (ابن جریر طبری)

غرض ابوجہل وغیرہ کی طرح ابولہب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ لسان الہی نے سورۃ النب میں اسی حرمان نصیب ماندہ درگاہ کے خسران ابدی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی بیوی اردوی بنت حرب جو ابوسفیان بن حرب کی حقیقی بہن اور اُمّ جمیل کی کنیت سے مشہور تھی پہلے ہی زندگی کی رسوائی سے نجات پا چکی تھی۔ سورۃ لب کی حمانہ الخطیبہ ہی فتنہ گر عورت ہے۔

عتبہ اور معتبہ کا روپوش ہونا | ابولہب کی اولاد چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دو بیٹے عتبہ اور عتبہ تو نعمت ایمان سے محروم رہے اور دو فرزند عتبہ اور معتبہ مشرف باسلام ہوئے۔ ان کی بہن دودہ بھی شرف ایمان سے بہرہ اندوز ہوئیں۔ فتح مکہ کے ایام میں عتبہ اور معتبہ مکہ معظمہ میں موجود تھے۔ تطہیر کعبہ کے بعد فخر کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ کے دونوں بھتیجے عتبہ اور معتبہ پسران ابولہب کیسے دکھائی نہیں دیے۔ جناب عباسؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! وہ دونوں بھی دوسرے اشتہاری مجرموں کی طرح کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ فرمایا جائیے انہیں کہیں سے تلاش کر لائیے۔ حضرت عباسؓ نے ان کی تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈ کر کما چلو تم کو رسول اللہؐ نے یاد فرمایا ہے۔ یہ دونوں چچا کے ساتھ بادِ معلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علم زادوں کے قبول اسلام | نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کے حال پر بڑی شفقت فرمائی۔ انہوں نے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے دونوں کو دائرۃ اسلام میں داخل کیا اور بیعت لی۔ اس کے

بعد آپؐ دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے انہیں باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان لائے اور لوگوں سے فرمایا یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیے ہیں۔ مراجعت کے وقت بُرخ اور دوزخ فرج و انبساط سے چمک رہا تھا۔ حضرت عباسؓ نے کہنے لگے یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اس غیر معمولی بشارت کا کیا سبب ہے؟ فرمایا

میں نے اپنے ان دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا اور اُس نے اپنی رحمت سے مجھے مرحمت فرمائے ہیں۔ یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے۔ عتبہ اور معتب غزوہ حُنین میں آنحضرت کے ساتھ تھے۔ عتبہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مکہ معظمہ میں وفات پائی ذی صابہ بحوالہ طبرانی و ابن سعد۔

فصل ۲۶۱۔ ہزیمت بد کی انتقام جونی

جنگ بدر میں ابوسفیان بن حرب کا بیٹا خطلہ مارا گیا تھا۔ اس کو حضرت زید بن حارثہ نے قتل کیا تھا۔ جب ابوسفیان بدر کے میدان جنگ سے بھاگ کر مکہ پہنچے تو قسم کھائی کہ جب تک جنگ کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بدلہ نہ لے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا اور نہ خلوت کرے گا۔ آخر قسم پوری کرنے کے لیے قریش کے دو سو سوار لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور ایک مقام پر جس کو صدر رقاعہ کہتے ہیں جا کر اترے۔ یہ مقام جو دامن کوہ میں واقع ہے، دارالہجرت سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ سواروں کو وہیں چھوڑ کر ابوسفیان خود رات کے وقت حی بن اخطب یہودی کے مکان پر گئے اور دستک دی لیکن معلوم نہیں کیا وجہ تھی کہ حی نے دروازہ نہ کھولا۔ یہاں سے ابوسفیان بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی کے پاس گئے۔ سلام نے ابوسفیان کی خوب آؤ بھگت کی اور بڑی خاطر مدارات سے پیش آیا۔ بڑی رات تک (خدا نخواستہ) خانہ بر اندازی اسلام کے مشورے سے ہوتے رہے۔ پھر ابوسفیان اپنے سواروں کے پاس پہنچے اور صبح کے وقت چند سواروں کو ترکاز کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ ایک مقام پر پہنچے جس کو عریض کہتے ہیں۔ یہاں سے مدینہ منورہ تین میل دور رہ جاتا ہے۔ اس جگہ ایک انصاری کے کھیت اور کھجوروں کے درخت تھے۔ انہوں نے ان میں آگ لگا دی۔ انصاری اور ان کا ساتھی سو رہے تھے۔ ان دونوں کو سوتے میں شہید کر دیا اور وہاں سے بھاگ کر ابوسفیان سے جا ملے۔ جب ہادی دین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو آپ مدینہ منورہ میں حضرت بشیر بن عبد المنذر ابوبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے بہ نقس نفیس دو سو بہادروں کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے۔ موضع قرقرۃ الکدر تک تلاش کرتے ہوئے آئے مگر ابوسفیان آپ کی آمد کی خبر سن کر

ایسے نوک دم بھاگے تھے کہ ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ابوسفیان عالم اضطراب میں بھاگتے وقت اپنا زاد راہ جو ستوؤں کی چند بوریاں تھیں چھوڑ گئے۔ اسی واسطے اہل ہیراس یورش کو غزوہ سویق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ پانچ دن کے بعد اپنے مستقر سعادت کو مراجعت فرمائے (سیرت ابن ہشام)

فصل ۲۶۲۔ بادۂ حق سے حضرت ابان بن سید کی مختوری

حضرت ابان بن سید بن عامر بن اُمیۃ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں جد مناف پر جا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ شرف اسلام سے پہلے یہ بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح داعی اسلام اور پیروان اسلام کے خطرناک دشمن تھے۔ جب ان کے بھائی خالد بن سید اور عمرو بن سید رضی اللہ عنہما اسلام کے سرچشمہ سعادت سے ہیراب ہوئے تو ابان نے ایک نظم میں اپنے دلی رنج کا اظہار کیا تھا۔ ان کی نظم کا ایک شعر یہ ہے۔

الْاَلِیْتُ مِیثًا بِالْطَّرِیْقَةِ شَآهِدًا | کاش قریبہ میں موت کی نیند سونے والا (باپ)
لَمَّا یَفْتَرِی فِی الدِّیْنِ عَمُوٌّ وَخَالِدٌ | دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پر دانی کی ہے
حضرت عمرو بن سید نے اس نظم کا جواب نظم ہی میں دیا جس کا آخری شعر یہ تھا۔
فَدَعِ عَنْكَ مِیثًا قَدْ مَضَى بِسَبِيلِهِ | واقبل علی الحق الذی ہوا ظہور
د اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق و صدق کی طرف آؤ جس کی سچائی بالکل ظاہر اور عیاں ہے)

ابان بن سید غزوہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوئے تھے۔ کچھ مدت کے بعد بغیر ہن تجارت شام گئے۔ وہاں ایک نامی راہب سے مل کر کہنے لگے کہ میں مکہ کا باشندہ قبیلہ قریش میں سے ہوں۔ ہمارے قبیلہ کا ایک شخص فرستادہ خدا ہونے کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھے بھی موسیٰ اور عیسیٰ کی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے۔ راہب نے نام پوچھا تو انہوں نے محمد اور احمد و ناس نام بتائے۔ راہب نے نام سننے کے بعد محض آسمانی

کے دوسرے نبی آخر الزمان کا سن اور نسب اور دوسری علامتیں بتائیں۔ ابان نے کہا اُس میں تو یہ تمام علامتیں موجود ہیں۔

یہ سن کر راہب بولا اگر یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ وہ بزرگ بہت جلد تمام عرب پر غلبہ و اقتدار حاصل کرے گا اور اُس کا دین دنیا پر چھا جائے گا۔ ابان نے دریافت کیا کہ مجھے جو اُس کے مخالفوں میں ہوں، اب کیا کرنا چاہیئے؟ راہب نے کہا کہ دنیوی طعناں کی حقیقت سب سے زیادہ نہیں اس لیے مناسب ہے کہ فرصت کو غنیمت سمجھو اور واپس جا کر اُس نبی برحق پر ایمان لاؤ۔ اور میری طرف سے اُس پر گزیدہ ہستی تک میرا سلام پہنچاؤ۔ ابان شام سے واپس ہوئے تو سابقہ رنگ بدل چکا تھا اور داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں موج زن تھی (اسد الغابہ)

کچھ دنوں تک جاہلیت کی عصبیت اور ہم چشموں کی ناراضی کا خیال قبول حق سے مانع رہا۔ آخر زیادہ دن تک جذبہ حق کو مغلوب نہ رکھ سکے چنانچہ مدینۃ الرسول جا کر مشرف بایمان ہوئے اور شمع نبوت کی دید سے آنکھیں روشن کیں۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ ان کے تمام جرائم پر خط غنوکھینچ دیا بلکہ کچھ دنوں کے بعد ان کو بحرین کے تری اور بھری دونوں حصوں کا حاکم بھی مقرر فرما دیا (استیعاب)

فصل ۲۶۳۔ سیدہ زینب بنت النبی کی ہجرت

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب کی شادی اُمّ المؤمنین خدیجہ کے بھائی ابوالعاص سے ہوئی تھی۔ ابوالعاص یہ کئی سال تک اپنے سابقہ عقائد پر مقرر ہے اور اسلام قبول نہ کیا، اس لیے ان سے سیدہ کی مفارقت ضروری تھی لیکن چونکہ حامل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں تفریق پر قدرت نہ تھی، وہ بدستور اپنے غیر مسلم شوہر کے پاس رہیں اور آپ سیدہ کو مکہ ہی میں چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔

اُمّ المؤمنین کا ہار غزوہ بدر میں ابوالعاص نے قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے گئے تھے۔ آخر یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ جب اہل مکہ نے اپنے اپنے اسیروں کی رہائی کے لیے ذریعہ مدینہ روانہ کیا تو

ابوالعاص قیدیہ میں

سیدہ زینبؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن زبج کو ابوالعاصؓ کی غلصی کے لیے کچھ مال دے کر مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔ اس مال فدیہ میں ایک ہار بھی تھا جو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ نے اپنی دختر ارجند سیدہ زینبؓ کی کد فدائی میں انہیں دیا تھا۔ خداوند عالم نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بڑا نرم بنایا تھا۔ جب آپؐ نے اس ہار کو دیکھا تو آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کی مصاحبت کا خوشگوار زمانہ یاد آگیا۔ آپؐ پر رقت طاری ہوئی اور زار و قطار رونے لگے۔ سیدہ زینبؓ آپؐ سے بہت دُور سے جدا تھیں اس لیے ان کے بلو بھیجنے کے لیے باتفاق صحابہؓ یہ تجویز قرار پائی کہ کچھ لیے بغیر ابوالعاصؓ کو رہا کر دیا جائے اور ان کا فدیہ یہی قرار دیا جائے کہ مکہ مکرمہ واپس جا کر سیدہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں (ابوداؤد، ابن سعد)

حضرت زیدؓ اور ایک انصاری کا مکہ بھیجا جانا
 آپؐ نے ابوالعاصؓ کو بلا بھیجا اور ان کا زہر فدیہ اور ہار واپس دے کر فرمایا تمہیں اس شرط پر بلا فدیہ رہا کیا جاتا ہے کہ تم مکہ پہنچ کر زینبؓ کو میرے پاس بھیج دو، انہوں نے اس شرط کو قبول کیا۔ آپؐ نے ابوالعاصؓ کے ہمراہ اپنے متبنتی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سلیم بن اسلم اوسی انصاریؓ کو اس غرض سے مکہ معظمہ روانہ فرمایا کہ سیدہ زینبؓ کو ساتھ لے آئیں اور دونوں کو ہدایت کر دیں کہ تم لوگ مکہ نہ جانا بلکہ شہر سے باہر وادی ناعج کے مقام پر ان کی آمد کا انتظار کرنا (ابوداؤد) ابوالعاصؓ نے وعدہ کے مطابق مکہ معظمہ پہنچ کر سیدہ زینبؓ کو ہودج میں بٹھایا اور اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن زبج سے کہا کہ ان کو وادی ناعج تک پہنچا آؤ۔ کنانہ اپنی لکان اور ترکش سنبھال کر دن کے وقت اونٹ کی ہمارے پٹے سے ہونے روانہ ہوا۔

ابوسفیان اور دوسرے اعداء سیدہ کے تعاقب میں
 جب قریش کو سیدہ زینبؓ کے جانے کا حال معلوم ہوا تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور فوراً تعاقب کی تیاری کی۔ ابوسفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی جستجو کو نکلے۔

اس جماعت میں ایک شخص بتیار بن اسود بھی تھا جس کے دل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ باوجودیکہ یہ شخص اُمّ المؤمنین خدیجہؓ کے عم زاد بھائی کا بیٹا تھا اور اس رشتہ سے سیدہ زینبؓ کا بھائی لگتا تھا، لیکن سرورِ انبیاءؐ کی عداوت کے باعث ان کے بھی عناد رکھتا تھا۔ فتاق کی اس جماعت نے سیدہ کا تعاقب کیا اور مقام ذی طویٰ میں دونوں

کو جا گھیرا۔

سیدہ کا مجروح ہونا | بتبار نے پہلے تو ان کے اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں اور جب سیدہ گر پڑیں تو نیزہ سے ان پر حملہ آور ہوا۔ عقیقہ بڑی طرح

زخمی ہو کر پتھر کی ایک چٹان پر گر پڑیں۔ سیدہ اس وقت حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ اس جفاکاری پر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالا اور کمایا دیکھو کہ اب جو کوئی ہمارے قریب آئے گا وہ میرے تیروں کا نشانہ بنے گا۔ یہ سن کر تمام اوباش پیچھے ہٹ گئے۔ اب ابوسفیان بن حرب اور بعض دوسرے اجلہ قریش آگے بڑھے۔ ابوسفیان نے کنانہ سے کہا عزیز من میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ تیرا لگ رکھو اور بات کرنے دو تو کہوں، کنانہ نے کہا اچھا آؤ اور کہو۔

سیدہ کی مکہ کو واپسی | ابوسفیان اس کے بالکل قریب جا پہنچے اور کہا یہ تم نے کوئی

دانا فی کا کام نہیں کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو علانیہ تمام لوگوں کے سامنے لیے جا رہے ہو۔ لوگ ہمیں بزدلی کا طعنہ دیں گے کہ قریش ہزیمت بدر کی وجہ سے اس ذلت و خواری کو پہنچ گئے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو بھی روک نہیں سکتے ہمیں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بیٹی کے روکنے میں کوئی فائدہ نہیں لیکن ہماری عزت اس میں ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو اور جب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو واپس لے آئے اور یہ چرچہ موقوف ہو جائے تو تم کسی دوسرے وقت میں چوری پیچھے اس کو لے جانا، کنانہ نے اس کو منظور کیا اور سیدہ زینب کو مکہ واپس لے آیا۔

راز داری کے ساتھ دوبارہ روانگی | چند روز کے بعد کنانہ انہیں راز داری کے ساتھ لے کر پھر روانہ ہوا اور وادی ناچج میں حضرت زید بن حارثہ اور سلمہ بن اسلم انصاری رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہے واپس آیا۔ حضرت زینب نیز سے کی

ضرب سے مدت تک علیل رہیں۔ اس اثنا میں کبھی کسی قدر افاقہ ہو جاتا اور کبھی پھر بيم پڑ جاتیں یہاں تک کہ اپنے شوہر حضرت ابوالعاص کے قبول اسلام کے بعد اسی صدمہ سے مدینہ منورہ میں رحلت فرما گئیں (طبری، ابن ہشام، الروض الاثف، ذرقانی علی المواہب) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتبار بن اسود سے جو آپ کی صاحبزادی کا حقیقی قاتل تھا عفو و درگزر فرمانے کے بعد جو کریمانہ سلوک کیا، اس کی تفصیل دران شاعر اللہ الکریم کتاب تل کبریٰ

میں اجاب کی نظر سے گزرے گی۔ حسب روایت اُمّ المؤمنین صدیقہ بنتی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ کی رحلت پر فرمایا وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری وجہ سے متائی گئی۔ (زرقانی بحوالہ طحاوی و حاکم)

غیر محرم کے ساتھ | حضرت سیدہ کے سفر ہجرت سے دل میں یہ غلجان پیدا ہوتا ہے کہ عورت کا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ ایسی حالت میں شارع عورت کا سفر کرنا | علیہ السلام نے انہیں دوا ایسے صاحبوں کے ہمراہ کیوں منگوا بھیجا جو ان کے محرم نہ تھے؟ اس کی نسبت گزارش ہے کہ اس وقت تک عورت غیر محرم سے پردہ کرنے کی مامور نہ تھی اور اسے غیر محرم کے ساتھ ہنوز سفر کرنے کی بھی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ اور اگر یہ وہ اور سفر نہ کرنے کا حکم نازل ہو چکا ہوتا تو بھی عورت اپنے زر خرید غلام سے نہ تو پردہ کرنے کی مامور ہے اور نہ اسے اس کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ حضرت زیدؓ پہلے تو محض زر خرید غلام تھے لیکن اس کے بعد مقتداے اُمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اس باپ اور بیٹے کے تعلق کو دوسروں پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت زیدؓ وہ بیٹا تھے جنہوں نے اپنے حقیقی باپ کے ساتھ وطن جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان سب امور سے قطع نظر اُمت کو اپنے پیغمبر سے جو والہانہ محبت و عقیدت ہوتی ہے اس پر ہزار محرم اور لاکھوں قرابت و اقربان کیسے جاسکتے ہیں۔

فصل ۲۶۴۔ مخفی راز کے انکشاف پر عازم قتل عدو کی خیرت اور اُس کے باطن میں نور توحید کی جلوہ گری

قریش کے جن افراد کو اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں خاص شغف تھا ان میں عیز بن وہب بن خلف جمعی بھی داخل تھے۔ بدر میں قریش کی ذلت و ذلالت کے بعد غیر جگر کے مقام میں اپنے دوست صفوان بن اُمیہ بن خلف بن وہب جمعی کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ مشرکین مشرکین صفوان کہنے لگے خدا کی قسم! اب زندگی بے لطف ہو گئی۔ غیر بلوے ہاں دوست سچ کہتے ہو۔ میں تو بدر میں شکست

کھانے کے بعد اپنی زندگی سے سخت بیزار ہوں خصوصاً ایسی حالت میں کہ میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے۔ اس کے بعد عمرؓ نے کہا کاش! میں بار قرض کے نیچے دبا نہ ہوتا اور اہل و عیال کا خیال نہ ہوتا تو میں شرب پہنچتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نقش و محمد صفوح ہستی سے محو کے قریش کو ہمیشہ کے لیے اس خرخشہ سے نجات دلا دیتا۔

صفوان نے کہا بھائی! اس وقت دنیا میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قتل سے بڑھ کر کوئی اہم و ضروری کام نہیں بہتر ہے کہ تم اس کام کو انجام دے کر قوم کا کلیجہ ٹنڈا کر دو۔ میں تمہیں بار قرض سے سبکدوش کرنے اور تمہارے اہل و عیال کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔ عمرؓ فرمایا یہ چاہتے ہی تھے۔ ان کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا اور صفوان کا بہت کچھ شکریہ ادا کرنے کے بعد سامان سفر متیا کر دینے کی درخواست کی۔ صفوان نے ضروری سامان فراہم کیا اور زہر تباہی بھی ہوئی ایک تلوار ان کے حملے کی عمرؓ نے یہ ہدایت کر کے کہ ابھی کچھ دنوں تک میرا حال سفر مخفی رکھنا مدینۃ الرسول کا راستہ لیا۔

جب شہر میں پہنچے تو حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ لیا اور معاً یقین ہو گیا کہ ضرور کسی فاسد ارادہ سے یہاں آیا ہے۔ اچانک عمرؓ کے سر پر پہنچے اور بڑی پھرتی سے ان کی تلوار کا قبضہ ایک ہاتھ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے ان کا گلا دبا لیا اور پچھلے دشمن خدا! مکہ سے یہاں کس غرض سے آیا ہے؟ عمرؓ نے جلد بازی سے کام نکالنا چاہا مگر جناب فاروقؓ نے کوان کی کسی بات کا یقین نہ آیا اور اسی طرح ٹینٹا دبا لے سرکار رسالت میں آئے۔ ان دونوں کو اس ہیئت میں دیکھ کر شفیق دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تمہارا انیس چھوڑ دیجئے۔ جب انہوں نے چھوڑ دیا تو فرمایا عمرؓ! میرے قریب آ جاؤ جب وہ آپ کے پاس گئے تو پوچھا کہ کس ارادہ سے یہاں آئے؟ کہنے لگے اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپ قید میں ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ پھر یہ تلوار کیسی لگے میں آؤں گا ہے؟ عمرؓ نے کہا آتے وقت لگے۔ اتارنا بھول گیا تھا اس لیے یہ لنگی رہ گئی مگر ان تلواروں نے بدر میں آپؐ کا کیا بگاڑ لیا، فرمایا اسی واسطے تم نے اور صفوان بن اُمیہ نے حجر میں میرے قتل کی سازش کی؟ اور صفوان نے تمہارے قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا اور تمہارے اہل و عیال کا خرچ اپنے ذمے لیا، عمرؓ پتے کی بات سن کر شائے میں آ گئے اور سخت حیرت کے ساتھ آپؐ کی طرف دیکھنے لگے کہ ان کو اس مخفی

کی کیونکر اطلاع ہوئی؟

اسخبر پہ اختیار ہو کر اسی زبان سے جس سے آپ کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے بولے محمد! واقعی آپ خدا کے فرستادہ ہیں۔ ہم آسمانی خبروں کے متعلق آپ کو ہمیشہ جھٹلاتے رہے۔ لیکن اب اس اطلاع کے متعلق میں بالکل لا جواب ہوں کیونکہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ یہ کہہ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ نے معاہد سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور ان کے فرزند کو آزاد کر دو چنانچہ اس کو بلا فدیہ رہا کر دیا گیا۔

ادھر مکہ معظمہ میں صفوان بن اُمیہ سر اپا انتظام بنے بیٹھے تھے اور قریش سے کہتے پھرتے تھے کہ میں تمہیں عنقریب ایک ایسا خردہ سناؤں گا کہ اس کے بعد ہزیمت بدر کا غم بھول جاؤ گے اور ہر آنے والے سے پوچھتے کہ شرب میں کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا؟ ایک دن خلاف توقع سنا کہ جس شخص کو شکار کے لیے بھیجا تھا وہ خود شکار ہو گیا۔ اس خبر سے بہت ہیچ و تاب کھایا اور عہد کر لیا کہ مدت العمر عمر سے ہم کلام نہ ہوں گا اور نہ اس کی کسی طرح مدد کروں گا۔ تمام قریش غیر کے اسلام پر اظہار ملامت اور طعن و تشنیع کرتے رہے۔ اس اثناء میں عمر نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر کے بارگاہ نبوت میں التماس کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں مکہ جا کر اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کروں۔ عجب نہیں کہ خدا ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آپ نے اجازت دی۔ حضرت عمر نے مکہ پہنچ کر بڑی سرگرمی سے دعوت و تبلیغ شروع کی اور ان کی کوششوں سے متعدد افراد نور ایمان سے مستعد ہوئے (تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۷۸)۔

عمر کے مشرف بایمان ہونے کے بعد مسبب الاسباب عز اسمہ نے ان کے لیے بارِ قرین سے سبکدوشی اور فراخ دستی کی بھی ایک ایسی سیل پیدا کر دی جو کسی کے دہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ حضرت عمر کے باپ نے مرنے سے پہلے بہت سارے مال بفرض حفاظت ایک جگہ دفن کر دیا تھا لیکن نہ تو کسی کو اس کی جگہ بتائی تھی اور نہ مرتے وقت وصیت کرنے کا موقع ملا تھا۔ مکہ معظمہ واپس آنے کے بعد حضرت عمر نے عالم رویا میں کسی کو یہ کہتے سنا کہ فلاں جگہ کھود کر اپنے باپ کا دھینہ نکال لو۔ انہوں نے بیدار ہو کر اس جگہ کو کھودا جہاں انہیں دس ہزار درم اور سونے کے ٹکڑے ملے۔ انہوں نے اپنا قرین ادا کیا اور آسودہ حال ہو گئے۔

چونکہ یہ واقعہ اس گھرانے کے قبول اسلام کے فوراً بعد رونما ہوا، حضرت عمر کی ایک کسبِ حسی کہنے لگی اہا جان! ہمارا یہ رب تو بہت اچھا ہے۔ یہ تمہیں اور عورتی معبودوں سے تو کہیں

بہتر ہے۔ ابھی ہم نے چند ہی روز اس کی پرستش کی تھی کہ ہم کو اتنی بڑی دولت بخش دی ہے۔
 پہل اور عزتی نے تو ساری عمر کچھ بھی نہ دیا تھا کتاب الشرح علامہ ابن قیم (م)
 سچ ہے جو خدا کا ہو جائے خدا خود اس کا میرا سامان بن جاتا ہے +

صفوان کی سعادت ایمانی | اب صفوان بن اُمیہ کا حال سنو۔ وہ فتح مکہ کے دن دوسرے

آقا سے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی جاں بخشی کی استدعا کی۔ آپ نے اس درخواست کو
 شرف قبول بخشا اور عیتر انہیں تلاش کر کے شہر لائے۔ صفوان بھی مکہ کے ان غیر مسلموں میں داخل
 تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ سے جہنم جاتے وقت لشکر اسلام کی رفاقت و ہمراہی اختیار کی تھی۔ فتح و ظفر
 کے بعد جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو صفوان حضرت امام المسلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدیم المثال اور
 ہمیش سے متاثر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے (اصحاب وغیرہ)

خاتمہ الكتاب | یہ فقیر بے استطاعت اس کریم کردگار کی نصرت بخشی کا شکر گزار ہے جس نے اس
 ناپسندیدہ کتاب کی توفیق ارزانی فرمائی۔ اس فقیر کا اصل وطن تحصیل وزیر آباد

(ضلع گجرات) میں دلاور نام ایک گاؤں ہے۔ لیکن اب کئی سال سے لاہور میں قیام ہے۔ اس
 کہ اس نامہ بیاہ نے عالم شباب میں اس کتاب کی ترتیب و تالیف کا عزم نہ کیا اور موجودہ وقت
 میں کہ عمر سنتر سال سے متجاوز ہے اور قوی بقضائے سن و دن بدن مضحل ہو رہے ہیں، راقم التحریہ
 اپنے اندر اس کتاب کے اتمام کی قدرت و صلاحیت نہیں پاتا۔ ہاں زندگی نے مہلت دی
 اور حالات سازگار ہوئے تو دوسری زیر تالیف کتابوں (شمائل کبریٰ) اور "سیرت ذوالنورین"
 کی تکمیل کا قصد ہے۔ واللہ الموفق لوصول المرام۔ اخیر میں اہل علم حضرات سے درخواست ہے
 کہ وہ ان اوراق میں جہاں کہیں سہو و خطا پائیں، اصلاح نصیح فرمادیں۔ واسأل اللہ العظیم
 ان يجعل ذلك خالصاً لوجهہ الكريم موجہاً للنفوس بجنات النعیم و صلی اللہ
 تعالیٰ علی خیر خلقہ مستقیداً لمحبتہ والہ واصحابہ واتباعہ اجمعین +

۱۳ ستمبر ۱۳۶۱ھ

۱۴ نومبر ۱۹۵۱ھ

ابوالقاسم رفیق دلاوری
 انارکلی - لاہور

کتبہ احقر العباد محمد یوسف کاتب ساکن حضرت کیلیا نوالہ۔ ضلع۔ گجرات نوالہ

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَقَالَ ارْجِعْ إِلَى اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ

سیرت کبریٰ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور انبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد دوم

جس میں ہاشمیں کا عام مقاطعہ، حبشہ کی طرف دوسری ہجرت، آپ کو زین، زرا اور حکومت کا پیشکش
حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق کا قبول اسلام، ابوطالب اور ام المومنین خدیجہ کا سفر آخرت
مجلس ایدار سانی کا قیام، معراج، تبلیغی دو بیسے، ال شرب کی بیعت اسلام، معجزہ شق القمر،
صحابہ کرام کی ہجرت، آپ کی ہجرت مقدسہ، قبایل ردد، مدینہ منورہ میں داخلہ، ہاجرین
و انصار میں اخوت و یگانگت کا قیام، حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام، مسجد نبوی
کی تعمیر منافقوں کا ظہور، یہود سے معاہدہ صلح، یہودی قوم کے اغراض و افکار کے اسباب
سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کی شادی، بخول قبلہ اور خضعت رمضان، مسلمانوں کو تلوار اٹھانے
کی اجازت، غزوہ بدر، سیدہ زینب کی ولایت، ہریت بدر کی انتقام جوئی اور وہ سکریم و اتعاب میں

مولانا ابوالقاسم فیض محمد لاوی، سیر ذوالنورین، فاطمہ شہناز کبریٰ
رئیس قادیان وغیرہ

ناشر: مکتبہ صدیقیہ بیرون بوہڑ دروازہ ملتان شہر

قیمت - 4/8/- RS.

تعداد ۱۲۵۰